3

تفسیر بصیرتِ قرآن

سُورۃ یُوسُف تا سُورۃ الأنبیاء

مولانا محمد آصف قاسمی

امیر جامعہ اسلامیہ کینیڈا

مکتبہ بصیرت قرآن

S-T-4 بلاک K، نارتھ ناظم آباد کراچی پاکستان

فہرست

پارہ نمبر ۱۲ تا ۱۳

• ومامن دآبۃ • وماآبرئ

سورۃ نمبر ۱۲

یُوسُفْ

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۂ یوسف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ نمبر	12
رکوع	12
آیات	111
الفاظ وکلمات	1808
حروف	7411
مقام نزول	مکہ مکرمہ

☆ حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کے پوتے اور حضرت ابرہیمؑ کے پڑپوتے ہیں۔

☆ حضرت یوسفؑ کی والدہ کا نام راحیل بنت لابان تھا۔

☆ حضرت یوسفؑ کا انتقال ایک سو دس سال کی عمر میں مصر میں ہوا۔

☆ ان کی وصیت تھی کہ ان کو ان کے انتقال کے بعد مصر میں دفن نہ کیا جائے۔ جب اللہ کا وعدہ پورا ہو کر فلسطین پر حکومت الٰہی قائم ہو جائے تو ان کو فلسطین میں دفن کیا جائے۔

☆ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ان کے جسم کو نکال کر فلسطین میں لے جا کر دفن کیا گیا۔

☆ بلاطہ (فلسطین) کے علاقے نابلس کے ایک گاؤں میں دفن کیا۔

ایک مرتبہ کفار مکہ نے جو نبی کریم ﷺ کی روز بروز ترقی سے جل کر خاک ہوئے جارہے تھے انہوں نے یہودیوں سے یہ کہا کہ کوئی ایسی بات بتاؤ جو ہم حضرت محمد ﷺ سے پوچھیں اور وہ جواب نہ دے سکیں۔ اس طرح ہمیں ان کا مذاق اڑانے اور نعوذ باللہ جھوٹا ثابت کرنے میں آسانی رہے گی۔ یہودیوں نے کہا کہ ان سے یوسفؑ کا واقعہ اور ان کے اہل خاندان کے فلسطین سے مصر آنے کی وجہ پوچھئے۔ اگر جواب نہ دے سکیں تو وہ نبی نہیں ہیں ان کا خیال یہ تھا کہ چونکہ مکہ والے اس واقعہ سے قطعاً ناواقف ہیں تو وہ اس کا جواب نہ دے سکیں گے۔ چنانچہ کفار مکہ نے آپ سے پوچھا کہ (۱) اے محمد ﷺ یہ بتائیے کہ حضرت یعقوبؑ جن کا لقب اسرائیل تھا ان کے اور ان کے اہل خاندان کے فلسطین سے مصر آنے کی وجہ کیا تھی؟ (۲) ان کا دوسرا سوال یہ تھا کہ حضرت یوسفؑ کے واقعات زندگی کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوالات کے جواب میں نہ صرف اس سورت کو نازل کیا بلکہ عبرت و نصیحت کے لاتعداد پہلوؤں کے علاوہ دو باتوں کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ پر جو حالات گذرے ہیں نبی کریم ﷺ پر بھی وہی حالات گذر رہے ہیں دوسری بات یہ کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کو ان کے قدموں پر جھکنا پڑا تھا اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے سامنے بھی کفار مکہ کو ذلت کے ساتھ جھکنا پڑے گا بعد کے حالات نے ان باتوں کو سچ کر دکھایا۔

اگر غور کیا جائے تو حضرت یوسفؑ اور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بے انتہا مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔

۱) حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے حسد اور بغض کرتے ہوئے ان کو قتل کرنے یا والد سے دور کرنے کی سازش کی۔ اسی طرح کی تدبیریں اور سازشیں کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیں۔

۲) برادران یوسفؑ نے اپنے بھائی کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں

☆ قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کا نام چھبیس مرتبہ آیا ہے چوبیس مرتبہ سورۃ یوسف میں، ایک مرتبہ سورۃ الانعام میں اور ایک مرتبہ سورۃ مومن میں آیا ہے۔
☆ قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کے واقعہ کو احسن القصص یعنی واقعات میں بہترین واقعہ فرمایا گیا ہے۔
☆ حضرت یوسفؑ کے واقعہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اگر ایک مردمومن اسلامی سیرت وکردار، حکمت ودانائی اور بہترین اخلاق کا پیکر ہوتو وہ تنہا شخص پورے ملک کو فتح کرسکتا ہے اور ناممکن کو ممکن بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔

اوران کو ذلیل کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے نہایت صبر واستقلال کا مظاہرہ کیا۔اسی طرح نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر ظلم وستم کی انتہا کردی گئی اور مکہ کی سرزمین کو ان کے لئے تنگ کردیا گیا لیکن نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے نہایت صبر وتحمل اور برداشت کا مظاہرہ فرمایا۔

٣) برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا تھا تا کہ وہ مرجائیں یا آنے جانے والا کوئی قافلہ ان کو اپنے ساتھ لے جائے۔روایات میں آتا ہے کہ حضرت یوسفؑ تین دن تک اس اندھے کنویں میں رہے جہاں اللہ نے ان کی دست گیری فرمائی اور ایک گذرنے والے قافلے نے آپ کو نکالا اور اللہ نے ان کو مصر پہنچادیا۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کے خلاف بھی سازش کی گئی اور آپ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔آپ ﷺ بھی تین دن تک غار ثور میں چھپے رہے۔

٤) جس طرح برادران یوسف کو حضرت یوسفؑ کے قدموں پر جھکنا پڑا اسی طرح کفار مکہ کو بھی آپ ﷺ کے سامنے جھکنا پڑا۔

٥) جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو معاف کردیا تھا اسی طرح فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے جانی دشمنوں کو معاف فرمادیا تھا۔

٦) جس طرح حضرت یوسفؑ کو اپنے وطن سے دور ہو کر عرج وترقی نصیب ہوئی۔اس طرح نبی کریم ﷺ بھی اپنا وطن مکہ چھوڑنے کے بعد دنیاوی عروج واقتدار ملا۔غرضیکہ حضرت یوسفؑ اور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بے انتہا مناسبت اور مشابہت ہے۔بقیہ تفصیل زیر مطالعہ تفسیر میں ملاحظہ کیجئے۔

سورۂ یوسف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۳

الف-لام-را (حروف مقطعات جن کے معنی اور مراد کا علم اللہ کو ہے)

یہ ایک واضح (روشن) کتاب کی آیات ہیں۔ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ تم سمجھ سکو۔ ہم نے جو یہ قرآن آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اس کے ذریعہ ہم آپ کو واقعات میں بہترین واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اگر چہ آپ اس سے پہلے (اس واقعہ سے) بے خبر تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۳

تِلْکَ	یہ۔(اسم اشارہ)
مُبِیْنٌ	واضح۔روشن
قُرْاٰنٌ	بہت پڑھا جانے والا
لَعَلَّ	شاید۔توقع

نَقُصُّ	ہم بیان کرتے ہیں
اَحْسَنُ الْقَصَصِ	قصوں میں بہترین
اَوْحَیْنَا	ہم نے وحی بھیجی
اِنْ کُنْتَ	اگرچہ تو تھا
اَلْغٰفِلِیْنَ	(غافل)۔بے خبر

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۳

سورۂ یوسف بارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اس میں عبرت ونصیحت اور حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کے لاتعداد پہلوؤں کے ساتھ ان کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت یوسف، ان کے والدین اور رشتہ دار فلسطین سے مصر کیسے پہنچے اہل عرب اس سے ناواقف تھے۔ خود نبی کریم ﷺ نے بھی کبھی اس واقعہ کو بیان نہیں فرمایا۔ کفار مکہ نبی کریم ﷺ پر اعتراض کے موقع کی تلاش میں رہتے تھی۔ کسی موقع پر کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ کو آزمانے کے لئے پوچھا کہ آخر وہ کونسی مجبوری تھی جس کی بنا پر حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسف فلسطین سے مصر آئے تھے اور وہیں آباد ہوگئے تھے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ مکہ والے تو اس واقعہ سے ناواقف تھے یہودیوں نے ان کو یہ بات سکھائی کہ ان سے یوسف کا واقعہ پوچھئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو اس پورے واقعہ پر مطلع فرمایا۔ حضرت یوسفؑ کا پورا واقعہ بائبل میں موجود ہے لیکن اگر قرآن کریم اور بائبل کا مطالعہ کیا جائے تو یہ فرق بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گا کہ بائبل میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ حسن وعشق کی ایک داستان لگتی ہے جب کہ قرآن کریم نے واقعاتی انداز سے ہٹ کر عبرت ونصیحت کے ان لاتعداد پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جن سے اخلاق انسانی کی اصلاح اور حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی اجاگر ہو کر سامنے آتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس واقعہ کو نبی کریم ﷺ کی زندگی اور حضرت یوسفؑ کی زندگی سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ:

۱) جس طرح حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حسد اور بغض کی بنا پر طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور ان کو والد کی نظروں سے دور کرنے کے لئے ایک اندھے کنویں میں ڈال کر وہ مطمئن ہوگئے تھے کہ اب ان کے والد کی پوری توجہ ان کی طرف رہے گی اور چند ٹکوں کے عوض انہوں نے اپنے بھائی کو فروخت کر دیا تھا مگر حضرت یوسفؑ نے نہایت صبر واستقلال اور عزم وہمت

سے مشکل حالات میں صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔اسی طرح کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے حسد کی آگ میں جل کر ایسی ایسی تکلیفیں پہنچائیں کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔نہایت صبر وتحمل سے ناخوشگوار اور اذیت ناک حالات کو برداشت کیا اور آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

۲) جب حضرت یوسفؑ ہزاروں تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد تیس سال کی عمر میں مصر کے بادشاہ بنادیئے گئے اور ہر طرح کی دنیاوی طاقت وقوت آپ کے ہاتھ میں آ گئی تب آپ نے پیغمبرانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے سوتیلے بھائیوں سے کوئی انتقام اور بدلہ نہیں لیا بلکہ انہوں نے یہ کہہ کر سب کو معاف کر دیا "لاتثریب علیکم الیوم" کہ تم سے آج کسی بات کا بدلہ نہیں لیا جائے گا اور حضرت یوسف نے ان کے ظلم وستم کو نظر انداز کر کے عفو وکرم کا معاملہ فرمایا۔

اسی طرح فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ پورے جزیرۃ العرب کے بلاشرکت غیرے حاکم اعلیٰ ہو چکے تھے اس وقت آپ ﷺ نے مکہ والوں سے خون اور ظلم وستم کا بدلہ لینے کے بجائے رحم وکرم اور عام معافی کا اعلان فرما دیا۔اور ارشاد فرمایا کہ جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے حاسد بھائیوں کو ان کے ظلم کے باوجود معاف کر دیا تھا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ "اذھبوا وانتم الطلقاء لاتثریب علیکم الیوم" کہ جاؤ تم سب میری طرف سے آزاد ہو کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

۳) جس طرح حضرت یوسفؑ کی طرف سے عام معافی کے بعد ان کو اس خواب کی تعبیر مل گئی کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کی طرف سے کفار مکہ کے لئے عام معافی مل جانے کے بعد دشمنان اسلام کو آپ ﷺ کے قدموں پر گرنا پڑا۔

غرضیکہ حضرت یوسفؑ اور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بڑی مناسبت ومشابہت ہے جس کو قرآن کریم نے ایک اچھوتے اور نرالے انداز سے پیش فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسفؑ کی آیات نازل فرما کر کفار مکہ کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی ہے کہ جس طرح برادران یوسفؑ نے بغض وحسد کر کے اپنے بھائی کو رسوا کرنا چاہا لیکن اللہ نے اسی شر میں سے خیر کو پیدا فرما کر ان کو عزت وعظمت کی سربلندیوں تک پہنچا دیا تھا اسی طرح وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پھر سے مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہو کر تمام عزت وعظمت کی بلندیوں پر پہنچیں گے اور کفار مکہ ذلیل اور رسوا ہو کر آپ کے قدموں کی دھول بن کر رہ جائیں گے۔

تاریخ کے صفحات اور قرآن کریم کی آیات گواہ ہیں کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو ہزاروں پریشانیوں ور مشکلات کے باوجود دنیاوی اعتبار سے بھی اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا ہے۔

زیر مطالعہ سورۂ یوسفؑ کی تینوں آیات میں کچھ الفاظ کی وضاحت پیش کی جارہی ہے تاکہ وہ الفاظ جن سے سورت شروع کی جارہی ہے واضح ہو جائیں۔

حروف مقطعات:- اس سورت کو " الٓر " سے شروع کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ان جیسے حروف کو مقطعات کہتے ہیں۔ معنی سے کٹے ہوئے یا علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے کیا معنی ہیں ان کے متعلق مفسرین یہی ایک بات لکھتے ہیں کہ "اللہ اعلم بمراده بذالک" اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے؟ ممکن ہے ان حروف کے معنی ہوں جن کا علم نبی کریم ﷺ کو دیا گیا ہو لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہ تو ان کے معانی بیان فرمائے ہیں اور نہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے پوچھا۔ ہمیں صحابہ کرامؓ کی طرح اس بات پر ایمان رکھنا چاہئے کہ ان حروف کی مراد سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر طور پر واقف ہیں۔

کتاب مبین:- قرآن کریم کی بہت سی صفات بیان فرمائی گئی ہیں اور اس کو متعدد جگہ "کتاب مبین، آیات مبین" فرمایا گیا ہے مراد یہ ہے کہ یہ قرآن کریم اپنے معانی میں اس قدر واضح اور کھلا ہوا ہے جس میں کوئی فلسفیانہ یا منطقی انداز نہیں ہے۔ کھلی کتاب زندگی ہے جو چاہے اس کو پڑھ کر اپنی ہدایت کا سامان کرسکتا ہے۔ نہ اس کے سمجھنے میں کوئی دشواری ہے اور نہ عمل کرنے میں۔ اگر پوری طرح دھیان دیا جائے اور توجہ کی جائے تو اس کو سمجھنا اور اس پر نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے مطابق عمل کرنا نہایت آسان ہے۔

قرآنا عربیا:- اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو عربی جیسی عظیم الشان زبان میں نازل کیا ہے جو اللہ کے کلام کے لئے نہایت موزوں اور اعلیٰ ترین زبان ہے۔ دوسرے یہ کہ اس قرآن کریم کے سب سے پہلے مخاطب اہل عرب ہیں۔ یہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان میں ہے جس کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہے جو تمہاری اپنی زبان ہے۔ جس کے کسی لفظ کے سمجھنے میں اہل عرب کے لئے کوئی دشواری نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ قرآن کریم صرف اہل عرب کے لئے ہے دوسروں کے لئے نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے قرآن کریم وہ کتاب ہے جو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے راہ ہدایت ہے۔ جس کو عربی جیسی عظیم اور محترم زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ اب یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک کو ساری دنیا تک پہنچائیں۔ اور اس کی عربیت کا خیال رکھیں۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں عطا کی جائیں گی۔ ہر حرف پر دس نیکیاں "عربیت" میں پوشیدہ ہیں اس کے ترجمے میں نہیں۔ اگر اس کا ترجمہ کسی بھی زبان میں کیا جائے گا تو بے شک اس ترجمہ کا پورا پورا ثواب عطا کیا جائے گا لیکن ترجمے کے حروف پر دس نیکیوں کا وعدہ نہیں فرمایا گیا۔ اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کریم کا صرف ترجمہ شائع کیا جائے اور اس کے ساتھ قران کریم کے عربی الفاظ و آیات نہ ہوں تو محض کسی زبان میں صرف ترجمہ پڑھنا اور ایسے ترجمے والے قرآن کو رکھنا حرام ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ الفاظ قرآن لکھے ہوں پھر ان کا ترجمہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آجکل بعض لوگ جواپنے خیال میں بہت عقل منداور ترقی پسند بنتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ الفاظ قرآن کے بغیر ترجمہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن میں ان لوگوں سے یہی عرض کروں گا کہ اگر یہ طریقہ اختیار کرلیا گیا تو اس سے اللہ نہ کرے قرآن کریم کا بھی وہی حشر نہ ہو جو بائبل کا ہو کر رہا۔ انہوں نے اپنی کتاب کا محض ترجمہ شائع کیا اور آج اصل کتاب ہی دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔ نہیں معلوم کہ جس کتاب کو بائبل کے طور پر پیش کیا جارہا ہے وہ وہی اصل بائبل ہے یا لوگوں نے اپنے طور پر کچھ ترجمہ گھڑ کر اس کو اللہ کی کتاب کے طور پر پیش کردیا ہے۔ یہاں تک سنا ہے کہ ہر پادری کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ کتاب میں وقت کے تقاضوں کے تحت تبدیلیاں کرسکتا ہے۔ بہرحال قرآن کریم کے ساتھ اس طرح کے انداز کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

احسن القصص: — واقعات میں واقعہ یوسفؑ کو سب سے خوبصورت اور حسین واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں کسی واقعہ کو اس طرح بیان نہیں فرمایا گیا۔ بارہ رکوعوں پر مشتمل ایک مکمل سورت میں سوائے حضرت یوسفؑ کے واقعہ کے اور کسی کا واقعہ بیان نہیں کیا گیا۔ لیکن اس پوری سورت میں اس کو ایک واقعاتی ترتیب یا قصے کہانی کے طور پیش نہیں کیا گیا بلکہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں عبرت و نصیحت کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی عین جوانی اور شباب کا دور ہے۔ ہر طرف سے بیگمات مصر ان کو اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھانا چاہتی ہیں لیکن اللہ نے ان کو کس طرح پاک دامن رکھا یہ واقعہ ساری دنیا کے نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

وحی کے ذریعہ: — اس واقعہ کا مکہ والوں کو پہلے سے علم نہیں تھا مگر اللہ نے وحی کے ذریعہ اس واقعہ کو بیان کر کے اس کے ہر پہلو کو وضاحت سے پیش فرمایا ہے۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ﴿٤﴾ قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٥﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦﴾

ع ۱ / ۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۴ تا ۶

جب یوسفؑ نے اپنے والد (حضرت یعقوبؑ) سے کہا کہ اے میرے ابا جان! میں نے گیارہ ستارے، چاند اور سورج کو (خواب میں) دیکھا ہے جو مجھے سجدہ کرر ہے ہیں۔ (حضرت یعقوبؑ نے) کہا کہ اے میرے بیٹے! تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تمہارے لئے کوئی چال چل جائیں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اور ایسا ہی ہوگا کہ تمہیں تمہارا رب منتخب کرے گا اور تمہیں بات کی (خوابوں کی تعبیر کی) گہرائی تک پہنچنے کا علم عطا فرمائے گا۔ تم پر اور آل یعقوبؑ پر وہ اپنی نعمت کو اسی طرح مکمل کرے گا جس طرح اس نے تمہارے باپ دادا ابراہیمؑ واسحاقؑ پر اس سے پہلے اپنی نعمت کو مکمل کیا تھا۔ بے شک تمہارا رب ہر چیز کا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴ تا ۶

لِاَ بِیۡهِ	اپنے باپ کے لئے
اِنِّیۡ رَاَیۡتُ	بے شک میں نے دیکھا ہے
اَحَدَ عَشَرَ	گیارہ
کَوۡکَبٌ	ستارے
اَلشَّمۡسُ	سورج
اَلۡقَمَرُ	چاند
سٰجِدِیۡنَ	سجدہ کرنے والے
یٰبُنَیَّ	اے میرے پیارے بیٹے
لَا تَقۡصُصۡ	بیان نہ کر، بیان مت کر
رُؤۡیَاکَ	تیرا خواب، آپ کا خواب

اِخْوَتِکَ	تیرا بھائی، آپ کا بھائی
یَکِیْدُوْا	وہ فریب کریں گے۔ چال چلیں گے
عَدُوٌّ	دشمن
یَجْتَبِیْکَ	تجھے منتخب کرے گا
یُعَلِّمُکَ	تجھے سکھائے گا
تَاْوِیْلُ	انجام۔ تعبیر
اَلْاَحَادِیْثُ	حدیثیں۔ باتیں۔ خواب
یُتِمُّ	پورا کرے گا
عَلٰی اَبَوَیْکَ	تیرے باپ دادا پر

تشریح: آیت نمبر ۴ تا ۶

سورۂ یوسفؑ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کے جس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے وہ درحقیقت ان کے صبر وتحمل اور ہمت واستقلال کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ جس میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کی بے انتہا زیادتیوں کے باوجود حالات کی تنگی پر نہ شکوہ کیا اور نہ اس کا بدلہ لیا۔

قرآن کریم میں ان کے واقعہ کی ابتدا ایک خواب سے کی گئی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو ان کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچنے کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ ایک دن حضرت یوسفؑ نے اپنے والد محترم حضرت یعقوبؑ کو اپنا یہ خواب سنایا۔ انہوں نے بتایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج ہیں جو انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ جو ایک جلیل القدر پیغمبر بھی ہیں انہوں نے خواب کی گہرائی تک پہنچتے ہوئے حضرت یوسفؑ کو شروع میں خواب کی تعبیر تو نہیں بتائی مگر اس بات کی تاکید فرمائی کہ تم اس خواب کو اپنی حد تک محدود رکھنا اور اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ خواب مت سنانا۔ کیونکہ یہ خواب اس قدر واضح ہے کہ اس کو سنا کر یقیناً ان کے حسد کی آگ اور بھڑک اٹھے گی اور وہ سمجھ جائیں گے کہ یوسف کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی سخت تدبیر کے کرنے پر مجبور ہو جائیں اور کوئی نقصان پہنچا دیں۔ اس

خواب کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ اے یوسفؑ اللہ تعالیٰ تمہیں منتخب فرمائے گا۔ تمہیں بات کی گہرائی معاملہ فہمی اور خوابوں کی تعبیر کا ایک ایسا علم عطا فرمائے گا جو ان سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیا گیا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے باپ دادا کے علم وفضل کا وارث بنائے گا۔ اور وہ نعمتیں جو تمہارے باپ دادا حضرت ابراہیم واسحاق علیھم السلام کو عطا کی گئی تھیں وہ ان کو تمہارے اوپر پورا فرمائے گا۔

خواب ایک حقیقت ہے جس کی سچائی سے انکار ممکن نہیں ہے اور خاص طور پر وہ خواب جو کوئی نبی یا رسول دیکھتا ہے اس کا درجہ وحی جیسا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے یہ دیکھا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو ذبح کررہے ہیں اور اس خواب کو انہوں نے مسلسل تین دن تک دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ خواب نہیں ہے بلکہ اللہ کا حکم ہے جو خواب کے ذریعہ ان کو دیا گیا ہے۔ پھر وہ حضرت اسماعیل کو منی کی طرف لے کر چلے تا کہ اللہ کے حکم کی تعمیل فرمائیں۔ لیکن اللہ نے حضرت اسماعیل کی جگہ ایک مینڈھا عطا فرمایا جس کو انہوں نے ذبح کیا اور اس خواب کی سچائی بھی سامنے آ کر رہی اور فرمایا کہ اے ابراہیم تمہارا خواب سچا تھا اور تم نے سچ کر دکھایا۔ ہمارا مقصد بیٹے کو ذبح کرانا نہیں تھا بلکہ ایک امتحان تھا جس کو تم نے پورا کر دکھایا۔ اس طرح خواب کی سچائی پر اللہ نے مہر لگادی اور بتادیا کہ انبیاء کرام کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں۔

خواب کی سچائی نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے بھی واضح ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔ شیطان کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ خواب میں میری صورت بنا کر آ جائے۔

اس وقت ہمارا موضوع خواب نہیں ہے لیکن علماء کرام نے اس آیت سے چند اصولی باتیں ارشاد فرمائی ہیں تا کہ ہر خواب دیکھنے والا ان ہدایات کو پیش نظر رکھے۔

(۱) جس خواب کے بیان کرنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو یا برے جذبات اور حسد کی آگ کے بڑھنے کا اندیشہ ہو اسے بیان نہ کرے۔ کیونکہ ایسے خواب شیطان کی طرف سے ہیں جو انسان کا ازلی دشمن ہے۔

(۲) اپنا خواب صرف اس شخص سے بیان کرے جو اس کا خیر خواہ ہو اور خواب کی تعبیر کے علم سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہر ایک کے سامنے اپنے خواب کو سناتے پھرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ خواب اس وقت تک معلق رہتا ہے جب تک اس کو بیان نہ کر دیا جائے اور سننے والے نے کوئی تعبیر نہ دیدی ہو جب تعبیر دیدی جاتی ہے تو پھر وہ اسی طرح واقع ہو کر رہتی ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لئے اس کو راز میں رکھنے سے مدد لو۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر اس شخص سے حسد کیا جاتا ہے جس کو اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا ہو۔

(٤) خواب دیکھتے ہی اور تعبیر حاصل کرتے ہی یہ نہ سمجھے کہ وہ فوراً ہی پوری ہو جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ بہت بعد میں اس کی تعبیر سامنے آئے۔ حضرت یوسفؑ کو اپنے خواب کی تعبیر تقریباً تیس سال کے بعد حاصل ہوئی۔

(٥) اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے تو اس کو بیان نہ کرے بلکہ اٹھ کر نماز پڑھ لے یا بائیں طرف تین دفعہ تھتھکار دے۔ ممکن ہو تو کچھ صدقہ دیدے۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ

وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۞ ٧ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَى أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۞ ٨ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۞ ٩ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۞ ١٠

ترجمہ: آیت نمبر ۷ تا ۱۰

یقیناً یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کے (واقعہ میں) پوچھنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ جب یوسف کے متعلق اس کے بھائیوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے والد کو زیادہ پیارے ہیں جب کہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں۔ بے شک ہمارے والد ایک کھلی غلطی کررہے ہیں۔ یوسفؑ کو قتل کردو یا کسی جگہ پھینک آؤ تا کہ تمہارے والد کی پوری توجہ تمہاری طرف ہوجائے۔ اس کے بعد پھر نیک لوگوں کی طرح بن جانا۔ ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ یوسفؑ کو قتل نہ کرو بلکہ اس کو ایک ایسے اندھے کنویں میں ڈال دو جہاں سے کوئی قافلہ اس کو اٹھا کر لے جائے اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷ تا ۱۰

كَانَ	ہے۔تھا
اَلسَّائِلِيْنَ	پوچھنے والے
اَحَبُّ	زیادہ محبوب ہے

عُصْبَةٌ	جماعت۔قوت
ضَلٰلٌ	گمراہ۔بھٹکنا
اُقْتُلُوْا	قتل کردو
اِطْرَحُوَا	ڈال دو۔پھینک دو
يَخْلُ	خاص ہوجائے۔خالی ہوجائے
وَجْهٌ	چہرہ
قَائِلٌ	کہنے والا
اَلْقُوْهُ	اس کوڈال آؤ
غَيٰبَتُ	گہرا۔اندھا
اَلْجُبُّ	کنواں
يَلْتَقِتُ	اٹھالے گا
اَلسَّيَّارَةُ	قافلہ
فٰعِلِيْنَ	کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۷ تا ۱۰

دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ اور دنیا کے دوسرے لوگوں کا رویہ بڑا مختلف ہوتا ہے۔لوگ دنیا میں اس شخص کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں جو طاقت ور ہوتے ہیں لیکن ماں باپ اولاد میں سے ان بچوں کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں جو چھوٹے اور کمزور ہوں۔حضرت یعقوبؑ کے گھرانے میں بھی یہی فرق تھا۔

حضرت یعقوبؑ نے سب سے پہلے حضرت لیا سے شادی کی جن کے بطن سے دس اولاد پیدا ہوئی حضرت لیا کے انتقال کے بعد حضرت یعقوبؑ نے دوسری شادی کی جن سے حضرت یوسفؑ اور ان کے چھوٹے بھائی بن یمین پیدا ہوئے حضرت یعقوبؑ

کے دس بڑے بیٹے نہایت تنومند اور لمبے چوڑے تھے اور جوان ہو چکے تھے جب کہ حضرت یوسفؑ اور بن یمین بہت چھوٹے تھے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ماں باپ کو ساری اولاد سے یکساں پیار ہوتا ہے مگر چھوٹے اور کمزور بچوں سے قدرتی لگاؤ ہوتا ہے جس کو دوسرے بھائی یہ محسوس کرتے ہیں کہ شاید ہمارے والد ہم سے محبت نہیں کرتے اور چھوٹے بچوں کو بہت چاہتے ہیں۔ حضرت یوسف کے بڑے سوتیلے بھائی ان سے حسد کرنے لگے۔ ایک دن آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے والد کو جتنی محبت حضرت یوسفؑ اور بن یمین سے ہم سے نہیں ہے حالانکہ ہم ایک جتھا، طاقت اور قوت ہیں۔ ہماری تعداد بھی زیادہ ہے ہم جو راحت و آرام والدین کو پہنچا سکتے ہیں ہمارے چھوٹے بھائی نہیں پہنچا سکتے۔ اس تصور نے ان کے حسد کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا اور یہ مشورہ کیا کہ اگر ہم کسی طرح یوسف کو والد کی نگاہوں سے دور کر دیں، ان کو قتل کر دیں یا کہیں ایسی جگہ پھینک آئیں جہاں سے وہ واپس نہ آ سکیں تو اس طرح ہم اپنے والد کی محبت کو اپنے لئے خاص کر لیں گے۔ کسی نے کہا کہ یوسف کو قتل کر دیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ اس کو کسی ویرانے میں چھوڑ دیا جائے تاکہ وہاں سے واپس نہ آ سکے۔ ایک بھائی نے مشورہ دیا کہ نہ تو حضرت یوسف کو قتل کیا جائے نہ کسی ویرانے میں چھوڑا جائے بلکہ کسی غیر آباد اندھے کنویں میں ڈالا جائے۔ اگر زندہ بچ گیا تو کوئی قافلہ اس کو اپنا غلام بنا کر دور دراز کے علاقے میں لے جائے گا۔ اس طرح کچھ دن کے بعد والد رو دھو کر صبر کر لیں گے۔ سب بھائیوں نے اس تجویز پر اتفاق کر لیا اور سب جمع ہو کر اپنے والد حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچ گئے۔ اس کی تفصیل اس کے بعد کی آیات میں بیان کی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حسد اتنی بڑی خرابی ہے جو انسان کو اس سے غافل کر دیتی ہے کہ اس کے سامنے کون ہے۔ اس کی نگاہوں سے سگے سوتیلے کا فرق بھی مٹ جاتا ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! حسد سے بچو! حسد انسان کے نیک اعمال کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس برائی سے محفوظ فرمائے آمین۔

جس طرح برادران یوسفؑ نے حسد کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت یوسفؑ کو راستے سے ہٹانے کی تدبیروں پر غور و فکر کیا بالکل اسی طرح کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے بغض و حسد اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو راستے سے ہٹانے کے لئے باہمی مشورہ کیا اور طے کیا کہ آپ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے۔ حضرت عمر جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے انہوں نے یہ ذمہ لیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو قتل کر دیں گے اس ارادے سے چل پڑے لیکن اللہ نے حضرت عمر فاروقؓ کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرما دیا اور وہ جس ارادے سے چلے تھے کہ دنیا سے آپ کو مٹا دیا جائے ایمان سے سرفراز ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ کے سب سے بڑے حامی بن گئے۔ بہر حال کفار مکہ نے برادران یوسفؑ کی طرح آپ کو راستے سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ ان آیات میں اللہ نے کفار مکہ کو یہ بتا دیا کہ انسان ایک حد تک سوچ سکتا ہے لیکن جب اللہ کی خفیہ تدبیر ہوتی ہے تو انسان کے سارے ارادے خاک میں مل جاتے ہیں۔ جس بات اور عمل سے وہ دوسروں کو گرانے اور حسد کرنے کی کوشش کرتا ہے وہی اس کی سربلندی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ
وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا
لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ
اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ
اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ
وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾
وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا
نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ
اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ
بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

الثلثة

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۸

(یوسفؑ کے بھائیوں نے) کہا کہ اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہوا کہ یوسفؑ کے
بارے میں آپ ہم پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اسے ہمارے
ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ کھائے اور کھیلے اور بے شک ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔
(حضرت یعقوبؑ نے) کہا کہ مجھے یہ اندیشہ فکرمند کر رہا ہے کہ تم اس کو لے جاؤ اور جب تم غافل

ہو تو اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ کہنے لگے کہ یہ کیسے ممکن ہے جب کہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں اگر ہماری موجودگی میں اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ تو ہم بالکل گئے گذرے ہوں گے۔

پھر جب وہ اس کو (یوسفؑ) کو لے گئے اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ اس کو اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے، تو ہم نے (یوسفؑ کی طرف) وحی بھیجی کہ تو ان کو (ایک دن) ضرور بتائے گا اور وہ تجھے پہچان نہ سکیں گے۔ اور وہ (برادران یوسفؑ) رات کو باپ کے پاس روتے پیٹتے پہنچے اور کہنے لگے کہ اے ہمارے ابا جان! ہم آپس میں دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے اور ہم نے یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا تو اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ آپ ہمارا اعتبار تو نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہیں۔ اور یوسفؑ کی قمیص پر جھوٹا خون بھی لگا لائے۔ (یعقوبؑ نے) کہا کہ یہ بات تم نے اپنے دل سے گھڑ لی ہے۔ اب صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو کچھ تم نے بیان کیا اس پر اللہ ہی مدد فرمائے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱ تا ۱۸

مَالَکَ	تجھے کیا ہو گیا
لَا تَاْمَنَّا	تو ہم پہ اطمینان نہیں کرتا ہے
نٰصِحُوْنَ	نصیحت کرنے والے۔ خیر خواہ
اَرْسِلْ	بھیج دے
غَدًا	کل۔ آئندہ۔ صبح
یَرْتَعْ	کھاتا ہے یا کھائے گا
یَلْعَبْ	کھیلتا ہے یا کھیلے گا
لَیَحْزُنُنِیْ	البتہ مجھے رنجیدہ کرتی ہے
اَنْ یَّاْکُلَهٗ	یہ کہ وہ کھائے

اَلذِّئْبُ	بھیڑیا
اَنْ یَّجْعَلُوْہُ	یہ کہ وہ اس کو ڈال دیں
عِشَآءً	رات کے وقت
یَبْکُوْنَ	وہ روتے ہیں یا روئیں گے
ذَھَبْنَا	ہم چلے گئے
نَسْتَبِقُ	ہم دوڑ کا مقابلہ کر رہے ہیں
تَرَکْنَا	ہم نے چھوڑ دیا
عِنْدَ	نزدیک
مَتَاعِنَا	ہمارا اپنا سامان
دَمٌ کَذِبٌ	جھوٹا خون
سَوَّلَتْ	بنالی ہے۔ برابر کرتی ہے
صَبْرٌ جَمِیْلٌ	اچھا صبر
اَلْمُسْتَعَانُ	(اِسْتِعَانَۃٌ)۔ مدد مانگی جائے
تَصِفُوْنَ	تم گھڑتے ہو

تشریح: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۸

برادران یوسفؑ نے یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ حضرت یوسفؑ کو راستے سے ہٹا دیا جائے تا کہ والد کی محبت میں کوئی اور شریک نہ ہو۔ حضرت یوسفؑ کے چھوٹے بھائی بن یمین کی کم عمری کی وجہ سے وہ مطمئن تھے اس لئے صرف حضرت یوسفؑ کو اندھے کنویں میں ڈالنے کیلئے کوشاں تھے۔ ایک دن تمام بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ اے ابا جان! ہم جب

سیر وتفریح کے لئے جاتے ہیں تو اپنے بھائی یوسف کے نہ ہونے سے بڑی کمی محسوس کرتے ہیں۔ہم اس کے خیر خواہ ہیں مگر آپ ہم پر اطمینان کا اظہار نہیں کرتے۔آج تو ان کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ جائیں کھیلیں کودیں اور تفریح کا لطف اٹھائیں۔ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہر ممکن ان کی حفاظت کریں گے۔ممکن ہے برادران یوسفؑ نے ذہنی طور پر پہلے ہی سے حضرت یوسف کو بھی تیار کرلیا ہو۔حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ یوسف کی ذراسی جدائی بھی مجھے رنجیدہ کردیتی ہے اور پھر تمہارے ساتھ بھیجنے میں مجھے یہ اندیشہ ہے کہیں تمہاری بے خبری اور بے توجہی میں یوسفؑ کو کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے۔کیونکہ اس زمانہ میں جنگلوں میں بھیڑیئے زیادہ ہوتے تھے۔بھائیوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے جب کہ ہم ایک جتھا ہیں قوت وطاقت میں بھی کم نہیں ہیں۔اگر ہماری موجودگی میں یہ واقعہ ہوجائے تو یہ ہمارے لئے بڑے خسارے اور نقصان کا سودا ہوگا۔تھوڑی سی بحث وگفتگو کے بعد آخر کار حضرت یعقوبؑ اس بات پر رضامند ہوگئے کہ حضرت یوسفؑ کو وہ اپنے ساتھ لے جائیں۔فرمایا کہ اللہ نے حضرت یوسفؑ کے دل میں اس بات کو جمادیا اور فرمادیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ اے یوسفؑ! تم ان کو یہ سارا واقعہ سناؤ گے اور وہ تمہیں پہچان بھی نہ سکیں گے۔بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو پروگرام کے مطابق ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا جہاں اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی۔رات کو روتے پیٹتے برادران یوسف اپنے والد کے پاس آئے اور کہنے لگے ابا جان! آپ صحیح کہتے تھے، ہم کھیل کود رہے تھے اور سامان کے پاس ہم نے یوسفؑ کو بٹھا دیا تھا۔بھیڑیا آیا اور ان کو کھا گیا۔ثبوت کے طور پر انہوں نے حضرت یوسفؑ کا قمیص پیش کیا جس پر جھوٹ موٹ کا خون لگا ہوا تھا کہنے لگے ابا جان! آپ تو ہم پر اطمینان کا اظہار نہیں کریں گے لیکن ہم سچ کہہ رہے ہیں یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا ہے۔حضرت یعقوبؑ نے کہا کہ یہ بات تم نے خود ہی گھڑلی ہے اور جس چیز کا تم اظہار کررہے ہو میرا دل نہیں مانتا کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔اب میں اس واقعہ پر صبر ہی کرسکتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا طلب گار ہوں۔

یہ واقعہ قرآن کریم نے نہایت مختصر لفظوں میں ارشاد فرمایا جس سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) سازشی عناصر ہمیشہ ''خیر خواہی'' کا لبادہ اوڑھ کر اپنی سازشوں پر بہت خوش ہوتے ہیں لیکن اس کارخانہ قدرت میں ہر چیز ایک لگے بندھے نظام کے تحت چل رہی ہے۔سازشیں کرنے والے حسد کی آگ میں جلنے والے اپنی تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہی سب سے بہتر تدبیر ہوتی ہے۔سازشی عناصر جس چیز کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں در حقیقت وہی ان کی شکست اور تباہی اور ذلت کا سامان بن جاتی ہے۔برادران یوسفؑ اس بات پر خوش تھے کہ ہم نے اپنی حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرلیا اور والد کی نگاہوں سے اس کو دور کردیا جو ان کے نزدیک والد کی محبت میں رکاوٹ بن رہا تھا لیکن قدرت نے حضرت یوسفؑ کے لئے اس سربلندی کا فیصلہ فرمالیا تھا جو ان کے تصور میں بھی نہیں تھا۔اسی لئے فرمایا کہ اللہ نے حضرت یوسفؑ کے دل کو جمادیا کہ اے یوسف! تم فکر مت کرنا ان کو اپنی تدبیریں اور سازشیں کرنے دو ایک وقت آئے گا کہ تم ان بھائیوں کے سامنے اس سارے واقعہ کو بیان کروگے اور وہ تمہیں پہچان نہ سکیں گے۔

اسی طرح کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے تھے وہ اپنے ہر ظلم کو اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے حالانکہ قدرت کے اصول کے تحت وہ ہر روز اپنی ذلت اور شکست کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔ کفار مکہ کے ظلم اور زیادتیوں وراذیتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ سے نکل کر حبشہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور وہ دن بھی آ گیا جب رسول اللہ ﷺ بھی بیت اللہ کی سرزمین کو اللہ کے حکم سے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن مکہ مکرمہ سے یہی ہجرت اہل ایمان کی اس سربلندی کا ذریعہ بن گئی جس کا کفار مکہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کفار مکہ سمجھ رہے تھے کہ چلو اچھا ہوا ہمارے راستہ کا کانٹا نکل گیا لیکن یہی قدم نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی ترقی کا سنگ میل ثابت ہوا۔

٢) حضرت یوسفؑ کے قمیص پر جھوٹا خون لگا کر برادران یوسفؑ سمجھ رہے تھے کہ ہم اپنے والد کو دھوکہ دے سکیں گے۔ لیکن حضرت یعقوبؑ سمجھ گئے یہ سب من گھڑت کہانی ہے، اس موقع پر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ یہ کہانی تم نے اپنے دل سے گھڑلی ہے حقیقت کچھ اور ہے۔

٣) جب کوئی مشکل یا مصیبت کا وقت آتا ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ وہ رنج وغم میں اپنے کپڑے نہیں پھاڑتے وہ کپڑوں پر جھوٹا رنگ ڈال کر واویلا اور شور نہیں مچاتے بلکہ ان کی زبان پر ایک ہی بات ہوتی ہے کہ یہ مصیبت اللہ کی طرف سے ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے وہ بات کی مصلحت اور بھلائی کو جانتا ہے ہم اسی سے مدد کے طلب گار ہیں۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾

٢ ع ١٤ ١٢

ترجمہ: آیت نمبر ١٩ تا ٢٠

اور ایک قافلہ آ گیا۔ انہوں نے اپنا ایک آدمی پانی لانے بھیجا جب اس نے (کنویں میں) اپنا ڈول ڈالا تو وہ چلا اٹھا۔ اے لوگو! مبارک ہو یہاں تو ایک بڑا اچھا لڑکا ہے اور انہوں نے اس کو مال تجارت سمجھ کر چھپا لیا اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کر رہے تھے۔

انہوں نے (برادران یوسف نے) اس کو گنتی کے چند درہموں میں بیچ ڈالا۔ اور وہ اس کے بارے میں ان کی قدر کرنے والے نہ تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۹ تا ۲۰

اَرْسَلُوْا انہوں نے بھیجا

وَارِدٌ پانی لانے والا

اَدْلٰی اس نے ڈالا۔ نیچے لٹکایا

دَلْوٌ ڈول (جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے)

بُشْرٰی خوش خبری

غُلَامٌ لڑکا

اَسَرُّوْا انہوں نے چھپالیا

بِضَاعَةٌ مال تجارت۔ پونجی

شَرَوْا انہوں نے فروخت کردیا۔ بیچ دیا

ثَمَنٌ قیمت

بَخْسٌ گھٹیا۔ بہت تھوڑا

اَلزَّاهِدِيْنَ نفرت کرنے والا۔ قدر نہ کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۰

حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں نے جب حضرت یوسفؑ کو ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا اور سارے بھائی جھوٹے آنسو بہاتے اور یہ کہتے ہوئے اپنے والد حضرت یعقوبؑ کے پاس آئے کہ ہماری بے خبری میں یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا اور یوسفؑ کی خون آلود قمیص بھی لاکر پیش کردی اس وقت حضرت یعقوبؑ نے اس واقعہ کو رضائے الٰہی سمجھ کر صبر فرمایا اور اللہ کی بارگاہ میں مدد اور رہنمائی کے طلب گار ہوگئے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت یوسفؑ تین دن تک اس کنویں میں رہے، اور برادران یوسفؑ

حالات پر برابر نگرانی کرتے رہے۔ ایک دن مدین سے مصر کی طرف جانے والا ایک قافلہ وہاں سے گذرا۔ قافلے والوں نے کسی کو پانی کی تلاش میں اپنا ڈول ڈالنے کے لئے کہا۔ جب اس نے ڈول ڈالا تو حضرت یوسف نے ڈول کی اس رسی کو پکڑ لیا جو ڈول میں بندھی ہوئی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت بچہ اس کنویں میں موجود ہے تو اس نے قافلے والوں سے چلا کر کہا اے قافلے والو! مبارک ہو ایک بہت اچھا غلام ہاتھ لگ گیا ہے۔ وہ سب دوڑے ہوئے آئے اور انہوں نے حضرت یوسفؑ کو باہر نکالا اور اس تصور سے بے بہت خوش ہوئے کہ اس بچے کو جب مصر میں فروخت کریں گے تو بہت اچھے دام مل سکیں گے ''مال تجارت'' سمجھ کر حضرت یوسفؑ کو چھپالیا تاکہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ برادران یوسف جو برابر نگرانی کر رہے تھے جب ان کو مدین کے اس قافلے کا علم اور یقین ہو گیا کہ حضرت یوسف قافلے والوں کے قبضے میں ہیں تو انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ ہمارا ایک غلام گھر سے بھاگ کر آ گیا ہے اور وہ اس کو واپس بھی لینا نہیں چاہتے۔ اگر تم اس کے مناسب دام دے دو تو ہم اپنا غلام تمہارے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں روایات میں آتا ہے کہ اٹھارہ درہم پر فیصلہ ہو گیا۔ برادران یوسفؑ نے اپنے بھائی کو ایک معمولی سی رقم کے بدلے میں فروخت کر دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ قافلے والے اس بات پر مطمئن ہو جائیں کہ یہ مال چوری کا نہیں ہے بلکہ باقاعدہ خریدا گیا ہے۔

اس واقعہ میں یہ نقطہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اس اندھے کنویں میں تین دن تک رہے اور پھر اس قافلے والوں کی حفاظت میں آ گئے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے بھی جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفار مکہ آپ ﷺ کا پیچھا کر رہے تھے تو آپ بھی غار ثور میں تین دن تک چھپے رہے۔ حضرت یوسفؑ اور نبی کریم ﷺ کے واقعات میں ایک یہ بھی مناسبت ہے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۱ تا ۲۲

اور مصر کے جس شخص نے (یوسفؑ کو) خریدا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو اچھی طرح عزت سے رکھنا۔ ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں۔ اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کے اس سرزمین میں قدم جمادیئے۔ تا کہ ہم اس کو باتوں کا انجام (جیسے خوابوں کی تعبیر وغیرہ) نکالنا سکھائیں۔ اور اللہ اپنے کام میں غالب رہتا ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں۔ اور جب (یوسفؑ) اپنی قوت (جوانی) کو پہنچ گیا تو ہم نے اس کو علم وحکمت سے نوازا اور ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۱ تا ۲۲

اِشْتَرٰی — خرید لیا۔ بیچ دیا (دونوں معنی آتے ہیں)

اِمْرَاءَ ۃٌ — عورت۔ بیوی

اَکْرِمِیْ — عزت سے رکھ

مَثْوَاہُ — ٹھکانا۔ مقام

یَنْفَعُنَا — وہ ہمیں فائدہ دے گا

نَتَّخِذُ — ہم بنالیں گے

وَلَدٌ — بیٹا

کَذٰلِکَ — اسی طرح۔ اس طرح

مَکَّنَّا — ہم نے ٹھکانا دیا۔ جمادیا

نُعَلِّمُ — ہم سکھاتے ہیں

اَلْاَحَادِیْثُ — (حدیث)۔ باتیں

غَالِبٌ — غلبہ وقوت پانے والا

اَمْرٌ	کام
لَا يَعْلَمُوْنَ	وہ جانتے نہیں
بَلَغَ	وہ پہنچ گیا
اَشُدَّهُ	اپنی قوت کو اپنی جوانی کو
اٰتَيْنَا	ہم نے دیا
حُكْمٌ	حکمت۔ دانائی
عِلْمٌ	علم۔ جاننا
نَجْزِىْ	ہم بدلہ دیتے ہیں۔ جزا دیتے ہیں
اَلْمُحْسِنِيْنَ	نیک کام کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۲۱ تا ۲۲

عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہی عزت سے نوازتا ہے اور وہی ذلت بھی دیتا ہے اگر عزت وذلت انسان کے ہاتھ میں ہوتی تو وہ کبھی کسی کو عزت سے نہ نوازتا بلکہ ہر ایک کو ذلیل ورسوا کر کے رکھ دیتا۔ برادران یوسفؑ نے حضرت یوسفؑ سے حسد کیا اور ان کو اپنے والد کی نظروں سے گرانے اور دور کرنے کی تدبیریں کیں لیکن اللہ نے ان کی تدبیروں کو الٹ دیا اور حضرت یوسفؑ کو عزت کا بہترین ٹھکانا عطا فرمادیا۔ مدین سے مصر جانے والا قافلہ حضرت یوسف کو بازار مصر میں لے کر پہنچا تا کہ ان کو ایک غلام کی حیثیت سے فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ مال کما سکے۔ حضرت یوسفؑ کے حسن وجمال سے متاثر ہو کر ہر ایک نے زیادہ سے زیادہ قیمت لگانا شروع کر دی یہاں تک کہ ان کے وزن کے برابر سونا، مشک اور اسی وزن کے ریشمی کپڑے تک عوض میں دینے کی بولی لگادی گئی۔

مصر کی حکومت کا وزیر اعظم ''عزیز مصر'' جو شاہی خاندان کا سب سے بڑا اور معتمد آدمی تھا اور حکومت مصر کی فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ اس کی نگاہ حضرت یوسفؑ پر پڑ گئی کہ لوگ بڑھ چڑھ کر بولیاں لگا رہے ہیں۔ اس نے سب سے زیادہ قیمت دے کر حضرت یوسفؑ کو خرید لیا۔ نبی کریم ﷺ نے شب معراج حضرت یوسفؑ سے بھی ملاقات فرمائی تھی۔ فرمایا کہ حضرت یوسف اتنے حسین وجمیل ہیں کہ اللہ نے کائنات میں جتنا حسن پیدا کیا ہے اس میں سے آدھا حضرت یوسفؑ کو عطا فرمایا ہے۔ عزیز مصر حضرت یوسفؑ کو لے کر اپنے گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کوئی غلام نہیں ہے اس کو عزت واحترام سے گھر میں رکھنا۔ ممکن ہے

کہ ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں بہر حال ہر اعتبار سے یہ ہمیں فائدہ ہی دے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور کرم سے حضرت یوسفؑ کو ایک باعزت گھرانے میں ٹھکانا عطا فرمادیا۔ واقعی اللہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر غلبہ وقوت رکھتا ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو ذہانت، حکمت اور علم کی دولت سے نوازا تھا اور ان کو بات کی گہرائی تک پہنچنے اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی عطا فرمایا تھا۔ یہ حضرت یوسفؑ کے صبر وتحمل اور نیکی کا صلہ تھا جو انہیں اللہ نے عنایت فرمایا۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾

ع ۳ ۹ ۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۹

اسے (یوسفؑ کو) اس عورت نے اپنی طرف بہکانے کے لئے کہا جس کے گھر میں وہ رہتا تھا اس نے دروازے بند کر لئے اور اس عورت نے کہا کہ ''آ جلدی کر'' (یوسفؑ نے) کہا کہ اللہ کی پناہ میرے رب نے مجھے اتنا بلند مقام اور ٹھکانہ عطا کیا ہے۔ بے شک جو ظالم ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔

اور یقیناً اس عورت نے ارادہ کیا اور اگر وہ (یوسفؑ) اللہ کی ایک نشانی کو نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی ارادہ کرتے۔ اور اسی طرح ہم برائی اور بے حیائی کو دور کیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔ اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے اس عورت نے اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی تھی۔ دروازے پر ان دونوں نے اس (عورت کے) شوہر کو پایا۔ وہ کہنے لگی کہ اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے تیری بیوی سے برا ارادہ کیا۔ سوائے اس کے کہ اس کو قید کر دیا جائے یا اس کو عبرت ناک سزا دی جائے۔

(یوسفؑ نے) کہا یہ عورت ہی مجھے اپنے نفس کی طرف مائل کرنا چاہتی تھی۔ اور اس عورت کے خاندان کے ایک شخص نے گواہی دی (اور کہا کہ) اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو یہ عورت جھوٹی ہے اور وہ سچے لوگوں میں سے ہے۔ پھر جب (یوسفؑ کی) قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو (عزیز مصر نے) کہا کہ یہ تم عورتوں کے فریب میں سے ایک فریب ہے۔ بلا شبہ تم عورتوں کا مکر وفریب بہت بڑا ہوتا ہے۔ اے یوسف! تو اس معاملہ کو نظر انداز کر دے اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۳ تا ۲۹

رَاوَدَتْ — اس نے بہکایا۔ پھسلایا

عَنْ نَفْسِهٖ — اپنے نفس سے۔ اپنی طرف

غَلَّقَتْ — بند کر دیئے

اَبْوَابٌ	دروازے
هَيْتَ لَکَ	آ۔اپنا کام کر
مَعَاذَ اللّٰهِ	اللہ کی پناہ
اَحْسَنَ	زیادہ بہتر
مَثْوَا	ٹھکانا۔مقام
لَا يُفْلِحُ	فلاح نہیں پاتا۔کامیاب نہیں ہوتا
هَمَّتْ	ارادہ کیا(مونث)
هَمَّ	ارادہ کیا
لَوْلَاَ	اگر نہ ہوتا(حرف شرط ہے)
اَنْ رَّاٰ	یہ کہ دیکھا
بُرْهَانٌ	دلیل۔نشانی
لِنَصْرِفَ	تا کہ ہم دور کردیں۔پھیر دیں
اَلسُّوْءُ	برائی
اَلْفَحْشَاءُ	(فحش)بے حیائی کے کام
اَلْمُخْلِصِيْنَ	خالص کرنے والے
اِسْتَبَقَا	وہ دونوں آگے پیچھے دوڑے
قَدَّتْ	پھاڑ دیا
دُبُرٌ	پیچھے۔(پشت کے حصے کو دبر کہتے ہیں)
اَلْفَيَا	اَلْفَاءَ(ماضی کا صیغہ)دونوں نے پایا
سَيِّدٌ	سردار۔(یہاں شوہر مراد ہے)
لَدَا الْبَابِ	دروازے کے پاس
مَا جَزَاءُ	کیا بدلہ ہے؟ کیا سزا ہے؟

اَرَادَ	ارادہ کیا
بِاَ هْلِکَ	تیری بیوی کے ساتھ
اَنْ يُّسْجَنَ	یہ کہ اس کو قید کیا جائے
رَاوَدَتْنِیْ	اس نے مجھے قابو کرنا چاہا
شَهِدَ	گواہی دی اس نے
قُدَّ	پھٹا ہوا
صَدَقَتْ	اس عورت نے سچ کہا
قُبُلٌ	آگے کا حصہ
كَذَبَتْ	اس نے جھوٹ کہا
كَيْدُكُنَّ	تم عورتوں کا مکروفریب
اَعْرِضْ	منہ پھیر لے۔نظرانداز کردے
اِسْتَغْفِرِیْ	(اے عورت تو) استغفار کر
لِذَنْبِكِ	اپنے گناہ کے لئے
اِنَّكِ كُنْتِ	بے شک تو ہی ہے
اَلْخٰطِئِيْنَ	خطا کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۹

دنیا میں طرح طرح کے حالات پیش آتے ہیں اچھے بھی اور برے بھی نیکی کے بھی اور برائی کے بھی۔عزم وہمت والے لوگ وہی ہوتے ہیں جو اچھے اور برے حالات میں نیکی پرہیزگاری اور حق وصداقت پر قائم رہتے ہیں کسی لالچ اور خوف سے نیکی اور سچائی کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ایسے لوگوں کی غیب سے بھرپور مدد کی جاتی ہے اور اللہ ان کو بڑے سے بڑے حالات سے صاف نکال دیتا ہے۔

عزیزِ مصر نہایت محبت اور احترام سے حضرت یوسفؑ کو اپنے گھر لے آیا اور ان سے غلاموں جیسا معاملہ کرنے کے بجائے گھر کے ایک فرد کی طرح ہر ایک آرام کا خیال رکھنے لگا۔ جب حضرت یوسفؑ عزیزِ مصر کے گھر میں آئے تھے اس وقت بعض روایات کے مطابق ان کی عمر سات آٹھ سال کی تھی لیکن چند ہی سال میں وہ ایک خوبصورت ترین نوجوان بن کر ابھرنے لگے۔ اللہ نے کائنات میں جتنا بھی حسن پیدا کیا ہے اس میں سے آدھا حسن حضرت یوسفؑ کو عطا فرمایا گیا تھا، حضرت یوسفؑ جوان ہوتے گئے اور ان کا جمال اور خوبصورتی نکھرتی چلی گئی۔ عزیزِ مصر کی بیوی (بعض روایات کے مطابق) جس کا نام زلیخا آتا ہے وہ اس بھرپور اور شرم وحیا کے پیکر جوان پر مرمٹی اور اس نے نفس کے غلبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ایک دن اس نے اپنے خصوصی کمرے میں حضرت یوسفؑ کو بلایا، دروازے بند کر لئے، اپنے اس بت پر جس کو وہ اپنا معبود کہتی تھی اس پر کپڑا ڈال کر اپنی بے تابی کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی کہ اے یوسف میرے قریب آ ؤ۔ حضرت یوسفؑ نے اس کی نیت کو بھانپ کر اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے کہا کہ میرے مربی یعنی عزیزِ مصر نے مجھے عزت کا ٹھکانا دیا ہے میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ احسان فراموشی کروں۔ اب اس عورت نے ترغیبات کے جال بچھا دیئے ادھر حضرت یوسفؑ نے اس جال سے نکلنے کے لئے تدبیریں سوچنا شروع کر دیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو اپنی کوئی نشانی دکھائی تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ کی مدد شاملِ حال ہے اور اس عورت کی ہر تدبیر ضائع ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنہائی میں ان کے سامنے حضرت یعقوبؑ کی صورت اس طرح ظاہر فرمائی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے ہیں اور ان کو تنبیہ فرما رہے ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ خود عزیزِ مصر کی صورت ان کے سامنے لائی گئی۔ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے حالات کو اچھی طرح سمجھ لیا اور اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے دروازے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ اللہ نے مدد فرمائی اور دروازے کھلتے چلے گئے۔ اللہ کا یہ نظام ہے کہ جو بھی اس ذات پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے ہر طرح کی آسانیاں عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ جب دوڑے تو اس عورت نے ان کو پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی اور ان کی قمیص کو تھام لیا جو پھٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گئی جیسے ہی حضرت یوسفؑ آخری دروازے پر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ عزیزِ مصر سامنے کھڑا ہوا ہے زلیخا نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے حضرت یوسفؑ پر الزام لگا دیا کہ اس نوجوان غلام نے عزیزِ مصر کی بیوی کی آبرو پر ہاتھ ڈالنا چاہا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنی صفائی میں جو سچی بات تھی وہ کہنا شروع کر دی کہ اس عورت کا بدی اور برائی کا ارادہ تھا۔ میں وہاں سے بھاگا اور باہر نکل آیا۔

عزیزِ مصر اسی کشمکش میں تھا کہ کسی سمجھ دار آدمی نے کہا اس بات کا فیصلہ ابھی ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر حضرت یوسف کا قمیص آگے سے پھٹا ہے تب تو یوسف کی خطا ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ عورت گناہ گار ہے۔ دیکھا گیا تو قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ عزیزِ مصر اس بات کی گہرائی تک پہنچ گیا اور اس کے منہ سے نکل گیا کہ بے شک یہ اس عورت کا مکر وفریب ہے اور عورتوں کا مکر وفریب بہت گہرا ہوتا ہے۔ اس نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ یوسفؑ تم اس واقعہ کو نظر انداز کر دو۔ اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنی خطا اور گناہ سے پناہ مانگ بلاشبہ یہ سب کی سب تیری خطا ہے۔

عزیز مصر نے اگرچہ ساری بات کو سمجھ لیا تھا اور فیصلہ بھی دیدیا تھا لیکن اس بات کی جب کچھ شہرت ہوگئی اور زلیخا پر الزام لگائے جانے لگے تو عزیز مصر نے اپنے گھر کی عزت بچانے کے لئے حضرت یوسفؑ کو جیل بھیج دیا تاکہ دنیا کی نظروں میں شاہی وقار قائم رہے اور یوسفؑ کو قصوروار سمجھا جائے۔اس کی تفصیل اگلی آیات میں آ رہی ہے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۲

شہر میں رہنے والی چند عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی کو اس کے اپنے غلام کے عشق نے اپنے مطلب کے لئے دیوانہ بنا رکھا ہے۔بے شک ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہے۔پھر جب اس نے (عزیز مصر کی بیوی نے) عورتوں کی یہ پر فریب باتیں سنیں تو کسی کے ہاتھ ان عورتوں کو بلا بھیجا۔اور ایک باوقار محفل تیار کی بیٹھنے کے لئے تکیئے لگا دیئے گئے،اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک چاقو دے دیا گیا۔اور (عزیز مصر کی بیوی نے) کہا کہ (اے یوسفؑ) تو ان کے سامنے نکل آ۔پھر جب ان عورتوں نے اس کو دیکھا تو ان پر بدحواسی طاری ہوگئی اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہنے لگیں کہ اللہ کی پناہ یہ تو بشر نہیں ہے۔بلکہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔اس عورت نے کہا کہ یہی وہ ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو اور

واقعی میں نے اسے اپنے نفس کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر یہ بچا رہا۔ اور جو میں کہتی ہوں اگر اس نے نہ کیا تو وہ قید کر دیا جائے گا اور ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۰ تا ۳۲

نِسْوَۃٌ	(امْرَاۃٌ کی جمع ہے)۔ عورتیں۔ خواتین
اَلْمَدِیْنَۃُ	شہر
تُرَاوِدُ	آمادہ کرتی ہے۔ مانگتی ہے
فَتٰی	نوجوان
شَغَفَ	دیوانہ کر دیا ہے۔ اس کو پھیر دیا ہے
حُبٌّ	محبت
اِنَّا لَنَرٰی	بے شک ہم البتہ دیکھتے ہیں۔ دیکھتی ہیں
ضَلٰلٌ مُّبِیْنٌ	کھلی گمراہی میں
سَمِعَتْ	اس عورت نے سنا
مَکْرٌ	دھوکہ۔ فریب۔ تدبیر
اَرْسَلَتْ	بھیجا۔ بلوا بھیجا
اِعْتَدَتْ	تیار کی
مُتَّکَاً	بیٹھنے کی جگہ۔ تکیے لگی جگہ
اٰتَتْ	دیدیا
کُلُّ وَاحِدَۃٍ	ہر ایک
سِکِّیْنٌ	چھری۔ چاقو
اُخْرُجْ	نکل
رَاَیْنَہٗ	انہوں نے اس کو دیکھا
اَکْبَرْنَہٗ	وہ عورتیں حیران رہ گئیں

قَطَّعۡنَ	کاٹ ڈالا ان عورتوں نے
اَیۡدِیَهُنَّ	اپنے ہاتھوں کو
قُلۡنَ	ان عورتوں نے کہا
حَاشَ لِلّٰهِ	اللہ کی قسم۔ اللہ کی پناہ
بَشَرٌ	انسان
مَلَکٌ کَرِیۡمٌ	باعزت فرشتہ
فَذٰلِکُنَّ	پس یہی ہے تمہارا وہ
لُمۡتُنَّنِیۡ	تم نے مجھے ملامت کی تھی
اِسۡتَعۡصَمَ	وہ محفوظ رہا۔ وہ بچا رہا
لَمۡ یَفۡعَلۡ	نہ کیا
مَا اٰمُرُهٗ	جو میں نے اس کو حکم دیا ہے
لَیُسۡجَنَنَّ	البتہ وہ قید کر دیا جائے گا
اَلصّٰغِرِیۡنَ	ذلیل خوار ہونے والے

تشریح: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۲

عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ وہ زلیخا کی زیادتی کو نظر انداز کر دیں۔ اس نے کہا مجھے ان عورتوں کے مکر وفریب کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اس واقعہ کو کسی سے بیان نہیں کیا لیکن کسی طرح یہ بات مصر کی امیر زادیوں اور بیگمات تک پہنچ ہی گئی۔ عورتوں میں اس کا چرچا شروع ہو گیا۔ بیگمات نے کہنا شروع کر دیا کہ کتنے افسوس کا مقام ہے اتنے بڑے گھر کی ایک عورت اپنے ایک خوبصورت غلام کے پیچھے پڑ کر عشق ومحبت میں دیوانی اور پاگل ہو چکی ہے۔

جب زلیخا کو عورتوں کے مکر وفریب کی باتوں کا علم ہوا تو اس نے شہر کی تمام بیگمات کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ اس نے خاص طور پر بہترین مجلس کا اہتمام کیا جس میں تکئے لگے ہوئے تھے اور پر تکلف دعوت میں بعض ایسی چیزیں رکھ دی گئیں جو چاقو سے کاٹ کر کھائی جاتی ہیں۔ عورتوں نے ہاتھوں میں چھریاں اور چاقو لئے اور پھلوں کو کاٹ کر کھانا شروع کیا۔ اسی دوران زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو بلا بھیجا۔ جیسے ہی حضرت یوسفؑ ان عورتوں کے سامنے آئے وہ بیگمات تو اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھیں۔ حضرت یوسفؑ کو دیکھنے میں اس قدر گم ہو گئیں کہ انہوں نے پھل کاٹتے کاٹتے اپنی انگلیاں ہی زخمی کر ڈالیں۔ حضرت یوسفؑ کے

حسن و جمال نے پوری محفل میں ایک ہل چل مچا کر رکھدی اور بیگمات سمجھ گئیں کہ ایسے حسین وجمیل انسان پر مرمٹنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ حضرت یوسفؑ کے چلے جانے کے بعد جب ان بیگمات کو ہوش آیا تو وہ سب کہہ اٹھیں کہ واقعی یہ تو بشر نہیں ہے بلکہ کوئی حسین وجمیل فرشتہ ہی ہوسکتا ہے۔ بیگمات کی محویت کو دیکھنے کے بعد زلیخا نے کہنا شروع کیا کہ واقعی مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے میری طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھا۔ مگر میں نے بھی فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میں اس کو قید خانے بھجوا کر رہوں گی اور یہ ذلیل ورسوا ہو کر رہے گا۔

زلیخا اور بیگمات مصر کی چبھتی ہوئی پرشوق نگاہوں سے حضرت یوسفؑ بہت کچھ سمجھ گئے تھے اور انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرنا شروع کر دی کہ الٰہی مجھے ان عورتوں کے مکروفریب سے محفوظ فرما۔ مجھے جیل جانا پسند ہے لیکن میں اس بات کو گوارا نہیں کرسکتا کہ ان بیگمات کا سایہ بھی میرے اوپر پڑے۔ اس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے۔

حضرت یوسفؑ کا کردار اور زندگی دنیا بھر کے تمام نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہے جنہوں نے بھرپور جوانی میں بھی اپنے پاؤں کو ڈگمگانے سے بچا کر عفت وعصمت، پاکیزگی اور زہد وعظمت کی ایک عظیم مثال قائم فرمادی۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾

ع ۴ / ۶ / ۱۴

ترجمہ: آیت نمبر ۳۳ تا ۳۵

(یوسفؑ نے) کہا اے میرے رب مجھے جیل جانا اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ مجھے بلا رہی ہیں۔ اور اے اللہ آپ نے ان کے مکروفریب سے مجھے نہ بچایا تو کہیں میں ان کی طرف مائل ہو کر نادانوں میں سے نہ ہو جاؤں۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کرلی اور ان سے ان عورتوں کے مکروفریب کو پھیر دیا۔ بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پھر نشانیاں دیکھنے کے بعد ان پر ظاہر ہوا کہ ان کو ایک مدت تک جیل میں ڈال دیا جائے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۳ تا ۳۵

اَلسِّجْنُ جیل۔قید خانہ

اَحَبُّ زیادہ محبوب ہے۔زیادہ پسندیدہ ہے

اِلَیَّ میری طرف۔مجھے

یَدْعُوْنَ وہ بلاتے ہیں

اِ لَّا تَصْرِفُ اگر تو نہیں پھیرتا ہے

اَصْبُ میں مبتلا ہو جاؤں گا

اَکُنْ میں ہو جاؤں گا

حِیْنَ زمانہ۔وقت

تشریح: آیت نمبر ۳۳ تا ۳۵

زلیخا (عزیز مصر کی بیوی) صاف الفاظ میں کہہ چکی تھی کہ یوسف کو ہر حال میں میری بات ماننا پڑے گی۔اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میں اس کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ضرور پہنچادوں گی حضرت یوسفؑ زلیخا اور بیگمات مصر کی بے تکی اور فضول باتوں سے بہت رنجیدہ تھے۔آخر کار حضرت یوسفؑ اللہ کی بارگاہ میں جھک گئے اور نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا۔الٰہی! یہ عورتیں مجھے اپنی ہوس اور خواہش پر قربان کرنا چاہتی ہیں مجھے ان کی جھوٹی خواہشوں اور پرفریب حرکتوں سے محفوظ فرما۔اے اللہ میری دستگیری فرمایئے کیونکہ انہوں نے نے میرے لئے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے ہیں۔الٰہی مجھے ان عورتوں کے مکروفریب اور خواہشات سے محفوظ فرمادے۔مجھے جیل جانا پسند ہے لیکن کسی گناہ کے تصور سے بھی میں کانپ اٹھتا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کی دعا کو قبول فرمایا۔ادھر اسباب یہ ہوئے کہ عزیز مصر اس بات سے سخت پریشان تھا کہ یوسفؑ بے شک بے قصور ہیں اور ان کا کردار ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن اس واقعہ کی اتنی شہرت ہو چکی ہے کہ گھر گھر میں اس کا چرچا ہو رہا تھا۔اب دو ہی صورتیں تھیں کہ اس واقعہ پر خاموشی اختیار کی جائے یا اس واقعہ کا انکار کر کے لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ ایسا سب کچھ نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھ رہے ہیں۔پہلی صورت میں دشواری یہ تھی کہ خاموش رہنے سے اس بات کے ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔دوسری صورت کا یہی حل تھا کہ حضرت یوسف کو قید کر دیا جائے تا کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں، شاہی خاندان کا وقار بھی

بچ جائے اور لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ اس میں زلیخا (عزیز مصر کی بیوی) کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بالآخر حضرت یوسفؑ کو قید خانے بھیج دیا گیا۔ حضرت یوسفؑ جیسے ہی قید خانے میں داخل ہوئے اور چند روز میں اعلیٰ سیرت و کردار کا مظاہرہ کیا تو ہر شخص آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ قید خانے کے داروغہ نے تو قید خانے کے سارے اہم معاملات حضرت یوسفؑ کے حوالے کر دیئے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر ہر شخص کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ حضرت یوسفؑ کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ ان کو زبردستی قید خانے میں ڈالا گیا ہے۔

اللہ کے نیک بندوں کی بھی عجیب شان ہے کہ وہ آزاد ہوں یا قید میں ہر حال میں اپنی سیرت و کردار کا لوہا منوا لیتے ہیں چنانچہ قید خانے کے ہر قیدی کے دل میں آپ کے علم و فضل اور اعلیٰ سیرت و کردار کا نقش جمتا چلا گیا اور وہی قید خانہ حضرت یوسفؑ کے لئے عزت و سربلندی اور لوگوں کی محبت کا مرکز بن گیا۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ

قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ

ابآؤكم ما انزل الله بها من سلطن ان الحكم الا لله امر الا تعبدوا الا اياه ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون ۝۴۰

ترجمہ: آیت نمبر ۳۶ تا ۴۰

اوراس کے ساتھ دونو جوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے۔ان میں سے ایک نے کہا میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں (خواب میں) دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور اس سے پرندے کھا رہے ہیں۔(اے یوسفؑ) ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دیجئے۔ بے شک ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے سمجھتے ہیں (یوسفؑ نے) کہا کہ تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اس کی تعبیر بتادوں گا یہ اس علم سے ہے جو مجھے میرے رب نے عطا فرمایا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔اپنے باپ دادا ابراہیمؑ واسحاقؑ اور یعقوب علیہم السلام کے دین کی پیروی کی ہے۔

ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں۔ جب کہ ہم سب پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل وکرم ہے۔لیکن اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

اے میرے قید کے ساتھیو! (یہ بتاؤ کہ) ایک اللہ بہتر ہے یا الگ الگ کئی معبودوں کو ماننا۔؟ اس ایک اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کرتے ہو۔وہ کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں جس کی کوئی سند اور دلیل نہیں ہے۔حکم صرف اللہ کا ہے جس نے یہ فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت وبندگی نہ کرو۔ یہی سچا دین ہے۔لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۶ تا ۴۰

دَخَلَ — داخل ہوا

فَتَيٰنِ — (فَتیٰ) دونو جوان

اَحَدُھُمَا	ان دونوں میں سے ایک
اَعۡصِرُ	میں نچوڑ رہا ہوں
خَمۡرٌ	شراب
اَحۡمِلُ	میں اٹھاتا ہوں
رَاۡسِیۡ	اپنا سر
خُبۡزٌ	روٹی
تَاۡکُلُ الطَّیۡرُ	پرندے کھا رہے ہیں
نَبِّئۡنَا	ہمیں بتا دے
تَاۡوِیۡلُهٗ	اس کی تعبیر
لَا یَاۡتِیۡکُمَا	تم دونوں کے پاس نہیں آئے گا
تُرۡزَقٰنِهٖ	جو رزق تمہیں دیا جاتا ہے
نَبَّاۡتُ	میں بتا دوں گا
عَلَّمَنِیۡ	اس نے مجھے سکھایا
تَرَکۡتُ	میں نے چھوڑا
مِلَّةٌ	ملت۔طریقہ
یٰصَاحِبَیِ	اے میرے دونوں ساتھیوں
اَرۡبَابٌ	(رَبٌّ)۔مختلف پروردگار
اَلۡقَهَّارُ	زبردست
اَسۡمَاءٌ	نام

سَمَّيْتُمُوْا	تم نے نام رکھے
سُلْطٰنٌ	کوئی دلیل۔کوئی سند
اِيَّاهُ	اسی کی
اَلْقَيِّمُ	سیدھا۔سچا

تشریح: آیت نمبر ۳۶ تا ۴۰

بے گناہی کے باوجود جب حضرت یوسفؑ کو نامعلوم مدت تک قید کر دیا گیا تھا۔اس دوران حضرت یوسفؑ کا قید کے ساتھیوں کے ساتھ طرز عمل نہایت اعلیٰ اور بے مثال تھا۔حضرت یوسفؑ تمام قیدیوں کی مزاج پرسی کرتے۔اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی عیادت فرماتے، کسی کو پریشان حال دیکھتے تو اس کو تسلی دیتے اور صبر و تحمل کی تلقین فرماتے۔غرضیکہ آپ کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ نہایت دوستانہ ہوتا جس سے تمام قیدیوں میں حضرت یوسفؑ کی عزت اور احترام اور ان کے علم و تقویٰ کا بہترین اثر مرتب ہونا شروع ہو گیا۔اسی دوران دو نئے قیدی لائے گئے جو بادشاہ کو کھانا کھلانے اور خدمت پر مامور تھے دونوں پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے کھانے پینے میں زہر ملا کر بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے۔دونوں کے خلاف تحقیقات کا سلسلہ جاری تھا۔دونوں قیدیوں نے ایک ایک خواب دیکھا حضرت یوسفؑ کے علم و تقویٰ کی بنا پر دونوں نے ان سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی ایک نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ وہ بادشاہ کے لئے شراب نچوڑ رہا ہے۔دوسرے نے بتایا کہ وہ اپنے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا رکھے ہوئے ہے اور اس سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ان دونوں نے درخواست کی کہ اے یوسفؑ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دیجئے جو آپ جیسے نیکوکار ہی بتا سکتے ہیں۔حضرت یوسفؑ فوراً ہی جواب دے سکتے تھے لیکن آپ نے فرمایا کہ اس سے پہلے کہ تمہارا کھانا تمہارے سامنے لایا جائے میں تمہیں اس مختصر مدت میں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ان خوابوں کی تعبیر اللہ نے مجھے سکھائی ہے لیکن میں سب سے پہلے تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے ایک ایسی قوم کو چھوڑا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتی تھی بلکہ وہ کفر میں مبتلا تھی۔لیکن میں نے اپنے باپ دادا کے دین کو اختیار کیا ہے۔یہ وہی دین ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ چلتے تھے۔اور وہ یہ تھا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں کیونکہ اللہ نے ہم سب پر اور تمام لوگوں پر فضل و کرم فرمایا ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ اے میرے قید کے ساتھیو! یہ بتاؤ کہ وہ اللہ جو ایک ہے اور ساری قوتوں کا مالک ہے وہ بہتر ہے یا وہ جو تم نے بہت سے معبود

بنا رکھے ہیں۔ محض کچھ نام ہیں جو تم نے رکھ چھوڑے ہیں جن کی کوئی مضبوط دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ دلیل اور حکم تو اس اللہ کے پاس سے جس کا کائنات کے ذرے ذرے پر حکم چلتا ہے جس نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس اللہ کے سوا کسی کی عبادت و بندگی نہ کرو۔ فرمایا کہ یہی سچا دین ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے اس کے بعد دونوں قیدیوں کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتادی جو اسی طرح ہو کر رہی۔ اس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے۔

ان آیات کے سلسلے میں چند باتیں عرض ہیں تاکہ ان آیات کا مفہوم پوری طرح سمجھ میں آسکے:

(۱) پریشانیوں کے باوجود اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کو برے حالات میں تسلی دینا سنت پیغمبری ہے۔ جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے قید کے ساتھیوں سے اچھا اور بہتر معاملہ فرمایا۔ نبی کریم ﷺ بھی ہر موقع اور ہر مشکل وقت میں صحابہ کرامؓ کی ہمت بڑھاتے اور نہایت سادگی کے ساتھ حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔

(۲) اگر حضرت یوسفؑ چاہتے تو دونوں قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر اسی وقت بتا سکتے تھے لیکن آپ نے اس موقع پر فوراً تعبیر بتانے کے بجائے پہلے اللہ کی وحدانیت اور دین اسلام کی سچائی کو بتاتے ہوئے کفر اور بتوں کی مذمت کی ہے تاکہ ہر شخص اس بات کو جان لے کہ انسان کی اصل کامیابی اللہ کو ماننے میں ہے۔ وہی شخص کامیاب ہے جس نے اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اختیار کر کے صراط مستقیم پر چلنا سیکھ لیا ہے۔ وہ شخص ہزار کامیابیوں کے باوجود ناکام ہے جس نے اللہ کا راستہ چھوڑ کر غیر اللہ کا راستہ اختیار کر لیا۔

(۳) حضرت یوسفؑ نے اس پورے عرصہ میں کسی پر یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ وہ کون ہیں اور ان کا رشتہ کن انبیاء کرامؑ سے وابستہ ہے لیکن اچانک آپ کا یہ فرمانا کہ میں ایک ایسی قوم کو چھوڑ کر آیا ہوں جو اللہ کی نافرمان تھی یقیناً یہ سب کچھ آپ کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہوگا چونکہ حضرت یوسفؑ تو اس وقت اندھے کنویں میں پھینکے گئے تھے جب وہ بہت معصوم اور چھوٹے سے تھے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾

ع ٥ / ١٥

ترجمہ: آیت نمبر ۴۱ تا ۴۲

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! تم میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلائے گا۔ اور دوسرے کو پھانسی دیدی جائے گی اور پرندے اس کے سر کو نوچ کر کھائیں گے۔ اس بات کا فیصلہ کیا جا چکا ہے جس کو تم دونوں پوچھ رہے تھے۔ اور (یوسفؑ نے) ان دونوں میں سے جس کے متعلق یہ گمان تھا کہ وہ بچ جائے گا کہا کہ اپنے مالک سے میرا ذکر کر دینا۔ شیطان نے اس کو بھلا دیا کہ وہ اپنے مالک سے اس کا (یوسفؑ کا) ذکر کرے۔ پھر وہ چند سال اور قید خانہ میں رہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۱ تا ۴۲

يَسْقِي	پلائے گا۔ سیراب کرے گا
يُصْلَبُ	پھانسی دیا جائے گا
تَاكُلُ الطَّيْرُ	پرندے کھائیں گے
قُضِيَ	فیصلہ کر دیا گیا
تَسْتَفْتِيٰنِ	تم دونوں پوچھتے ہو
ظَنَّ	گمان کیا
نَاجٍ	نجات پانے والا
بِضْعَ سِنِيْنَ	چند سال

تشریح: آیت نمبر ۴۱ تا ۴۲

گذشتہ آیات میں اس بات کو وضاحت سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قید کے دوران مزید دو قیدیوں کو لایا گیا۔ ان میں سے ایک تو بادشاہ کا ساقی تھا جو اس کو شراب پلایا کرتا تھا۔ دوسرا باورچی تھا دونوں پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے باہمی سازش سے کھانے میں زہر ملا کر بادشاہ کو مارنے کی سازش کی ہے ان دونوں کے خلاف تحقیقات جاری تھیں اور ان دونوں کو کوئی فیصلہ ہونے تک قید کر دیا گیا تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھے تھے۔ ایک نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کے لئے انگور نچوڑ رہا ہے،

دوسرے نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیوں سے بھرا ہوا دستر خوان ہے جس سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے اللہ کی وحدانیت اور غیر اللہ کی عبادت و بندگی نہ کرنے کی تفصیل ارشاد فرما کر پھر دونوں کے خوابوں کی تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا۔ اے میرے قید کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا یعنی نوکری پر بحال ہو جائے گا، جب کہ دوسرے کو پھانسی دیدی جائے گی اور پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ کچھ عرصہ کے بعد بالکل وہی تعبیر سامنے آئی ان میں سے ایک رہا کر دیا گیا اور باورچی پر زہر دینے کا الزام ثابت ہو گیا اور اس کو پھانسی دیدی گئی جس کے جسم کو پرندوں نے نوچ نوچ کر کھایا۔ جب حضرت یوسفؑ نے تعبیر بتا دی تب آپ نے اس شخص سے جس کے متعلق یہ گمان تھا کہ اس کو رہائی مل جائے گی فرمایا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کر کے اس کو یاد دلا دینا (کہ ایک بے گناہ قید میں پڑا ہے) جب ساقی کو رہائی مل گئی اور اپنی اسی نوکری پر بحال ہو گیا تو اسے یاد بھی نہ رہا اور شیطان نے اس کو اس طرح غافل کر دیا کہ اس نے بادشاہ سے حضرت یوسفؑ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت یوسفؑ کو چند سال اور قید میں رہنا پڑا۔

اس موقع پر مفسرین نے اس بات پر کافی بحث کی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے (ایک تدبیر کے طور پر) اس ساقی سے فرمایا تھا کہ بادشاہ سے میرا بھی ذکر کر دینا۔ یہ کہہ دینا مناسب تھا یا نہیں؟ بعض مفسرین نے نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے جس میں آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر حضرت یوسفؑ نے یہ بات نہ کہی ہوتی جو انہوں نے کہی ہے، تو قید میں مزید کئی سال تک نہ رہتے۔ بعض مفسرین نے اس پہلو کو لیا ہے کہ یہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے اور حضرت یوسفؑ نے اگر تدبیر کے طور پر ایسا کہہ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اپنے حق میں کوئی بھی تدبیر کرنا ایک جائز فعل ہے۔ چند سال اور قید میں رہنا اس بنا پر تھا کہ اس ساقی کو شیطان نے بھلا دیا تھا۔ مفسرین نے اپنی جو بھی رائے دی ہے وہ سب قابل احترام ہے۔ لیکن اگر ہم اس کو عام نقطہ نظر سے دیکھیں تو انشاء اللہ کوئی الجھن نہیں ہو گی۔ آپ نے دیکھا ہو گا کبھی کبھی کوئی شخص اپنی اس ذرا سی بات پر جو اللہ کو پسند نہیں ہے پکڑ لیا جاتا ہے اور اس کو اس کی سزا بھی مل جاتی ہے یہ تو اللہ کے ایک عام بندے کی بات ہے لیکن انبیاء کرام اللہ کے صرف بندے ہی نہیں بلکہ اس کے نمائندے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف سے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے اعلیٰ ترین مقام پر مقرر ہوتے ہیں۔ وہ خطا اور غلطیوں سے معصوم ہوتے ہیں لیکن اگر ان سے ذرا سی بھی ایسی بات ہو جائے جو اللہ کو پسند نہیں ہے تو فوراً اللہ کی طرف سے ان کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ کیونکہ ان کی زندگی ہر شخص کے لئے ایک مثال، ماڈل اور نمونہ ہوتی ہے اس لئے ان کی ذرا سی بات پر فوراً گرفت ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کپڑا جتنا صاف شفاف ہوتا ہے اس پر ہلکا سا گرد و غبار بھی بہت نمایاں ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً نبی کریم ﷺ سے کفار مکہ نے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا آپ نے ان کے سوالات سنے اور یہ سوچ کر کہ کل جبرائیل وحی لے کر آئیں گے ان سے پوچھ کر بتا دوں گا فرمایا کہ میں اس کا جواب کل دیدوں گا۔ لیکن اس کے بعد پندرہ دن تک وحی کا سلسلہ بند ہو گیا جس سے آپ کو بھی پریشانی ہوئی اور دشمنوں کو مذاق اڑانے کا موقع

مل گیا۔سورۃ کہف نازل کی گئی جس میں کفار مکہ کے تمام سوالات کے جوابات موجود ہیں اسی سورۃ میں یہ بھی فرمایا گیا" ولا تقولن لشایٔ انی فاعل ذٰلک غدا الا ان یشاء اللہ" . (سورۃ کہف آیت نمبر۲۳) ترجمہ:-"آپ کسی کام کے متعلق یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا جب تک انشاء اللہ نہ کہہ دیں"۔ اگر غور کیا جائے تو آپ کا یہ ارشاد فرمانا کہ میں کل بتادوں گا ایسی کوئی بات نہ تھی کیوں کہ وحی کا سلسلہ جاری تھا، آپ نے سوچا تھا کہ جب جبرائیل آئیں گے تو میں ان سے پوچھ لوں گا اور کفار مکہ کو بتادوں گا۔لیکن اللہ نے پندرہ دن تک وحی کے سلسلہ کو بند فرمادیا اور یہ اصولی بات ارشاد فرمائی کہ جب تک انشاء اللہ نہ کہہ لیا جائے اس وقت تک مستقبل کی کوئی بات نہ کہی جائے۔

اسی طرح ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے سرداران مکہ کو دعوت دے کر بلایا اور اس دوران آپ نے سرداران مکہ کے سامنے اسلام کی حقانیت پر تقریر فرمائی۔اسی دوران ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہؓ ابن ام مکتوم تشریف لائے اور یہ دیکھے بغیر کہ رنگ محفل کیا ہے انہوں نے حسب معمول حضور اکرم ﷺ سے دین سے متعلق سوالات کرنا شروع کردیئے۔آپؐ نے نرمی سے فرمایا کہ عبداللہ میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے پھر تقریر شروع کردی اور آپ ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ اگر مکہ کے سرداروں نے اسلام قبول کرلیا تو سارا عرب مسلمان ہوجائے گا۔آپ کا جذبہ تبلیغ بلندیوں پر تھا کہ حضرت عبداللہؓ جو دیکھ نہیں سکتے تھے انہوں نے پھر سوال کیا۔آپ ﷺ کو ناگوار گذرا اور آپ کی پیشانی پر کچھ بل پڑ گئے اور آپ ﷺ نے ذرا سی سختی سے فرمایا عبداللہ ذرا ٹھہر جاؤ میں تمہیں بتادیتا ہوں۔حضور اکرم ﷺ نے پھر سرداران مکہ سے خطاب شروع فرمادیا۔

حضرت عبداللہؓ ابن ام مکتوم یہ سمجھے کہ شاید میرے آقا مجھ سے ناراض ہیں وہ آہستگی سے اٹھے اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔جب نبی کریم ﷺ کا خطاب مکمل ہوگیا تو سرداران مکہ اٹھ کر چلے گئے۔نبی کریم ﷺ اس بات سے بہت خوش تھے کہ آج میں نے اللہ کا دین عرب کے سرداروں تک پہنچادیا۔اس وقت جبرائیل امین"سورۃ عبس" لے کر نازل ہوئے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی! آپ ﷺ نے پیشانی پر بل ڈال لئے اس لئے کہ ایک نابینا آ گیا تھا آپ کو کیا معلوم تھا کہ اگر آپ اس کی رہنمائی فرمادیتے تو وہ اس سے اپنے دل کو مانجھ لیتا۔جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضور ﷺ تیزی سے اٹھے اور چادر گھسیٹتے ہوئے اس نابینا صحابی کے گھر پہنچ گئے۔ جیسے ہی انہوں نے آپ کی آواز سنی تڑپ کر باہر نکلے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ آؤ میرے ساتھ آؤ۔آپ ان کو لے کر گھر تشریف لائے اپنی چادر مبارک بچھادی اور اس پر نابینا صحابی کو بٹھا کر فرمایا کہ اے عبداللہ اب تم سوال کرو میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔اس کے بعد جب بھی یہ صحابی آتے تو آپ بڑی محبت سے اپنی چادر مبارک پر بٹھاتے اور سب سے پہلے ان کے سوالات کے جوابات دیتے۔اس واقعہ میں بظاہر ایسی کوئی بات نہ تھی مگر قابل غور ایک بات تھی کہ کہیں کوئی ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ نہ کہہ دے کہ سرداروں اور امیروں کے مقابلے میں ایک غریب کو اہمیت نہیں دی گئی۔یہ ہے وہ رہنمائی جو اللہ کی طرف سے

انبیاء کرام کو دی جاتی ہے اس طرح حضرت یوسفؑ نے بظاہر ایک تدبیر فرمائی اور رہا ہونے والے شخص سے فرمایا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کردینا۔ یہ بات اللہ کو پسند نہیں آئی کیونکہ انبیاء کرام تو صرف اللہ سے فریاد کیا کرتے ہیں وہ تو غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اس لئے اللہ نے ایسا انتظام فرمایا کہ وہ ساقی حضرت یوسفؑ کا ذکر کرنا ہی بھول گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے حضرت یوسفؑ کو تنبیہ فرمادی اور اس طرف اشارہ کردیا کہ ہر شخص کو شیطانی وسوسوں سے بچنا چاہیئے کیوں کہ شیطان اس راستے سے زبردست حملہ کرتا ہے، اس سے وہی لوگ بچتے ہیں جو خوش نصیب ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ سے ہی مانگتے ہیں ورنہ شیطان تو انسان کو دنیا کے معاملات میں اس طرح دھنسا دیتا ہے کہ وہ نیکی کے کاموں سے بے خبر اور غافل ہو کر رہ جاتے ہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّيٓ أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَٰتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنۢبُلَٰتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَٰتٍ ۖ يَٰٓأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوٓا أَضْغَٰثُ أَحْلَٰمٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَٰمِ بِعَٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا۠ أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِۦ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَٰتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنۢبُلَٰتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَٰتٍ لَّعَلِّيٓ أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنۢبُلِهِۦٓ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۳ تا ۴۹

اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ سات گائے ہیں جو بہت موٹی تازی ہیں۔ وہ سات دبلی پتلی گایوں کو کھا رہی ہیں۔ اور سات سرسبز خوشے (بالیں) ہیں اور دوسرے سات خوشے (بالیں) سوکھی اور خشک ہیں۔ اے سردارو! مجھے میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔ اگر تم خواب کی (سچی) تعبیر دینے والے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو یوں ہی پریشان خیالات ہیں۔ اور ہم خوابوں کی تعبیر کا علم بھی نہیں رکھتے۔ اور وہ آدمی جو بچ گیا تھا اس کو ایک مدت کے بعد یاد آیا۔ اس نے کہا کہ میں اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں مجھے (یوسفؑ کے پاس قید خانے میں) بھیج دو۔ (اس نے جا کر کہا کہ) اے یوسفؑ اے سچے انسان ہمیں اس خواب کی تعبیر بتا دیجئے کہ سات موٹی تازی گائیں سات دبلی پتلی گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور دوسری سات خشک ہیں۔ (مجھے خواب کی تعبیر بتا دیجئے) تاکہ میں لوٹ کر جاؤں اور ان کو اس خواب کی تعبیر سے آگاہ کر دوں۔

اس نے (یوسفؑ نے) کہا کہ تم سات سال تک لگاتار کھیتی باڑی کرتے رہو گے اس کے بعد جو فصلیں تم کاٹو گے ان میں سے تھوڑا سا حصہ جو تمہارے کھانے میں کام آئے گا اس کو کھا کر بقیہ کو ان ہی بالوں میں رہنے دینا۔ پھر سات سال سخت آئیں گے۔ اس میں وہ سب کچھ کھا جاؤ گے جو تم نے بچا کر رکھا ہوگا۔ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے (یعنی خوش حال ہو جائیں گے)۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۳ تا ۴۹

اَلْمَلِکُ	بادشاہ
سَبْعٌ	سات
بَقَرَاتٌ	(بَقَرَۃٌ)۔ گائیں
سِمَانٌ	موٹی تازی۔ فربہ

عِجَافٌ	دبلی پتلی
سُنْبُلٰتٌ	(سُنْبُلَۃٌ)۔گیہوں کی بالیں جس میں دانہ ہوتا ہے
خُضْرٌ	ہرا بھرا
یٰبِسٰتٌ	خشک
اَفْتُوْنِیْ	مجھے بتاؤ
رُءْیَایَ	میرا خواب
تَعْبُرُوْنَ	تم تعبیر دیتے ہو
اَضْغَاثٌ	پریشان خیالات۔فضول خیالات
اَحْلَامٌ	(حلم)۔خیالات
اِدَّکَرَ	یاد کیا
بَعْدَ اُمَّۃٍ	مدت کے بعد
اَرْسِلُوْنِ	مجھے بھیج دے
اَرْجِعُ	میں لوٹوں گا
تَزْرَعُوْنَ	تم کھیتی باڑی کروگے
دَاَبٌ	لگاتار مسلسل
حَصَدْتُّمْ	تم نے کھیتی کاٹی
ذَرُوْہُ	اس کو چھوڑ دو
سَبْعٌ شِدَادٌ	سخت سات (سال)
قَدَّمْتُمْ	تم نے آگے بھیجا

تُحْصِنُوْنَ	تم بچاؤ گے
عَامٌ	سال
يُغَاثُ	بارش برسائی جائے گی
يَعْصِرُوْنَ	وہ نچوڑیں گے

تشریح: آیت نمبر ۴۳ تا ۴۹

کائنات میں ہونے والے ہر عمل اور اس کے نتائج کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے وہ جس طرح چاہتا ہے کسی کی عزت وذلت، سر بلندی اور پستی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے جس کی طرف انسان کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ حضرت یوسفؑ کو باعزت رہائی مل جائے اور علم نبوت کے ساتھ ساتھ دنیاوی عزت وسر بلندی بھی حاصل ہو جائے تو اس کا سبب یہ پیدا فرمایا کہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات موٹی تازہ گائے ہیں جن کو سات دبلی پتلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیں ہیں جو ہری بالوں پر لپٹ کر ان کو خشک کر رہی ہیں۔ اگلے دن اس نے تمام دربار کے معتبر اور کاہنوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ کسی نے اپنی سمجھ کے مطابق تعبیر بتائی اور بعضوں نے کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں۔ بادشاہ کو سب کے کہنے کے باوجود ایک بے چینی سی محسوس ہوتی رہی اور وہ اس خواب کی تعبیر کے لئے سخت بے قرار رہنے لگا۔ اب اس ساقی کو جو حضرت یوسفؑ کے ساتھ قید تھا اس کو یاد آیا کہ اس خواب کی تعبیر تو صرف حضرت یوسفؑ ہی بتا سکتے ہیں۔ اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اگر مجھے قید خانے میں جانے کی اجازت دی جائے تو میں ایک ایسے نیک اور پارسا شخص سے اس خواب کی تعبیر معلوم کر سکتا ہوں جس کو اللہ نے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا ہے۔ اس ساقی نے قید خانہ میں جا کر بادشاہ کا خواب سنایا اور اس کی تعبیر پوچھی۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ سات موٹی گائیں اور ہری بالیں سات سال ہیں جن میں خوب خوش حالی رہے گی یعنی خوب پیداوار ہوگی لیکن اس کے بعد مسلسل سات سال تک قحط پڑے گا۔ خواب کی تعبیر کے ساتھ آپ نے ایک تدبیر بھی بتا دی کہ جب خوش حالی کا زمانہ ہو تو جتنا کھانا ہو وہ کھا لیا جائے لیکن ساتھ ساتھ بچت بھی کی جائے تاکہ قحط سالی کے زمانہ میں یہ کام آئے۔ پھر فرمایا کہ سات سال کی مسلسل قحط سالی کے بعد خوش حالی کا زمانہ آئے گا۔ اس میں خوب بارشیں ہوں گی، کھیتی باڑی پھل اور میوے بڑی کثرت سے ہوں گے، جانوروں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے اور خوب انگور نچوڑنے کے قابل چیزوں سے خوب نچوڑیں گے۔

بادشاہ کے اس خواب کی تعبیر جب اس کو بتائی گئی تو وہ بہت خوش ہوا اس کی تفصیلات اگلی آیات میں آرہی ہیں۔

۶۹

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ

بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ

النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝۵۰

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ

لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ

الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ

اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝۵۲

وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا

مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵۳

الجزء ۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

اور بادشاہ نے کہا کہ اسے (یوسفؑ کو) میرے پاس لاؤ۔ پھر جب بلانے والا اس کے پاس آیا تو (یوسفؑ نے) کہا کہ تو اپنے مالک کی طرف لوٹ جا۔ اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تھے۔ بیشک میرا رب ان کے مکروفریب سے اچھی طرح واقف ہے۔

بادشاہ نے ان عورتوں سے کہا کہ تم کیا کہتی ہو! جب تم نے یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ سب عورتوں نے کہا۔ اللہ کی قسم ہم نے اس کے اندر کوئی برائی نہیں پائی تھی۔ عزیز کی بیوی نے کہا کہ اب تو سچ بات ظاہر ہوگئی ہے۔ میں نے اس سے مطلب کی خواہش کی تھی لیکن بے شک وہ سچے لوگوں میں سے ہے۔ یہ اس نے (حضرت یوسف نے) اس لئے کہا تھا تاکہ وہ

جان لیں کہ میں نے پیٹھ پیچھے خیانت نہیں کی تھی اور بے شک اللہ دغا بازوں کا فریب چلنے نہیں دیتا۔اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتا تا۔ بے شک نفس تو برائی سکھانے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرمادے۔ بے شک میرا پروردگار بہت معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۰تا۵۳

اِئْتُوْنِیْ	میرے پاس لاؤ
اَلرَّسُوْلُ	قاصد۔بھیجا گیا
اِرْجِعْ	لوٹ جا
اِسْئَلْ	پوچھ
مَابَالُ	کیا واقعہ
مَاخَطْبُکُنَّ	تم کیا کہتی ہو
سُوْءٌ	برائی
اَلْئٰنَ	اب
حَصْحَصَ	ظاہر ہو گیا
لَمْ اَخُنْ	میں نے خیانت نہیں کی
لَا یَھْدِیْ	وہ ہدایت نہیں دیتا
اَلْخَائِنِیْنَ	خیانت کرنے والے
مَا اُبَرِّئُ	میں بری نہیں کرتا
اَمَّارَۃٌ	حکم دینے والا
رَحِمَ رَبِّیْ	میرے رب نے رحم کر دیا

تشریح: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

گذشتہ آیات میں تفصیل سے ارشاد فرمایا گیا تھا کہ جب بادشاہ کا ساقی حضرت یوسفؑ کے پاس بادشاہ مصر کے خواب کی تعبیر پوچھنے گیا تو حضرت یوسفؑ نے نہ صرف خواب کی وہ تعبیر بتائی جس سے بادشاہ کی دلی بے چینی دور ہوگئی بلکہ شدید قحط پڑنے کی صورت میں کیا کیا جائے اس کی تدبیر بھی ارشاد فرمادی۔ بادشاہ مصر حضرت یوسفؑ کے علمی مقام اور ذہانت کو سن کر حیران رہ گیا اور ان سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ تا کہ ان سے مل کر مزید باتیں اور مشورے کرسکوں۔ بادشاہ نے اس کام کے لئے جس قاصد کو بھیجا تھا حضرت یوسفؑ نے اس سے فرمایا کہ میں اس وقت تک قید سے باہر نہیں آؤں گا جب تک میری بے گناہی ثابت نہیں ہو جاتی۔ ان عورتوں سے بلا کر پوچھا جائے جنہوں نے حیرت اور محویت کے عالم میں مجھے دیکھ کر اپنی انگلیاں زخمی کرلی تھیں۔ آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ میرا رب تو ان حالات اور سچائی کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ان عورتوں نے کیا فریب کیا اور کس طرح انہوں نے مجھے بے گناہ ہونے کے باوجود اس قید خانے تک پہنچا دیا تھا۔ اس موقع پر حضرت یوسفؑ زلیخا کا نام لے کر کہہ سکتے تھے کہ یہ ساری شرارت عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی ہے جس نے کمرے کے دروازے بند کر کے ان کو گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور پھر بدنامی سے بچنے کے لئے حضرت یوسفؑ جیسے پاک باز انسان پر تہمت لگانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں بیگمات مصر نے طعنے دینے شروع کئے اور زلیخا نے سب بیگمات کو دعوت دے کر بلایا جس میں وہ حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر انؑ کے حسن جمال سے اتنی متاثر ہوئیں کہ پھل کاٹتے کاٹتے انگلیاں زخمی کر بیٹھیں اور محویت کے عالم میں ان کو پتہ ہی نہیں چلا کہ ان کی انگلیوں سے خون بہہ رہا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے ان بیگمات کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا تا کہ عزیز مصر اور اس کی بیوی کا براہ راست نام نہ لیا جائے کیونکہ عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ بہت شریفانہ برتاؤ کیا تھا۔ اس احسان کو مان کر عزیز مصر کی رسوائی کا خیال کر کے مصر کی بیگمات کا ذکر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص پر کسی کا احسان ہو اس کو اس شخص کی عزت و آبرو کا خیال رکھنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے قید سے اس وقت تک رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک ان کی پوزیشن صاف نہ ہو جائے۔ بادشاہ مصر نے زلیخا کو اور ان تمام بیگمات کو طلب کرلیا۔ سب بیگمات اور زلیخا کے آنے کے بعد بادشاہ نے صرف اتنا سوال کیا کہ جب تم نے یوسفؑ کو اپنے نفس کی طرف مائل کرنا چاہا تو تم نے ان کو کیسا پایا؟۔ سچ تو سچ ہوتا ہے سب بیگمات نے ایک زبان ہو کر کہا کہ اللہ کی قسم ہم نے ان میں بدنیتی اور بدچلنی کا شائبہ تک نہیں پایا۔ یعنی وہ بے قصور، نیک، پرہیزگار اور اعلیٰ ترین کردار کے مالک ہیں۔ تمام عورتوں کی گواہی کے بعد زلیخا اس تصور سے شرم وندامت سے زمین میں گڑ گئی کہ یوسفؑ کتنے بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں کہ انہوں نے زلیخا کا نام تک نہیں لیا۔ وہ چلا اٹھی کہ اب سچائی کھل کر سامنے آ گئی ہے تو میں سب کے سامنے اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ یوسفؑ بالکل بے گناہ ہیں۔ میں نے ہی ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر انہوں نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ واقعی یوسفؑ سچائی کا پیکر ہیں۔

جب حضرت یوسفؑ کے بے گناہ ہونے کی تمام گواہیاں سامنے آگئیں تو اس موقع پر حضرت یوسفؑ نے کسی فخر و غرور کا مظاہرہ نہیں فرمایا بلکہ نہایت عاجزی سے دو باتیں فرمائیں۔

۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا ہے تا کہ عزیز مصر کو اس بات کا پختہ یقین ہو جائے کہ اس کی غیر حاضری میں، میں نے اس کی امانت میں خیانت نہیں کی یعنی اس کی آبرو کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ اپنے محسن کی عزت و آبرو کا پورا پورا احترام کیا۔ اس موقع پر یہ اصول بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کبھی راہ ہدایت عطا نہیں فرماتا جو مکر و فریب کے جال بن کر خیانت و بددیانتی کرتے ہیں۔

۲) دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ ''نفس'' تو ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اگر پروردگار کا رحم و کرم نہ ہو تو کوئی بھی انسان نفس کی شرارتوں سے بچ نہیں سکتا۔ گویا آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اللہ نے جس امتحان سے مجھے گذار کر سرخ رو فرمایا ہے اس میں میرا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے۔ اگر اس کا رحم و کرم نہ ہوتا تو میرا نفس بھی مجھے لے ڈوبتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سبحان اللہ کتنی اعلیٰ ظرفی اور کردار کی بلندی کی بات ہے کہ اتنے بڑے کارنامے پر دنیا داروں کی طرح فخر اور ذاتی بڑائی نہیں کی ہے بلکہ اس کی نسبت اللہ کی طرف کر کے اپنی انتہائی عاجزی و انکساری کا اظہار فرما رہے ہیں۔ یہی شان پیغمبری اور ان کا اسوہ حسنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی طرح عاجزی و انکساری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

۷ ع ۸ ۱

ترجمہ: آیت نمبر ۵۴ تا ۵۷

اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو (یوسفؑ کو) میرے پاس لاؤ تا کہ میں اس کو اپنے لئے خاص کرلوں۔ پھر جب بادشاہ نے اس سے باتیں کیں تو اس نے کہا کہ تم میرے نزدیک بڑے معزز اور

معتبر ہو۔(یوسفؑ نے) کہا کہ مجھے خزانوں پر(پیداوار پر) مقرر کر دیجئے بے شک میں حفاظت بھی کروں گا اور خوب اچھی طرح اس کا علم بھی رکھتا ہوں۔اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو اس ملک میں با اختیار بنا دیا کہ اس میں جہاں چاہیں آزادی سے رہیں بسیں۔اور جس کو ہم چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نواز دیتے ہیں۔اور ہم نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔اور آخرت کا اجر ایمان وتقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے اس سے بھی زیادہ ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۴تا۵۷

كَلَّمَ — کلام کیا۔بات کی

لَدَ يْنَا — ہمارے پاس

مَكِيْنٌ — معزز۔باعزت

اَمِيْنٌ — معتبر۔ایمان دار۔امانت دار

اِجْعَلْنِىْ — مجھے بنادے

خَزَائِنُ — خزانے

حَفِيْظٌ — حفاظت کرنے والا۔محافظ

عَلِيْمٌ — بہت جاننے والا

مَكَّنَّا — ہم نے ٹھکانا دیا۔جما دیا

يَتَبَوَّءُ — وہ ٹھکانا بتاتا ہے۔با اختیار بناتا ہے

نُصِيْبُ — ہم پہنچاتے ہیں

لَا نُضِيْعُ — ہم ضائع نہیں کرتے

اَجْرٌ — اجر

خَيْرٌ — زیادہ

تشریح: آیت نمبر ۵۴ تا ۵۷

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کی زندگی کے اس پہلو کو نمایاں فرمایا ہے جہاں سے ان کی دنیاوی زندگی کا عروج شروع ہوتا ہے۔ یہ اس واقعہ کا اہم ترین پہلو بھی ہے مگر اس بات کو بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ محض ایک خواب کی تعبیر بیان کردینے اور زمین کے خزانوں (پیداوار) کی ذمہ داری قبول کرنے سے زندگی کا عروج شروع نہیں ہوا بلکہ اس واقعہ کے پورے پس منظر کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو اس میں انسانی کردار کی وہ بلندیاں سامنے آتی ہیں جہاں ایک انسان سچائی اور حق کے لئے ہر طرح کے مصائب اور پریشانیاں برداشت کر کے دلوں کو فتح کرلیتا ہے اور ہر شخص اس انسان کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنی پاک دامنی کے لئے برسوں قید میں رہنا پسند کیا لیکن اس راستے پر چلنے سے صاف انکار کر دیا جہاں ان کے دامن عصمت پر ایک دھبہ بھی لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ حضرت یوسفؑ کے اس واقعہ پر شروع سے نظر ڈالی جائے تو کردار کی یہ بلندی اور عروج کے دور کی ساری باتیں بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔

۱) حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں نے اپنی حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ان کو ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا۔ پھر بعد میں مدین کے ایک قافلے والوں کے ہاتھ چند درھموں کے بدلے میں فروخت کر دیا تھا اور وہ اس بات سے مطمئن تھے کہ ان کی اور ان کے والد کی محبت میں اب کوئی آڑے نہ آسکے گا۔

۲) جب مصر کے بازار میں ایک غلام کی حیثیت سے ان کو فروخت کیا گیا تو ان کے ظاہری چہرے اور شخصیت کی یہ عظمت ہے کہ عام غلاموں کی طرح ان کی قیمت نہیں لگائی گئی جو اس بازار میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں فروخت کئے جاتے تھے بلکہ خریدنے والوں کے مقابلے کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی لگا رہے تھے۔ بالآخر حضرت یوسفؑ کے وزن کے برابر سونا اور مشک کے بدلے ملک کے وزیر اعظم اور فوجوں کے سپہ سالار عزیز مصر نے خرید کر ان کو اپنے گھر میں بیٹوں کی طرح رکھا۔ اس واقعہ نے آپ کی شہرت کو پورے ملک میں پہنچا دیا اور یقیناً گھر گھر میں اس کا چرچا اور شہرت پہنچ گئی ہوگی۔

۳) جب حضرت یوسفؑ نے جوانی میں قدم رکھا اور ان کا حسن و جمال پوری طرح نکھر کر سامنے آگیا تو عزیز مصر کی بیوی اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی اور ایک دن اس نے اپنے کسی خصوصی کمرے میں بلا کر دروازے بند کر لئے اور ان کو اپنی خواہش نفس کی طرف بلایا۔ حضرت یوسفؑ کی اللہ نے مدد فرمائی اور وہ اس کی نیت اور ارادے کو بھانپ کر دروازے کی طرف دوڑے اللہ نے ہر دروازے کو اور ہر راستے کو ان کے لئے کھول دیا۔ زلیخا آپ کے پیچھے دوڑی۔ باہر کے دروازے پر عزیز مصر نے اس کیفیت کو دیکھا۔ زلیخا نے حضرت یوسفؑ پر الٹا الزام لگا دیا کہ اے عزیز مصر! اس غلام نے تیری بیوی کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ جیسا کہ گذشتہ آیات میں اس کی تفصیل آچکی ہے کہ جب عزیز مصر کے سامنے ساری حقیقت کھل گئی تو وہ اس چال کو سمجھ گیا اور اس نے زلیخا سے کہا کہ مجھے عورتوں کے اس مکر و فریب کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ سے اپنی عزت کی

خاطر یہ کہا کہ اے یوسف تم اس واقعہ کو نظر انداز کر دو میں ساری بات سمجھ گیا ہوں تم اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔لیکن یہ ایک ایسا واقعہ تھا جو شاہی محل سے نکل کر مصر کے ہر گھر میں پہنچ گیا اور اس کی اچھی خاصی شہرت ہوگئی۔

۴) جب یہ واقعہ ملک میں ہر جگہ مشہور ہو گیا تو مصر کی عورتوں نے یہ طعنے دینے شروع کر دیئے کہ عزیز مصر کی بیوی کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے غلام پر جان دے رہی ہے۔زلیخا نے یہ سنا تو مصر کی تمام بیگمات کو اپنے گھر بلا کر زبر دست دعوت کا انتظام واہتمام کیا۔اس زمانہ کی تہذیب کے مطابق فرش بچھا کر تکیے لگا دیئے گئے۔سب کے سامنے ایسے پھل رکھ دیئے گئے جو چاقو سے کاٹ کر کھائے جاتے ہیں۔سب نے پھل ہاتھ میں لے کر کھانے کے لئے کاٹنے شروع کئے ادھر حضرت یوسفؑ کو اچانک سامنے لایا گیا۔حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھ کر یہ بیگمات مصر اس قدر کھوگئیں کہ ان کے ہاتھ چاقوؤں سے زخمی ہو گئے، خون رسنے لگا اور ان کو پتہ ہی نہ چلا اور وہ کہہ اٹھیں کہ یہ انسان نہیں کوئی بہت ہی معزز فرشتہ ہیں۔زلیخا کی یہی خواہش تھی کہ مصر کی ہر عورت اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ اگر وہ ان پر فدا ہوگئی ہے تو اس کے دل کا کوئی قصور نہیں ہے۔

۵) حضرت یوسفؑ، زلیخا اور بیگمات مصر کی خواہش بھری نظروں کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔ایک دن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر عرض کر دیا۔الٰہی! یہ عورتیں مجھے جس طرف لے جانا چاہتی ہیں اس سے مجھے بچالے۔اگر اس کے بدلے مجھے قید کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں تو وہ مجھے زیادہ پسند ہیں۔

۶) جب زلیخا کی دعوت میں آئی ہوئی بیگمات مصر بھی حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال کے سامنے بے بس سی ہوگئیں اور وہ دل و جان سے قربان ہوگئیں اور ان کے حسن و جمال اور زلیخا کی محبت کے چرچے گھر گھر ہونے لگے تو عزیز مصر نے بدنامی سے بچنے کے لئے حضرت یوسفؑ کو جیل بھیج دیا۔

۷) جیل خانے میں حضرت یوسفؑ نے تمام قیدیوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اور ہر ایک کی خبر گیری کی تو اس قید خانے کے منتظم اعلیٰ نے قید خانے کے سارے انتظامات ان کے حوالے کر دیئے۔حضرت یوسفؑ کے حسن انتظام اور کردار کی بلندی کی شہرت بھی آہستہ آہستہ پھیلتی چلی جارہی تھی۔

۸) ایک دن دو قیدی لائے گئے جن میں سے ایک بادشاہ کا باورچی تھا دوسرا ساقی تھا جو بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر تھا۔دونوں پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دے کر مارنے کی کوشش کی ہے۔تحقیقات جاری تھیں اور اس عرصے میں ان کو قید کر دیا گیا تھا تا کہ پوری تحقیق کر لی جائے اور کوئی فیصلہ کر دیا جائے۔حضرت یوسفؑ نے ان دونوں کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا۔یہ دونوں قیدی حضرت یوسفؑ کے حسن اخلاق، انتظام اور علم کی بلندیوں سے بہت متاثر تھے۔دونوں قیدیوں نے خواب دیکھے۔حضرت یوسفؑ نے ان کو جو تعبیر دی وہ اسی طرح پوری ہو کر رہی کہ ایک کو پھانسی کی سزا ہوگئی اور دوسرے کو جو بادشاہ کا ساقی تھا اس کو بے گناہ قرار دے کر رہا کر دیا گیا۔وہ شخص جو بادشاہ کا ساقی تھا اور رہا کر دیا گیا تھا حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا کہ بادشاہ کو یاد دلا دینا یعنی یہ کہ ایک شخص جو بے گناہ ہے اور عرصہ سے قید خانے میں پڑا ہوا ہے اس کا خیال کیا جائے۔جب وہ ساقی رہا ہو کر اپنی نوکری پر بحال ہو گیا تو وہ اس بات کو بھول گیا کہ وہ بادشاہ سے حضرت یوسفؑ کا ذکر کرے تا کہ وہ بھی رہا ہو جائیں۔

۹) ایک رات بادشاہ مصر نے خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں ان کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیں ہیں جن پر سات سوکھی بالیں لپٹی ہوئیں ہیں۔ صبح کو اٹھ کر اس نے اپنے دربار کے تمام کاہنوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ کسی نے کچھ بتایا کسی نے کچھ اور بعض نے تو اس کو محض تصوراتی اور خیالی خواب بتا کر اس کی تعبیر سے عذر کر دیا۔ اس موقع پر بادشاہ کے اس ساقی نے جس کو حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بتائی تھی اس کو خیال آیا کہ اس خواب کی تعبیر حضرت یوسفؑ ہی بتا سکتے ہیں اس نے بادشاہ سے کہا کہ اگر مجھے قید خانے میں جانے کی اجازت دی جائے تو میں ایسے شخص سے واقف ہوں جس کو اللہ نے خوابوں کی تعبیر کا خاص علم عطا فرمایا ہے۔ وہ شخص قید خانے میں حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچا اور اس نے اس خواب کی تعبیر پوچھی حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ اس خواب کی اہمیت یہ ہے کہ سات سال تک خوب پیداوار ہوگی پھر خشک سالی کے سات سال ہیں۔ اس کے بعد اس خشک سالی سے بچنے کی ایک تدبیر ارشاد فرمائی۔ حالانکہ اس تدبیر سے اس خواب کا تعلق نہیں تھا لیکن حضرت یوسفؑ نے حسن تدبیر بتا کر اپنی ذہانت کا مظاہرہ فرمایا۔ خواب کی اس تعبیر سے بادشاہ کو نہ صرف اطمینان ہوا بلکہ حضرت یوسفؑ کے علم و فضل کا پوری طرح اندازہ ہو گیا۔ بادشاہ نے خواہش کا اظہار کیا کہ میں ایسی شخصیت سے ملنا چاہتا ہوں تا کہ ایسے با صلاحیت انسان کو اپنے سے قریب کر کے ملک کے لئے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۱۰) بادشاہ مصر نے ایک قاصد بھیجا جس نے بادشاہ کی اس خواہش کا اظہار کیا کہ بادشاہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس موقع پر حضرت یوسفؑ نے یہ کہہ کر رہا ہونے سے صاف انکار کر دیا کہ جب تک یہ بات صاف نہیں ہو جاتی کہ مجھے اتنے عرصے کیوں قید میں رکھا گیا۔ پہلے ان تمام عورتوں کو بلا کر ان سے پوچھا جائے جنہوں حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر اپنی انگلیاں زخمی کر لی تھیں بادشاہ نے زلیخا اور مصر کی ان تمام بیگمات کو طلب کر کے ان سے اصل واقعہ بیان کرنے کا حکم دیا۔ زلیخا اور تمام بیگمات مصر نے اس بات کا اعتراف و اقرار کیا کہ حضرت یوسفؑ قطعاً بے گناہ ہیں۔ ہم نے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر ان کا دامن عصمت بالکل پاک ہے۔ اس واقعہ نے بادشاہ کے دل میں حضرت یوسفؑ کے اعلیٰ کردار، تقویٰ و پرہیز گاری کی عظمت کو اور بھی اجاگر کر دیا۔ اور وہ ان سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

جب حضرت یوسفؑ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے یہ محسوس کیا کہ اللہ نے ان کو جتنا ظاہری حسن عطا فرمایا ہے اس سے کہیں زیادہ ان کو کردار کی بلندی عطا فرمائی ہے۔ اس خواب کے حوالے سے بادشاہ نے یہ پوچھا کہ اگر یہ قحط نازل ہوتا ہے تو اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے یقیناً اس موقع پر بادشاہ نے اس خواہش کا اظہار کیا ہوگا کہ اگر اس کی ذمہ داری ان پر ڈال دی جائے تو یقیناً وہ قحط سے بچنے کی بہتر تدبیر کر سکتے ہیں۔ اس کے پوچھنے پر حضرت یوسفؑ نے ''خزائن الارض'' کی ذمہ داریاں سنبھالنے پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کے لئے دنیاوی عروج تک پہنچنے کے تمام انتظامات فرما دیئے۔ حضرت یوسفؑ نے ایسے اعلیٰ انتظامات کئے کہ بادشاہ اور پوری مملکت کا ہر فرد آپ کے حسن انتظام ذہانت اور امانت کا قائل ہو گیا۔ روایات میں آتا ہے کہ ان کے اس اعلیٰ کردار اور حسن انتظام کو دیکھ کر بادشاہ گوشہ نشین ہو گیا اور حضرت یوسفؑ پوری مملکت کے

بادشاہ بن گئے جب حضرت یوسفؑ مصر پہنچے تھے اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی اور جب وہ مصر کی حکومت کے سربراہ بنے ہیں اس وقت ان کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ گویا اللہ نے تئیس سال میں ایک ایسے نوجوان کو جو کبھی نہایت غربت کے عالم میں مصر کے بازار میں ایک غلام کی حیثیت سے فروخت کیا گیا تھا۔ تئیس سال میں اپنے کردار کی ان بلندیوں پر پہنچا دیا تھا جہاں ہر شخص ان کے اخلاق و کردار کا غلام بن چکا تھا۔

جیسا کہ سورۃ یوسف کی تفسیر کی ابتدا میں بتایا گیا تھا کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت یوسفؑ کے حالات زندگی میں بہت مشابہت ہے تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کو بھی تمام مرحلوں سے گذرنے میں تئیس سال لگے اور قرآن کریم کی تعلیمات کی تکمیل میں بھی تئیس سال لگے۔ ان آیات میں کفار مکہ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو دنیاوی عروج کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔ آج مکہ میں حضور اکرم ﷺ جو بظاہر بے سروسامان ہیں اسی طرح ان کو بھی تئیس سال میں دنیاوی عروج و سربلندی حاصل ہو جائے گی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی حکومت ان کی زندگی تک محدود تھی لیکن نبی کریم ﷺ کے کردار اور سیرت کی بلندی کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور آپ قیامت میں اپنی امت ہی کے نہیں بلکہ ساری امتوں کی گواہی دے کر ان کے بھی کام آئیں گے۔ نبی کریم ﷺ اس لئے سرور کونین ہیں کہ اس دنیا اور آخرت میں آپ کی رحمت ہی کام آئے گی۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین.

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۸ تا ۶۱

اور یوسفؑ کے بھائی (مصر) آئے۔ پھر جب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو یوسفؑ نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو نہ پہچان سکے۔ اور جب ان کا سامان تیار ہو گیا تو کہا کہ اپنے (ایک اور) بھائی کو بھی لانا جو تمہارا علاتی (والد کی طرف سے) بھائی ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ میں پیمانہ بھر

کر دیتا ہوں۔ اور بہترین مہمان نواز ہوں۔ پھر اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو پھر میرے پاس تمہارے لئے غلہ نہیں ہوگا۔ اور نہ تم میرے پاس آنا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس کے والد سے کہیں گے اور یہ کام ہمیں ضرور کرنا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۸ تا ۶۱

جَآءَ	آیا
اِخْوَةٌ	بھائی
دَخَلُوْا	وہ داخل ہوئے
عَرَفَ	اس نے پہچان لیا
مُنْكِرُوْنَ	نہ پہچاننے والے
جَهَّزَ	اس نے تیار کی۔ تیار کر دیا
جَهَازٌ	سامان
اُوْفِیْ	میں پورا دیتا ہوں
سَنُرَاوِدُ	ہم درخواست کریں گے
لَفٰعِلُوْنَ	البتہ ضرور کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۵۸ تا ۶۱

کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے حضرت یوسفؑ کا واقعہ اور وہ سبب معلوم کیا تھا جس کی بنا پر حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور ان کے اہل خاندان فلسطین سے مصر پہنچ کر وہاں آباد ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت یوسفؑ کا واقعہ اور ان اسباب کا ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ خاندان جو بنی اسرائیل کہلاتا تھا ہجرت کر کے مصر پہنچا۔ ان آیات میں صرف اس واقعہ کو ہی بیان نہیں کیا گیا بلکہ نصیحت کے لاتعداد پہلوؤں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو فکر کی راہوں کو کھول دیتا ہے۔

جب حضرت یوسفؑ پوری مملکت مصر کے بادشاہ بنا دیئے گئے تو حضرت یوسفؑ نے شان پیغمبری اور عدل وانصاف کی ایسی بے مثال حکومت قائم کی جس سے پورے علاقے میں خوش حالی اور ترقی شروع ہوگئی۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے حکم جاری فرمادیا کہ جب تک ملک بھر میں شدید ترین قحط ہے گھر میں ایک وقت کا کھانے پکایا جائے۔ چنانچہ نہایت سادگی سے ایک وقت میں ایک سالن پکایا جاتا تھا۔ عوام تو وہی کرتے ہیں جو وہ اپنے حکمرانوں کو دیکھتے ہیں چنانچہ مملکت کا ہر شخص بھوک پریشانی اور بدحالی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ جب پہلے سات سال خوش حالی کے تھے اس میں قحط سالی کے سات سالوں کی فکر کر کے بچت کی گئی اور بے شمار غلہ کا ذخیرہ کرلیا گیا۔ جب قحط کا زمانہ شروع ہوا تو پوری معلوم دنیا کو قحط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ہر شخص پریشان ہوگیا لیکن مصر کی سلطنت میں معمولی سی پریشانیوں کے ساتھ خوش حالی برقرار رہی۔ قحط کے زمانہ میں مصر کی خوش حالی کی اطلاع جب آس پاس کے ملکوں میں پھیل گئی اور بادشاہ کی نرم دلی اور حسن اخلاق کے چرچے ہونے لگے تو حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی فلسطین سے مصر آ گئے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ ہمیں بھی غلہ دیا جائے تا کہ اس شدید قحط سے بچا سکے۔ حضرت یوسفؑ نے نہ صرف ان میں سے ہر ایک کو اونٹ بھر غلہ دیا بلکہ ان کی خوب خاطر مدارت کی گئی۔ جیسے ہی یہ بھائی حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا لیکن ان کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو نہیں پہچانا کیونکہ ان کے تو ذہن اور خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ ننھے منے یوسفؑ جن کو ایک اندھے کنویں میں پھینکا گیا تھا وہ چند برسوں میں اس ملک کے بادشاہ بن گئے ہوں گے۔ پھر یہ کہ بچپن اور جوانی کی عمر میں چہروں میں بھی فرق آ جاتا ہے شاید اس لئے بھی وہ حضرت یوسفؑ کو نہ پہچان سکے ہوں غرضیکہ حضرت یوسفؑ نے شان پیغمبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف ان کی خبر گیری کی بلکہ نہایت فیاضی، سخاوت اور حسن اخلاق کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ان کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیا گیا۔ شاید ان کے بھائیوں کی زبان سے نکل گیا ہو کہ ہمارے والد اور ایک بھائی بھی ہیں جو اس وقت نہ آسکے لہٰذا ان کے حصے کا غلہ بھی دیدیا جائے۔ اس پر حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ جب تم دوبارہ غلہ لینے آؤ تو اپنے بھائی کو ضرور ساتھ لانا۔ تا کہ اس کی تصدیق ہوجائے کہ واقعی تمہارا کوئی اور بھائی بھی ہے۔ والد تو چونکہ ضعیف اور کمزور ہیں لیکن بھائی تو آسکتا ہے اس کو ضرور لے کر آنا۔ اگر تم اس بھائی کو نہیں لائے تو پھر تم بھی مت آنا کیونکہ جھوٹ بولنے والے مجھے پسند نہیں ہیں یہ بات ان بھائیوں کے لئے بڑے امتحان کی تھی کہ اگر وہ اپنے بھائی بن یمین کو نہیں لائے تو آئندہ غلہ لینے کا سلسلہ بند ہوجائے گا۔ اور اگر والد صاحب سے بن یمین کے لئے اجازت لیتے ہیں تو وہ حضرت یوسفؑ کا زخم کھائے ہوئے ہیں ان بھائیوں پر اعتنا نہیں کریں گے۔ اس لئے ان بھائیوں نے صرف اتنا کہا کہ ہم یہ ضرور کریں گے لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب ہمارے والد اس کی اجازت دیں گے۔ اگر انہوں نے نہ دی تو پھر ہم کچھ نہ کرسکیں گے۔ اسکی بقیہ تفصیل آنے والی آیات میں بیان کی جائے گی۔ اس موقع پر بعض مفسرین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر حضرت یوسفؑ چاہتے تو اپنے حال کی اطلاع اپنے والد کو کراسکتے تھے۔ کسی کے ذریعہ کہلا سکتے تھے پھر کیا وجہ ہوئی کہ انہوں نے اپنے والد، والدہ اور گھر والوں کو اطلاع نہیں دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے موجودہ دور میں ہمیں اطلاعات کے بہت سے ذرائع حاصل ہیں اس زمانہ میں نہیں تھے۔ دوسرے یہ کہ اگر تمام

روایات پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تیس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے آپ کو اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ آپ اس مسئلہ پر غور فرماتے وجہ اس کی یہ ہے جب آپ سات سال کے تھے اس وقت بھائیوں نے ان کو ایک غلام کی حیثیت سے مدین کے قافلے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ مصر میں عزیز مصر کے گھر رہے۔ بھری جوانی میں آپ کو نو سال تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہنا پڑا۔ رہا ہوئے تو قحط کے حالات نے آپ کو دن رات مصروف کر دیا اور آپ نے انتھک محنت سے ان حالات کو سنبھالا۔ بادشاہ بننے کے بعد اس کی شدید ترین ذمہ داریاں آپ کے سر آ پڑیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس عرصہ میں آپ کو اطلاع کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ نہیں آیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت یوسفؑ محض ایک بادشاہ ہی نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی بھی ہیں اور انبیاء کرام کے تمام معاملات کو اللہ جس طرح حل فرمانا چاہتے ہیں فرماتے ہیں۔ ممکن ہے اس طرح کی اطلاع اللہ کی مصلحت کے خلاف ہو اور اللہ نے حضرت یوسفؑ کو اس طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا ہو۔ بہر حال اس معاملہ کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۲ تا ۶۶

اور اس نے (یوسفؑ نے) اپنے خدمت گذاروں سے کہا کہ ان لوگوں نے غلہ کے بدلہ میں جو مال دیا ہے اس کو ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب وہ گھر لوٹیں تو اس کو پہچان لیں۔ شاید وہ پھر لوٹ آئیں۔ پھر جب وہ اپنے والد کے پاس لوٹ کر گئے تو انہوں نے کہا اے ابا جان آئندہ غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بن یمین) کو بھیج دیجئے تا کہ ہم (دوبارہ جا کر) غلہ لے آئیں اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔

اس نے (یعقوبؑ) کہا کیا میں اس کے متعلق تمہارے اوپر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں میں نے تم پر بھروسہ کیا تھا؟ بہر حال اللہ بہترین نگہبان ہے اور وہ تمام مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنا مال پایا جو ان کو واپس دے دیا گیا تھا۔ انہوں نے (برادران یوسفؑ نے) کہا کہ ہمارے ابا جان اور ہم کیا چاہتے ہیں؟ یہ ہمارا مال بھی ہمیں لوٹا دیا گیا ہے بس اب ہم اپنے گھر والوں کے لئے اور بہت کچھ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ مزید لے کر آئیں گے۔ جو ہم لائے ہیں وہ تو بہت تھوڑا ہے۔

اس نے (یعقوبؑ نے) کہا کہ میں اس کو تمہارے ساتھ اس وقت تک نہ بھیجوں گا جب تک تم اللہ کی پکی قسمیں کھا کر مجھے یقین نہ دلا دو گے کہ تم اس کو ضرور واپس لے کر آؤ گے۔ البتہ اگر تم کہیں گھر جاؤ تو اور بات ہے۔ پھر جب انہوں نے پکا وعدہ کر لیا تو کہا کہ ہم نے کچھ باتیں کی ہیں اللہ ان کا نگراں ہے۔

لغات القرآن   آیت نمبر ۶۲ تا ۶۶

فِتْیٰنِ	نوجوان۔ خدمت کرنے والے
اِجْعَلُوْا	ڈال دو۔ کر دو

بِضَاعَةٌ	سامان۔ پونجی
رِحَالٌ	اسباب۔ سامان۔ کھجاوا
يَعْرِفُوْنَ	وہ پہچانتے ہیں
اِنْقَلَبُوْا	وہ پلٹے
اَهْلٌ	گھر والے
رَجَعُوْا	وہ لوٹے
مُنِعَ	منع کر دیا گیا
نَكْتَلُ	ہم ماپ لیں گے۔ ماپ کر لائیں گے
اٰمَنُ	میں بھروسہ کروں گا
خَيْرٌ	بہترین
حَافِظٌ	حفاظت کرنے والا
اَرْحَمُ	بہت رحم کرنے والا
فَتَحُوْا	انہوں نے کھولا
مَتَاعٌ	سامان
وَجَدُوْا	انہوں نے پایا
رُدَّتْ	لوٹا دیا گیا
مَا نَبْغِىْ	ہم کیا چاہتے ہیں؟

نَمِیْرُ	(مَیْرٌ)۔ مدد لائیں۔ گھر والوں کے لئے سامان لانا
نَزْدَادُ	ہم اضافہ کریں گے۔ زیادہ لائیں گے
بَعِیْرٌ	اونٹ
کَیْلٌ یَّسِیْرٌ	آسان بوجھ
مَوْثِقٌ	پکا وعدہ۔ پختہ قول
اَنْ یُّحَاطَ	یہ کہ گھیر لیا جائے
وَکِیْلٌ	کام بنانے والا۔ نگراں

تشریح: آیت نمبر ۶۲ تا ۶۶

حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا لیکن کسی مصلحت یا اللہ کے حکم سے آپ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے بھائی دوبارہ آئیں تا کہ یہ سلسلہ ختم نہ ہونے پائے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے ملازمین سے یہ کہا کہ وہ تمام قیمت یا چیزیں جو غلہ کے بدلے میں دی گئیں ہیں واپس ان کے سامان میں رکھ دیں تا کہ وہ اس بات کو سمجھ جائیں کہ بادشاہ ان پر مہربان ہے اور وہ ان کے لئے اپنے دل میں احسان اور نیکی کرنے کا جذبہ رکھتا ہے، ممکن ہے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ بھلائی سے دینا چاہتے ہوں۔ بہر حال ان تمام کاروائیوں کا مقصد یہ تھا کہ یہ بھائی دوبارہ آئیں اور ان کو بادشاہ متاثر کر سکے۔ چنانچہ جب یہ بھائی واپس کنعان پہنچے اور اپنے غلہ میں تمام ان چیزوں کو دیکھا جو قیمت کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئی تھیں تو وہ نہ صرف حیران رہ گئے بلکہ بادشاہ کی عنایتوں کے اور بھی قائل ہو گئے۔ انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے بادشاہ کی مہربانیوں اور بہترین اخلاق کی بہت تعریف کی جس سے حضرت یعقوبؑ نے ان کو ڈھیروں دعائیں دیں اور بے انتہا خوش ہوئے۔ برادران یوسف نے والد صاحب کی خدمت میں وہ پوری تفصیل بھی بتائی جو بادشاہ نے ان سے کہی تھی کہ اگر آئندہ آتے وقت تم اپنے گیارھویں بھائی کو ساتھ نہیں لائے تو تم خود بھی یہاں مت آنا اور تمہارے ساتھ کوئی مہربانی کا معاملہ نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہم پر مکمل بھروسہ کیجئے ہم بن یمین کی پوری طرح حفاظت و نگرانی کریں گے۔

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ کیا میں تمہارے اوپر اس طرح بھروسہ کروں جس طرح یوسفؑ کے بارے میں کیا تھا، حفاظت کے وعدوں کے باوجود تم اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ میں تمھارے اوپر اعتماد اور دبھرسہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے بادشاہ مصر کی مہربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جس نے ہماری وہ تمام پونجی اور قیمت واپس کر دی ہے اس سے کوئی نقصان پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت یعقوبؑ کو جب تمام بھائیوں نے پکی قسمیں کھا کر اس بات کا یقین دلایا کہ وہ اپنی جان سے زیادہ بن یمین کی حفاظت کریں گے تب حضرت یعقوبؑ نے بن یمین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ میں اصلی بھروسہ اس سب سے زیادہ مہربان اللہ پر کرتا ہوں جو سب سے زیادہ اور بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ اپنے گیارہویں بیٹے بن یمین کو جانے کی اجازت دیدی۔ اور یہ نصیحت فرمائی کہ تم سب بھائی الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا ایک ہی دروازے سے مت جانا۔ اس کی تفصیل اگلی آیات میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

۸ ع ۱۱ ۲

ترجمہ: آیت نمبر ۶۷ تا ۶۸

اور (یعقوبؑ نے) کہا اے میرے بچو! تم سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور اللہ کی کسی بات (فیصلے سے) تمہیں بچا نہیں سکتا۔ حکم تو

صرف اللہ ہی کا ہے۔اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں۔ اور اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔اور جب وہ اپنے والد کے حکم کے مطابق (مصر میں) داخل ہوئے وہ انہیں اللہ کی مشیت سے بچانہیں سکتا تھا۔مگر یعقوبؑ کے دل میں جو ایک اندیشہ تھا اس نے اس کی احتیاط کرلی تھی۔اور بے شک وہ اس علم سے واقف تھا جو ہم نے اس کو سکھایا تھا۔لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٧ تا ٦٨

لَا تَدْخُلُوْا — تم داخل مت ہو

بَابٌ وَّاحِدٌ — ایک دروازہ

مُتَفَرِّقَةٌ — الگ الگ۔جدا جدا

مَآ اُغْنِیْ — میں نہیں بچا سکوں گا

اَلْحُكْمُ — فیصلہ

اَلْمُتَوَكِّلُوْنَ — بھروسہ کرنے والے

اَمَرَ — اس نے حکم دیا

حَاجَةٌ — ضرورت۔ایک منصوبہ

قَضٰی — اس نے فیصلہ کیا۔ظاہر کیا

عَلَّمْنَا — ہم نے سکھایا

تشریح: آیت نمبر ٦٧ تا ٦٨

گذشتہ آیات میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے کہ برادران یوسفؑ نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو اس بات کا یقین

دلایا تھا کہ اگر وہ کہیں کسی قدرتی آفت کا شکار نہ ہو گئے تو وہ اپنی پوری قوت وطاقت سے اپنے بھائی بن یمین کی حفاظت کریں گے۔
حضرت یعقوبؑ نے اللہ پر بھروسہ کر کے اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ بن یمین کو اپنے ساتھ لے کر جائیں لیکن اس بات کی تاکید اور نصیحت بھی کردی کہ سب بھائی ایک ساتھ ایک دروازے سے داخل نہ ہوں بلکہ داخلہ کے وقت مختلف دروازے استعمال کئے جائیں تاکہ ان جوان اور صحت مندوں پر نظر نہ بیٹھ جائے۔ ممکن ہے یہ نصیحت اس بنا پر کی ہو تاکہ وہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ کیونکہ دنیا بھر سے لوگ ایک ہی مقصد کے لئے آرہے ہوں تو مفادات کے ٹکراؤ کی وجہ سے ان کے خلاف کوئی سازش بھی ہوسکتی تھی اور بادشاہ تک نہ پہنچ پاتے۔ چنانچہ سارے بھائیوں نے والد کی نصیحت پر پوری طرح عمل کیا اور الگ الگ دروازوں سے مصر میں داخل ہو گئے۔ حضرت یعقوبؑ نے احتیاط اور ظاہری تدبیر کے طور پر یہ نصیحت کی تھی ورنہ اللہ کے حکم کے آگے کس کی چلتی ہے۔ ہر انسان کو اپنی ظاہری تدبیر کے ساتھ مکمل بھروسہ اور اعتماد اللہ ہی کی ذات پر کرنا چاہئے۔

بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے یہ تاکید اس لئے کی تھی کہ یہ سب بھائی انتہائی خوب صورت، جوان اور صحت مند تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کسی کی نظر بیٹھ جائے۔ دلیل کے طور پر انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ نظر بد ایسی چیز ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے۔ ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی حضرت ابوسہل بن حنیف جو بہت خوبصورت تھے ایک مرتبہ غسل فرمارہے تھے، عامر بن ربیعہ کی نظر جب ان کے جسم پر پڑی تو ان کے منہ سے نکل گیا کہ میں نے تو اتنا حسین وخوبصورت بدن آج تک نہیں دیکھا۔ ابوسہل جب گھر پہنچے تو ان کو بخار آ گیا۔ بخار اتنی شدت اختیار کر گیا کہ نبی کریم ﷺ کو اطلاع کی گئی آپ ﷺ تشریف لائے اور دیکھ کر سمجھ گئے کہ ان پر نظر بد بیٹھ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ان کو کسی نے دیکھ کر تعریف تو نہیں کی تھی۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ عامر بن ربیعہ نے ان کے بدن کی تعریف کی تھی۔ آپ ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو بلا کر فرمایا کہ وہ اپنے وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کر کے اس کو ابوسہل کے بدن پر ڈالیں۔ ایسا ہی کیا گیا اور وہ کچھ دیر بعد صحت مند ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے۔ تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جب ان کا بدن تمہیں بہت اچھا لگا تو تم اس کے لئے برکت کی دعا کرتے۔ یعنی "ماشاء اللہ و لاقوۃ الاباللہ" کہتے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ نظر بد کا لگ جانا حق ہے اور یہ ایک سچائی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نظر بد ایسی چیز ہے کہ اگر آدمی کو لگ جائے تو اس کو قبر میں اور اونٹ کو لگ جائے تو اس کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ آدمی جب بھی کسی ایسی چیز کو دیکھے جو اس کو پسند آ جائے تو کہے "ماشاء اللہ ولاقوۃ الا باللہ" اس سے انشاء اللہ نظر بد کا اثر نہیں ہوگا۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِىْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۹ تا ۷۶

اور جب وہ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تیرا بھائی ہوں۔ وہ جو کچھ کرتے تھے تو اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ پھر جب ان کا سامان تیار ہو گیا تو اس

نے اپنے بھائی کے سامان میں پینے کا (شاہی) پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک منادی کرنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والے تم چور ہو۔ انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم کیا گم کر بیٹھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم شاہی پیالہ نہیں پا رہے ہیں۔ اور جو شخص اس کو لا حاضر کرے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ (انعام) دیا جائے گا۔ اور میں اس کا ذمہ لیتا ہوں۔ انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ تم جانتے ہو ہم اس لئے نہیں آئے کہ زمین میں فساد مچائیں۔ اور نہ ہم چور ہیں۔ انہوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو پھر اس کی کیا سزا ہے؟

کہنے لگے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ پایا جائے پس وہی اس کا بدلہ ہے ہمارے ہاں ظالموں کو اسی طرح سزا دی جاتی ہے۔

پھر ان کے سامان کی تلاشی اپنے بھائی کے سامان سے پہلے لی گئی۔ پھر اس کو اپنے بھائی کے سامان سے برآمد کر لیا گیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر کر دی (کیوں کہ) یوسفؑ اپنے بھائی کو اس بادشاہ کے قانون کے ذریعہ نہیں لے سکتے تھے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی کو یہ بات منظور تھی وہ جس کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ اور وہ تمام علم رکھنے والوں سے بڑھ کر علم رکھنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۹ تا ۷۶

اٰوٰی	اس نے ٹھکانا دیا۔ (پاس بٹھایا)
لَا تَبْتَئِسْ	تو رنجیدہ نہ ہو
جَهَّزَ	تیار کر دیا
جَهَازٌ	سامان
اَلسِّقَايَةُ	جس سے پانی پیا جاتا ہے۔ پیالہ
رَحْلٌ	سامان
اَذَّنَ	پکارا
مُؤَذِّنٌ	پکارنے والا
اَيَّتُهَا	اے
اَلْعِيرُ	قافلہ

سَارِقُوْنَ	چوری کرنے والے
اَقْبَلُوْا	وہ متوجہ ہوئے۔ سامنے ہوئے
مَاذَا	حرف سوال۔ حرف استفہام
تَفْقِدُوْنَ	تم گم پاتے ہو
صُوَاعٌ	پیانہ۔ جس سے چیزوں کو تولا جاتا ہے
جَاءَ بِهٖ	جو اس کو لے آئے گا
حِمْلُ بَعِيْرٍ	ایک اونٹ کا بوجھ۔ جتنا سامان ایک اونٹ پر آتا ہے
زَعِيْمٌ	ذمہ داری لینے والا
تَاللّٰهِ	اللہ کی قسم
مَاجِئْنَا	ہم نہیں آئے
مَا جَزَاءُ	کیا بدلہ ہے؟ کیا سزا ہے؟
وُجِدَ	پایا گیا
نَجْزِيْ	ہم بدلہ دیتے ہیں۔ ہم سزا دیتے ہیں
بَدَاَ	شروع کیا
اَوْعِيَةٌ	سامان۔ بوری
كِدْنَا	ہم نے تدبیر کر دی
دِيْنُ الْمَلِكِ	بادشاہ کا قانون

تشریح: آیت نمبر ۶۹ تا ۷۶

گذشتہ آیات میں اس کی تفصیل ارشاد فرمائی گئی ہے کہ برادران یوسفؑ نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو پکی قسمیں کھا کر اس بات کا یقین دلایا تھا کہ وہ اپنے بھائی بن یمین کی ہر طرح حفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوبؑ کی اس نصیحت پر عمل کرتے

ہوئے کہ وہ سب بھائی ایک دروازے سے داخل نہیں ہوں گے بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں گے تا کہ ان جوان اور صحت مندوں پر کسی کی نظر نہ بیٹھ جائے یا اتنے بھائیوں کو ایک ساتھ دیکھ کر کچھ لوگ حسد میں مبتلا ہو کر کوئی سازش نہ کر بیٹھیں۔
چنانچہ ان سب بھائیوں نے اس پر عمل کیا حضرت یوسفؑ جو اپنے بھائی بن یمین سے ملنے کے لئے بے چین تھے ان پر جیسے ہی حضرت یوسفؑ کی نظر پڑی تو انہوں نے اپنے بھائی کو گلے لگالیا، عزت کے مقام پر بٹھایا اور ان کے کان میں چپکے سے کہہ دیا کہ میں تمھارا حقیقی بھائی یوسف ہوں۔ تم بقیہ بھائیوں کی باتوں پر نہ تو دھیان دینا اور نہ کسی طرح گھبرانا کیونکہ ان کو جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے اب تم یہاں آرام سے رہو۔ حضرت یوسفؑ کو بن یمین سے ملنے کے بعد اس بات کی فکر تھی کہ میرا بھائی مجھ سے جدا نہ ہو جائے۔
چنانچہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی بن یمین کو روکنے کی ایک تدبیر کی۔ شاہی پیالہ یا وہ پیمانہ جس سے لوگوں کو ناپ کر غلہ دیا جاتا تھا اس کو بن یمین کے سامان میں رکھوا دیا۔ حضرت یوسفؑ کو معلوم تھا کہ دین ابراہیمی کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی شخص چوری کرے اور سامان اس کے پاس سے برآمد ہو جائے تو وہ اس شخص کا ایک سال تک غلام بن کر رہے گا جس کی چوری کی ہے۔ حضرت یوسفؑ کو اس بات کا اندازہ تھا کہ مصر کے قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے صرف دین ابراہیمی کا یہ اصول ہے۔ جب برادران یوسفؑ غلہ اور سامان لے کر روانہ ہو گئے اور ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ بادشاہ مصر کے کسی آدمی نے پکار کر کہا کہ اے چورو! رک جاؤ تم نے چوری کی ہے۔ وہ سب بھائی رک گئے اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اور کیا چیز گم ہو گئی ہے؟۔ ان کو بتایا گیا کہ بادشاہ کا قیمتی پیالہ گم ہو گیا ہے اور اعلان کیا گیا ہے کہ جو بھی اس پیالہ کو لے کر آئے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ یعنی غلہ انعام میں دیا جائے گا۔ اس نے کہا کہ اس انعام کے سلسلے میں، میں پوری طرح ذمہ دار ہوں۔
برادران یوسفؑ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم نہ تو فساد کرنے والے لوگ ہیں اور نہ کسی چوری میں ملوث ہیں۔ بادشاہ کے آدمیوں نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ اگر کسی نے چوری کی ہو تو اس کی تمہارے ہاں سزا کیا ہے؟۔ انہوں نے دین ابراہیمی کا یہ اصول بیان کر دیا کہ جس کے پاس سے بھی چوری کا سامان نکل آئے گا وہ ایک سال تک غلام بنا کر رکھا جائے گا۔ چنانچہ بادشاہ کے لوگوں نے سب سے پہلے سب بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینا شروع کی کسی کے پاس کچھ نہ نکلا جب بن یمین کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے وہ شاہی پیالہ نکل آیا۔ اور اس طرح بن یمین بظاہر حضرت یوسفؑ کے غلام بنا کر ان کے پاس لے آئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دونوں بھائیوں کے ایک ساتھ رہنے کی بہترین تدبیر فرما دی۔ بقیہ واقعہ کی تفصیل تو اگلی آیات میں آ رہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو اپنے سگے بھائی بن یمین سے ملانے کے تمام اسباب پیدا فرما دیئے اور اس طرح بن یمین کے درجہ کو بلند کر دیا گیا۔ اور فرمایا کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر علم والے پر ایک علم والے کو رکھا ہے لیکن سب جاننے والوں سے بڑا جاننے والا اللہ ہے یعنی اللہ ہی نے اپنے علم اور فضل و کرم سے بنی اسرائیل کے فلسطین سے مصر آنے کے راستے ہموار فرما دیئے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کام کی کیا مصلحت ہے اور نتائج کیا ہیں۔

قَالُوۡۤا اِنۡ يَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ‌ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ وَلَمۡ يُبۡدِهَا لَهُمۡ‌ ۚ قَالَ اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا‌ ۚ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الۡعَزِيۡزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيۡخًا كَبِيۡرًا فَخُذۡ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ‌ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنۡ نَّاۡخُذَ اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا مَتَاعَنَا عِنۡدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾

ع ۹/۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۷۷ تا ۷۹

(یوسفؑ کے بھائیوں نے) کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو (تعجب نہیں ہے) بلکہ اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ یوسفؑ اس بات کو اپنے دل میں چھپا گئے اور اس کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ اس نے (دل میں کہا) کہ تم تو بہت برے لوگ ہو۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کر رہے ہو۔ کہنے لگے اے عزیز اس کا باپ بہت بوڑھا ہے۔ تم اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو لے لو۔ بے شک ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے پاتے ہیں۔ (یوسفؑ نے) کہا اللہ کی پناہ کہ ہم کسی کو (کسی کی جگہ) پکڑلیں سوائے اس کے جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۷ تا ۷۹

يَسۡرِقۡ چوری کرتا ہے

اَسَرَّ اس نے چھپالیا

فِیْ نَفْسِہٖ	اپنے نفس میں۔اپنے دل میں
لَمْ یُبْدِ	ظاہر نہ کیا
اَنْتُمْ	تم
شَرٌّ مَّکَانٌ	برا ٹھکانا۔ برے درجے کے لوگ
تَصِفُوْنَ	تم بیان کرتے ہو
شَیْخٌ کَبِیْرٌ	بہت زیادہ بوڑھا
خُذْ	تو پکڑ لے۔تو لے لے
اَحَدَنَا	ہم میں سے ایک
مَکَانَہٗ	اس کی جگہ
نَرٰکَ	ہم دیکھتے ہیں تجھے
مَعَاذَ اللّٰہِ	اللہ کی پناہ
اَنْ نَّاْخُذَ	یہ کہ ہم لے لیں
عِنْدَہٗ	اس کے پاس
اِذًا	اس وقت

تشریح: آیت نمبر ۷۷ تا ۷۹

جب حضرت یوسفؑ کے سگے بھائی بن یمین کے سامان میں سے وہ شاہی پیالہ نکل آیا جس کی تلاش تھی تب حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں نے ایک مرتبہ پھر اپنے دلی بغض اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف بھی چوری کر چکا ہے۔ یہ ایک ایسا زخم تھا جس پر حضرت یوسفؑ جو کہ بادشاہ وقت بھی تھے ان کو شدید غصے میں آ کر کسی بڑی سے بڑی سزا کا اعلان کر دینا چاہیے تھا مگر جہاں اللہ نے ان کو اقتدار عطا فرمایا تھا وہیں شان پیغمبری اور اس کا حلم و برداشت بھی عطا فرمایا تھا۔ شاید اللہ کی طرف سے اس بات کا اشارہ نہیں ملا تھا کہ حضرت یوسفؑ اپنے آپ کو اپنے سوتیلے بھائیوں پر ظاہر کر دیں اس لئے آپ نے تحمل اور برداشت سے کام لیتے ہوئے مکمل خاموشی اختیار فرمائی۔ اور دل میں صرف اتنا کہا کہ تم کتنے برے لوگ ہو۔ حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تم الزام لگا رہے ہو وہ غلط ہے۔ دین ابراہیمی کے قانون کے مطابق

اب بن یمین حضرت یوسفؑ کے غلام بنالئے گئے تھے۔ جب برادران یوسفؑ نے دیکھا کہ اب اپنے بھائی کو واپس لے جانے کی ہر کوشش بے کار ہوگی تب انہوں نے سب سے پہلے یہ تجویز رکھی کہ اے عزیز مصر! تم ہم میں سے کسی ایک بھائی کو بن یمین کے بدلے میں رکھ لو۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں اور وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پائیں گے۔ آپ تو بہت ہی نیکی کرنے والے ہیں حضرت یوسفؑ نے کہا کہ اللہ کی پناہ میں کسی بے گناہ شخص کو پکڑلوں۔ جس کے پاس سے سامان نکلا ہے۔ ہم اس کو پکڑ سکتے ہیں جس کے پاس سے سامان برآمد نہیں ہوا ہم اس کو کیسے پکڑ سکتے ہیں اگر ہم نے بن یمین کے بدلے میں کسی بے گناہ کو پکڑ لیا تو یہ سخت ناانصافی اور ظلم ہوگا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی بن یمین کو اپنے پاس روک رکھنے کی ایک تدبیر کی اور دین ابراھیمی کے قوانین کے مطابق فیصلہ کیا تھا ورنہ مصر کے قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس طرح کے کسی معاملہ کو ''توریہ'' کہتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسا کام کیا جائے یا کوئی بات کہی جائے جو دیکھنے اور سننے والے کے ذہن میں ایک ظاہری اور قریبی مطلب سمجھا جائے جب کہ اس کہنے والے اور کرنے والے کی نیت کچھ اور ہو۔ اب مثلاً حضرت یوسفؑ جانتے تھے کہ ان کے بھائی بن یمین نہ چور ہیں نہ ان سے کسی زیادتی کی امید کی جاسکتی ہے مگر حضرت یوسفؑ نے ایک ایسی تدبیر کی جس سے بن یمین رک جائیں اور دیکھنے والوں کو اس بات کا اندازہ ہی نہ ہو سکے کہ کیا معاملہ ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر نیک مقصد کے لئے توریہ کیا جائے تو وہ جائز ہے لیکن اگر ناجائز کام کے لئے ہو تو حرام ہے۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۰ تا ۸۲

پھر جب وہ اس سے مایوس ہوگئے تو آپس کے مشورے کے لئے الگ بیٹھ گئے۔ان میں سے ایک بڑے (بھائی) نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے اپنے والد سے اللہ کی پکی قسم کھا کر وعدہ کیا تھا جب کہ اس سے پہلے تم یوسفؑ کے معاملے میں زیادتی کر چکے ہو۔میں تو اس سرزمین سے اس وقت تک نہ لوٹوں گا جب تک مجھے میرے والد اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ کوئی تدبیر پیدا نہ کردیں۔اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔

اپنے والد کی طرف لوٹ جاؤ اور پھر کہو کہ تمہارے بیٹے نے چوری کی ہے۔اور ہم وہی بیان کریں گے جو ہمیں معلوم ہے اور ہم غیب کی حفاظت ونگہبانی کرنے والے تو نہیں ہیں۔اس بستی والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور ان قافلے والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم آئے ہیں کہ بے شک ہم سچے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۰ تا ۸۲

اِسْتَیْئَسُوْا	وہ مایوس ہوگئے
خَلَصُوْا	وہ الگ جا بیٹھے
نَجِیٌّ	خفیہ بات کرنے والا
کَبِیْرٌ	بڑا
اَلَمْ تَعْلَمُوْا	کیا تمہیں معلوم نہیں
مَوْثِقٌ	پختہ۔پکا
فَرَّطْتُّمْ	تم نے زیادتی کی ہے
لَنْ اَبْرَحَ	میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔نہیں ٹلوں گا
حَتّٰی یَاْذَنَ	جب تک اجازت دیتا ہے

یَحْکُمُ	وہ فیصلہ کرتا ہے
اِرْجِعُوْا	لوٹ جاؤ
اِبْنُکَ	تیرا بیٹا
اِسْئَلْ	پوچھ لے
اَلْعِیْرُ	قافلہ
اَقْبَلْنَا	ہم سامنے آئے

تشریح: آیت نمبر ۸۰ تا ۸۲

جب برادران یوسفؑ اپنی تدبیر اور کوشش میں ناکام ہو گئے اور انہوں نے اچھی طرح اندازہ کر لیا کہ باشاہ بن یمین کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گا اور اس نے بن یمین کو اپنا باقاعدہ غلام بنا لیا ہے تب برادران یوسفؑ اس تصور سے بے چین ہو گئے کہ ہم نے اپنے والد سے قسمیں کھائی تھیں پکے وعدے کئے تھے کہ جس طرح یوسفؑ کے ساتھ ہوا تھا اب وہ معاملہ نہیں ہوگا اور ہم اپنا سب کچھ قربان کر کے بھی اپنے بھائی بن یمین کی حفاظت کریں گے۔ اب ہم اپنے والد کو کیا جواب دیں گے اور کیا منہ لے کر اپنے ملک واپس جائیں گے۔ کوئی نتیجہ نکالنے کے لئے سب سوتیلے بھائی آپس میں مشورہ کرنے کے لئے ایک طرف ہٹ گئے اور مشورہ شروع کر دیا۔ کسی نے کہا کہ ہمیں اپنے وطن لوٹ جانا چاہیئے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ وطن لوٹ کر والد صاحب کو ساری بات کھول کھول کر بتا دی جائے اور ان کو بتا دیا جائے کہ ہم نے ہر ممکن کوشش کی مگر ہمارا بس نہ چل سکا۔ غرضیکہ ہر ایک نے اپنا اپنا مشورہ پیش کر دیا۔ یہ سب بھائی اس بات سے سخت شرمندہ تھے کہ یوسفؑ کے بعد بن یمین کا واقعہ پیش آ گیا۔ اب ہمارا منہ نہیں ہے کہ ہم اپنے والد سے آنکھیں بھی ملا سکیں۔ سب سے بڑے بھائی نے مشورہ دیا کہ تم سب واپس لوٹ جاؤ اور والد کو سچ سچ بتا دو کہ تمہارے بیٹے نے چوری کی ہے اور بادشاہ نے اسکو اپنے پاس غلام بنا کر روک لیا ہے اور یہ بھی کہہ دینا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں جھوٹ کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ بہت سے وہ لوگ جو ہمارے ساتھ تھے وہ اس بات کے گواہ ہیں ان سے پوچھ لیا جائے کہ ہم بالکل سچ سچ کہہ رہے ہیں۔ مشورہ کرنے کے بعد وہ اپنے ملک لوٹ گئے اور ساری صورت حال اپنے والد کو بتا دی۔ حضرت یعقوبؑ نے جب یہ سنا تو اپنا دل پکڑ کر رہ گئے اور آپ نے فرمایا کہ میں صبر جمیل ہی کر سکتا ہوں اور اللہ پر چھوڑتا ہوں جو کچھ انہوں نے مجھ سے بیان کیا ہے۔

قَالَ بَلْ

سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۳ تا ۸۷

اس نے (یعقوبؑ نے) کہا۔ تم نے یہ بات اپنے دل سے گھڑلی ہے۔ تو میں بہترین صبر کرتا ہوں اللہ سے امید ہے کہ وہ شاید ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ وہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس نے ان سے منہ پھیرلیا۔ اور کہا ہائے افسوس یوسف پر۔ اور غم پیتے پیتے اس کی آنکھیں سفید ہوگئیں۔ (برادران یوسفؑ نے) کہا۔ اللہ کی قسم (اے ابو جان) آپ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یا بیمار ہو جائیں گے یا اپنی جان گھلا ڈالیں گے۔

اس نے (یعقوبؑ نے) کہا کہ میں اپنے رنج وغم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور

میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اے میرے بچو! تم جاؤ، یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بیشک اللہ کی رحمت سے تو وہی لوگ مایوس ہوا کرتے ہیں جو کافر ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۳ تا ۸۷

سَوَّلَتْ	بنالی ہے۔ گھڑلی ہے
صَبْرٌ جَمِیْلٌ	ایسا صبر جس میں کوئی شکایت نہ ہو
عَسٰی	شاید۔ امید ہے کہ
اَنْ یَّاْتِیَنِیْ	یہ کہ وہ لائے میرے پاس
تَوَلّٰی	اس نے منہ پھیرلیا
یٰاَسَفٰی	ہائے افسوس
اِبْیَضَّتْ	سفید ہوگئی۔ (ہوگئیں)
عَیْنٰہُ	اس کی آنکھیں
اَلْحُزْنُ	رنج وغم
کَظِیْمٌ	گھٹنے والا۔ (غم برداشت کرنے والا)
تَذْکُرُ	ذکر۔ یاد کرنا
حَرَضٌ	کمزور۔ بے جان
اَشْکُوْا	فریاد کرتا ہوں
بَثِّیْ	میرا غم

تَحَسَّسُوْا	تلاش کرو۔کھوج لگاؤ
لَا تَايْئَسُوْا	تم مایوس نہ ہو
رَوْحُ اللّٰهِ	اللہ کی رحمت

تشریح: آیت نمبر ۸۳ تا ۸۷

گذشتہ آیات میں حضرت یعقوبؑ کے گیارہ بیٹوں کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جب ایک بہانے سے حضرت یوسفؑ نے اپنے سگے بھائی بن یمین کو روک لیا اور وہ تمام بھائی جو اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو اس بات کا یقین دلا کر بن یمین کو اپنے ساتھ لائے تھے کہ ہم ان کی ہر طرح حفاظت کریں گے وہ سخت ناکام ہو گئے تب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ تمام صورت حال سے اپنے والد کو مطلع کر دیتے ہیں کہ ان کے بیٹے نے چوری کی ہے اور اب وہ بادشاہ مصر کا غلام بن چکا ہے۔ بڑے بھائی نے یہ کہہ کر مصر سے کنعان واپس جانے سے انکار کر دیا کہ تم لوگ چلے جاؤ اور پوری صورت حال کی وضاحت کر دو میں یہیں رک جاتا ہوں۔ نو بھائی مصر سے کنعان پہنچے اور اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو یہ سارا واقعہ سنایا حضرت یعقوبؑ نے فرمایا ایسا لگتا ہے کہ تم نے یہ بات اپنے دل سے گھڑ لی ہے بہر حال میں صبر جمیل کرتا ہوں اور میں اللہ سے اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ وہ سب کو میرے پاس لے آئے گا۔ اب اس امتحان میں اور کیا حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ نے سب سے رخ پھیر لیا اور حضرت یوسفؑ کو یاد کر کے رونا شروع کر دیا۔ ابھی تک تو صرف حضرت یوسفؑ کی جدائی کا غم تھا اب حضرت یوسفؑ، بن یمین اور تیسرے بیٹے کا غم بھی بڑھ گیا اور حضرت یوسفؑ کی جدائی کا غم اتنا بڑھ گیا کہ غم پیتے پیتے اور آنسو بہاتے بہاتے آنکھیں بھی سفید ہو گئیں۔ جب والد کی یہ حالت دیکھی تو برادران یوسفؑ نے کہا کہ اے ابا جان اللہ کی قسم ایسا لگتا ہے کہ یوسفؑ کی یاد میں آپ یا تو شدید بیمار ہو جائیں گے یا اس طرح اپنی جان کو گھلا ڈالیں گے۔ حضرت یعقوبؑ کا پیغمبرانہ جواب تھا کہ میں اگر رو رہا ہوں یا گریہ وزاری کر رہا ہوں تو وہ صرف اپنے اللہ کی بارگاہ میں کر رہا ہوں وہی میری سننے والا ہے۔ مجھے وہ بہت کچھ معلوم ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں رونے اور مانگنے سے کیا کچھ نہیں مل جاتا۔ اس حقیقت سے میں اچھی طرح واقف ہوں تم اپنا کام کرو۔ مجھے یقین ہے کہ یوسفؑ زندہ ہیں تم ان کو اور ان کے بھائی کو تلاش کرو میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں حقیقت یہ ہے کہ اس کی رحمت سے تو صرف کفار و مشرکین اور اس کے نافرمان ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

ع ۱۴ / ۱۰ / ۴

ترجمہ: آیت نمبر ۸۸ تا ۹۳

پھر جب (برادران یوسفؑ) اس کے سامنے پہنچے تو کہا کہ اے عزیز (مصر) ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو سخت اذیت پہنچ چکی ہے اور ہم ایک معمولی سی رقم لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ تو آپ ہمیں غلہ دیدیجئے اور ہم پر کچھ صدقہ کر دیجئے۔ بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو بہترا جرعطا فرماتا ہے۔ اس نے (یوسفؑ نے) کہا کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جب تم نادانی کر رہے تھے۔ کہنے لگے کیا تو یوسفؑ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بے شک جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے

تو اللہ ایسے نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتا۔ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم۔ اللہ نے تجھے ہمارے اوپر فضیلت عطا کی ہے اور بے شک ہم ہی خطاوار تھے۔ (یوسفؑ نے) کہا کہ آج کے دن تمہارے اوپر کوئی ملامت نہیں (کرتا) اللہ تمہیں معاف فرمائے گا۔ وہ سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

میری یہ قمیص لے جاؤ۔ اس کو میرے والد کے چہرے پر ڈالو تو ان کی بینائی واپس آجائے گی اور میرے پاس تم اپنے سب گھر والوں کو لے کر آؤ۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۸ تا ۹۳

مَسَّنَا	ہمیں پہنچی۔ ہمیں چھولیا
اَلضُّرُّ	سختی اور پریشانی
مُزْجٰۃٌ	بیکار۔ معمولی
اَوْفِ	پورا کر
تَصَدَّقْ	صدقہ کردے۔ نیکی کر
هَلْ عَلِمْتُمْ	کیا تمہیں معلوم ہے۔ کیا تمہیں یاد ہے
مَا فَعَلْتُمْ	تم نے کیا کیا
مَنَّ اللّٰهُ	اللہ نے احسان کیا
مَنْ یَّتَّقِ	جو تقویٰ اختیار کرتا ہے
لَا یُضِیْعُ	ضائع نہیں کرتا
اٰثَرَ	اختیار کیا۔ منتخب کرلیا
لَا تَثْرِیْبَ	الزام نہیں ہے
یَاْتِ بَصِیْرًا	آنکھوں کی روشنی آئے گی

تشریح: آیت نمبر ۸۸ تا ۹۳

جب برادران یوسفؑ نے اپنے والد کی یہ حالت دیکھی اوران کی طرف سے حکم ہوا کہ تم جاؤ اور یوسفؑ کو تلاش کرو تب یہ نو بھائی تیسری مرتبہ کنعان سے مصر پہنچ گئے۔ بادشاہ مصر کی خدمت میں پہنچے اور نہایت عاجزی اور انکساری سے یہ کہا کہ اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے اہل خاندان کو موجودہ صورت حال سے شدید تکلیف پہنچ رہی ہے کیونکہ قحط سالی بھی ہے اور بھائی کی جدائی کا غم بھی والد انتہائی کمزور ہو چکے ہیں یہ معمولی سا ہدیہ قبول کر لیجئے، ہمیں غلہ بھی دیدیجئے اور ہمارے ساتھ بہتر معاملہ فرمایئے۔ تفسیر قرطبی اور تفسیر مظہری میں حضرت ابن عباس سے یہ بھی ایک روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے عزیز مصر کے نام ایک خط لکھ کر دیا جس کا مضمون یہ ہے۔

> ''اے عزیز مصر! ہمارا پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں معروف ہے۔ میرے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو نمرود کی آگ سے آزمایا گیا۔ میرے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کا شدید امتحان لیا گیا۔ پھر میرے بیٹے کے ذریعہ میری آزمائش کی گئی جو مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا یہاں تک کہ اس کی جدائی میں میری آنکھوں کی روشنی جاتی رہی۔ اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی میرے دل کی تسلی کا سامان تھا جس کو آپ نے چوری کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہم اولاد انبیاء کرام ہیں نہ ہم نے کبھی چوری کی اور نہ ہماری اولاد میں کوئی چور پیدا ہوا۔ والسلام''

جب حضرت یوسفؑ کے سامنے اس خط کو پڑھا گیا تو ضبط اور برداشت کے بندھن ٹوٹ گئے۔ والد کا خط پڑھ کر کانپ اٹھے۔ اب وہ وقت آ گیا تھا جہاں اللہ کے حکم سے آپ نے اپنے آپ کو ظاہر کر دینا ہی مناسب سمجھا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تمہیں کچھ یاد ہے کہ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا اس سوال سے برادران یوسف پر اللہ نے کھول دیا اوران کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ کیا تم ہی یوسف ہو؟ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ ہاں میں ہی یوسفؑ ہوں اور یہ میرے بھائی بن یمین ہیں۔ اللہ نے ہم پر خصوصی رحم و کرم نازل کیا ہے اور وہ اللہ ہر اس شخص پر اپنا کرم نازل فرماتا ہے جو اس سے ڈرتا ہے اور حالات پر صبر کرتا ہے اللہ، وہ رحیم و کریم ہے جو کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔

سب بھائیوں نے کہا اللہ کی قسم اس نے آپ کو ہمارے اوپر فضیلت و بڑائی عطا کی ہے اور ہمیں اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ ہم خطا وار اور قصور وار تھے حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ آج تمہارے اوپر کوئی ملامت اور الزام نہیں ہے اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرنے والا سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ یہ شان پیغمبری ہے کہ اپنے بھائیوں کو ان کے

ظلم وستم یاد نہیں دلاتے بلکہ ان کو معاف کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ دعا بھی دیتے ہیں کہ وہ اپنی خطاؤں کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں وہ ارحم الراحمین تمہاری ہر خطا کو معاف کر دے گا۔

فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ بھی اس شان پیغمبری کا مظاہرہ فرماتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو جو خون کے پیاسے تھے اور جنہوں نے اکیس سال تک مسلسل ایسے ظلم وستم کیے تھے جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ آپ نے فرمایا، میں بھی وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسفؑ نے کہی تھی کہ" جاؤ تم سب آزاد ہو آج کے دن تمہارا ظلم معاف ہے اور تم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا"۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کی ساری خطائیں معاف کر دیں اور فرمایا کہ میری یہ قمیص لے جاؤ اور والد صاحب کی آنکھوں پر ڈال دو ان کی بینائی واپس آجائے گی اور تمام اہل خانہ یہیں مصر میں آجائیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ وہی قمیص تھی کہ جب برادران یوسفؑ نے حضرت یوسفؑ کو کنعان کے کنویں میں اس طرح پھینکا تھا کہ ان کی قمیص اتار لی تھی اور اس پر جھوٹا خون لگا کر والد کے پاس لے گئے تھے۔ اس وقت اللہ کے حکم سے حضرت جبرائیل جنت سے ایک قمیص لے کر آئے اور حضرت یوسفؑ کو پہنا دی تھی۔ حضرت یوسفؑ نے یہی قمیص اپنے والد کو بھیج دی تھی کیونکہ یہ قمیص اللہ کی طرف سے آئی تھی۔ اس نے اندھے کنویں میں بھی روشنی کی تھی اور حضرت یوسفؑ کو یقین تھا کہ اس قمیص کی برکت سے اللہ ان کے والد کی آنکھوں میں روشنی عطا فرما دے گا۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ

الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۴ تا ۹۸

اور جب قافلہ روانہ ہوا تو ان کے والد (یعقوبؑ) نے کہا کہ بے شک میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں تم کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں (بڑھاپے میں) بہک رہا ہوں۔

انہوں نے کہا اللہ کی قسم بے شک آپ تو پرانے وہم میں مبتلا ہیں۔ پھر جب خوش خبری لے کر آنے والا آیا اور اس کی قمیص کو ان کے چہرے پر ڈالا تو ان کی بینائی واپس لوٹ آئی۔ انہوں نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے بہت کچھ وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

(برادران یوسفؑ نے) کہا کہ اے ہمارے ابا جان! ہمارے لئے ہمارے گناہ کی بخشش مانگ لیجئے۔ بے شک ہم ہی خطا وار تھے۔ اس نے کہا میں اپنے رب سے تمہارے گناہوں کی مغفرت مانگوں گا۔ بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۴ تا ۹۸

فَصَلَتْ: جدا ہوئی۔ جدا ہوا

اَلْعِيْرُ: قافلہ

اَجِدُ: میں پاتا ہوں

تُفَنِّدُوْنَ: تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو

ضَلٰلٌ: بہکنا

اَلْقَدِيْمُ: پرانا

اَلْبَشِيْرُ: خوش خبری دینے والا

اَلْقٰهُ: اس نے ڈالا

وَجْهٌ	چہرہ
اِرْتَدَّ	لوٹ آیا
بَصِيْرٌ	دیکھنا، بینائی
لَمْ اَقُلْ	میں نے نہیں کہا
اِسْتَغْفِرْ	بخشش مانگ لے
ذُنُوْبٌ	گناہ
خٰطِئِيْنَ	خطا کرنے والے۔ گناہ کرنے والے
سَوْفَ	بہت جلد۔ عنقریب

تشریح: آیت نمبر ۹۴ تا ۹۸

گذشتہ آیات میں حضرت یوسفؑ کا یہ جملہ نقل کیا گیا ہے کہ تم میری قمیص لے کر جاؤ اور ان کے (حضرت یعقوبؑ کے) چہرے پر ڈالو تو ان کی بصارت واپس آ جائے گی اور اس کے بعد تم سب یہیں مصر میں آ جانا۔ چنانچہ یہ قمیص مصر سے روانہ ہوئی ادھر حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے قمیص کی خوشبو آنا شروع ہوگئی یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنعان کے ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا جو حضرت یعقوبؑ سے بہت دور نہ تھا اس وقت تو ان کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان کا لخت جگر ان سے چند میل کے فاصلے پر نہایت کس مپرسی کی حالت میں ایک اندھے کنویں میں پڑا ہوا ہے لیکن جب ہزاروں میل دور سے حضرت یوسفؑ کا پیرہن روانہ کیا جاتا ہے تو ان کو اس کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا نظام ہے کہ اللہ اپنے نبیوں کو جتنا اور جس وقت جو بھی علم دینا چاہے وہ دے دیتا ہے اور جب نہیں دینا چاہتا تو قریب کی چیز بھی نظر نہیں آتی۔ جس طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ افواہ اڑادی گئی کہ حضرت عثمان غنی جو مکہ مکرمہ میں کفار مکہ کو سمجھانے گئے تھے ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس افواہ کے سنتے ہی تمام مسلمانوں میں ایک بے چینی پھیل گئی اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے

اپنے دست مبارک پر تمام مسلمانوں سے بیعت لی جس کو ''بیعت رضوان'' کہا جاتا ہے اور طے کیا گیا کہ جب تک خون عثمان کا بدلہ نہیں لیں گے اس وقت تک ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ زندہ ہیں اور کسی نے ان کے متعلق غلط افواہ اڑادی تھی۔ یہ سن کر سب مسلمان اور نبی کریم ﷺ خوش ہو گئے۔ اس واقعہ میں اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ جب آپ ﷺ حضرت عثمان کے لئے بیعت لے رہے تھے اس وقت آپ کو معلوم نہ تھا کہ حضرت عثمان غنی زندہ ہیں یا نہیں۔ اسی طرح کے اور بہت سے واقعات بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو اللہ ہی علم عطا فرماتا ہے ان کو اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جو اللہ ان کو دینا چاہتا ہے وہ خود عالم الغیب نہیں ہوتے۔ سب سے زیادہ غیب کا علم نبی کریم ﷺ کو دیا گیا ہے اگر چہ آپ ﷺ غیب کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ خود ہی عالم الغیب تھے بلکہ اللہ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو غیب اور شہادہ کو جانتا ہے اور اللہ کی ذات ہی عالم الغیب ہے۔

حضرت یعقوبؑ کو جب حضرت یوسفؑ کے پیرھن کی خوشبو آنا شروع ہوئی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ کہیں تم یہ نہ کہنے لگنا کہ میں بڑھاپے میں بہک رہا ہوں۔ سب نے کہا کہ اب یوسفؑ کو مرے ہوئے بھی عرصہ ہو گیا اب یوسفؑ اور اس کے پیرھن کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے ایسا لگتا ہے کہ وہی پرانا وہم اور خیال پھر سے تازہ ہو گیا ہے۔ لیکن جب کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت یوسفؑ کا پیرھن لایا گیا اور ان کے چہرے پر ڈالا گیا تو ان کی بینائی واپس آ گئی اور فرمایا کہ دیکھو میں نہیں کہتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ بہت کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ حضرت یعقوبؑ کی مراد یہ تھی کہ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ یوسفؑ زندہ ہیں کیونکہ انہوں نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر تو ابھی سامنے آئی نہیں اور بنی اسرائیل کی سربلندی کے لئے جو اللہ کا وعدہ ہے وہ نعمت تو ابھی پوری ہوئی نہیں۔ لہٰذا میرا دل کہتا ہے کہ یوسفؑ زندہ ہیں۔

جب حضرت یعقوبؑ کی بینائی واپس آ گئی اور حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر پھر وہی مسکراہٹ آ گئی تو سب بھائیوں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ واقعی ہم خطا کار ہیں ہم سے بہت بڑی بھول ہوئی۔ اب آپ رب سے ہمارے گناہوں کی معافی کی درخواست کر دیجئے کہ وہ ہمیں معاف فرمادے ہمیں اپنے گناہوں کا اعتراف ہے۔ اس کے جواب میں حضرت یعقوبؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں بلکہ آپ نے فرمایا کہ میں بہت جلد تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ تمام بھائی جہاں اپنے والد کو شدید اذیت پہنچانے کے ذمہ دار تھے وہیں حضرت یوسفؑ کو اذیتیں دینے کے بھی مجرم تھے اس لئے ممکن ہے کہ آپ نے یہ سوچا ہو کہ جب یوسفؑ معاف کر دیں گے تو میں بھی اللہ سے ان کی معافی کے لئے درخواست کروں گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ والد یہ دیکھنا چاہتے ہوں کہ ان کے بیٹوں نے جس ندامت کا اظہار کیا ہے وہ وقتی جذبہ ہے یا وہ واقعی اپنے کئے پر شرمندہ ہیں۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۹ تا ۱۰۰

پھر جب وہ سب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ مصر چلیے اور اگر اللہ نے چاہا تو امن اور چین سے رہیے۔ اس نے والدین کو تخت شاہی پر بٹھایا اور وہ سب کے سب اس کے آگے جھک گئے اور اس نے کہا کہ اے ابا جان یہ ہے میرے خواب کی وہ تعبیر جو بہت عرصہ پہلے میں نے دیکھا تھا اس کو میرے رب نے سچ کر دکھایا اور اللہ نے مجھ پر احسان فرمایا جب اس نے مجھے قید سے نکالا اور دوسرے یہ کہ اس کے بعد شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا۔ بے شک میرا رب بہتر کرتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے۔ بے شک وہی بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۹ تا ۱۰۰

اٰوٰی اس نے ٹھکانا دیا۔ بٹھایا

اُدْخُلُوْا داخل ہو جاؤ

اٰمِنِيْنَ	امن وسکون میں رہنے والے
رَفَعَ	بلند کیا۔اونچی جگہ کیا
اَلْعَرْشُ	تخت
خَرُّوْا	وہ گر پڑے
سُجَّدٌ	سجدہ کرنا۔جھک جانا
يٰاَبَتِ	اے میرے ابا جان
تَاْوِيْلٌ	تعبیر
رُءْيَایَ	میرا خواب
اَلسِّجْنُ	جیل خانہ۔قید
اَلْبَدْوُ	دیہات۔گاؤں
نَزَغَ	گھس گیا۔ڈال دیا
لَطِيْفٌ	باریکی سے دیکھنے والا۔آسان کرنے والا
يَشَاءُ	وہ چاہتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۹۹ تا ۱۰۰

اصل میں انسان کا اخلاق، برتاؤ اور معاملہ اس وقت زیادہ قیمتی بن جاتا ہے جب اس دنیا کی ساری طاقتیں اور عظمتیں حاصل ہوں اور پھر بھی اس میں عاجزی وانکساری ہو اور اپنے سے کمزوروں پر ظلم کرنے اور زیادتیوں کا بدلہ لینے کے بجائے عفوو در گذر کا معاملہ کرنے ولا ہو اور اپنے ہر کمال اور دنیاوی عزت وسربلندی کو اپنی طرف اور اپنے کمال کی طرف موڑنے کے بجائے اس کو اللہ کا فضل وکرم قرار دیتا ہو۔یہی بات حضرت یوسفؑ فرمارہے ہیں، ان کو مصر کی بادشاہت اور پوری قوتیں حاصل ہیں لیکن اپنے بھائیوں سے جنہوں نے ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی ان سے انتقام اور بدلہ لینے کے بجائے نہ صرف ان کو معاف کر رہے ہیں

بلکہ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس عمل کو بھی شیطانی عمل قرار دے رہے ہیں جوان کے بھائیوں سے سرزد ہوا تھا۔
حضرت یوسفؑ نے اپنا پیرھن اپنے والد محترم کی خدمت میں ارسال کر کے درخواست کی کہ اس کو اپنی آنکھوں پر ڈالئے تو آپ کی بصارت واپس آ جائے گی۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے اپنے والد محترم اور اہل خاندان کو کنعان (فلسطین) سے مصر لانے کے لئے متعدد اونٹنیاں بھیجیں تاکہ سب افراد سہولت سے مصر پہنچ جائیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کے والدین اور اہل خاندان جن کی تعداد ستر کے لگ بھگ تھی مصر پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے پر جوش خیر مقدم کیا۔ والدین کو اپنے پاس پورے احترام کے ساتھ اپنے تخت پر بٹھا دیا۔ اس وقت سارے بھائی ان کے سامنے جھک گئے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ میں نے جو خواب دیکھا تھا یہ اس کی تعبیر ہے جس کو پروردگار نے سچ کر دکھایا۔ اب اس موقع پر حضرت یوسفؑ تین باتیں فرما رہے ہیں جو ان کے عظیم اخلاق کا مظہر ہیں۔ (۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کا کتنا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھے جیل خانے سے نکال کر عزت و سربلندی کی جگہ بٹھا دیا۔ (۲) دوسرے یہ کہ ایک گاؤں اور چھوٹے سے شہر سے مصر جیسے بڑے شہر میں پہنچا دیا۔ (۳) تیسرے یہ کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا ورنہ ایسا نہ ہوتا۔ یعنی اس میں میرے بھائیوں کا قصور نہیں ہے بلکہ شیطان نے ہمارے درمیان اختلافات پیدا کر دیئے تھے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اللہ کے بندے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتے اور اپنے عظیم اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کو بھی جب فتح مکہ کے موقع پر پوری قوت و طاقت حاصل ہوگئی تو آپ نے سب کو معاف کر دیا تھا اور کسی ایسی بات کا اعلان نہیں کیا جس سے مکہ کے لوگوں کی گردنیں جھک جاتیں۔ دین اسلام، شان پیغمبری اور ان کے اخلاق اور کفار و مشرکین کی زندگی کو سامنے رکھیں اور تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ عجیب حقیقت سامنے آئے گی کہ جب ساری طاقتیں، قوتیں اقتدار اور فوج اہل ایمان کے ہاتھ میں آتی ہے تو وہ اپنے سے کمزوروں پر بہت مہربان ہو جاتے ہیں اس کے برخلاف کفار و مشرکین کے ہاتھ میں جب بھی اقتدار اور قوت ہوتی ہے تو وہ مظلوموں کے خلاف اس کو بے دریغ استعمال کرتے ہیں اور مظلوموں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کسر نہیں چھوڑتے۔ ہم تو تاریخ کے حوالے سے یہ بات دیکھتے ہیں کہ انبیاء کرام کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے، اور ان کے اخلاق کی بلندی کا تو اندازہ لگانا مشکل ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں بھی جب طاقت و قوت آئی تو انہوں نے کبھی اپنی اقلیتوں اور کمزور مظلوموں پر ظلم و ستم نہیں کیا بلکہ ان پر مہربانیوں کی انتہا کر دی۔ اس موقع پر ایک بات کی اور وضاحت ضروری ہے کہ کیا انسان انسان کو سجدہ کر سکتا ہے جب کہ سجدہ اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ تو عرض ہے کہ جو چیز حرام ہے وہ ہر شریعت میں حرام رہی ہے اس کی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سجدہ سے مراد آداب شاہی کے ساتھ جھکنے کے لئے بھی لیے جاسکتے ہیں یہ وہ سجدہ نہیں جیسا سجدہ ہم اللہ کو کرتے ہیں۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ
عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف
اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ
بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾
وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾

ع ١١ | ٥

ترجمہ: آیت نمبر ١٠١ تا ١٠٤

اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت عطا کی اور مجھے باتوں کی گہرائی تک پہنچنے کی اہلیت عطا کی اے آسمان اور زمین کے بنانے والے آپ ہی اس دنیا اور آخرت میں میرے کارساز ہیں آپ مجھے اپنی فرماں برداری میں اس دنیا سے اٹھایئے گا اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمایئے گا۔
(اے نبی ﷺ) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں۔ اور آپ اس وقت ان کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنا کام پکا کرلیا تھا اور وہ اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے۔ اگرچہ آپ کی شدید خواہش ہے لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔
(اے نبی ﷺ) آپ اس پر ان سے کوئی اجرت تو نہیں مانگ رہے ہیں۔ یہ تو سارے جہاں والوں کے لئے نصیحت ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۴

اٰتَیْتَنِیْ	تو نے مجھے دیا
اَلْمُلْکُ	سلطنت۔حکومت
عَلَّمْتَنِیْ	تو نے مجھے سکھایا
اَلْاَحَادِیْثُ	باتیں۔خواب
فَاطِرٌ	پیدا کرنے والا۔بنانے والا
وَلِیّ	میرا مالک۔میرا حمایتی
تَوَفَّنِیْ	تو نے مجھے وفات دی۔اٹھایا
اَلْحِقْنِیْ	مجھے ملادے۔مجھے شامل رکھئے گا
اَنْبَاءٌ	خبریں
لَدَیْهِمْ	ان کے پاس
اَجْمَعُوْا	انہوں نے جمع کیا
یَمْکُرُوْنَ	وہ تدبیریں کرتے ہیں
حَرَصْتَ	تو نے لالچ کیا۔تو نے خواہش کی
مَا تَسْئَلُ	تو نہیں مانگتا
اَجْرٌ	اجرت۔بدلہ
ذِکْرٌ	دھیان دینے کی چیز

تشریح: آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۴

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیاوی اور علمی اعتبار سے کتنا ہی عروج اور رتبہ میں بلندی نصیب ہو جائے وہ اپنے علم اور کمالات پر نہ تو فخر کرتے ہیں اور نہ اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ سورۃ یوسف کی ان آخری آیات میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو جو بھی عروج اور ترقی عطا فرمائی تھی وہ اس پر فخر کرنے کے بجائے شکر کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے سلطنت عطا فرمائی اور آپ نے مجھے باتوں کی گہرائی اور خواب کی تعبیر جیسا علم عطا فرمایا ہے اور درخواست کرتے ہیں کہ اے آسمان و زمین کے خالق و مالک دنیا اور آخرت میں آپ ہی میرے کارساز ہیں۔ آپ مجھے اپنی فرماں برداری میں اس دنیا سے اٹھایئے گا اور مجھے صالحین میں اٹھایئے گا۔ اگر غور کیا جائے تو حضرت یوسفؑ نبوت کے مقام پر ہونے کے باوجود نہایت عاجزی و انکساری سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ سنت انبیاء یہی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقام کے باوجود اپنے آپ کو اللہ کا محتاج سمجھنا، اسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا ماننا اور ہر آن اسی کی بارگاہ میں جھکے رہنا ان کی شان ہے کیونکہ اللہ ہی سب کا حاجت روا اور سب کی سننے والا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اس کے باوجود کہ آپ کو اپنے سوتیلے بھائیوں سے سخت اذیتیں پہنچیں لیکن آپ ان کو شرمندہ کرنے کے بجائے اس فعل کو شیطان کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ یہ سب کام شیطان کا ہے جس نے ہم بھائیوں کے درمیان غلط فہمیوں کو پیدا کیا یعنی اپنے بھائیوں کے لئے ایک بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لا رہے ہیں۔ یہ بھی اخلاق کا ایک اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ چاہتے تو ان کفار مکہ کو جنہوں نے ہر طرح کے ظلم و ستم کئے تھے ان کو قتل کرنے، ان کی جائیدادوں کو ضبط کرنے، ان کو اور ان کے بیوی بچوں کو غلام بنانے کے احکامات جاری فرما سکتے تھے، کم از کم ان کے ظلم و ستم پر ان کو شرمندہ کر سکتے تھے اس کے برخلاف آپ نے بغیر کچھ کہے ہوئے سب کو معاف فرما دیا اور کسی سے کوئی شکایت نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم ﷺ اور انبیاء کرام جیسے عظیم اخلاق عطا فرمائے، آمین

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اے نبیؐ! حضرت یوسفؑ کا واقعہ اور حقائق یہ سب کے سب ہم وحی کے ذریعہ آپ کو بتا رہے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ آپ اس وقت وہاں موجود تھے اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کون کیا کر رہا تھا۔ فرمایا کہ اے نبیؐ! اس کے باوجود آپ نے کفار مکہ کو حضرت یوسفؑ کا واقعہ سنا دیا ہے اور آپ کی شدید خواہش ہے کہ اب کفار مکہ ایمان لے آئیں۔ اور اس میں آپ کی کوئی ذاتی غرض بھی نہیں ہے نہ آپ ان سے اس پر کوئی معاوضہ یا بدلہ مانگ رہے ہیں لیکن یہ اللہ کا نظام ہے کہ وہ ان کو ہدایت دے یا نہ دے آپ کا کام پورا ہو چکا آپ نے تمام اہل جہان کو اللہ کے دین کا پیغام پہنچا دیا ان کو آگاہ کر دیا کہ اگر اب بھی وہ ایمان نہیں لاتے تو یہ ان کی بدنصیبی ہے۔

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾
وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ
تَاۡتِيَهُمۡ غَاشِيَةٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً
وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى
بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر۱۰۵تا۱۰۸

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن کے اوپر سے وہ گذرتے ہیں لیکن ان پر دھیان نہیں دیتے۔ اوران میں سے اکثر تو وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور شرک کرنے والے ہیں۔ کیا وہ اس بات سے بے خوف بیٹھے ہوئے ہیں کہ ان پر اللہ کی طرف سے اچانک کوئی آفت آپڑے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اوران کو خبر بھی نہ ہو۔

آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میرے ساتھ وہ لوگ جو میری اتباع کرتے ہیں ایک (دانائی کی) دلیل پر قائم ہیں۔ اللہ کی ذات پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

لغات القرآن   آیت نمبر۱۰۵تا۱۰۸

كَاَيِّنۡ	کتنے ہی۔کتنی ہی
اٰيَةٌ	نشانی

یَمُرُّوْنَ	وہ گذرتے ہیں
مُعْرِضُوْنَ	وہ منہ پھیرنے والے ہیں
اَنْ تَاْتِیَ	یہ کہ آجائے
غَاشِیَةٌ	ڈھانپ لینے والی۔ آفت
اَلسَّاعَةُ	قیامت۔ گھڑی
بَغْتَةً	اچانک
لَا یَشْعُرُوْنَ	وہ شعور نہیں رکھتے ہیں
سَبِیْلِیْ	میرا راستہ
اَدْعُوْا	میں بلاتا ہوں
بَصِیْرَةٌ	دیکھ بھال کر۔ غور وفکر
اَنَا	میں
اِتَّبَعَنِیْ	میری اتباع کی۔ میرے پیچھے چلے
سُبْحٰنَ	پاک ذات۔ بے عیب ذات

تشریح: آیت نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۸

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہر انسان کو غور وفکر اور تدبر کرنے پر زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے کائنات میں قدم قدم پر اپنی اتنی نشانیاں بکھیر دی ہیں کہ اگر انسان ان پر ذرا بھی غور کرے تو اللہ کی ذات وصفات کا ماننا نہایت آسان ہو جائے گا اور ہر طرح کی الجھن دور ہو جائے گی۔ انسان دن رات ان نشانیوں کو دیکھتا ہے ان نشانیوں کے درمیان رہتا ہے، ان کے اوپر سے گذرتا ہے مگر ان پر دھیان نہیں دیتا، چاند سورج کی گردش، وسیع آسمان، چمکتے ستارے، چاروں طرف پھیلی ہوئی زمین، ہوائیں،

فضائیں، فضا میں تیرتے ہوئے بادل، اڑتے پرندے، اونچے اونچے پہاڑ، دریا، سرسبز و شاداب درخت، لہلہاتے ہوئے کھیت، ہر رنگ اور مزے کے میوے، غلے، اناج، خود انسان کا وجود۔ کائنات کی مخلوق کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں، دماغی سربلندیاں اور ہزاروں صلاحیتیں اللہ نے انسان کو عطا کی ہیں اگر کچھ دیر اس بات پر غور کرے کہ اتنے بڑے جہان کو چلانے والی یقیناً کوئی ذات ہے ورنہ اپنے اختیار سے تو ایک تنکا بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے ہر طرف ہزاروں نشانیاں بکھیر دی ہیں جن کی موجودگی میں کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے، انسان غور و فکر کرے گا تو اس کو کائنات کے ذرہ ذرہ سے درس توحید مل جائے گا۔ کفار مکہ جس طرح نبوت کے منکر تھے اسی طرح وہ منکرین توحید بھی تھے اور اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک اللہ کو نہیں مان سکتے جب تک آپ ہمیں کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی توحید کی گواہی دے رہا ہے صرف غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے ان نشانیوں کے باوجود آخر وہ کس نشانی کی بات کرتے ہیں۔ جس کو سچائی کی حقیقت کو ماننا ہے وہ ہر طرح مان لیتا ہے لیکن جس نے ضد، ہٹ دھرمی اور کفر و شرک پر جمنے کا فیصلہ کر لیا ہو اس کو سوائے اللہ کے اور کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ ان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کر دیجئے کہ وہ اللہ کی نشانیوں پر غور فکر کریں اور حسن عملی کی طرف آئیں۔ یہی چیز ان کے کام آنے والی ہے لیکن اگر وہ کفار اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں تو ان کو گذشتہ قوموں کا وہ بھیانک انجام سامنے رکھنا چاہیے کہ جب وہ نافرمان لوگ رات کو گہری اور بدمست نیند کے مزے لے رہے تھے اس وقت ان پر شدید عذاب آیا اور ان کو دنیا سے مٹا دیا گیا۔ نافرمانی کی وجہ سے نہ ان کے بڑے بڑے محل، تجارتیں، عمارتیں اور تہذیب و تمدن کام آیا اور نہ کوئی ان کو عذاب الٰہی سے بچانے آیا۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان پر پچھلی قوموں کی طرح اچانک کوئی آفت یا اچانک عذاب آسکتا ہے اور یہ عذاب بھی اس قدر خاموشی سے آئے گا کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور اللہ ان کے نیچے سے زمین کو کھینچ لے گا۔

فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ بالکل وضاحت سے کہہ دیجئے کہ سچی بات بتانا اور برے انجام سے ڈرانا یہ میرا کام تھا، میں اور میرے ماننے والے اسی راستے پر ہیں جو ہمیں اللہ نے ہدایت فرمائی ہے کفر و شرک کی ہر ادا اور انداز سے ہمیں نفرت ہے لہٰذا جو شخص بھی اللہ کے حکم کی تعمیل میں زندگی گذارے گا کامیاب و بامراد ہوگا لیکن جس نے اللہ کی نافرمانی کا طریقہ اختیار کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت اللہ کے عذاب کا شکار ہو جائے اور اس کو بچانے والا کوئی نہ ہو۔ فرمایا اے نبی ﷺ! آپ اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ اللہ کی ذات ہر اس شرک سے پاک ہے جو انسانوں نے اس کے ساتھ شریک کر رکھے ہیں۔ میں اور میرے ماننے والے سب توحید خالص پر ہیں اور ہر طرح کے کفر و شرک سے دور ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۰

(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں وہ سب کے سب مرد ہی تھے۔ جوان ہی بستیوں کے رہنے والے تھے جن کی طرف ہم نے وحی کی ہے۔ کیا پھر وہ زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے (نافرمان) لوگوں کا انجام کیا ہوا۔ اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں تک کہ جب رسول بھی مایوس ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ جھٹلائے جائیں گے تو ہماری مدد پہنچ گئی۔ پھر ہم نے جس کو چاہا نجات عطا فرما دی۔ اور ہمارا عذاب مجرموں سے ٹلا نہیں کرتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۰

مَآ اَرْسَلْنَا	ہم نے نہیں بھیجا
رِجَالٌ	(رَجُلٌ) مرد
اَهْلُ الْقُرٰى	بستیوں والے
لَمْ يَسِيْرُوْا	وہ نہیں چلے پھرے
كَيْفَ كَانَ	کیسے تھے
عَاقِبَةٌ	انجام

قَبْلُ	پہلے
اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ	آخرت کا گھر
اِسْتَيْئَسَ	مایوس ہو گیا۔ ہو گئے
اَلرُّسُلُ	(رسول) رسول۔ پیغمبر
ظَنُّوْا	انہوں نے سمجھ لیا۔ گمان کیا
قَدْ كُذِبُوْا	وہ یقیناً جھٹلائے گئے
نَصْرُنَا	ہماری مدد
فَنُجِّيَ	پس ہم نجات دیتے ہیں
لَا يُرَدُّ	نہیں ہٹتا۔ نہیں ٹلتا
بَاْسُنَا	ہمارا عذاب
اَلْمُجْرِمِيْنَ	جرم کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۰

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کفار و مشرکین نے آخری بات یہی کی ہے کہ یہ سب کچھ تو ٹھیک ہے لیکن ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک ایسا شخص جو ہماری طرح ہے، ہماری طرح زندگی کے تقاضے رکھتا ہے وہ شادی کرتا ہے، اس کے بچے ہوتے ہیں، وہ کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں بھی آتا اور جاتا ہے وہ اللہ کا نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ کا نبی تو اس کو ہونا چاہئے جو عام انسانوں کی طرح نہ ہو، اس کے ساتھ فرشتے ہوں، اس کے پاس خزانے ہوں اور وہ دنیاوی تقاضوں کا محتاج نہ ہو۔ قرآن کریم میں ہر جگہ اس کا ایک ہی جواب دیا گیا ہے کہ تمام انبیاء اور رسول انسان ہی ہوتے ہیں ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل کی جاتی ہے جو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجے گئے سچائی کے اصولوں کو پیش کرتے ہیں۔ جو ان کی بات مان لیتے ہیں ان کو نجات دیدی جاتی ہے اور جو نہیں مانتے ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ اگر وہ لوگ ان کھنڈرات کو دیکھیں جو دنیا کی عظیم ترین قوموں کے آثار ہیں کہ جب انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی تب ان پر عذاب نازل کیا گیا اور ان کے مال و دولت اونچی بلڈنگیں اور ترقیات ان کے کام نہ آ سکیں۔ فرمایا کہ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو آج بھی نافرمان قوموں کے ٹوٹے پھوٹے ویران مکانات کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔

اللہ نے انسان کو دنیاوی ترقیات سے نہیں روکا بلکہ عقل و فکر اور جسمانی محنتوں کے بدلے میں سب کچھ عطا کیا لیکن جب وہ اپنے خالق و مالک کو بھول گئے اور تکبر اور غرور کا وہ راستہ اختیار کر لیا جس میں اللہ کے رسولوں کا کہنا بھی ان کو گوارہ نہیں ہوا اور ان انبیاء کرامؑ نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ ہماری قوم ہماری بات کو مذاق میں اڑا رہی ہے اور اللہ کو اس طرح بھول گئی ہے کہ اس کے نزدیک اللہ کی تعلیمات بے حقیقت بن کر رہ گئی ہیں تو انبیاء کرام اللہ کی بارگاہ میں اپنی مایوسی اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں تب اللہ جس طرح چاہتا ہے اس قوم پر عذاب نازل کرتا ہے اور مجرموں کی ساری قوتیں اور طاقتیں مل کر بھی اس عذاب اور اللہ کے غصے کو ٹالنا بھی چاہیں تو ٹال نہیں سکتیں۔ یہی اللہ کا دستور ہے اور سنت اللہ ہے۔

لَقَدۡ كَانَ فِىۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ‌ؕ مَا كَانَ حَدِيۡثًا يُّفۡتَرٰى وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۱۱

۱۲ ع ۷ ۶

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۱

یقیناً عقل و سمجھ رکھنے والوں کے لئے ان واقعات میں عبرت و نصیحت ہے۔ یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں آچکی ہیں یہ اس کے مطابق ہے اور تصدیق کرنے والی ہے اور جس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ اور جو لوگ صاحب ایمان ہیں ان کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۱

قَصَصٌ	واقعات
عِبۡرَةٌ	نصیحت
اُولِى الۡاَلۡبَابِ	عقل و سمجھ رکھنے والے
يُفۡتَرٰى	گھڑ لیا گیا۔ گھڑ لی گئی
تَصۡدِيۡقُ	سچ بتانے والا۔ بتانے والی
بَيۡنَ يَدَىۡ	ہاتھوں کے درمیان سامنے۔ اپنی طرف سے

تَفْصِيْلٌ	تفصیل۔وضاحت
هُدًى	ہدایت
رَحْمَةٌ	رحمت۔فضل وکرم

تشریح: آیت نمبر ۱۱۱

سورۂ یوسف کو اس مضمون پر مکمل کیا گیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کا قصہ یا کوئی بھی واقعہ جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور سمجھ عطا فرمائی ہے وہ ان واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کریں۔فرمایا کہ سیدھا راستہ دکھانا انبیاء کرام کا کام ہے۔اب اگر کوئی نصیحت حاصل کرتا ہے تو اس کے لئے دنیا وآخرت کی نجات کا باعث ہے لیکن اگر وہ نافرمانی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت یوسفؑ کا یہ واقعہ جس کو بیان کیا گیا ہے اس میں عبرت ونصیحت کے ہزاروں پہلو موجود ہیں جن میں سے ایک ایک بات سچائی پر مبنی ہے کوئی قصہ یا کہانی کی طرح گھڑی ہوئی بات نہیں ہے کہ ایک آدمی نے اپنے ذہن میں ایک قصہ بنایا اور اس کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کر دیا بلکہ جیتی جاگتی زندگی کے واقعات ہیں جن میں حضرت یوسفؑ کو ہر طرح کی اخلاقی فتح وکامرانی حاصل ہوئی۔اس کے برخلاف ان کے حاسد بھائیوں کو ہر طرح ذلت ورسوائی حاصل ہوئی۔اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آج مکہ مکرمہ میں سرکار دو عالم ﷺ اللہ کا دین پہنچانے کی ہر ممکن جدوجہد فرما رہے ہیں وہ انبیاء کرام کے راستے پر چلنے والے آخری نبی ہیں جو کفار ومشرکین کو دنیا وآخرت کی بھلائی کی ہر بات بتا رہے ہیں چونکہ یہ آخری نبی اور آخری رسول ہیں اس لئے ان کفار کے لئے یہ آخری موقع ہے کہ وہ سنبھل جائیں ورنہ اب ان کی ہدایت کے لئے قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول آئے گا۔اگر کفار مکہ بھی اس روش پر چلے اور کفر کرتے رہے جس پر گذشتہ قومیں چلی تھیں تو ان کا انجام بھی ان قوموں سے مختلف نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام انبیاء کرام اور نبی کریم ﷺ کی مکمل اطاعت وفرماں برداری کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کے کفر وشرک، بدعات اور گمراہی کے ہر راستے سے محفوظ فرمائے۔آمین

الحمدللہ سورۂ یوسف کی تفسیر وتشریح مکمل ہوگئی۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆

پارہ نمبر ۱۳

ومآ ابرئ

سورۃ نمبر ۱۳

الرَّعْد

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۃ الرعد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ نمبر	13
رکوع	6
آیات	43
الفاظ وکلمات	863
حروف	3614
مقام نزول	مکہ مکرمہ

☆ یہ سورت قیام مکہ مکرمہ کے اس آخری دور میں نازل کی گئی ہے جب کفار کے ظلم وستم کی انتہا ہو چکی تھی۔
☆ دوسرے رکوع میں لفظ الرعد (بادل کی گرج چمک) آیا ہے۔اسی سے علامت کے طور پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔
☆ اس سورۃ میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، وحی، آخرت، جزا وسزا، جنت وجہنم کا ذکر کیا گیا ہے۔
☆ جگہ جگہ کفار ومشرکین کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

سورۃ الرعد قیام مکہ کے اس آخری دور میں نازل ہوئی جب کفار ومشرکین مکہ نے اہل ایمان کا اس سرزمین پر رہنا دشوار کردیا تھا اور اپنے ظلم وستم کی انتہا کردی تھی۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے اہل ایمان! تم ان کفار کی پرواہ نہ کرو اور حق وصداقت کی شمع کو روشن کرتے چلے جاؤ۔اس کائنات کو جس اللہ نے پیدا کیا ہے وہی اس کا خالق، مالک اور رزّاق ہے وہ زبردست قوت وطاقت کا مالک ہے اسی نے زمین وآسمان، چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، درخت، بادل، بجلی کی گھن گھرج اور بہتے دریاؤں کو پیدا کیا ہے وہ اپنے ہر حکم کو عملی شکل دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے وہ کسی قوم کو عذاب دینا چاہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔وہ کسی کو دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا اسی اللہ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا ہے جو سراسر نور اور حق وصداقت کی شمع ہے۔اسی میں سارے انسانوں کے لیے اطمینان قلب کی دولت موجزن ہے۔اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ باطل کی قوت وطاقت سے نہ ڈریں نہ دبیں کیونکہ بظاہر باطل ایک قوت نظر آتا ہے در حقیقت اس کی حیثیت اس کوڑے کباڑ سے زیادہ نہیں ہے جو بارش کے پانی سے بہنے والے ندی نالوں کے اوپر نظر آتا ہے یا سونا چاندی تپانے کے وقت جو جھاگ سونے پر آجاتا ہے۔ فرمایا کہ کوڑے کباڑ کے نیچے بہتا رواں دواں صاف شفاف پانی اور سونے چاندی کی قیمت اور حیثیت ہوتی ہے جھاگ اور کوڑے کباڑ کو پھینک دیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ ان کفار کی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔کفار کبھی تو کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے اور بیوی بچے رکھتا ہے۔اسی طرح وہ بہت سی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں فرمایا کہ کوئی شخص ان بے عقل اور نا سمجھوں سے پوچھے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے جتنے رسول اور نبی آئے ہیں کیا ان کے بیوی بچے اور بشری تقاضے نہیں تھے۔اہل ایمان سے فرمایا کہ کفار ومشرکین مذاق اڑانے سے اور تمہیں جڑ و بنیاد سے اکھاڑنے سے باز نہیں آئیں گے۔تم اس اللہ پر مکمل یقین رکھو جو اس کائنات کا مالک ہے اور اسی نے حضرت محمد ﷺ پر اس قرآن کریم کو نازل

اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ انسان دن کے اجالے میں یا رات کی تاریکی میں کھل کریا چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو اس کی اطلاع اور علم اللہ کو ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

کیا ہے جو سراسر ہدایت اور روشنی ہے جس پر عمل کرنے سے ہی زندگی کے اندھیرے دور ہوسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کو بھی بتایا ہے کہ یہ دنیا دارالعمل ہے عمل کرنے کا بہترین موقع ہے یہ وقت نکل گیا تو پھر عمل کرنے کا موقع نصیب نہ ہوگا۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لاکر آخرت کی کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کرلی جائیں ورنہ دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوکر رہ جائیں گے۔

سورة الرعد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓـمّٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ فِیۡہَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡہٰرًا ؕ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡہَا زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّہَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ فِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَہَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۴

الف۔لام۔میم را (حروف مقطعات جن کے معنی و مراد کا علم اللہ کو ہے)

یہ کتاب کی آیات ہیں جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب نے نازل کیا ہے وہ سچ ہے۔ اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون (بغیر سہارے کے) اونچا

کھڑا کردیا ہے جن کو تم دیکھتے ہو۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ اور اس نے سورج اور چاند کو اپنے حکم کے تابع کر دیا۔ ہر چیز اک مقرر وقت تک چل رہی ہے۔ وہ اللہ ہر طرح کی ہر تدبیر کر رہا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرلو۔ وہی تو ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس نے ان میں پہاڑ بنائے اور نہریں چلائیں اور ہر قسم کے پھل جس میں دو دو قسم کے (میٹھے کڑوے) پھل پیدا کئے۔ وہی رات کی (تاریکی) کو دن (کی روشنی سے) چھپا دیتا ہے۔ بے شک غور وفکر کرنے والوں کے لئے ان میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اور زمین میں الگ الگ خطے تیار کر رکھے ہیں۔ انگوروں کے باغ، کھیتیاں اور کھجوریں جن میں بعض تو ایک تنے والے ہیں اور بعض دو تنے والے لیکن ان کو ایک ہی پانی سے سینچا جاتا ہے مگر ہم نے مزے میں کسی کو بہتر بنا دیا کسی کو کم تر۔ بے شک اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو عقل وفکر رکھنے والے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۴

اُنْزِلَ	اتارا گیا
اَلْحَقُّ	سچ
رَفَعَ	بلند کیا
عَمَدٌ	ستون۔ سہارا
اِسْتَوٰی	وہ برابر ہوا
سَخَّرَ	اس نے مسخر کر دیا۔ تابع کر دیا
اَجَلٌ مُّسَمًّى	متعین مدت۔ مقرر مدت
لِقَآءٌ	ملاقات

مَدَّ	اس نے پھیلا دیا
رَوَاسِیَ	بوجھ
زَوْجَیْنِ	جوڑے۔دودو
یُغْشِیْ	چھا جاتا ہے
قِطَعٌ	خطے۔قطعات
مُتَجٰوِرٰتٌ	پاس پاس
اَعْنَابٌ	(عِنَبٌ)۔انگور
زَرْعٌ	کھیتی
نَخِیْلٌ	کھجور
صِنْوَانٌ	ایک جڑ والی
یُسْقٰی	سینچا جاتا ہے
بِمَآءٍ وَّاحِدٍ	ایک پانی سے
نُفَضِّلُ	ہم بڑھا دیتے ہیں
اَلْاُکُلُ	پیداوار پھل

تشریح: آیت نمبر ا تا ۴

اس سورت کے دوسرے رکوع کی ایک آیت میں لفظ رعد آیا ہے اسی مناسبت سے نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم سے اس

سورت کا نام ''الرعد'' رکھا ہے۔

رعد کے معنی بادلوں کی گرج کے آتے ہیں۔ یہ سورت مکہ مکرمہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جس کتاب (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے وہ ایک سچائی اور ہدایت ورہنمائی کی روشنی ہے جو ہر طرح کے شک اور شبہ سے بالاتر ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے بھیجی گئی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات، وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے ذکر کے ساتھ عظمت قرآن حکیم۔ دنیا وآخرت میں نیکی، جنت وجہنم اور ملائکہ پر ایمان لانے کو نجات کا ذریعہ فرمایا ہے اس سورت کی ابتداء ''الٓمّٓر'' سے کی گئی ہے جن کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ گذشتہ کئی سورتوں کی ابتداء میں یہ حروف آئے ہیں جن کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بتا دیا گیا ہے کہ ان حروف کے معنی کا علم اللہ رب العالمین کو ہے۔ ممکن ہے کہ ان حروف کے معانی رسول اللہ ﷺ کو بتا دیئے گئے ہوں۔ اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی سوال نہیں کیا اور نا آپ نے اس کی وضاحت فرمائی اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے؟

اس سورت کی ابتداء ''تلک ایت الکتب'' سے کی گئی ہے یعنی قرآن حکیم وہ کتاب ہدایت ہے جو ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے جس کو اس اللہ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کیا ہے جو ایک صاف اور واضح حقیقت ہے جس میں کہیں بھی فلسفیانہ انداز بیان یا منطقی ایچ پیچ نہیں ہے۔ خالق کائنات نے اس قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ کے واسطہ سے ساری دنیا تک پہنچایا ہے تا کہ وہ ہدایت کی روشنی حاصل کر سکیں۔ اس قرآن کو رسول اللہ ﷺ نے خود سے نہیں گھڑ لیا ہے بلکہ اس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل اس کائنات کی تخلیق و پیدائش ہے۔ اس نے چاند، سورج، ستارے، فضائیں ہوائیں پیدا کئے جن کے پیدا کرنے میں کوئی اس اللہ کا شریک نہیں ہے۔ جس طرح کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ کارخانہ عالم خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ اس کو چلانے والی ذات اللہ کی ذات ہے وہی اس کا خالق و مالک ہے اس نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اس قرآن حکیم کو نازل کیا ہے۔ فرمایا کہ اس نے آسمانوں کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں نہ ستون ہیں نہ وہ کسی کے سہارے کھڑے ہیں صرف اسی کی قدرت کاملہ سے قائم ہیں۔ اسی نے زمین اور اس کے ذرّے ذرّے کو پیدا کیا وہی اس کے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ جس طرح آسمان، زمین بغیر کسی سہارے کے قائم ہیں۔ اسی طرح وہ اللہ اس نظام کائنات کے چلانے میں کسی سہارے کا محتاج نہیں ہے بلکہ ساری مخلوق ہر آن اسی کی محتاج ہے۔ اس نے اس پوری کائنات کو چھ دن میں مکمل کیا اور پھر وہ تھک کر آرام کرنے نہیں لگ گیا جیسا کہ یہود کا خیال ہے بلکہ وہ آسمان پر ''مستوی'' ہو گیا۔ ''استوی علی العرش'' کا مطلب ہے کہ

اس کی سلطنت اور نظم وانتظام ایسا ہے کہ اس کا کوئی حصہ یا گوشہ نہ تو اس کے اقتدار وقوت سے باہر ہے نہ وہ اس کے انتظام کے چلانے میں کسی دوسرے کا محتاج ہے۔ دنیا کے ان بادشاہوں کی طرح نہیں ہے جو صرف اقتدار اور کرسی پر ہوتے ہیں اور سلطنت کے ہزاروں پہلوان سے پوشیدہ ہوتے ہیں بلکہ اس کے اقتدار وقوت کا تو یہ عالم ہے کہ کسی درخت کا ایک پتہ بھی زمین پر گرتا ہے تو اس کو معلوم ہے بلکہ اسی کے حکم سے پتہ زمین پر گرتا ہے۔ پھر کائنات کی ہر چیز میں ایسا توازن اور مقدار متعین ہے جس میں ہر چیز اپنا کام سرانجام دے رہی ہے۔ یہ توازن اور اعتدال خود اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جس طرح ہر چیز میں توازن واعتدال ہے آخر کار وہ ایک معین مدت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ہر انسان کو بھی ایک مدت کے بعد موت کی نیند سونا ہے اور پھر قیامت میں دوبارہ اٹھ کر میدان حشر میں اپنے تمام اعمال کا حساب کتاب پیش کرنا ہے۔ اس دن اللہ ورسول کے فرماں برداروں اور نیکو کاروں کو ان کے نیک اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کو جنت کی ابدی اور راحت بھری زندگی عطا کر دی جائے گی لیکن جو لوگ جانتے بوجھتے سچائیوں سے منہ موڑ کر چلنے والے ہیں۔ شرک وکفر اور اللہ کی نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا رہے ہیں ان کو جہنم میں ہمیشہ کے لئے بھیج دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام قدرت کو تفصیل سے ارشاد فرمایا کہ زمین کی ہر چیز کو اس نے انتہائی خوبصورتی سے سجایا ہے۔ لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز وشاداب وادیاں، تناور درخت طرح طرح کے پھل پھول اور سبزیاں وغیرہ انسانوں کے لئے پیدا کیں تاکہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں ان کو کام میں لائیں اور فائدے حاصل کریں۔ اس نے پہاڑوں کو پیدا کیا تاکہ زمین اپنی جگہ جمی رہے اور زمین ایک طرف کو نہ ڈھلک جائے۔ رات اور دن کو پیدا کیا۔ نظام اس طرح بنایا کہ رات کو راحت وآرام کے لئے اور دن کو طلب معاش یعنی روزی حاصل کرنے کے لئے بنایا۔ اس نے ہر چیز کے نر اور مادہ کے جوڑے بنائے اور ان میں ایک ایسا خوبصورت رابطہ اور تعلق پیدا کیا کہ انسان ان پر جتنا بھی غور وفکر کرتا جائے گا وہ حیرت وتعجب میں ڈوبتا چلا جائے گا۔ یہ اسی کی قدرت ہے کہ زمین ایک ہے، پانی، ہوا فضا میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن پھولوں کے رنگ، درختوں کی پھبن، پھلوں کے مزے مختلف ہیں، کوئی میٹھا ہے، کوئی کڑوا ہے، کوئی کسیلا ہے، کوئی سخت، کوئی نرم، کوئی سفید اور کوئی سیاہ۔ اسی طرح انسان ایک ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے ایک ہی گھرانہ ہے ایک ہی ماحول ہے لیکن ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے۔ اس طرح ہر انسان کس قدر مختلف صفات رکھتا ہے کوئی مومن ہے کوئی کافر کوئی فرماں بردار ہے کوئی نافرمان۔ کوئی عقل مند ہے کوئی بے وقوف، کوئی نیک ہے اور کوئی بدکردار۔ یہ سب اللہ کا نظام ہے، گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن۔ اسی طرح اگر غور کیا جائے تو ہر چیز کے اثرات بھی مختلف ہیں مثلاً قرآن کریم ایک ہے لیکن اس کے اثرات کتنے مختلف ہیں۔ نیک فطرت انسان اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور

بدفطرت انسان اس کی بھلائیوں سے محروم رہتے ہیں۔غرضیکہ کائنات میں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ دنیا خود بخود نہیں چل رہی ہے بلکہ اس کا چلانے والا کوئی ہے اور قرآن کریم اسی حقیقت کو بتانا چاہتا ہے کہ اس پورے نظام کائنات کو چلانے والا ایک اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اسی نے اس کتاب قرآن مجید کو نازل کیا ہے اس کو پڑھ کر جس کا دل چاہے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ قرآن کی ہدایت سے دور رہ کر ابوجہل، ابولہب، عتبہ اور ولید بن جائے۔اللہ نے ہدایت اور گمراہی کے راستے کھلے رکھے ہیں لیکن ہر شخص اپنے انجام کو پیش نظر رکھے کیونکہ اللہ نے ہمیشہ دنیا وآخرت میں ان ہی لوگوں کو سرخ رو کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو مان کر چلنے والے ہیں۔دنیا بھی ان کی ہے اور آخرت کی ابدی راحتیں بھی ان ہی کا مقدر ہیں۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٥ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧

ترجمہ: آیت نمبر ۵ تا ۷

اور اگر تم (کسی بات میں) تعجب کر سکتے ہو تو ان لوگوں کا قول قابل تعجب ہے جنہوں نے یہ کہا کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم ایک نئی زندگی پائیں گے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب

کے ساتھ کفر کیا۔ ان لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ یہی جہنمی ہیں جس جہنم میں لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ (اے نبی ﷺ) وہ لوگ آپ سے رحمت کے بجائے جلد ہی عذاب مانگ رہے ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے قوموں کی عبرت ناک مثالیں گذر چکی ہیں۔ بے شک آپ کا رب ان کی خطاؤں کے باوجود لوگوں کو معاف کر دینے والا ہے۔ اور بے شک آپ کا رب شدید عذاب بھی دینے والا ہے۔ اور وہ کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ (اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ) آپ محض (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔ اور ہر قوم کیلئے ہدایت دینے والے آتے رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵ تا ۷

تَعۡجَبُ — تو تعجب اور حیرت کرتا ہے

ءَ اِذَا — کیا جب

تُرَابٌ — مٹی

خَلۡقٌ جَدِیۡدٌ — نئی پیدائش

اَلۡاَ غۡلٰلُ — طوق۔ گلے کا ہار

اَعۡنَاقٌ — (عُنُق)۔ گردنیں

یَسۡتَعۡجِلُوۡنَ — وہ جلدی مچاتے ہیں

اَلسَّیِّئَةُ — برائی

اَلۡحَسَنَةُ — نیکی۔ بھلائی

قَدۡخَلَتۡ — یقیناً گذر گئی

اَلْمَثُلٰتُ	(مَثُلَۃٌ)۔عبرت کے واقعات
ذُوْمَغْفِرَۃٍ	معافی دینے والا
شَدِیْدُالْعِقَابِ	سخت عذاب دینے والا
اٰیَۃٌ	نشانی۔معجزہ
مُنْذِرٌ	ڈرانے والا
ھَادٌ	ہدایت دینے والا۔رہنمائی کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۵ تا ۷

کفار مکہ ہر روز کوئی نہ کوئی اعتراض کر کے اپنی جہالت، تعصب اور حسد کا اظہار کرتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام شبہات اور سوالات کے جوابات گذشتہ آیات میں دے کر ایک مرتبہ پھر ان کے چند شبہات اور سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔

ان کے تین سوالات تھے:

۱) جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو ہمارے اجزاء کیسے جمع ہو کر ہم دوبارہ زندہ ہوں گے۔

۲) بجائے خیر اور بھلائی مانگنے کے وہ کہتے تھے کہ وہ جس عذاب کا وعدہ کر رہے ہیں آخر وہ کب آئے گا؟

۳) اگر یہ سچے نبی ہیں تو کوئی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے؟

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ:

۱) کتنے تعجب کی بات ہے کہ وہ ایسی بات کر رہے ہیں جس کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ ان کا یہ سوال بڑا ہی حیرتناک ہے کہ وہ اللہ کی قدرت کا انکار کر رہے ہیں حالانکہ جس نے انسانوں کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے دوبارہ پیدا کرنا کونسی مشکل بات ہے۔ کوئی بھی مشین پہلی مرتبہ بناتے ہیں تو دشواری ہوتی ہے لیکن اس کے بن جانے کے بعد دوبارہ بنانا تو ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ہم تو کسی چیز کے بنانے کے لئے اسباب کے محتاج ہیں جب کہ اللہ کسی سبب کا محتاج نہیں ہے وہ تو صرف ''کُن'' کہتا

ہے کہ ہو جا اور وہ چیز ہو جاتی ہے، وجود اختیار کر لیتی ہے۔ فرمایا کہ درحقیقت یہ لوگ اللہ کی قدرت کے منکر ہیں ان کا انجام یہ ہوگا کہ ان کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہوگا اور ہاتھوں اور پاؤں میں ہتھکڑیاں پہنا کر ان کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

۲) کفار و مشرکین کا یہ سوال کہ اللہ کے نبی جس عذاب کا وعدہ کر رہے ہیں آخر وہ کب آئے گا؟ ہم تو روز روز سن کر عاجز آ چکے ہیں۔ فرمایا کہ اول تو عذاب کا لانا یہ نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ممکن ہے۔ اور اللہ کا یہ حکم پہلی قوموں پر بھی آ چکا ہے۔ یہ اللہ کا حلم و برداشت اور عفو و کرم ہے کہ وہ ان کی ان گستاخانہ باتوں کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں کرتا لیکن اگر ان کی شرارتوں اور اللہ سے بغاوتوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب ان پر اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑے گا اور پھر یہ اس سے کسی حال میں بچ نہ سکیں گے۔ ان کو تو عذاب کے بجائے خیر مانگنی چاہئے تھی لیکن ان کو تو عذاب کی اتنی جلدی پڑی ہوئی ہے کہ اللہ سے خیر اور عافیت مانگنا ہی بھول گئے۔ فرمایا کہ اللہ تو بڑا مغفرت کرنے والا ہے وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور انجام پر غور نہیں کرتے ان کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ اور گذری ہوئی قوموں کے برے اعمال کے بدلے میں جو بھی عذاب آیا وہ اتنا سخت اور شدید تھا کہ اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کے باوجود وہ اپنے تہذیب و تمدن اور اپنے وجود کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔

۳) کفار مکہ کے اس مطالبہ پر کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ پر معجزات کیوں نازل نہیں کئے گئے۔ فرمایا کہ اے نبی! آپ اللہ کے خوف سے ڈرانے والے اور جس طرح اور امتوں میں اللہ کے نبی آ کر ہدایت کرتے رہے ہیں آپ بھی ایک ہادی اور رہبر ہیں معجزات کا دکھانا اللہ تعالیٰ کے اختیار ہیں ہے وہ جب چاہے معجزات کو نازل کر سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے پہلی قوموں کے سامنے تو بڑے بڑے معجزات دکھائے گئے کیا وہ ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لائے؟ یقیناً جس کو ایمان لانا ہوتا ہے وہ معجزات کا مطالبہ نہیں کرتا اور جس کو ایمان نہیں لانا ہے وہ معجزات دیکھ کر بھی اپنے کفر و شرک پر قائم رہتا ہے اور دولت ایمان سے محروم رہتا ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸ تا ۱۱

اللہ اس حمل سے واقف ہے جو رحم میں ہوتا ہے۔ اور جو کچھ رحم میں سکڑتا اور بڑھتا ہے۔ اور اس کے ہاں ہر چیز ایک مقدار کے مطابق ہے۔ وہ موجود اور غائب کا جاننے والا اور بلند و برتر ہے۔ اس کے لئے یکساں ہے کہ بات زور سے کہی جائے یا آہستہ سے۔ اور جو رات میں کہیں چھپ رہا ہے یا دن میں چل رہا ہے۔ ہر ایک کے آگے اور پیچھے اس کے پہرے دار ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

بے شک اللہ لوگوں کے کسی حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت میں تبدیلی پیدا نہ کرلیں اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور ان کے لئے اس کے سوا کوئی مددگار بھی نہیں ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸ تا ۱۱

يَعْلَمُ	وہ جانتا ہے
تَحْمِلُ	اٹھاتی ہے
اُنْثٰى	مادہ۔عورت
تَغِيْضُ	کمی ہوتی ہے
تَزْدَادُ	اضافہ ہوتا ہے
كُلُّ شَيْءٍ	ہر چیز
بِمِقْدَارٍ	اندازے سے
اَلْكَبِيْرُ	بڑا بزرگ
اَلْمُتَعَالُ	برتر۔زیادہ اونچا
سَوَاءٌ	یکساں
اَسَرَّ	جس نے چھپایا
جَهَرَ	جس نے کھل کر کیا۔زور سے کیا
مُسْتَخْفٍ	اسم فاعل
سَارِبٌ	چلنے والا
مُعَقِّبٰتٌ	(مُعَقِّبٌ) ایک کے پیچھے دوسرے کا آنا۔پہرے دار
يَحْفَظُوْنَ	حفاظت کرتے ہیں
لَا يُغَيِّرُ	وہ تبدیل نہیں کرتا

حَتّٰی یُغَیِّرُوْا	جب تک وہ نہ بدلیں
لَا مَرَدَّ	نہیں ہٹانے والا۔نہیں ٹلانے والا
وَالٍ	حمایتی۔مددگار

تشریح: آیت نمبر ۸ تا ۱۱

اللہ تعالیٰ کا علم کتنا وسیع ہے؟اس کا انتظام کتنا حسین ہے؟اس کی قدرت کائنات کی ہر چیز پر کس طرح محیط ہے؟ انسان اگر ذرا بھی غور کرلے تو اس کو ذرّہ ذرّہ میں یہ سچائی جھلکتی نظر آجائے گی کہ اللہ کا علم اس کا انتظام اور قدرت کائنات کے ذرّے ذرّے پر محیط ہے۔ماں کے پیٹ میں جس بچے نے اللہ کی قدرت سے وجود اختیار کیا ہے اس کا پوری طرح اللہ کو علم ہے۔ انسانوں کی بنائی ہوئی مشینیں یہ تو معلوم کرسکتی ہیں کہ ماں کے پیٹ مین لڑکا ہے یا لڑکی ہے یا اس کی کیا پوزیشن ہے لیکن دنیا کی کوئی الٹرا ساؤنڈ مشین یہ نہیں بتا سکتی کہ یہ انسانی بچہ جو اس دنیا میں قدم رکھ رہا ہے وہ خوبصورت ہے یا بدصورت۔وہ کب تک زندہ رہے گا اور کب اس کی موت آجائے گی۔وہ بچہ والدین کا فرماں بردار ہوگا یا نافرمان،ایمان پر قائم رہے گا یا کفر پر مرے گا،وہ دنیا میں کیسا مقام حاصل کرے گا ان تمام باتوں کا علم اللہ کو ہے وہ ان تمام باتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے۔پھر چالیس دن میں گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جسے چار باتوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

۱) رزق کتنا ملے گا؟ ۲) عمر کتنی ہوگی؟
۳) نیک ہوگا؟ ٤) یا برا آدمی ہوگا؟

غرضیکہ اللہ تعالیٰ کو اس بچے کی ایک ایک کیفیت کا پوری طرح علم ہوتا ہے اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔فرمایا کہ وہ اللہ انسان کے دل کی ہر بات کو جانتا ہے وہ انسان اس کو ساری دنیا سے چھپالے لیکن دلی جذبہ بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ نے ہر انسان پر ان فرشتوں کو بٹھا رکھا ہے جو اس کی ایک ایک بات کو ریکارڈ کررہے ہیں۔یہ فرشتے تھکتے نہیں ہیں بلکہ اس نے اپنی قدرت سے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ صبح کے فرشتے اور ہوتے ہیں اور شام اور رات کے فرشتے دوسرے ہوتے ہیں وہ ہر اچھی یا

بری بات کو لکھتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ باطنی نظام ہے۔ جو کسی کو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ لیکن اس سچائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس پوری کائنات کا پورا نظام اسی طرح چل رہا ہے جس طرح اس کائنات کا مالک اس کو چلا رہا ہے۔ وہ اس کائنات کو چلانے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ یہ اسی کی قدرت ہے کہ وہ دو متضاد چیزوں کو ایک جگہ رکھ کر ان کی پرورش کر رہا ہے یہ کسی انسان کے بس کی بات نہ تھی۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس علم و معلومات کے باوجود کسی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا بلکہ اللہ نے جو نظام بنایا ہے اس پر غور کرنے والے جب اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں تب اللہ کی توفیق ان کے ساتھ ہوتی ہے لیکن اللہ کسی شخص یا قوم کے حالات کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے اندر انقلابی تبدیلیاں پیدا نہیں کر لیتے۔ اللہ اپنے بندوں پر کرم ہی کرم فرماتا ہے لیکن اگر وہ کسی کو کسی طرح کا نقصان پہنچائے یا اس پر عذاب نازل کرے تو ساری دنیا مل کر بھی اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ اس کی مدد کے لئے کوئی بھی نہیں آ سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ ہی کی ذات کو تمام کمالات حاصل ہیں اور اس کو ہر طرح کا علم ہے جو لوگ اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کر کے اللہ کو راضی کر لیتے ہیں وہی خوش نصیب ہیں اور جو لوگ اس سعادت سے محروم رہتے ہیں وہ اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں اور پھر کسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰۤـئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ‌ ۚ وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ وَهُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ‌ ۚ وَهُوَ شَدِيۡدُ الۡمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَـقِّ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَىۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ‌ ؕ وَمَا دُعَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾

السجدۃ ۲

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲ تا ۱۵

وہی تو ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس میں امید اور خوف اندیشے دونوں ہوتے ہیں اور وہ ان بادلوں کو بلند کرتا ہے جو پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادلوں کی گرج چمک اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے۔ پھر انہیں جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور وہ (کافر) اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ گرفت کرنے میں سخت ہے۔ اس کو ہی پکارنا سچ ہے۔ اور وہ جن لوگوں کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آتے مگر جیسے کسی نے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے کہ اس کے منہ تک آپہنچے اور وہ اس کے (منہ تک) کبھی نہ پہنچے گا۔ اور کفار کی پکار سوائے گمراہی کے کچھ بھی نہیں ہے۔ اور جو بھی زمین میں اور آسمانوں میں ہے وہ خوشی سے یا مجبوری سے اسی کو سجدہ کرتا ہے اور صبح وشام کے سائے بھی (اس کو سجدہ کرتے ہیں)

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲ تا ۱۵

اَلْبَرْقُ	بجلی۔ چمک
طَمَعٌ	امید
یُنْشِئُ	وہ اٹھاتا ہے
اَلسَّحَابُ	بادل
اَلثِّقَالُ	بھاری
یُسَبِّحُ	تسبیح کرتا ہے
اَلرَّعْدُ	کڑک
خِیْفَةٌ	(اس کے) خوف (سے)

يُرْسِلُ	وہ بھیجتا ہے
اَلصَّوَاعِقُ	بجلیاں۔کڑک
يُصِيْبُ	وہ پہنچاتا ہے۔گراتا ہے
يُجَادِلُوْنَ	وہ جھگڑتے ہیں
شَدِيْدُ الْمِحَالِ	سخت پکڑنے والا
دَعْوَةُ الْحَقِّ	سچائی کی پکار
لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ	وہ جواب نہیں دیتے ہیں
بَاسِطٌ	پھیلانے والا
لِيَبْلُغَ	تا کہ وہ پہنچے
فَاهُ	منہ
بَالِغٌ	پہنچنے والا
طَوْعٌ	خوشی
كَرْهٌ	مجبوری بے بسی
ظِلٰلٌ	(ظِلٌّ)۔سائے
اَلْغُدُوّ	صبح
اَلْاٰصَالُ	شام

تشریح: آیت نمبر ۱۲ تا ۱۵

یہ کائنات اور اس کا نظام کیا ہے؟ اس کی حقیقت کا تو ہمیں علم نہیں ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہے البتہ اپنی معلومات اور

تحقیق سے ہمیں جو بھی نظر آتا ہے ہم اس کا اظہار کر دیتے ہیں۔لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یا سوچ رہے ہیں وہ واقعی سچ ہے۔ دنیا کے سائنسداں، فلاسفر اور دانش ور یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ اتنا صحیح ہے کہ اس میں تبدیلی ناممکن ہے مثلاً دو ہزار سال تک دنیا بھر کے سائنسداں اور فلاسفرز کا یہ خیال تھا کہ زمین ساکن ہے، آسمان اس کے گرد گھوم رہا ہے اور چاند، سورج اور ستارے آسمان پر جڑے ہوئے ہیں۔صرف ایک دوربین کی ایجاد نے دو ہزار سال کے اس فلسفے کو تلپٹ کر کے رکھ دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ زمین تو خود گردش میں ہے وہ اپنے سورج کے گرد گھوم کر دن، رات، ہفتے، مہینے اور سال بنا رہی ہے۔اسی طرح ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ روزانہ سورج نکل رہا ہے، چاند چمک رہا ہے، ستارے ٹمٹا رہے ہیں، اونچے اونچے پہاڑ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہیں، دریا، ندیاں بہہ رہی ہیں اور سمندر موجیں مار رہا ہے، ہواؤں کے دوش پر بادل اڑ رہے ہیں، گرج چمک کے ساتھ آنکھوں کو چکا چوند کرنے والی بجلی چمک رہی ہے، بارشیں برس رہی ہیں، زمین میں ایک نئی زندگی کروٹیں لے رہی ہے۔لیکن اتنے بڑے نظام کو کون چلا رہا ہے، جب ایک مشین بھی خود بخود بن کر اپنے آپ کام نہیں کر سکتی تو کیا اس پوری کائنات کو پیدا کرنے والا اور چلانے والا کوئی نہیں ہے۔ ہر انسان کی فطرت چلا اٹھے گی کہ اس کائنات کو پیدا کر کے اس کو چلانے والی ذات کوئی ہے اور وہ صرف اللہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک نظام تو وہ ہے جو ہمیں نظر آتا ہے اور دن رات اس تجربے سے ہم گذرتے ہیں۔لیکن اس نظام کے پیچھے ایک اور روحانی نظام کارفرما ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا مثلاً ہم یہ دیکھتے ہیں کہ گرمی پڑی، سمندر سے مان سون اٹھا، بادل بنے اور کڑک چمک کے ساتھ کسی جگہ جا کر برس گئے۔ اور مردہ زمین میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی۔لیکن قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے نظام پر اللہ نے فرشتے مقرر کئے ہوئے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ ''رعد'' ایک فرشتہ کا نام ہے جو بجلی کے کوڑے سے بادلوں کو ہانکتا ہے یہ فرشتہ اللہ کی تسبیح کرتا رہتا ہے، انسان اور حیوان ان کی اس تسبیح کی آواز تو نہیں سنتے البتہ بادلوں کی ہیبت ناک آواز کو سب سنتے ہیں۔ مشرکین اور کفار کا عقیدہ یہ ہے کہ جب ان کا معبود ان سے ناراض ہو جاتا ہے تو یہ گرج، چمک اور کڑک پیدا ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جس بجلی کو تم اس امید کے ساتھ دیکھتے ہو کہ وہ برس کر تمہارے کھیتوں کو سیراب کر دے گی اور اس کڑک اور گرج اور بجلی سے تم خوف زدہ ہو جاتے ہو جو چمکتی رہتی ہے اور دلوں کو ہلا ڈالتی ہے۔

یہ سب کچھ تمہیں کون دکھاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ بادلوں کی اس گرج چمک سے اس کے فرشتے بھی خوف سے اس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں اور اس کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔ پھر اللہ جس پر چاہتا ہے اس بجلی کو گراتا ہے۔اس وقت وہ کفار اللہ کو پکارنے کے بجائے اپنے جھوٹے معبودوں کو پکارنے لگتے ہیں۔

حالانکہ وہ لوگ جن جھوٹے معبودوں کو پکارتے ہیں اس کائنات کے نظام میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے وہ ایک بے حقیقت اور بے جان چیزیں ہیں۔ پھر بھی وہ اپنے ان معبودوں سے مانگتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیاسا آدمی پانی کی طرف ہاتھ بڑھائے تا کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے اور وہ پانی اس کے منہ تک نہ پہنچے۔ یعنی جیسے یہ کوشش لاحاصل اور فضول ہے اسی طرح غیر اللہ کو پکارنا اس کو سجدے کرنا انتہائی احمقانہ حرکت ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ فرمایا کہ کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ اس کائنات کی ہر چیز خوشی سے یا مجبوری سے اسی کے سامنے سجدہ کر رہی ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل کر رہی ہے اور صبح وشام کے سائے بھی در حقیقت اسی معبود حقیقی کو سجدے کر رہے ہیں۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶

(اے نبی ﷺ) آپ ان سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہے۔ آپ کہئے کیا تم اس کے سوا دوسروں کو حمایتی بناتے ہو جو اپنے نفع اور نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اندھا اور آنکھوں والا کیا برابر ہیں؟ اور کیا اندھیرا اور روشنی یکساں ہیں۔ کیا انہوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں جنہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسا کہ اللہ نے پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ

ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ یکتا ہے اور غلبہ وقوت رکھتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶

مَنْ	کون؟
اَفَاتَّخَذْتُمْ	کیا پھر تم نے بنالیا ہے
تَسْتَوِیْ	برابر ہوتا ہے
اَلْاَعْمٰی	اندھا
اَلْبَصِیْرُ	دیکھنے والا
اَلظُّلُمٰتُ	اندھیرے
اَلنُّوْرُ	روشنی
تَشَابَهَ	شبہ پڑ گیا
اَلْقَهَّارُ	(اللہ کی صفت)۔ زبردست۔ غلبہ والا

تشریح: آیت نمبر ۱۶

عرب کے کفار اور مشرکین غیر اللہ کو سجدے کرتے تھے۔ بتوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے اور اپنی تمناؤں کی تکمیل کے لئے دعائیں کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ اس کائنات کو اور اس کے ذرّے ذرّے کو اللہ نے پیدا کیا ہے وہ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے جب ان سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ پھر تم اس ایک اللہ کی عبادت و بندگی کیوں نہیں کرتے اور بتوں کے وسیلے سے کیوں مانگتے ہو؟ ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم اللہ ہی کو مانتے ہیں وہی

سب کچھ کرنے والا ہے۔ لیکن ہم ان بتوں کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی سمجھتے ہیں یعنی جب تک یہ ہماری دعائیں اللہ تک نہ پہنچادیں اس وقت تک اللہ ہماری نہیں سنے گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اللہ تو ایسا ہے کہ انسان کی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے وہ اتنا قریب ہے کہ جب کوئی مومن سجدہ کرتا ہے تو اس کا سرزمین پر نہیں بلکہ اللہ کے قدموں میں ہوتا ہے۔ وہ رات کی تنہائیوں میں چھپ کر مانگے یا دن کی روشنی میں کھلم کھلا مانگے وہ اپنے بندوں کی سنتا ہے۔ اس تک بات پہنچنے کے لئے کسی واسطے یا وسیلے کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان جب بھی مانگے صرف اللہ ہی سے مانگے وہ اس کی ہر مراد کو پورا فرمائے گا۔ آجکل بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ براہ راست کسی کی نہیں سنتا بلکہ اس کے لئے وسیلہ کی ضرورت ہے۔ جس طرح کسی آفیسر کے پاس جانے کے لئے پہلے سیکریٹری کے پاس جانا پڑتا ہے پھر آفیسر تک پہنچتا ہے۔ میں جب بھی ایسی بات سنتا ہوں تو ایسے لوگوں کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے مثال بھی دی تو انگریزی نظام حکومت کی جس میں آفیسر تک پہنچنے کے لئے سیکریٹریوں کی لائن ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ خلفاء راشدین کی مثال دیتے تو بات سمجھ میں آتی کیونکہ خلفاء راشدین تو وہ تھے جن کے گھروں میں یا ان گورنروں کے ہاں کوئی سیکریٹری نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ براہ راست ہر شخص سے ہر وقت ملتے تھے۔ یہ سیکریٹریوں کی بیماری تو انگریز بہادر کے نظام کا حصہ ہے اسلامی نظام کا حصہ نہیں ہے۔

بہر حال یہ لوگ جاہلوں کو سمجھانے کے لئے ایسی جاہلانہ مثالیں دیتے ہیں جس کی کوئی تک نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ کفار مکہ بھی بتوں کو معبود نہیں بلکہ اللہ کے پاس سفارشی مانتے تھے اللہ نے اس آیت میں یہی سوال کیا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے پوچھئے آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے کون ان کا رب ہے؟ فرمایا کہ اے نبی! ان سے کہہ دیجئے اللہ ہی ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے ولا پروردگار ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ان سے پوچھئے کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت و بندگی کیوں کرتے ہو جو اپنے نفع اور نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں یہ تمہیں کیا نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہئے کہ کیا ایک اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوسکتا ہے۔ کیا اندھیرا اور روشنی یکساں ہوسکتے ہیں۔ یقیناً نہیں۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو توحید کے منکر ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان کو آنکھوں کے نور اور روشنی سے محروم شخص بتایا لیکن جو لوگ اللہ کو ماننے والے اسی کی عبادت و بندگی کرنے والے ہیں اللہ کے نور سے آراستہ آنکھوں والے ہیں۔ فرمایا کہ ان کو یہ نظر نہیں آتا جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھرا رہے ہیں کہ وہ خود اپنے وجود میں دوسروں کے ہاتھوں کے محتاج ہیں جنہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا بلکہ وہ انسانی ہاتھوں سے پیدا کئے گئے ہیں۔ فرمایا کہ اس قدر واضح اور روشن بات کو سمجھنے میں آخر کس شک وشبہ کی گنجائش ہے؟ فرمایا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے وہ اپنی ذات میں ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ کائنات کی ساری قوتوں کا تنہا مالک ہے یعنی صرف ایک اللہ ہی تمام تر عبادتوں اور بندگیوں کا مستحق ہے۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ‏ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمُ الۡحُسۡنٰى ؕ وَالَّذِيۡنَ لَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهٗ لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لَافۡتَدَوۡا بِهٖ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ الۡحِسَابِ ۙ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۸﴾

النصف ع ۲ ۱۱ ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۱۷ تا ۱۸

اس نے بلندی سے پانی اتارا۔ پھر ندی نالے اپنی مقدار کے مطابق چلنے لگے۔ پھر وہ پانی اپنے ساتھ جھاگ لے آیا اور جو لوگ زیور کو آگ میں تپاتے ہیں تو اس میں بھی ایسا ہی میل کچیل اوپر آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال اس طرح بیان کرتا ہے۔ تو جو میل کچیل ہوتا ہے اس کو پھینک دیا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کی مثالیں (وضاحت کے لئے) بیان کرتا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کا کہا نہیں مانا اگر وہ زمین میں جو کچھ بھی ہے اور اس جیسا اور بھی فدیہ میں دے کر (جان چھڑانا چاہیں گے تو) جان نہ چھوٹے گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حساب سخت ہوگا۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین ٹھکانا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۷ تا ۱۸

سَالَتْ	بہہ نکلے
اَوْدِيَةٌ	ندی۔نالے
اِحْتَمَلَ	اٹھایا
اَلسَّيْلُ	ندی کا بہاؤ
زَبَدٌ	جھاگ
رَابِیٌ	جمع ہونے والا
يُوْقِدُوْنَ	جلاتے ہیں۔دھونکاتے ہیں
اِبْتِغَاءٌ	حاصل کرنا
حِلْيَةٌ	زیور
مَتَاعٌ	سامان
يَذْهَبُ	جاتا ہے
جُفَاءٌ	سوکھنا
يَمْكُثُ	رک جاتا ہے
يَضْرِبُ	وہ مارتا ہے۔چلاتا ہے
اَلْحُسْنٰى	بھلائی
اِفْتَدَوْا	انہوں نے فدیہ دیا۔بدلہ دیا
سُوْءُ الْحِسَابِ	براحساب
مَاْوٰى	ٹھکانا
اَلْمِهَادُ	بستر۔ٹھکانا

تشریح: آیت نمبر ۱۷ تا ۱۸

گذشتہ آیات میں توحید کا بیان فرمایا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر کفار سے یہ پوچھا جائے کہ اس کائنات کو اور اس کے ہر ذرے کو کس نے پیدا کیا تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ نے ہی ہر چیز کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ وہی حق ہے بقیہ سب کچھ باطل ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ہر شخص کو بتا دیجئے کہ حق آ گیا ہے اور باطل مٹ رہا ہے اور باطل مٹنے کے لئے ہی ہے۔ یعنی حق اور سچائی کی یہ طاقت ہے کہ جب بھی حق کو نکھار کر سامنے لایا جائے گا تو وہاں باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ کیونکہ باطل کے اندر کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ اصل طاقت حق اور سچائی کی ہے۔ حق و باطل کے درمیان فرق واضح کرنے کی دو بہت خوبصورت مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ فرمایا گیا کہ:

(۱) تم دیکھتے ہو کہ جب بادلوں سے پانی برستا ہے جو ندی نالوں کے ذریعہ ان کی گنجائش کے مطابق بہنے لگتا ہے۔ اس بہتے ہوئے پانی پر کوڑا کباڑ اور گھاس، پھوس بھی پانی کے ریلے کے ساتھ چلا آتا ہے۔ فرمایا کہ پانی کے اوپر جھاگ اور کوڑے کباڑ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اگر اس پانی کو استعمال کیا جائے تو پانی پیا جائے گا اور کوڑے کباڑ کو بے حقیقت سمجھ کر پھینک دیا جائے گا۔ یہی مثال حق و باطل کی ہے۔ جب بھی حق نکھر کر سامنے آتا ہے تو باطل کی حیثیت کوڑے کباڑ سے زیادہ نہیں رہ جاتی، ویسے پانی کے اوپر چھایا ہوا کوڑا کباڑ ایسے لگتا ہے جیسے پانی سے زیادہ کوڑا کباڑ ہے۔ لیکن اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہوتی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے دوسری مثال یہ ارشاد فرمائی ہے کہ جب تیز آنچ پر سونا، چاندی، پیتل، تانبا یا کوئی دھات پگھلائی جاتی ہے تاکہ اس سے زیور اور مختلف چیزیں تیار کی جائیں تو اس میں ایک خاص میل کچیل اس دھات پر ابھر آتا ہے۔ فرمایا کہ دنیا میں یہی ایک طریقہ ہے کہ دھات پر ابھرنے والا میل کچیل اتار کر پھینک دیا جاتا ہے اور سونا، چاندی اور دھات سے بہترین زیور اور برتن بنا لئے جاتے ہیں، سونے کے مقابلے میں جو حیثیت میل کچیل اور جھاگ کی ہے وہی مثال حق اور باطل کی ہے کہ جو آگ کی تیز سلگتی بھٹی سے گذر کر اصل سونا، چاندی اور دھات نکھر جاتی ہے اور اسی کی قیمت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے تو وہ قلوب جن میں سچائی کی تڑپ موجود ہوتی ہے ان کی یہ سعادت ہے کہ وہ وحی کے انوارات سے اپنے دلوں کو روشن و منور کر لیتے ہیں اور اعمال کے جھاگ اور کوڑے کباڑ کو نکال پھینکتے ہیں۔ ان آیات میں مکہ کے ان کفار سے جو اپنے آپ کو غرور و تکبر کا پیکر بنا کر یہ سمجھ رہے تھے کہ سب کچھ ہم ہی ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری حیثیت بہتے پانی پر گھاس پھونس اور کوڑے کباڑ اور سونے چاندی اور دھاتوں پر چھائے ہوئے جھاگ سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر تم نے اللہ کے دین کو قبول کر لیا تو پھر تمہاری کوئی حیثیت ہوگی لیکن اگر حق و سچائی کو قبول نہیں کیا تو تمہاری زندگی اور زندگی کا یہ سامان جس پر تم اترا رہے ہو اس قدر بے حقیقت بن کر رہ جائے گا کہ جب قیامت کے دن اللہ کا عذاب تمہارے سامنے ہوگا اور اپنی ملکیت کی ہر چیز اس کے

بدلے میں دے کر عذاب سے جان چھڑانے کی کوشش کی جائے گی تو اس مال و دولت کو اللہ کے ہاں دے کر جان چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ عذاب سے نجات کے بجائے انتہائی ذلت کے ساتھ حساب کتاب لیا جائے گا اور جہنم جیسا بدترین مقام تمہارا ٹھکانا ہوگا۔ اور اگر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر لیا گیا تو ہر شخص آخرت میں اس طرح پیش ہوگا کہ جیسے نکھرا ہوا سونا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے حق کے پرستاروں کو دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں عطا فرمائے گا۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ

أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو
الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾
وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ
يَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ
وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ
يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ
يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ
عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ
وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ
لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ
وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾

۳ ع ۸ ۹

ترجمہ: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۶

کیا پھر وہ شخص جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے کیا ایسا شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو (سچائی کو) دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا ہے (اندھا ہوتا ہے)۔ حقیقت یہ ہے کہ نصیحت تو سمجھ دار لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں۔
(یہ سمجھ دار لوگ) وہ ہیں جو اللہ سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور ان وعدوں کو (کسی حال میں) توڑتے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن (رشتوں کو) جوڑ کر رکھنے کا حکم دیا ہے ان کو جوڑ کر رکھتے ہیں۔ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب (کے انجام) سے خوف رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صبر کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ چھپ کر اور کھل کر خرچ کرتے ہیں اور برائی کو نیکی سے ٹال دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا گھر ہے ان کے لئے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ اور وہ بھی داخل ہوں گے جو ان کے باپ دادے۔ ان کی بیویاں اور نیک اولادیں ہونگی اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا پس تمہارے لئے آخرت کا بہترین گھر ہے۔ اور وہ لوگ جو پکا عہد کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں اور ان (رشتوں کو) کاٹتے ہیں جن کو ملانے کا حکم دیا ہے اور زمین میں تباہی مچاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے بدترین گھر ہے۔ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق (کے دروازے) کھول دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اور وہ جس دنیاوی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں (وہ یاد رکھیں کہ) دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں متاع قلیل ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۹ تا ۲۶

اَفَمَنْ	کیا پھر وہ شخص
اَعْمٰی	اندھا
یَتَذَکَّرُ	دھیان دیتا ہے

عربی	معنی
اُولُو الاَ لْبَابِ	عقل وفکر رکھنے والے
يُوْفُوْنَ	پورا کرتے ہیں
لاَ يَنْقُضُوْنَ	وہ نہیں توڑتے ہیں
اَلْمِيْثَاقُ	وہ پختہ عہد جس کو توڑا نہ جا سکے
يَصِلُوْنَ	وہ ملاتے ہیں
يَخْشَوْنَ	وہ ڈرتے ہیں
سُوْءُ الْحِسَابِ	بدترین حساب
اِبْتِغَاءُ	تلاش کرنا
اَقَامُوْا	انہوں نے قائم کیا
اَنْفَقُوْا	انہوں نے خرچ کیا
سِرٌّ	چھپ کر
عَلَانِيَةٌ	کھلم کھلا
يَدْرَءُ وْنَ	وہ رد کرتے ہیں
عُقْبَى الدَّارِ	آخرت کا گھر
عَدْنٌ	راحت بھری جنت۔ رہنے کے باغات
صَلَحَ	درست کیا۔ اصلاح کر لی
اَزْوَاجٌ	(زَوْجٌ)۔ بیویاں۔ جوڑے
ذُرِّيّٰتٌ	(ذُرِّيَّةٌ)۔ اولادیں
نِعْمَ	بہترین
يَقْطَعُوْنَ	وہ کاٹتے ہیں

اَنْ یُّوْصَلَ	یہ کہ وہ ملائیں
یُفْسِدُوْنَ	وہ فساد مچاتے ہیں۔ برباد کرتے ہیں
یَبْسُطُ	وہ کھولتا ہے
یَقْدِرُ	تنگ کر دیتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۶

دنیا کا دستور یہ بن گیا ہے کہ جو شخص جتنی دولت اور دنیاوی مال واسباب کمانے کی اہلیت رکھتا ہے اس کو معاشرہ میں انتہائی صاحب عقل ودانش سمجھ کر عزت کے مقام پر بٹھایا جاتا ہے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے ذرائع آمدنی کیسے ہیں۔ یہ مال ودولت اس کو جنت میں لے کر جائیں گے یا اس کو جہنم کا ایندھن بنادیں گے۔ اس کے برخلاف وہ شخص جو انتہائی پرہیزگاری کی زندگی گذار رہا ہے حرام سے بچ رہا ہے وہ اعمال سرانجام دے رہا ہے جو اس کو اور اس کے گھر والوں کو جنت کی ابدی راحتوں سے ہم کنار کر دیں گے، لیکن اس کے پاس مال ودولت کی کمی ہے دنیا والے اس کو ناعاقبت اندیش اور بے وقوفی کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی ان آیات میں اہل عقل ودانش اور بے وقوفوں کی تفصیل بتائی گئی ہے اللہ کے نزدیک کون عقل والا ہے اور کون بے عقل ہے؟ فرمایا کہ وہ شخص جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے کلام نازل کیا گیا ہے وہ بالکل برحق اور سچ ہے لیکن اگر دوسرا وہ شخص جو ان سچائیوں سے آنکھیں بند کئے اندھوں کی طرح زندگی گذار رہا ہے اور اللہ کے کلام پر یقین بھی نہیں رکھتا ہے۔ اگر ان دونوں کا مقابلہ کیا جائے تو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمایا کہ اہل عقل ودانش لوگ وہ ہیں:

۱) جو اللہ سے کئے ہوئے ہر عہد اور وعدہ کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ کے ان تمام احکامات کو دل وجان سے قبول کر کے اطاعت وفرماں برداری کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے اللہ کو پسند نہیں ہے۔ وہ اللہ سے اور اس کے بندوں سے جو وعدہ کرتے ہیں اس پر پوری دیانت داری سے عمل کرتے ہیں۔ وہ ان منافقوں کی طرح نہیں ہوتے جو اپنے عہد ومعاہدہ کا لحاظ نہیں کرتے۔ کیونکہ منافق کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ جب کسی سے وعدہ کرتا ہے تو اس کو پورا نہیں کرتا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "وہ صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جو اپنے وعدے کو پورا نہیں کرتا" قرآن کریم میں بھی بیس سے زیادہ مقامات پر عہد شکنی کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

۲) دوسری صفت یہ ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ بہترین سلوک اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرتا ہے یعنی اس کے نزدیک دوسروں سے بھلائی کرنا ہی اس کا مزاج بن جاتا ہے خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، کافر ہو یا مسلم دور کا رشتہ دار ہو یا قریب کا

ہر ایک سے حسن سلوک کرتا ہے۔

۳) تیسری صفت یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے پروردگار سے اور اس بات سے ڈرتا رہتا ہے کہ قیامت کے دن اس سے جب پوری زندگی کا حساب کتاب لیا جائے گا تو کہیں اس کا انجام خراب نہ ہو جائے۔

۴) چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ حق وصداقت کی زندگی کو اختیار کرتا ہے اور پھر راہ حق میں اس کو جو بھی تکلیفیں پہنچتی ہیں انہیں وہ اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے برداشت کرتا ہے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ نہ وہ جذبات کی رو میں بہتا ہے اور نہ بڑے سے بڑا لالچ اس کے قدموں میں لرزش ولغزش پیدا کرتا ہے اس کا ہر کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے ہوتا ہے۔

۵) پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ نمازوں کو قائم کرتا ہے۔ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اقامت صلوٰۃ کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے جس پر آپ کے صحابہ کرام اور امت چلتی آئی ہے اسی طرز پر نمازوں کو قائم کرتا ہے اور تمام نمازوں کو نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتا ہے اور مسجدوں میں نماز باجماعت کا اہتمام کرتا ہے اور ہر نماز کو اس کے وقت کے اندر پابندی سے ادا کرتا ہے۔

۶) چھٹی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو کچھ عطا فرما رکھا ہے اس کو وہ محض اپنے آپ اور اپنے بال بچوں کی حد تک محدود نہیں رکھتا بلکہ عام مسلمانوں کی فلاح وبہبود پر بھی خرچ کرتا ہے۔ یہاں مراد یہی ہے کہ اللہ نے جو مال ودولت عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کیا جائے تو اس کا بے انتہا ثواب ہے لیکن اس کو اسی حد تک محدود نہ سمجھا جائے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس انسان کو جو بھی صلاحیت اور ہنر عطا فرمایا ہے وہ اس کو ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کی کسی طرح کی امداد واعانت سے پیچھے نہیں رہتے۔ کھل کر یا چھپ کر جیسے ان سے بن پڑے وہ خرچ کرتے ہیں

۷) ساتویں صفت یہ ہے کہ اگر زندگی کے کسی مرحلے پر یا حق وصداقت کے راستے میں اس کے ساتھ کوئی شخص بدسلوکی یا بے عزتی کرتا ہے تو وہ اس کا جواب کسی برائی سے نہیں دیتا بلکہ ہر برائی ظلم وستم اور سختی کا بدلہ نیکیوں، معافی اور نرمی کے رویئے سے ادا کرتا ہے۔

فرمایا کہ جن لوگوں میں مذکورہ باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا وآخرت کی تمام بھلائیوں، راحت وآرام اور سکون عطا فرمائے گا۔ وہ اس جنت کے مستحق بن جائیں گے جس میں راحتیں ہوں گی ایک نعمت یہ بھی ہوگی کہ والدین، اولاد اور بیویاں رشتہ دار سب اکٹھے ایک جگہ رہیں گے۔ ان کو عزت کا یہ مقام نصیب ہوگا کہ ہر دروازے سے فرشتے ان کا استقبال سلام سے کریں گے اور کہیں گے کہ تمہارے اوپر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں کہ تم نے صبر اور برداشت سے کام لیا اس کے بدلے میں تمہیں وہ گھر دیا جا رہا ہے جس میں سلامتی، خوشی، مسرت اور دائمی راحت وآرام ہے۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جن کا مزاج یہ بن چکا تھا کہ انہوں نے اللہ سے جو بھی وعدے کئے تھے ان کو انہوں نے توڑ دیا تھا جن رشتوں کو ملانے کا حکم دیا تھا ان کو کاٹ دیا تھا اور زمین میں سوائے فساد، تباہی اور بربادی کے انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ فرشتے کہیں گے کہ ایسے لوگوں پر اللہ کی

لعنت ہو اور ان کو بدترین ٹھکانا دیا جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ کوئی اس گمان میں نہ رہے کہ نیکی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو تنگ حالی اور فقر و فاقہ ہی ملتا ہے۔ فرمایا یہ تو اللہ کا نظام قدرت ہے کہ وہ کسی پر رزق کے دروازے کھول دیتا ہے، خوشحالیاں اس کے قدم چومتی ہیں لیکن بعض لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان پر حالات کی سختی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ رزق کی کمی بیشی، تنگی اور فراخی یہ اللہ کے نظام کا حصہ ہے وہ جس طرح چاہتا ہے دنوں کو لوگوں کے درمیان گھماتا رہتا ہے کبھی کی راتیں بڑی اور کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں۔ کوئی چیز کسی ایک حال پر نہیں رہتی۔ لیکن ایک بات ہر شخص کے ذہن میں رہنی چاہئے کہ دنیا کی زندگی میں کتنی بھی راحتیں آرام و سکون اور دولت کی فراوانی مل جائے وہ بالآخر کسی موڑ پر ختم ہو جانے والی ہیں لیکن جنہوں نے آخرت کی دولت جمع کی ہے وہ کبھی نہ ختم ہونے والی دولت ہے۔ دنیا کی دولت تو صرف وقتی گذارہ کی چیز ہے دائمی زندگی اور اس کی راحتیں آخرت ہی میں نصیب ہوں گی۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾ كَذٰلِكَ أَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ أُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۠ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۗ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۷ تا ۳۰

اور وہ کافر کہتے ہیں کہ ان پر (نبی ﷺ پر) اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں کیا گیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کو اپنی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان و سکون حاصل کرتے ہیں۔ سنو! کہ دل کا اطمینان و سکون اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے وہ خوش نصیب ہیں اور ان کا انجام بھی

بہتر ہے۔

اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو ایک ایسی امت کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے جن سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں تا کہ آپ ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے حالانکہ وہ کفار اس اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں جو بہت رحم کرنے والا ہے۔

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تو وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹنے کا ٹھکانہ ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۷ تا ۳۰

لَوْ لآ اُنْزِلَ	کیوں نازل نہیں کیا گیا
اٰیَةٌ	نشانی۔ معجزہ
یُضِلُّ	وہ گمراہ کرتا ہے۔ بھٹکا دیتا ہے
یَهْدِیْ	وہ ہدایت دیتا ہے۔ راہ پر لگا دیتا ہے
اَنَابَ	رجوع کیا۔ لوٹا
تَطْمَئِنُّ	مطمئن ہوتے ہیں
بِذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ کی یاد سے
طُوْبٰی	خوش حالی ہے۔ خوش خبری ہے
مَاٰبٌ	ٹھکانا
اُمَمٌ	امتیں
لِتَتْلُوْا	تا کہ تو پڑھے
اَوْحَیْنَا	ہم نے وحی کی

يَكْفُرُوْنَ	وہ انکار کرتے ہیں۔ کفر کرتے ہیں
مَتَابٌ	لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا

تشریح: آیت نمبر ۲۷ تا ۳۰

جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو لاتعداد معجزات عطا فرمائے ہیں البتہ سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی موجودگی میں کسی دوسرے معجزے کا مطالبہ کرنا بڑی احمقانہ بات تھی لیکن کفار مکہ نبی کریم ﷺ سے کبھی آ کر یہ کہتے کہ:

آپ کیسے نبی ہیں آپ کے ساتھ اللہ کے فرشتے کیوں نہیں ہیں جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے کبھی اس بات کا مطالبہ کرتے کہ اے محمد ﷺ! اگر آپ سچے نبی ہیں تو مکہ کے چاروں طرف جو پہاڑ ہیں ان کو ہٹوا کر کھلا میدان بنوا دیجئے تاکہ ہم اس میدان میں کھیتی باڑی کر سکیں۔

کبھی کہتے کہ زمین کو پھاڑ کر اس میں چشمے اور نہریں جاری کرا دیجئے تاکہ ہمیں جو پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے وہ دور ہو سکے۔

کبھی اپنے ان مردوں کو زندہ کرنے کی فرمائش کرتے جو مر کر مٹی ہو چکے ہیں اور کہتے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان مردوں سے ہم باتیں کر کے سارے حالات معلوم کر سکیں۔ اسی طرح وہ ہر روز کوئی نہ کوئی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کو ایمان لانا تھا بلکہ وہ نبی کریم ﷺ کو پریشان کرنے کے لئے یہ سب کچھ کہتے تھے کیونکہ جس کو ایمان لانا ہے وہ معجزات دیکھنے کا محتاج نہیں ہوتا۔ قرآن کریم حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا ذکر کر کے کہتا ہے کہ ان انبیاء کرام نے ایسے ایسے معجزات دکھائے جن کے سامنے ہر شخص عاجز ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کھلی آنکھوں سے معجزات کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن ان میں سے کتنے لوگ ایمان لائے؟ جس کو ایمان لانا تھا وہ ایمان لے آیا اور جس نے گمراہی اختیار کر لی تھی وہ معجزات دیکھ کر بھی گمراہ ہی رہا۔

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے اسی مطالبہ کا ذکر کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ اے نبی ﷺ! ایسا کیوں نہ ہوا کہ آپ کا رب آپ پر کوئی معجزہ نازل کرتا تاکہ ہم اس کو دیکھ کر آپ پر ایمان لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ معجزہ ہونے یا نہ ہونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اللہ ان ہی لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے جو اس کے سامنے جھکے رہتے ہیں جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے

ہیں اور اپنے دلوں کو اللہ کے ذکر سے مطمئن کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دلوں کا اطمینان، سکون اور چین اللہ کی یاد ہی میں ہے۔

فرمایا کہ وہ لوگ بہت ہی خوش نصیب ہیں جو ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرتے ہیں اور اپنے لئے بہتر انجام حاصل کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اے ہمارے نبی ﷺ! جس طرح آپ اللہ کے رسول ہیں اسی طرح آپ سے پہلے بہت سے رسول اور ان کی امتیں گذر چکی ہیں ان سے بھی اسی طرح کے سوالات کئے گئے۔ ان کا مذاق اڑایا گیا اور ان کی نافرمانی کر کے انہوں نے اپنی دنیا و آخرت کو خراب کر لیا۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کفار کو اللہ کا کلام جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے پڑھ کر سنایئے۔ آپ اپنے اللہ کی طرف متوجہ رہئے اسی پر بھروسہ کیجئے اگر یہ رحمٰن اور اس کے کرم کا انکار کرتے ہیں تو کرنے دیجئے۔ آپ اپنی زبان مبارک سے یہ پیغام ساری دنیا تک پہنچا دیجئے کہ ایک اللہ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

ع ۵ ۱۰

ترجمہ: آیت نمبر ۳۱

اور اگر قرآن ایسا ہوتا کہ اس سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین کے فاصلے جلدی جلدی طے ہو جاتے یا مردے بات کرنے لگتے (تب بھی یہ ایمان نہ لاتے) تمام کاموں کا اختیار تو اللہ ہی کا ہے۔ کیا مومنوں کو اس سے اطمینان نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔ اور کافروں کو ان کے اعمال کی وجہ سے ہمیشہ مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے قریب پہنچتی رہے گی۔

یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا اور بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۱

سُيِّرَتْ	چلائے جائیں۔(چلائی گئی)
اَلْجِبَالُ	(جبلٌ)۔پہاڑ
قُطِّعَتْ	کاٹی گئی
كُلِّمَ	بات کی گئی۔کلام کیا گیا
اَلْمَوْتٰى	مردے
لَمْ يَايْئَسْ	اطمینان نہیں ہوا
لَا يَزَالُ	ہمیشہ
صَنَعُوْا	انہوں نے بنایا۔انہوں نے کیا
قَارِعَةٌ	سخت مصیبت

تشریح: آیت نمبر ۳۱

جیسا کہ گذشتہ آیتوں میں اس بات کو فرمایا گیا ہے کہ کفار مکہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کی یہ شرط رکھتے تھے کہ اے نبی ﷺ! جس طرح اور انبیاء کرام کو معجزات دیئے گئے ہیں آپ بھی کوئی معجزہ دکھایئے۔ ان کے اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ اللہ کا دین پھیلاتے رہیئے اور ان لوگوں کی ان باتوں کی پرواہ نہ کیجئے کیونکہ اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں، یا زمین کے فاصلے جلدی جلدی طے ہو جائیں یا مردے بھی اپنی قبروں سے اٹھ کر ان سے باتیں کر کے ان کو آخرت کا یقین دلا دیں تب بھی یہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا ڈالیں گے اور ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ سارا اختیار تو اللہ ہی کو حاصل ہے وہ جب چاہے کسی کو ہدایت دے یا راستے سے بھٹکا دے لیکن ان کفار کے مطالبے کا مقصد سوائے باتیں بنانے کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہدایت چونکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہتا تو ہر شخص کو صاحب ایمان بنا دیتا لیکن اللہ کسی پر جبر نہیں کرتا بلکہ اس کو مختصر زندگی کے لمحات میں اس بات کا اختیار دیتا ہے کہ وہ جس راستے کو چاہے منتخب کر لے۔ جنت کا راستہ یا جہنم کا راستہ انجام دونوں کا واضح ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کو

اس بات سے مایوس نہیں ہونا چاہئے کہ اتنا کچھ سمجھانے کے بعد بھی وہ نعمت ایمان سے کیوں محرم ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کریم جیسے معجزہ کی موجودگی میں آخر کونسا معجزہ مانگتے ہیں جس کو دیکھ کر یہ ایمان لائیں گے۔ اس آیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ نے کوئی اور دوسرا معجزہ عطا نہیں کیا بلکہ سیکڑوں صحیح احادیث گواہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے ایک دو نہیں سیکڑوں معجزات ظاہر ہوئے ہیں جن کو ہزاروں صحابہ کرام نے دیکھا ہے۔ منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو صرف قرآن کریم بطور معجزہ عطا کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی معجزہ نہیں دیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہاں قرآن کریم کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ یوں تو حضور اکرم ﷺ سے بہت سے معجزات ظاہر ہوں گے اور ہو رہے ہیں لیکن ان عقل کے اندھوں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ سارے عرب اور دشمنان اسلام مل کر بھی قرآن کریم جیسی ایک سورت بنا کر نہیں لا سکتے تو اصول کی بات یہ ہے کہ اس معجزہ کی موجودگی میں کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت کے ثبوت کے لئے کسی معجزہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر اللہ نے گذشتہ قوموں کو اپنے نبی کے ذریعے معجزات دکھائے ہیں تو ان لوگوں کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ جب پچھلی قوموں نے معجزات دیکھ کر بھی ایمان قبول نہیں کیا تو ان کا کس قدر بھیانک انجام ہوا ہے۔ کیا یہ کفار مکہ بھی ہر طرح کے عذاب جھیلنے کے لئے تیار ہیں۔ یوں تو اللہ کا قہر ان پر نازل ہوگا ان کو طرح طرح کی مصیبتیں آئیں گی اور ان کا سلسلہ جاری رہے گا لیکن یہ اللہ کا کرم ہے کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں وہ عذاب نہیں آئیں گے جو عذاب گذشتہ قوموں پر آئے ہیں لیکن طرح طرح کی تکلیفیں ان کفار پر آ کر رہیں گی جن سے دامن بچانا ممکن نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ کا وعدہ بھی ان سے دور نہیں ہے کیونکہ نہ اللہ کی سنت اور طریقہ تبدیل ہوتا ہے اور نہ وہ اپنے وعدے کے خلاف کرتا ہے۔ لہٰذا کفار مکہ ایمان لے آئیں ورنہ اللہ کے وعدہ میں دیر نہیں لگے گی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۲ تا ۳۴

(اے نبی ﷺ) آپ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں ان کا بھی مذاق اڑایا گیا پھر میں نے ان کافروں کو (شروع میں) ڈھیل دی۔ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔ پھر دیکھو کیسا انجام ہوا۔ کیا پھر وہ ذات جو ہر انسان کے اعمال کی نگراں ہے (کیا ان کے برابر ہے) جن کو انہوں نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم ان کے نام لو۔ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دے رہے ہو جس کی خبر اس کو اس دنیا میں نہیں تھی۔ یا تم اوپرے دل سے ان کو شریک کہتے ہو۔ (حقیقت یہ ہے کہ) ان کافروں کی خود فریبیاں ان کی نگاہوں میں خوش نما بنادی گئی ہیں اور یہ (اللہ کے) راستے سے روک دیئے گئے ہیں۔ اور جس کو اللہ ہی بھٹکا دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو اور بھی سخت ہے اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۲ تا ۳۴

اُسْتُهْزِئَ	مذاق اڑایا گیا
رُسُلٌ	(رَسُوْلٌ) بھیجے ہوئے۔ پیغمبر
اَمْلَيْتُ	میں نے ڈھیل دی۔ موقع دیا
اَخَذْتُ	میں نے پکڑ لیا۔ گرفت میں لے لیا
عِقَابٌ	بدلہ۔ انجام
قَائِمٌ	قائم رہنے والا
كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص۔ ہر جان
كَسَبَتْ	کمایا
جَعَلُوْا	انہوں نے بنایا
سَمُّوْا	نام بتاؤ۔ نام لو

تُنَبِّئُوْنَ	تم خبر دیتے ہو
زُيِّنَ	خوبصورت۔ بنادیا گیا
مَكْرٌ	فریب۔ دھوکہ
صُدُّوْا	روک دیئے گئے
اَشَقُّ	زیادہ سخت

تشریح: آیت نمبر ۳۲ تا ۳۴

نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ان آیات میں پہلے تو کفار مکہ کے کفر وشرک کا رد فرمایا گیا۔ پھر ان کافروں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ گذشتہ آیات میں یہ بتایا گیا تھا کہ کفار مکہ نبی کریم ﷺ کو پریشان کرنے کے لئے ہر روز کوئی نہ کوئی مسئلہ لے کر آجاتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد ایمان لانا نہیں تھا بلکہ اپنے دلی بغض کا اظہار اور ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ کرنا تھا۔ نبی مکرم ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ کفار و مشرکین کی باتوں سے پریشان نہ ہوں۔ یہ آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں اس کی پرواہ نہ کیجئے کیوں کہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول تشریف لائے ہیں ان کا اسی طرح مذاق اڑایا گیا۔ ہم نے ان کفار کو کافی مہلت اور ڈھیل دی پھر ان کے مسلسل کفر وشرک پر جمے رہنے سے ہم نے ان کو پکڑا اور سخت سزا دی لہٰذا آج جو لوگ آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں اگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تو ان کا انجام گذری ہوئی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔ یہ غور کریں کہ پچھلی قوموں کا کتنا بھیانک انجام ہوا۔

تسلی دیتے ہوئے دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اللہ وہ ہے جو ہر آن اس کائنات میں اپنی قدرت کا مظاہرہ کررہا ہے۔ وہ ہر چیز اور ہر طرح کی کیفیات سے اچھی طرح واقف ہے وہ کائنات کے ذرے ذرے کی نگرانی کررہا ہے۔ وہ ان کے معبودوں کی طرح نہیں ہے کہ جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں جن میں کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ جن کو شریک کررہے ہیں فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہئے کہ وہ ان کے نام تو لیں جن کو انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک کررکھا ہے۔ فرمایا کہ وہ اللہ جس کو ہر بات کی خبر ہے اپنے شرکاء کے نام لے کر کیا اللہ کو ایسی بات بتانا چاہتے ہیں

جس کو وہ نہیں جانتا۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ ! حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار و مشرکین جن کو اپنا معبود کہہ رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں یہ بھی دل میں جانتے ہیں کہ یہ ان کے معبود نہیں ہیں لیکن ان کی خود فریبیوں نے ان کے لئے دنیوی مفادات کو خوشنما بنا رکھا ہے اور اسی میں وہ خوش ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف خود اس نیک راستے سے رُک رہے ہیں بلکہ ان کی خواہش ہے کہ کوئی بھی اس راستے پر نہ چلے۔ فرمایا کہ جس چیز کو یہ اپنے لئے بہت بہتر سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی طرف سے ان پر پھٹکار ہے اور اس اللہ نے ان کو راستے سے بھٹکا دیا ہے مگر یہ اس میں خوش ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ دنیا میں بھی عذاب دے گا اور آخرت کے عذاب کا تو یہ تصور ہی نہیں کر سکتے۔ بہر حال ان کو دنیا میں اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اب بھی وقت ہے یہ اس عذاب سے اس طرح بچ سکتے ہیں کہ یہ اپنے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں ان کی نجات ہو جائے گی۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَاِلَیْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

ع ۵ / ۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۳۵ تا ۳۷

جنت جس کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ہے جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس کے

پھل اور اس کا سایہ دائمی ہوگا۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہوگا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے اور کافروں کا انجام جہنم ہے۔

(اے نبی ﷺ) وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تھی (جو اہل کتاب ہیں) وہ اس پر خوش ہیں کہ جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا ہے۔ اور بعض گروہ وہ بھی ہیں جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت و بندگی کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے اور اس طرح ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے۔ اگر آپ نے علم آ جانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کے لئے نہ اللہ کی حمایت ہوگی اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۵ تا ۳۷

مَثَلُ	مثال
وُعِدَ	وعدہ کیا گیا
اُکُلُ	پھل۔ انجام
دَائِمٌ	ہمیشہ رہنے والا
ظِلٌّ	سایہ
عُقْبٰی	انجام
تَفْرَحُوْنَ	وہ خوش ہو رہے ہیں
اَلْاَحْزَابُ	(حِزْبٌ)۔ جماعتیں۔ گروہ
یُنْکِرُ	انکار کرتا ہے
اُمِرْتُ	مجھے حکم دیا گیا ہے

اَعۡبُدُ	میں عبادت وبندگی کرتا ہوں
لَا اُشۡرِکُ	میں شرک نہیں کرتا ہوں
اَدۡعُوۡا	بلاتا ہوں
مَاٰبٌ	ٹھکانا
حُکۡمٌ	فیصلہ
اِتَّبَعۡتَ	تو نے پیروی کی۔ تو پیچھے چلا
اَھۡوَاءٌ	(ھَوَاءٌ)۔ خواہشات
مَالَکَ	تیرے لئے نہیں ہے
وَلِیٌّ	حمایتی۔ مددگار
وَاقٍ	بچانے والا

تشریح: آیت نمبر ۳۵ تا ۳۷

اس دنیا کی عارضی زندگی کی ہر خوشی اور غم کبھی ایک جگہ نہیں ٹھرتے کبھی ہر طرف خوشی اور راحتیں اور سکون ہی سکون ہوتا ہے لیکن جب خوشی کے لمحے دبے قدموں گذر جاتے ہیں تو غم اور ناکامیابیوں کے اندھیرے چھا جاتے ہیں، نہ غم ٹھرتا ہے اور نہ خوشی۔ کبھی کی راتیں بڑی اور کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے جس کی خوشی اور غم ہمیشہ کے لئے ہیں۔ ان آیات میں اسی بات کو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ جنت جس کا وعدہ اہل تقویٰ سے کیا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ وہ جنتیں ایسی ہونگی جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی یعنی ہر طرف سرسبزی وشادابی ہوگی اس کے پھل اور سائے بھی دائمی اور ہمیشہ کے لئے ہوں گے۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جنہوں نے کفر وشرک کو اپنی زندگی بنالیا ہے ان کو ایسی جہنم میں جھونک دیا جائے گا جس میں کسی طرح کی راحتیں اور آرام نہ ہوں گے بلکہ ان پر عذاب بھی ایک وقت کے لئے نہیں بلکہ دائمی عذاب ہوگا۔ یہ اہل تقویٰ

اور اہل کفر کا انجام ہے۔ نہ اہل تقویٰ ہر طرح کی راحتوں سے محروم رہیں گے اور نہ اہل کفر جہنم کی آگ سے بچ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل کر دیا ہے جس میں اس حقیقت کی پوری طرح وضاحت کر دی گئی ہے بعض وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں ان کے دلوں سے یہ خوشی ابھرتی ہے کہ واقعی اللہ کا کلام ہی انسانوں کی ہدایت کے لئے کافی ہے لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر و شرک کی روش اختیار کر رکھی ہے ان کو قرآن کریم کا نازل ہونا ناگوار گذرتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں ایک اللہ کی عبادت و بندگی کروں اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروں۔ میرا یہی کام ہے کہ میں اسی ایک اللہ اور اس کی بندگی کی طرف لوگوں کو دعوت دوں اور وہی اللہ میرا ٹھکانا ہے۔

فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ جن لوگوں کو اللہ کا دین پہنچا رہے ہیں ان کی زبان عربی ہے۔ قرآن کریم بھی عربی میں نازل کیا گیا ہے تا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم اس دین کو کیسے سمجھیں یہ تو کسی اجنبی زبان میں ہے جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔

نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے پوری امت کو بتایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر اس علم اور سچائی کے آ جانے کے بعد آپ بھی کسی اور کی بات مانیں گے تو اس بات کو اللہ کی حمایت حاصل نہیں ہوگی اور نہ عذاب الٰہی سے بچنا ممکن ہوگا۔ جب نبی کریم ﷺ سے یہ فرمایا جا رہا ہے تو عام آدمی دوسری قوموں کے نظریات کی پیروی کر کے اللہ کے فیصلے سے کیسے بچ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۸ تا ۴۱

اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے تھے۔ ہم نے ان کو بیوی بچوں سے نوازا تھا۔ اور کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی ایک معجزہ بھی لا سکے۔ ہر زمانہ کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں۔ اور اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کو باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ ہے)۔

(اے نبی ﷺ) اگر ہم آپ کو وہ بات (اسی دنیاوی زندگی میں) دکھا دیں جس کا ہم نے وعدہ کر رکھا ہے یا ہم آپ کو وفات دیدیں (ہر حال میں) آپ کی ذمہ داری صرف پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں۔ اسی اللہ کا حکم چلتا ہے۔ اور اس کے حکم کو پیچھے ڈالنے والا کون ہے۔ وہی جلد حساب لینے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۸ تا ۴۱

اَرْسَلْنَا	ہم نے بھیجا
اَزْوَاجٌ	(زَوْجٌ)۔ بیویاں۔ جوڑے
ذُرِّيَّةٌ	اولادیں
اَجَلٌ	مدت
يَمْحُوْا	وہ مٹاتا ہے
يُثْبِتُ	وہ باقی رکھتا ہے
اُمُّ الْكِتَابِ	کتاب کی ماں۔ (لوح محفوظ)
نُرِيَنَّكَ	ہم تجھے دکھا دیں گے
نَعِدُ	ہم وعدہ کرتے ہیں

نَتَوَفَّيَنَّ	ہم وفات دیں گے
اَلْبَلٰغُ	پہنچا دینا
عَلَيْنَا	ہمارے اوپر۔ ہماری ذمہ داری ہے
نَاْتِيْ	ہم لا رہے ہیں
نَنْقُصُ	ہم کم کر رہے ہیں
اَطْرَافٌ	کنارے
مُعَقِّبٌ	پیچھے ڈالنے والا
سَرِيْعُ الْحِسَابِ	جلد حساب لینے والا

تشریح: آیت نمبر ۳۸ تا ۴۱

اصل میں جو لوگ سچائی کا سامنا نہیں کر سکتے وہ یا تو سازشیں کرتے ہیں یا طرح طرح کے اعتراضات کرنا ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ کفار مکہ کبھی تو نبی کریم ﷺ سے طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کرتے اور کبھی یہ کہتے کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کا انسان ہے۔ کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے، اس کے بیوی اور بچے بھی ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے اس اعتراض کا نہایت سادہ الفاظ میں جواب دیا ہے کہ اے نبی ﷺ! یہ کفار و مشرکین اور اہل کتاب اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ سے پہلے جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں وہ انسان ہی تھے ان کی اپنی انسانی ضروریات تھیں جن کو وہ پورا کرتے تھے ان کے بیوی بچے بھی تھے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ انسان کے ساتھ اس کی زندگی کے تقاضے بھی لگے ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کے نبی اور رسول اپنی طرف سے کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔ جب اس کا حکم آ جاتا ہے تو معجزہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اللہ نے قرآن کریم جیسا معجزہ عطا فرمایا تھا لیکن احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ سے لاتعداد معجزات صادر ہوئے ہیں جس کو ہزاروں لاکھوں صحابہ کرامؓ نے دیکھا اور وہ اس کے گواہ ہیں قرآن کریم معجزات کا انکار نہیں کرتا بلکہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے نبی اور رسول اس کی کتاب اور پیغام سنانے آتے ہیں معجزات دکھانے نہیں۔ لیکن اگر اللہ چاہے تو وہ ان ہی کے ہاتھوں پر معجزات دکھا سکتا ہے اور اس نے دکھائے ہیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ہر امت کے لئے اللہ نے کتاب عطا فرمائی ہے

جو ان کی رہبری و رہنمائی کرتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے لوگوں کی ہدایت کے لئے ان کے مزاج اور ضرورت کے تحت اپنا کلام نازل کیا ہے۔ جب وہ دور گذر گیا تو اللہ نے گذشتہ کتابوں کے بعض احکامات کو منسوخ کر دیا یا مٹا دیا لیکن حضرت آدمؑ سے نبی کریم ﷺ تک اصولی احکامات ایک ہی رہے ہیں جن کی اصل اور بنیاد لوح محفوظ میں درج ہے اور محفوظ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ ! آپ ان منکرین کی باتوں کا خیال نہ کیجئے ان کے لئے تو اللہ نے فیصلہ کر لیا ہے جو آپ کی دنیاوی زندگی یا اس کے بعد ان پر ظاہر ہو کر رہے گا۔ اس سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ کیا ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ اللہ ان کے پاؤں سے زمین کھینچ رہا ہے اور ہر ایک دن زمین ان کفار و مشرکین کے لئے تنگ اور چھوٹی ہوتی جا رہی ہے۔ یہ اللہ کے فیصلے کی ایک جھلک ہے جس کو وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور آئندہ بھی دیکھیں گے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا کہ نبی اور رسول ایسے ہوں کہ نہ وہ کھاتے ہوں نہ پیتے ہوں نہ زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہوں بلکہ وہ بشریت کے اعلیٰ ترین مقام پر ہونے کے باوجود بیوی بچے رکھتے ہیں اور ان کے حقوق کو ادا کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

> ”میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، رات کو سوتا بھی ہوں اور نماز
> کے لئے کھڑا بھی ہوتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں،
> جو شخص میری اس سنت کو قابل اعتراض سمجھتا ہے وہ مومن نہیں ہے۔“

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار اور حکم سے انبیاء کرام کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر کرتا ہے لیکن کوئی نبی اور رسول اپنی طرف سے کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کا اپنا کلام ہے وہ انسانی تقاضوں کے مطابق نازل بھی کرتا ہے اور اگر چاہے تو کسی بھی حکم یا آیت کو منسوخ کر دیتا ہے یا اس کو ذہنوں سے مٹا دیتا ہے اصل کتاب لوح محفوظ میں موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ قرآن کریم میں بھی بہت سی وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں نازل فرمائی ہیں اور بعد میں ان آیتوں کو رکھتے ہوئے ان کے احکام کو منسوخ کر دیا ہے۔ جس کا کلام ہے اس کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح اور جب چاہے اپنا کلام رکھے یا مٹا دے۔

چوتھی بات یہ فرمائی کہ یہ کفار زیادہ جرأت نہ دکھائیں ان کے لئے اللہ کا فیصلہ تیار ہے جو کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں یا آپ کے بعد بہر حال وہ اللہ کا فیصلہ ٹلنے والا نہیں ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ ! آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اللہ کا پیغام پہنچا دیجئے۔ اس کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان کفار کے لئے اللہ کا فیصلہ آیا۔ آپ کی زندگی میں بھی اور

آپ کے رخصت ہوجانے کے بعد بھی۔ صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ان کا انجام یہ ہوا کہ زمین ان پر تنگ ہوگئی اور انہوں نے ساری دنیا پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ کفار و مشرکین کو ہر جگہ منہ کی کھانی پڑی اور نبی کریم ﷺ کے جاں نثاروں کو ہر جگہ فتح و نصرت حاصل ہوئی۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾

ع ۶ ۱۲

ترجمہ: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۳

اور جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے ساری چالیں چلیں۔ مگر اصل داؤں تو اللہ کے پاس ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے اور کفار کو بھی بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ عاقبت کا انجام کس کے لئے ہے۔

اور وہ کافر کہتے ہیں کہ (اے نبی ﷺ) آپ رسول نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے۔ اور ہر وہ شخص گواہ ہے جس کے پاس کتاب کا علم موجود ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۲ تا ۴۳

مَكَرَ — تدبیر کی۔ چال چلے

جَمِيْعٌ — سب کا سب

تَكْسِبُ — کماتا ہے

لَسْتَ — تو نہیں ہے

مُرْسَلٌ	رسول۔پیغمبر
کَفٰی	کافی ہے
شَهِيْدٌ	گواہی
عِلْمُ الْكِتَابِ	کتاب کا علم۔اہل کتاب

تشریح: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۳

اس سورت کو ان الفاظ پر مکمل فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ ان کفار و مشرکین مکہ سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے دنیاوی مفادات کی خاطر دین اسلام اور اس کے رسولوں اور نبیوں کے خلاف ہر طرح کی چالیں چل کر دیکھ لیں لیکن جب بھی اللہ کا داؤ ان پر چل گیا وہ اپنے وجود اور اپنی ترقیات اور تہذیب کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔اللہ کو ہر انسان کی ہر کیفیت کا علم ہے کہ کون کیا کر رہا ہے اور یہ کفار لاکھ انکار کریں مگر یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا کتنا بھیانک انجام ہے لیکن پھر بھی یہ اتنی بڑی جرأت کر رہے ہیں کہ جانتے بوجھتے آپ ﷺ سے یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔اللہ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ صرف یہ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی اور تمام ان لوگوں کی گواہی کافی ہے جن کے پاس کتاب کا علم موجود ہے۔

اصل میں اہل کتاب پوری نشانیوں سے اس بات کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ان کی کتابوں میں تمام نشانیاں اور علامتیں موجود تھیں لیکن ان کے دنیاوی مفادات ان کو اس سچائی اور حق کے کہنے سے روکتے تھے اور اس طرح انہوں نے وقتی مفادات کی وجہ سے ایک بہت بڑی سچائی کو لوگوں سے چھپا لیا تھا۔اور وہ ان سازشوں میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح نبی کریم ﷺ کو بدنام کرتے رہیں تاکہ ان کے مفادات کا نقصان نہ ہو۔لیکن اللہ نے ان کی تدبیروں کو ان پر الٹ دیا اور وہ کفار بری طرح ناکام ہو کر رہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق و صداقت پر چل کر دین و دنیا کی بھلائیاں عطا فرمائے اور نبی کریم ﷺ کے دامن سے وابستگی دنیا اور آخرت میں رحمت بنا کر عطا فرمائے۔آمین

الحمد للہ سورۃ الرعد کا ترجمہ و تشریح مکمل ہو گئی

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۳

وَمَآ اُبَرِّئُ

سورۃ نمبر ۱۴

اِبْرَاهِيْم

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ نمبر	14
رکوع	7
آیات	52
الفاظ وکلمات	835
حروف	3601
مقام نزول	مکہ مکرمہ

☆ مکہ مکرمہ کے آخری دور کی سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے۔
☆ اس سورۃ میں خاص طور پر تین انبیاء کرام کا ذکر کیا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ۔ فرمایا کہ جنہوں نے ان کی اطاعت کی وہی کامیاب ہوئے لیکن وہ لوگ سخت ناکام ہوئے جنہوں نے انبیاء کرام کا راستہ اختیار کرنے سے اپنا پہلو بچایا۔

اس سورۃ میں حضرت ابراہیمؑ کا نام آیا ہے اور ان کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۂ ابراہیم رکھا گیا ہے۔ اس سورۃ میں بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح بنیادی عقائد توحید و رسالت، ایمان، عمل صالح، قیامت اور آخرت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا واضح فرق بتایا گیا ہے۔

اس سورۃ کے مضامین کی ابتداء نزول قرآن سے کی گئی جس میں ان لوگوں کو خبر دار کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تعلیمات سے اپنا پہلو بچاتے ہیں اور شتر مرغ کی طرح ریت میں منہ چھپا کر سمجھتے ہیں کہ اب ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ پوری طرح محفوظ ہیں۔

فرمایا گیا کہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے بہت سے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا تھا اور اب آخر میں ایک ایسے عظیم نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا گیا ہے جن کے ساتھ ایک کامل کتاب عظیم سیرت اور سچائی کے پیکر صحابہ کرامؓ ہیں جو ساری دنیا کے لیے قیامت تک رہبر و رہنما ہیں۔ ایسے رسول کی مکمل اطاعت و فرماں برداری ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

فرمایا کہ قرآن کریم ہر شخص کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کائنات کے ذرہ ذرہ پر غور کر کے اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور اس کو چلانے والا اللہ ہی ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں گذاری۔ انہوں نے ایثار و قربانی کی وہ اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں جن کی اداؤں کی نقل کرنا بھی عبادت کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے اللہ کے حکم سے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیلؑ کو حجاز کے لق ودق صحرا میں تنہا چھوڑ دیا۔ پھر اس بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھایا جو طوفان نوح میں گر گئی تھیں۔ دونوں نے اللہ سے اس گھر کی قبولیت اور مرکزیت اور یہاں کے رہنے والوں کے لیے ہر طرح کی نعمتوں کی درخواستیں کیں جو قبول کر لی گئیں۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا ایک بڑا واضح فرق ارشاد فرمایا۔
فرمایا کہ نجات ان ہی لوگوں کی ہوگی جو کلمہ طیبہ پر عمل کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی امت کے ہر فرد سے ایک ہی بات کہی ہے کہ اگر تم نے اللہ و رسول کی اطاعت نہ کی تو دنیا اور آخرت میں ہر طرح کے نقصان میں رہو گے۔ اللہ نے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کے متعلق فرمایا کہ کلمہ طیبہ درحقیقت توحید و رسالت پر پختہ ایمان و یقین کا نام ہے وہ اس درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں گہرائیوں میں اتری ہوئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ بہترین سایہ اور مزیدار پھلوں والا درخت ہے اس کے برخلاف کلمہ خبیثہ یعنی کفر و شرک اس بدنما، بدمزہ اور کمزور پودے کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین کے اوپر ہی ہیں جسے اکھاڑ پھینکنا آسان ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جو کلمہ طیبہ کو اختیار کرتا ہے وہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہے جس کو اکھاڑنا مشکل ہے جب کہ کلمہ خبیثہ پر عمل کرنے والے لوگ انتہائی کمزور بنیادوں پر ہیں جن کو کہیں بھی مضبوطی اور عظمت حاصل نہیں ہے۔ فرمایا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری انسان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ اگر ان کی اطاعت نہ کی گئی تو دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔

سورۃ ابراھیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۱ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ ۲ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۴

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۴

الف-لام-را (حروف مقطعات جن کے معنی و مراد کا علم اللہ کو ہے)

یہ کتاب جسے ہم نے آپ ﷺ کی طرف اتارا ہے (اس لئے ہے) تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لے آئیں۔ اللہ کی توفیق سے اس اللہ کے راستے کی طرف لے آئیں جو زبر دست خوبیوں کا مالک ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ اور ان کافروں کے لئے تباہی اور سخت عذاب ہے جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں پسند کرتے ہیں۔ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی (ٹیڑھا پن) تلاش کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو گم راہی میں دور جا پڑے۔ اور ہم نے جب بھی کسی قوم میں پیغمبر بھیجا ہے تو اس نے ان ہی کی زبان میں اللہ کا پیغام پہنچایا ہے تا کہ وہ ان کو وضاحت سے بتا سکے۔ پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔ اور وہ زبر دست اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۴

لِتُخْرِجَ	تا کہ تو نکالے
اَلظُّلُمٰتُ	(اَلظُّلْمَةُ)۔اندھیرے
اِذْنٌ	اجازت۔توفیق
صِرَاطٌ	راستہ
اَلْحَمِیْدُ	اللہ کی صفت۔تمام تعریفوں کا مستحق
وَیْلٌ	بربادی۔تباہی
یَسْتَحِبُّوْنَ	وہ پسند کرتے ہیں
یَصُدُّوْنَ	وہ روکتے ہیں
یَبْغُوْنَ	وہ تلاش کرتے ہیں
عِوَجٌ	کجی۔ٹیڑھا پن
ضَلٰلٌ	گمراہی
بَعِیْدٌ	دور
لِسَانٌ	زبان
لِیُبَیِّنَ	تا کہ وہ کھول دے۔واضح کردے
یُضِلُّ	وہ گمراہ کرتا ہے
یَهْدِیْ	وہ ہدایت دیتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۴

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت ساری دنیا کفر وشرک، ظلم وستم، قتل وغارت گری، رسم ورواج، بت پرستی، عقیدوں کی خرابی اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کسی شخص، قوم یا قبیلے کو سکون اور چین حاصل نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا جو ان کی زندگی کے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے مشعل راہ بن گیا۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ ہم نے اس کتاب کو اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ اس کی تعلیمات کے ذریعہ ساری دنیا کو جو جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے اس کو زندگی کی روشنی میں لے آئیں تاکہ ان کی آخرت اور دنیا کا ہر معاملہ درست ہو جائے۔ جو لوگ انسانیت اور اس کے جذبوں کو کالے، گورے، عرب، عجم، مزدور، سرمایہ دار اور حکمران و رعایا کے طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں وہ انسانیت پر ظلم عظیم کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! جو لوگ ان اندھیروں سے نکلنا چاہتے ہیں ان کو اس صراط مستقیم کی طرف بلائیے۔ لیکن جو لوگ اس دنیا کی زندگی کو اصل سمجھتے ہوئے اندھیروں میں ہی رہنا چاہتے ہیں ان کی اصلاح کی فکر کیجئے لیکن ان کی پرواہ نہ کیجئے کیونکہ اگر انہوں نے اپنی اصلاح نہ کی تو اللہ انکی زندگی کو نشان عبرت بنادے گا۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ:

(۱) اے نبی ﷺ! آپ ﷺ پر قرآن کریم کو نازل کیا گیا تاکہ آپ ﷺ اللہ کے حکم سے لوگوں کو اس صراط مستقیم کی طرف بلائیں جو اس ذات کی طرف سے ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔

(۲) لیکن وہ لوگ جنہوں آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے وہ نہ صرف اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں بلکہ وہ اس میں کجی اور کمزوریاں تلاش کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں حالانکہ اس طرح لاشعوری طور پر گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبتے چلے جاتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ رسول جب ان کو واضح طریقے پر بتائے تو کسی کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ اور جس کو ہدایت پر آنا ہو اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو اور جو سمجھ کر بھی اس طرف نہ آئے وہ اپنے برے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

(٤) لیکن اس کے باوجود بھی اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہی کے راستے پر لگا دیتا ہے کیونکہ وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اس جگہ ایک مرتبہ پھر اس بات کی وضاحت کر دی جاتی ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے سب سے زیادہ پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کو بھیجتا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے ہدایت کا راستہ معلوم نہ تھا۔ پھر بھی جو لوگ جانتے بوجھتے ہدایت کا راستہ اختیار نہیں کرتے اور گمراہی کا راستہ ہی پسند کرتے ہیں اللہ ان کو پھر ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور ان کو ان کے برے انجام تک پہنچانے کے لئے ذلت و گمراہی کی انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

ع ۱ / ۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۵ تا ٦

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا (اور کہا) اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالئے اور ان کو (عظیم واقعات کے) دن یاد دلایئے۔ بے شک ان میں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہیں اس فرعون سے نجات عطا کی تھی جو تمہیں سخت اذیتیں دیا کرتا تھا۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتا اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھا کرتا تھا۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵ تا ٦

اَخْرِجْ — نکال۔

ذَكِّرْ — یاد دلا۔

اَيَّامُ اللّٰهِ — اللہ کے دن (تاریخی واقعات)

صَبَّارٌ — بہت صبر کرنے والا۔

شَكُوْرٌ	بہت شکر کرنے والا۔
اَنْجٰى	اس نے نجات دی چھٹکارا دیا۔
اٰلُ فِرْعَوْنَ	قوم فرعون۔
يَسُوْمُوْنَ	وہ پہنچاتے ہیں۔
سُوْٓءُ الْعَذَابِ	بدترین تکلیفیں۔
يُذَبِّحُوْنَ	وہ ذبح کرتے ہیں۔
يَسْتَحْيُوْنَ	وہ زندہ رکھتے ہیں۔
نِسَآءٌ	(اِمْرَاَةٌ) عورتیں۔لڑکیاں۔
بَلَآءٌ	آزمائش۔

تشریح: آیت نمبر ۵ تا ٦

سورۂ ابراہیم کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر سچائی کی روشنی میں لے آئیں۔ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ نے اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو بھی توریت جیسی کتاب دے کر حکم دیا تھا کہ وہ ہماری نشانیوں کے ذریعہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر سچائی کی روشنی کی طرف لے آئیں اور ان کو ''ایام اللہ'' یعنی وہ عظیم الشان واقعات یاد دلائیں کہ جب اللہ نے فرعون اور اس کے لشکریوں کے ظلم سے ان کو نجات عطا کی تھی۔اور فرعون کی سلطنت کا بنی اسرائیل کو مالک بنادیا تھا۔پھر انہیں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے تھا مگر بعد میں وہ قوم اللہ کے احسانات کو بھول کر پھر روشنیوں سے اندھیروں کی طرف پلٹ گئی۔بہر حال اللہ کا کلام اور اس کے نبیوں کا ہمیشہ سے ایک ہی طریقہ رہا ہے کہ وہ ان انسانوں کو جو اپنے حقیقی مالک اللہ کو بھول گئے ہیں اور اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں ان کو سچائی،صداقت اور ہدایت کی روشنی میں لے آئیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ روشنی اور صداقت کا زمانہ صرف وہی ہے جس میں انبیاء کرام تشریف لائے اور ان کی لائی ہوئی روشنی پھیلتی رہی۔اس کے علاوہ سب اندھیرا ہی اندھیرا چھایا رہا۔اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں اور نبیوں کے آخر میں

خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن کریم دے کر ایک ایسی روشنی عطا فرمائی ہے جو قیامت تک تمام انسانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ آپ نے چند برسوں میں جس طرح عرب کے اندھیرے دور فرما دیئے تھے اور صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی پاکیزہ و مقدس جماعت تیار فرما دی تھی جو ستاروں کی مانند زندگی کے اندھیروں کو روشن کرتی رہی۔ صحابہ کرامؓ نے پوری دیانت و امانت کے ساتھ اس روشنی کی قندیلوں کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا اور ان ہی کے راستے پر چل کر امت کے علماء حق نے ہزاروں تکلیفوں، پریشانیوں اور مصیبتوں کے باوجود اس شمع کو روشن رکھا کہ آج تک اس کی روشنی اور چمک دمک میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اس روشنی کو اتنا روشن کر دیا کہ جس سے اندھیروں میں بھٹکنے والے کانپ رہے ہیں اور اس روشنی کو بجھانے کے لئے اپنی تمام طاقتوں کو لگائے ہوئے ہیں اسی لئے کفار و مشرکین اکابرین ملت اور مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم و ستم کئے جا رہے ہیں جنہوں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہم مٹ جائیں تو مٹ جائیں لیکن نہ دین کو مٹنے دیں گے اور نہ اس روشنی کو مدھم ہونے دیں گے جس کو رسول اللہ ﷺ خلفاء راشدین، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، بزرگان دین اور علماء کرام نے روشن فرمایا تھا۔

الحمد للہ دشمنان اسلام علماء کی استقامت اور ثابت قدمی سے بوکھلا اٹھے ہیں اور ان کے خلاف اپنے میڈیا کے ذریعہ ایک طوفان بپا کر رکھا ہے لیکن انشاء اللہ یہ اندھیروں میں بھٹکنے والے بھٹکتے ہی رہیں گے اور یہ بوریہ نشین اور غریب علماء اللہ کے دین کی اس شمع کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے منزل کی طرف رواں دواں رہیں گے۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿٧﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٨﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷ تا ۹

اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے تمہیں بتا دیا تھا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں تمہیں اور نوازوں گا۔ اور البتہ اگر تم نے ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب بھی شدید عذاب ہے۔ اور موسیٰؑ نے کہا کہ اگر تم نے ناشکری کی اور دنیا کے سارے لوگ بھی ناشکری کریں تو بے شک اللہ (اپنی ذات میں سب سے) بے نیاز اور تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ کیا تمہیں ان قوموں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں قوم نوحؑ، قوم عادؑ اور قوم ثمودؑ اور وہ جو ان کے بعد آئے ہیں۔ جن کو اللہ ہی جانتا ہے۔ وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دیدیئے اور انہوں نے کہا کہ تم جس پیغام کے ساتھ بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہم اس کی طرف سے سخت شبہ اور سخت تردد میں پڑ گئے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷ تا ۹

شَكَرْتُمْ	تم نے شکر کیا
اَزِيْدَنَّ	میں ضرور بڑھاؤں گا
اَنْتُمْ	تم
غَنِيٌّ	بے نیاز
حَمِيْدٌ	تمام خوبیوں کا مستحق
لَمْ يَاْتِ	نہیں آئی
نَبَؤٌ	خبر۔ اطلاع
لَا يَعْلَمُ	نہیں جانتا
رَدُّوْا	انہوں نے پلٹائے
اَيْدِيَهُمْ	ان کے ہاتھ
اَفْوَاهٌ	منہ (فُوْهٌ)۔

كَفَرْنَا ہم نے کفر کیا۔ انکار کیا

تَدْعُوْنَ تم بلاتے ہو

مُرِيْبٌ کھٹکنے والا۔ تردد کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۷ تا ۹

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ اگر انسان ان کو شمار کرنا چاہے تو کر نہیں سکتا۔ ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ ان آیات میں اگرچہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے لیکن درحقیقت کفار مکہ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ اگر انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قدر کی تو ان کو قیامت تک کے لئے عزت و عظمت کا مقام مل جائے گا اور آخرت میں ان کا کیا مقام ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن اگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ناقدری کی ان کی اطاعت نہ کی تو پھر قیامت تک ان کی ہدایت کا امکان باقی نہیں رہے گا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ یاد دلایا ہے کہ اللہ نے ان پر کتنی بڑی بڑی عنایتیں کی ہیں۔ فرعون کے ظلم و ستم اور زیادتیوں سے ان کو بچایا۔ فرعون اور ان کے ماننے والوں کو غرق کر دیا بنی اسرائیل کو عیش و آرام کی زندگی عطا کی، صحرا میں پانی، بادل کا سایہ اور کھانے کے لئے من و سلویٰ عطا کیا، ہدایت کے لئے توریت جیسی کتاب عطا کی گئی۔ فرمایا کہ تم ان نعمتوں کو یاد کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تم نے اللہ کا شکر ادا کیا تو اور ہزاروں نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ لیکن اگر ناشکری کا طریقہ اختیار کیا گیا تو پھر اسی شدت سے اللہ کا عذاب بھی نازل ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ انسانوں اور ان کی عبادتوں اور تعریفوں کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات میں تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد و ثنا کر رہا ہے وہ کسی کی تعریف کا محتاج نہیں ہے وہ تمام خوبیوں اور کمالات کا مالک ہے۔ البتہ اگر انسان اللہ کی عبادت و بندگی اور اس کی حمد و ثنا کرتا ہے تو یہ اس کے لئے فائدہ مند ہے۔ اللہ کسی کی عبادت و بندگی کا محتاج نہیں ہے۔ ان کو یاد دلایا گیا ہے کہ ان سے پہلے قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود جیسی زبردست قومیں گذر چکی ہیں ان کو قصہ کہانی سمجھ کر چھوڑ دینا ایک بہت بڑی غلطی ہے بلکہ ان قوموں کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا اس پر غور کرنا چاہیے۔ جب ان کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں تب اللہ نے ان کو ان کے برے انجام تک پہنچایا۔ فرمایا کہ جب ان کفار و مشرکین کو اللہ کے رسول سچی باتیں بتاتے تھے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیغمبروں کے منہ بند کرنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے منہ سے سچی باتیں نکلیں اور اس بدمستی میں وہ یہ کہتے تھے کہ ہم تمہاری رسالت کو نہیں مانتے ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس میں ہمیں سخت تردد اور شبہ ہے لہٰذا ہم تمہاری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ فرمایا کہ اس کفر و انکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان قوموں پر اللہ کا شدید ترین عذاب آیا اور ان کو ان کی دولت اور بلند و بالا عمارتیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں۔

قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ‌ؕ يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَـغۡفِرَ لَـكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ‌ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا‌ ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا‌ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۱۲﴾

ع ۲ ۱۴

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲

ان کے رسولوں نے کہا کیا تم اس اللہ کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہو جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ وہ تمہیں تمہارے گناہ بخشنے کی طرف بلاتا ہے اور ایک مقرر مدت تک تمہیں مہلت دے رہا ہے۔ کہنے لگے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو کیا تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان کی عبادت و بندگی سے روک دو جن کی ہمارے باپ دادا نے عبادت و بندگی کی تھی۔ ہمارے پاس کوئی کھلی ہوئی دلیل (معجزہ) لے کر آؤ (تاکہ ہم یقین کرلیں)۔

ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تم جیسے ہی بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کر دیتا ہے۔ اور ہمارا یہ اختیار نہیں ہے کہ ہم اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی دلیل (معجزہ) لے کر آئیں۔ اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں جس نے ہمیں ہمارے راستے بتائے ہیں۔اور تم ہمیں جو بھی اذیتیں پہنچاؤ گے اس پر ہم صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲

فَاطِرٌ پیدا کرنے والا

لِيَغْفِرَ تاکہ وہ مغفرت کردے

ذُنُوْبٌ واحد (ذَنْبٌ)۔ گناہ

يُؤَخِّرُ وہ تاخیر کرتا ہے۔ مہلت دیتا ہے

اَجَلٌ مُّسَمًّى مقرر مدت

بَشَرٌ انسان

مِثْلُنَا ہم جیسے

فَاْتُوْنَا پس تم لاؤ ہمارے پاس

سُلْطَانٌ دلیل۔ معجزہ

يَمُنُّ وہ احسان کرتا ہے

نَتَوَكَّلُ ہم بھروسہ کرتے ہیں

هَدَانَا اس نے ہمیں راستہ دکھایا

سُبُلٌ واحد (سَبِیْلٌ)۔ راستے

نَصْبِرَنَّ ہم ضرور صبر کریں گے

اٰذَيْتُمُوْنَا تم نے ہمیں تکلیفیں پہنچائیں

تشریح: آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲

اس سے پہلی آیات میں قوم نوحؑ، قوم عاد اور قوم ثمود کی زندگی جو کہ ہر عقل اور سمجھ رکھنے والے انسان کے لئے غور و فکر اور سوچنے کا مقام رکھتی ہے جنہوں نے ہزاروں ترقیات کے باوجود ایک بنیادی چیز کو بھلا دیا تھا اور وہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے جس نے کائنات کے ذرے ذرے کو پیدا فرمایا ہے۔

اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ رسولوں نے ہمیشہ ایک ہی بات کہی ہے کہ اے لوگو! تم اس ایک اللہ کی عبادت و بندگی کرو جو اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے جس نے انسان کو پیدا کر کے اس کے لئے اس کائنات کو بکھیر دیا ہے جس سے تم دن رات فائدہ حاصل کرتے ہو۔ انبیاء کرام نے یہی سوال کیا کہ کیا تم ایسے خالق و مالک کے متعلق بھی شک و شبہ کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارا ایسا خیر خواہ ہے جو تمہارے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت اور ڈھیل دے رہا ہے۔ اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اس لئے وہ یہ کہنے لگتے کہ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہم اسے مان لیتے ہیں مگر تمہاری اس بات کا ہم کیسے اعتبار کر لیں کہ تم اللہ کے نبی ہو جب کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔ جیسا کہ آپ نے اس سے پہلے بھی کئی مقامات پر کفار کا یہی ایک سوال ملاحظہ کیا ہے کہ وہ یہی کہتے تھے کہ ایک وہ شخص جو ہماری ہی طرح انسان ہے۔ کھاتا ہے پیتا ہے۔ شادی بیاہ کرتا اور اولاد رکھتا ہے۔ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ ان کے اس احمقانہ سوال کے جواب میں کبھی کسی نبی یا رسول نے یہ نہیں کہا کہ ہم بشر نہیں ہیں بلکہ ان کے جواب میں یہی فرمایا ہے کہ بے شک ہم تم ہی جیسے بشر ہیں اور بشریت کے تمام تقاضے بھی رکھتے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس عظیم منصب اور مقام کے لئے چن لیا ہے اور ہماری طرف وحی کی گئی ہے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف اشارہ الٰہی کے تحت کہتے ہیں۔ اگر کسی کام کے لئے اللہ کا حکم نہیں ہوتا تو اس میں تو ہم اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتے مثلاً اگر ہم کوئی معجزہ دکھانا چاہیں تو وہ اللہ کے حکم سے تو ہو سکتا ہے مگر ہمارے اختیار سے ممکن نہیں ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ہر کام میں محض اللہ ہی پر بھروسہ کریں کیونکہ وہی ایک ذات ہے جس پر ہر صاحب ایمان کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ وہی ہمارا رہبر ہے جو ہمیں راستے دکھاتا ہے۔ اگر تم اس سچائی کو قبول نہیں کرتے ہو اور ہمیں اذیتیں پہنچاتے ہو تو ہم ان پر صبر کرتے ہوئے اللہ کی ذات پر بھروسہ کریں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ سوال کوئی نیا سوال نہیں ہے کہ انبیاء کرام بشر ہیں یا نور ہیں کفر کا مزاج یہ ہے کہ تمام انبیاء کی بشریت کا انکار کر کے ان کو بشریت سے ماورا لمخلوق ثابت کر دیں۔ حالانکہ غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ انسان سے بڑھ کر بھی کیا کوئی مخلوق ہے جس کو بشریت سے اعلیٰ و افضل ثابت کیا جا سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہر مخلوق کو بشریت کے قدموں کی طرف جھکایا ہے اور بشریت ہی کو کائنات کی عظمت قرار دیا ہے۔ بے شک اللہ کے نبی اور رسول بشر ہوتے ہیں جن پر انسانیت اور بشریت ناز کرتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۱۵ۙ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝۱۶ۙ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۷

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۷

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال کر چھوڑیں گے یا تمہیں ہمارے دین کی طرف لوٹ کر آنا ہوگا۔ پھر ان کی طرف ان کے رب نے وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر کے چھوڑیں گے۔ اور ان کے بعد ہم تمہیں اس زمین میں آباد کریں گے۔ یہ ان لوگوں کے لئے انعام ہوگا جو میرے سامنے جواب دہی کے خوف سے کھڑے ہونے اور میری وعید (تنبیہ) سے ڈرتے ہوں گے۔ اور انہوں نے فیصلہ مانگا تو جتنے سرکش اور ضدی تھے وہ سب نامراد (ہلاک) ہوئے۔ اس کے بعد ان کے آگے جہنم ہے اور وہاں ان کو ایسا پانی پینے کے لئے دیا جائے گا جو پیپ لہو کا پانی ہوگا۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ پئیں گے اور اسے گلے سے نہ اتار سکیں گے۔ موت ہر طرف سے ان کی طرف لپکتی ہوگی مگر وہ مرنے نہ پائیں گے اور اس کے آگے سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر۱۳تا۱۷

اَرْضٌ	زمین۔سرزمین
لَتَعُوْدُنَّ	البتہ تمہیں ضرور لوٹنا ہوگا
مِلَّتٌ	مذہب۔قوم۔دین
اَوْحٰی	اس نے وحی کی
نُهْلِكَنَّ	ہم ضرور ہلاک کردیں گے
نُسْكِنَنَّ	ہم ضرور جمادیں گے
مَقَامِیْ	میرا مقام
وَعِيْدٌ	تنبیہ۔غفلت سے جگانے والی
اِسْتَفْتَحُوْا	انہوں نے فیصلہ طلب کیا۔مانگا
خَابَ	ذلیل وخوار ہوا
جَبَّارٌ	بہت جبر کرنے والا
عَنِيْدٌ	ضدی
وَرَاءٌ	پیچھے
يُسْقٰی	پلایا جائے گا
مَاءٌ صَدِيْدٌ	پیپ کا پانی۔گندہ پانی
يَتَجَرَّعُ	گھونٹ گھونٹ پیئے گا
لَا يَكَادُ	قریب نہ ہوگا
يُسِيْغُ	حلق سے اتارے گا
مَيِّتٌ	مرنے والا
غَلِيْظٌ	سخت

تشریح: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۷

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء کرامؑ نے جب بھی کفر وشرک، بدعات اور طرح طرح کی بے حقیقت رسموں سے اپنی قوم کو روکنے کی کوشش تو انہوں نے ان کو اپنی ملت اور قوم کا غدار قرار دے کر پہلے تو مذاق اڑایا۔ پھر کچھ اعتراضات کئے اور معجزات کا مطالبہ کیا۔ جب وہ اپنی ان تدبیروں سے تھک گئے تو اپنے غرور اور تکبر میں ان دھمکیوں پر اتر آئے کہ ہم:

۱) تمہیں اپنی بستی اور ملک سے نکال دیں گے

۲) اپنی قوم کے طریقوں پر چلنے کے لئے مجبور کر دیں گے۔

ان کی دھمکیوں کے جواب میں اللہ کی طرف سے یہی کہا جاتا کہ اے نبیوں اور رسولوں تم صبر اور برداشت سے کام لو ہم خود ان سے انتقام لے کر ان کو بے بس کر دیں گے اور ان کو اس قابل نہ چھوڑیں گے کہ وہ اپنے گھروں میں آباد رہ سکیں۔ ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ حق وصداقت پر چلنے والوں کو وہ قوت وطاقت عطا فرمائیں گے کہ وہ ان ظالموں کی بستیوں کے مالک بن جائیں گے۔

ان آیات میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ کفار نے اپنے غرور اور تکبر میں اللہ کے رسولوں سے یہ کہا کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال باہر کریں گے یا ہم تمہیں اپنے طریقوں کی طرف واپس لے آئیں گے یعنی اپنے رسم ورواج پر چلنے کے لئے مجبور کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ یہ ارشاد فرمایا کہ اے انبیاء کرامؑ آپ اللہ کا دین پہنچاتے رہیے یہ ظالم آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے فرمایا کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان تمام لوگوں کو جو اللہ سے ڈرنے والے اور اس کی ہر تنبیہ کو سامنے رکھنے والے ہیں ان کو ان ظالموں کی جگہ مالک بنا کر اسی سرزمین پر ان کو غلبہ وقوت عطا کر دیں گے۔ فرمایا کہ یہ تو دنیا میں ان ظالموں کی سزا ہوگی اور آخرت میں تو ان کے لئے سوائے تکلیفوں اور ذلتوں کے کچھ بھی نہ ہوگا۔ ان کو پینے کے لئے وہ پانی دیا جائے گا جو لہو پیپ ہوگا۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ پئیں گے لیکن ان کے حلق سے نہ اتر سکے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ فرشتے گرز مار مار کر ان کو یہ گندا پانی پینے پر مجبور کر دیں گے۔ جس وقت وہ اس گرم گرم پانی کو ان کے منہ کے قریب کریں گے تو اس کی گرمی اور حرارت دماغ تک پہنچ جائے گی اور ان کے منہ کی کھال لٹک کر نیچے ڈھلک جائے گی ہر طرف سے موت ہی موت نظر آئے گی۔ اس وقت یہ کفار اور ظالم پچھتاتے ہوئے کہیں گے کہ اے کاش دنیا کی چندروزہ زندگی میں غرور وتکبر اور کفر وشرک نہ کرتے اور حسن عمل کا وہ مظاہر کرتے کہ آج یہ تکلیف اور اذیت نہ دیکھنی پڑتی۔ اور اس طرح عذاب الٰہی کا شکار نہ ہوتے۔

تمام انبیاء کرامؑ کے ساتھ ان کی قوم نے جو معاملہ کیا اس سے بھی سخت معاملہ کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے جان نثار صحابہ کرامؓ کے ساتھ کیا۔ ظلم وستم اور بربریت کی انتہا کر دی۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو مکہ مکرمہ کی سرزمین چھوڑنا پڑی۔ لیکن ہجرت کے چند برسوں ہی میں اللہ نے اہل ایمان کو فتح ونصرت عطا فرمائی کفار ذلیل وخوار ہوئے اور ان پر مکمل غلبہ عطا فرما دیا گیا۔

اللہ کا یہی فیصلہ ہے جو ہمیشہ باطل پرستوں کے خلاف کیا جاتا ہے اور حق پر چلنے والوں کو غلبہ عطا کیا جاتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾

ع ۳ ۹ ۱۵

ترجمہ: آیت نمبر ۱۸ تا ۲۱

ان کافروں (کے اعمال) کی مثال اس راکھ جیسی ہے جس کو تیز آندھی اڑا کر لے گئی ہو۔ اسی طرح جو کچھ انہوں نے کمایا ہے انہیں ان میں سے کسی چیز پر قدرت حاصل نہ ہوگی یہی وہ گمراہی ہے جو ان کو (سچائی سے) بہت دور لے گئی۔
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو سب کو لے جائے (فنا کر دے) اور ایک نئی مخلوق کو لے آئے اور یہ بات اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اور وہ سب اللہ کے سامنے ظاہر ہوں گے (پیش ہوں گے) پھر کم زور لوگ ان سے جو تکبر کرتے تھے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیچھے تھے تو کیا تم ہمیں کچھ بھی اللہ کے عذاب سے بچا سکتے ہو؟ وہ (متکبرین) کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں کوئی راستہ سجھایا تو ہم تمہیں ضرور بتا دیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواہ ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں دونوں باتیں ہمارے حق میں برابر ہیں۔ ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۸ تا ۲۱

رَمَادٌ	راکھ
اِشْتَدَّتْ	تیز چلی
اَلرِّيْحُ	ہوا
عَاصِفٌ	تیز آندھی
لَا يَقْدِرُوْنَ	وہ طاقت وقدرت نہیں رکھتے ہیں
كَسَبُوْا	انہوں نے کمایا
اَلضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ	گمراہی میں دور جا پڑنا
يَشَآءُ	وہ چاہتا ہے
يُذْهِبُ	وہ لے جائے۔ وہ جاتا ہے
خَلْقٌ جَدِيْدٌ	نئی مخلوق
بَرَزُوْا	وہ ظاہر ہوئے۔ وہ حاضر ہوں گے
اَلضُّعَفٰٓؤُا	(ضَعِيْفٌ)۔ کمزور
اِسْتَكْبَرُوْا	انہوں نے تکبر کیا۔ بڑائی کی
تَبَعٌ	پیچھے۔ تابع داری کرنا
مُغْنُوْنَ	بچانے والے۔ ہلکا کرنے والے
هَدٰنَا	اس نے ہمیں راستہ سمجھایا، بتایا
اَجَزِعْنَا	کیا ہم گھبرائیں، چلائیں
مَحِيْصٌ	چھٹکارا پانے کی جگہ

تشریح: آیت نمبر ۱۸ تا ۲۱

قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی بھلائی کے لئے جو کام بھی کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ اس پر بھی بدلہ دیا جائے گا لیکن فرق یہ ہے کہ اگر یہ نیک اور بھلے کام کوئی ایسا شخص کرے گا جو صاحب ایمان نہیں ہے تو اس کو اس کا اجر اسی دنیا میں دیدیا جائے گا۔ دولت، شہرت اور نیک نامی سے لوگ اس کی قدر کریں گے اور یہی اس کا بدلہ ہے لیکن اگر یہی نیک اعمال ایک ایسا شخص کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر مکمل یقین و ایمان رکھتا ہے تو اس کا اجر وثواب اس کو اس دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں تو بہت زیادہ قدر ہوگی اور اس کا ثواب کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا۔

فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور پھر بھلے کام بھی کرتے ہیں تو ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کے ڈھیر کی طرح ہے جو دیکھنے میں بہت زیادہ نظر آتی ہے لیکن ہوا کا ایک طوفان یا آندھی اس کو اس طرح اڑا کر فضا میں بکھیر دیتی ہے کہ اس کا وجود ہی مٹ جاتا ہے۔ اسی طرح ان کافروں کے کئے ہوئے بھلے کام ہیں کہ وہ بہت نظر آتے ہیں لیکن موت آتے ہی یہ سارے اعمال آخرت میں راکھ کا ڈھیر ثابت ہوں گے جن کا آخرت میں کوئی وجود نہیں ہوگا۔ یہ لوگ اپنے نیک اعمال کے ساتھ جن غیر اللہ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں جن کے متعلق ان کا یہ گمان ہے کہ وہ ان کو قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچالیں گے جب یہ بتوں کو ماننے والے کمزور لوگ قیامت کے دن ان سے درخواست کریں گے کہ ان کو عذاب الٰہی سے بچا لیں تو وہ تکبر اور غرور کے پیکر اپنے ماننے والوں سے یہی کہیں گے کہ اگر ہمیں کوئی راستہ ملا تو ہم تمہیں ضرور بتادیں گے لیکن ایسا لگتا ہے کہ آج کے دن نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہم اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتے۔ فرمایا کہ یہی وہ چیز ہے جو ان کو ہدایت سے بہت دور کئے ہوئے تھی کیونکہ ان کا سہارا ان پر تھا جو یہ کہہ اٹھیں گے کہ آج کے دن ہمارا رونا اور چلانا بھی ہمارے کام نہ آسکے گا۔ ہم تو خود اس عذاب سے بچنے کی کوشش کررہے ہیں جس سے نجات پانا ممکن نظر نہیں آرہا ہے۔ فرمایا کہ یہ اللہ کا کرم ہے کہ کفار و مشرکین کے کفر و شرک کے باوجود اللہ ان کے وجود کو گوارا فرمارہا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ان لوگوں کو ختم کر کے کوئی دوسری مخلوق یا قوم کو لے آتا جو اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن نافرمانیوں کے باوجود اللہ ان کو ان کے ٹھکانوں پر برقرار رکھے ہوئے ہے۔ لیکن اگر انہوں نے نافرمانیوں کا یہ سلسلہ اسی طرح قائم رکھا تو پھر ان کے اعمال اور وجود کو راکھ کا ڈھیر بنادیا جائے گا جس کی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے نہ وزن ہوتا ہے اور نہ یہ راکھ کا ڈھیر کسی کام کا ہوتا ہے۔

کفار مکہ باہر سے آنے والے حجاج اور زائرین کی راحت و آرام کے لئے مہمان نوازی اور کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ صرف حجاج اور زائرین کے لئے پانی کی سبیلیں اور کھانے پینے کا انتظام کردینا ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔ ان آیات میں اسی کا جواب دیا گیا ہے کہ حجاج وغیرہ کے لئے یہ خدمات بھی اللہ کے ہاں قبول ہیں اور ان کا صلہ دنیا ہی میں

دیدیا جائے گا۔لیکن اگر یہی اعمال اللہ اوراس کے رسول پر ایمان کے ساتھ کئے جائیں توان کا ثواب بہت زیادہ عطا کیا جائے گا دنیا میں بھی اور آخرت بھی۔لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ کفر وشرک کے ساتھ ساتھ یہ نیک اعمال اس کی نجات کا باعث ہوں گے تو اس کو اس غلط فہمی کو دل سے نکال دینا چاہئے کیونکہ نہ یہ اعمال اس کا ساتھ دیں گے اور نہ وہ سہارے اس کے کام آئیں گے جن پر بھروسہ کر کے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو اللہ کے عذاب سے بچالیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کے اعمال کا بدلہ ان کو اس دنیا میں بھی دیا جائے گا لیکن اگر ان کو ان کے نیک اور بھلے کاموں کا بدلہ اس دنیا میں نہ ملے تو قیامت میں ان کو اتنا اجر وثواب ملے گا جس کا وہ اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کے ساتھ عمل صالح اور دنیا اور آخرت میں بھلائیاں کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ
اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ
لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا
تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ
اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٢﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ
تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۲ تا ۲۳

اور جب (قیامت کے دن) فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا کہ بے شک اللہ نے تم سے سچے وعدے کئے تھے اور میں نے بھی وعدے کئے تھے لیکن میں نے ان کے خلاف کیا۔میرا تمہارے اوپر اس کے سوا تو کوئی زور نہ تھا کہ میں نے تمہیں بلایا، تم نے میرا کہنا مان لیا۔تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ

اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔ میں تو خود اس بات سے بیزار ہوں کہ تم اس سے پہلے مجھے اللہ کا شریک قرار دیتے تھے۔ بے شک جو ظالم ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور انہوں نے عمل صالح کئے ان کو ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ اپنے رب کی توفیق سے ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کی دعا ''سَلَامٌ عَلَیْکُمْ'' ہوگی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۲ تا ۲۳

قُضِیَ	فیصلہ کر دیا گیا
اَلْاَمْرُ	کام۔ حکم
وَعَدَ	اس نے وعدہ کیا
اَخْلَفْتُ	میں نے وعدہ خلافی کی
سُلْطٰنٌ	دلیل۔ قوت۔ زور
دَعَوْتُ	میں نے بلایا۔ میں نے دعوت دی
اِسْتَجَبْتُمْ	تم نے جواب دیا۔ تم نے قبول کیا
لَا تَلُوْمُوْنِیْ	تم مجھے لعنت ملامت نہ کرو
مُصْرِخِیَّ	میرا مددگار، میری فریاد کو پہنچنے والا
اَشْرَکْتُمُوْنِیْ	تم نے مجھے شریک کیا۔ مجھے شریک ٹھہرایا
اُدْخِلَ	داخل کیا گیا۔ داخل کئے جائیں گے
اِذْنٌ	اجازت۔ توفیق
تَحِیَّۃٌ	دعا
سَلَامٌ	سلام۔ سلامتی

تشریح: آیت نمبر ۲۲ تا ۲۳

جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو ذلیل کر کے اپنی بارگاہ سے نکال دیا تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن تک اس بات کے لئے مہلت مانگ لی تھی کہ وہ ثابت کر دکھائے گا کہ انسان کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کی مہلت عطا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جو لوگ سچائی اور تقویٰ کی زندگی والے ہوں گے ان پر شیطان کا داؤ نہ چل سکے گا۔ اب اس دنیا میں شیطان کا کام ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو صراط مستقیم سے بھٹکانے اور ڈگمگانے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے جو لوگ اس کے بہکائے میں آ کر پتھر کے بتوں اور اپنے جیسے انسانوں کو معبود بنا کر ان کی عبادت و بندگی کرتے ہیں جب وہ سب کے سب اللہ کے پاس میدان حشر میں جمع ہوں گے تب ان کفار و مشرکین کے لئے بڑا حسرت بھرا دن ہوگا۔ ایک حسرت تو یہ ہوگی کہ شیطان یہ کہہ کر الگ ہو جائے گا کہ اگر میں اس بات کا مجرم ہوں کہ میں نے تمہیں بہکایا تو مجھ پر یہ الزام نہ رکھو تم سب سے بڑے مجرم ہو کیونکہ میں نے تمہارے دل میں جو بات ڈالی تھی تم نے اس کو کیوں تسلیم کیا میں نے کونسا تمہارا ہاتھ پکڑ کر اس راستے پر لگایا تھا مجھے لعنت ملامت کرنے سے پہلے خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ دوسری طرف جن بتوں کو انہوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا وہ ان کا کیا ساتھ دیں گے وہ تو خود جہنم کا ایندھن ہوں گے ایک حسرت تو ان کو یہ ہوگی کہ ان کے تصوراتی معبود ایک ایک کر کے اس کڑے وقت میں ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ دوسری حسرت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نیک اور پرہیزگار مومنوں کے متعلق فرمائیں گے کہ اے فرشتو! ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے والوں کو اللہ کے حکم سے ایسی جنتوں میں داخل کر دو جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ کفار اس موقع پر ایک دوسرے کو لعنت کر رہے ہوں گے اور اہل جنت ایک دوسرے کو سلام کر کے سلامتی بھیجتے ہوں گے۔ اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ ایک جماعت کے چہروں پر حسرت و افسوس کے آثار ہوں گے اور دوسری جماعت یعنی اہل ایمان و عمل صالح رکھنے والوں کے چہرے خوشی اور مسرت سے چمک اور دمک رہے ہوں گے۔ ایک طرف کفار کے سامنے ہمیشہ کی جہنم کے انگارے دھک رہے ہوں گے۔ دوسری طرف اہل ایمان اس تصور سے خوش اور مگن ہوں گے کہ ان کو ایسی جنتیں عطا کی گئی ہیں جو ان کے پاس ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اہل ایمان کے گروہ میں شامل فرمائے اور کفار و مشرکین کے جیسے برے انجام سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿٢٧﴾

ع ۴ ۱۶

ترجمہ: آیت نمبر ۲۴ تا ۲۷

کیا آپ نے دیکھا کہ اللہ نے کیسی (خوبصورت) مثال بیان کی ہے جیسے کلمہ طیبہ (پاکیزہ کلام) کی کہ وہ ایک ایسے پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ خوب گہری ہے اور اس کی شاخیں آسمان (کی بلندیوں) میں ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل خوب دیتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ اس پر غور فکر کریں۔ اور کلمہ خبیثہ (گندہ کلام) اس درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور اس کیلئے کچھ بھی جماؤ نہ ہو۔ اور اللہ اہل ایمان کی بات کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط (سر بلند) رکھتا ہے۔ وہ ظالموں کو بے راہ کر دیتا ہے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔

لغات القرآن ‏ آیت نمبر ۲۴ تا ۲۷

ضَرَبَ ‏ اس نے چلایا۔ بیان کیا۔ مارا

كَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ ‏ پاکیزہ بات

شَجَرَةٌ ‏ درخت

اَصْلٌ ‏ بنیاد۔ جڑ

ثَابِتٌ ‏ جمی ہوئی

فَرْعٌ	شاخ۔شاخیں
تُؤْتِیْ	دیتا ہے
اُکُلُ	پھل
کُلُّ حِیْنٍ	ہروقت۔ ہرآن
اَلْاَمْثَالُ	مثالیں
یَتَذَکَّرُوْنَ	وہ دھیان دیتے ہیں۔غوروفکر کرتے ہیں
کَلِمَةٌ خَبِیْثَةٌ	گندی بات
اُجْتُثَّتْ	اکھاڑلیا گیا۔اکھاڑلیا جائے
فَوْقٌ	اوپر
قَرَارٌ	جماؤ۔استحکام
یُثَبِّتُ	جماتا ہے۔ثابت رکھتا ہے
اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ	مضبوط و مستحکم بات
یُضِلُّ	وہ گم راہ کرتا ہے
یَفْعَلُ	وہ کرتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۲۴ تا ۲۷

قرآن کریم میں عام زندگی کی چھوٹی چھوٹی مثالوں سے بڑی سے بڑی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کفار و مشرکین عرب طرح طرح سے اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اڑا کر ان کو کم تر ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کبھی کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح بشر ہے، کھاتا ہے پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ اس کا جواب تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ دیا ہے کہ:

۱) تمام انبیاء اور رسول بشر ہی تھے کوئی اور مخلوق نہیں تھے۔ ان کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ بشریت ان پر ناز کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی وحی کو نازل فرماتا ہے جس کے ذریعہ راہ سے بھٹکے ہوئے انسانوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے بھی یہی فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ! آپ ساری دنیا کو بتا دیجئے کہ میں بشر ہوں اللہ نے سب سے پہلے میرے نور یعنی روح لطیف کو پیدا کیا۔ تمام انبیاء اور رسولوں کی طرح میری طرف بھی وحی کی جاتی ہے۔

۲) اسی طرح کفار و مشرکین اگرچہ قرآن کریم کے سامنے عاجز اور بے بس تھے مگر اپنے دلی حسد اور بغض کا اظہار یہ کہہ کر کرتے تھے کہ یہ کیسا قرآن ہے جس میں مکڑی، مچھر، گائے، بھینس کا ذکر ہے۔ وہ گستاخی کرتے ہوئے یہ تک کہہ دیتے تھے کہ اللہ کو شرم نہیں آتی کہ وہ اپنے کلام میں ایسی معمولی معمولی چیزوں کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ نے ان کی بات کا ان کے انداز ہی میں یہ کہہ کر جواب دیا کہ اللہ کو اس بات سے شرم نہیں آتی کہ وہ مچھر یا اس سے بھی بڑھ کر کسی چیز کی مثال بیان کرتا ہے کیونکہ جو اہل ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے جو بھی فرمایا ہے وہ بالکل سچ اور برحق ہے لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کی روش کو اختیار کر رکھا ہے وہ یہی کہیں گے کہ بھلا یہ مثال بھی کوئی بیان کرنے کے قابل تھی (سورۂ بقرہ)

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت کی عظمت اور باطل کے بے حقیقت ہونے کی مثال بیان کرتے ہوئے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کے فرق کو دو مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ سب سے پہلے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کے معانی اور اس کی تفصیل سن لیجئے تا کہ یہ مثالیں واضح طریقہ پر ہمارے سامنے آسکیں۔

کلمہ طیبہ:

توحید و رسالت پر ایمان، پائدار عقیدہ، حق و صداقت کا سدا بہار کلام جو انسانی فطرت کا سچا ترجمان، پاکیزہ، صاف ستھرا اور سچا قول ہے۔

کلمہ خبیثہ:

جھوٹا، کمزور، ناپائدار باطل عقیدہ، غیر فطری انداز فکر، دنیا پرستی، شیطانی وسوسہ اور روحانی سکون واطمینان سے خالی گندے کلام کو کلمہ خبیثہ کہا جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا فرق، حق و باطل، سچ اور جھوٹ، نور اور اندھیرے کا فرق ہے کلمہ طیبہ حق، سچائی نور اور روشنی ہے اور کلمہ خبیثہ باطل، جھوٹ، اندھیرے اور تاریکی کا نام ہے۔

کلمہ طیبہ:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ تُفْلِحُوا (الحدیث)

اے لوگو! یہ کہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے ایک دوسرے انداز سے بھی ارشاد فرمایا ہے "**من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنتہ**" یعنی جس نے بھی یہ کہا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے بھی کلمہ طیبہ پر اپنے ایمان ویقین کو مستحکم کرلیا وہ کامیاب وبامراد ہوا اور وہ جنت کا حق دار ہوگا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی اور ہر رسولؑ کا یہی ایک کلمہ تھا اور انہوں نے اپنی امتوں کو پہلا درس اسی بات کا دیا تھا کہ وہ اس کلمہ پر آجائیں اسی میں ان کی نجات اور کامیابی ہے۔ چونکہ ہر نبی اور رسول نے اسی کلمے کو پیش کیا تو اس کلمہ کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے ساتھ اس رسول اور نبی پر ایمان کا بھی اقرار کیا جائے چنانچہ حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک اس کلمہ کے ساتھ ان پر ایمان لانے کا بھی اقرار کرنا ضروری تھا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کی امت کے لئے جو کلمہ ہے وہ اس طرح ہے "**لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" یعنی اس بات کا اقرار کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ چونکہ قرآن کریم اور متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں آپ کے بعد کوئی کسی طرح کا نبی یا رسول نہیں آئے گا اور آپ کے بعد جو بھی نبوت ورسالت کا دعویٰ کرے گا وہ قطعی جھوٹا ہوگا اس لئے اس کلمہ کے ساتھ آپ ﷺ کی ختم نبوت پر کامل یقین رکھنا بھی اس کلمہ کا تقاضا ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی بہت سی برکتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱) کلمہ طیبہ وہ کلمہ ہے جو اہل ایمان کو دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں اور کامیابیاں عطا کئے جانے کی ضمانت ہے۔

۲) اس کلمہ کی برکت سے ایک مومن راہ مستقیم پر چل کر شیطان کے وسوسوں اور فتنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۳) کلمہ طیبہ پر چلنے سے ایک مومن نہ صرف ثابت قدم رہتا ہے بلکہ ہر طرح کی گمراہیوں سے بچ جاتا ہے۔

۴) جب موت کے فرشتے سامنے آتے ہیں تو وہ ایمان پر قائم رہتا ہے۔

۵) قبر جو سفر آخرت کی پہلی منزل ہے اس کلمہ کی برکت سے اس پر آسان ہو جاتی ہے۔

۶) اس کلمہ طیبہ کی برکت سے اس پر جنت کی ابدی راحتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

۷) اس کلمہ کی برکت سے وہ میدان حشر کے ہولناک دن ہر اندیشے اور خوف سے محفوظ رہے گا۔

۸) کلمہ طیبہ کی برکت سے قبر کی منزل آسان، سفر آخرت سہل اور حشر کی رسوائیوں سے محفوظ رہے گا۔

۹) کلمہ طیبہ ایسا پائدار اور مضبوط عقیدہ ہے جس سے مومن کو دلی سکون کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

۱۰) کلمہ طیبہ توحید ورسالت پر پختہ یقین، کامل اعتماد اور دنیا وآخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

۱۱) کلمہ طیبہ فطرت کی سچی آواز اور حق وصداقت کا سدا بہار کلام ہے۔

١٢) کلمہ طیبہ ایک ایسے پاکیزہ درخت کی طرح ہے جونہایت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔جس کی جڑیں تو اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ تیز وتند آندھی اور بڑے سے بڑا طوفان بھی اس کو جڑوں سے نہ اکھاڑ سکے۔اور بڑی سے بڑی آفت کے وقت بھی وہ اپنی جڑوں پر کھڑا رہے۔اور اس کی شاخیں اس قدر بلند وبالا اور پھیلی ہوئی ہیں جو آسمان کی بلندیوں کو چھورہی ہیں۔دیکھنے میں حسین وخوبصورت۔ہمیشہ پھل دینے والا درخت جس کا سایہ بھی دوسروں کی راحت کا سبب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ایک مستحکم ومضبوط درخت جس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں تک اور اس کی بلندی آسمان کی پنہائیوں تک ہو۔آرام پہنچانے والا سایہ دار اور دائمی پھل دینے والا درخت ہو کسی کے اکھاڑنے سے اکھڑ نہ سکتا ہو اسی طرح کلمہ طیبہ ہے جو اس درخت کی مانند ہے جو مستحکم ومضبوط ہو۔بتایا یہ جارہا ہے کہ جو لوگ کلمہ طیبہ کی ساری سچائیوں کو اپنا لیتے ہیں وہ نہایت مضبوط ومستحکم ہوتے ہیں ان کے اعمال کی مضبوطی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ شیطان کے تمام ترحربے، فتنے اور وسوسے ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔اسی طرح حالات کی گردش،طوفانی کیفیات اور بڑی سے بڑی آفات ان کے پائے استقلال کو ڈگمگا نہیں سکتیں ان کے اعمال کی بلندی اس طرح مضبوط اور پائدار ہوتی ہے کہ فرشتے بھی اس کی بلندیوں کی عظمت پر ناز کرتے ہیں۔اس کی بہترین مثال نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام کی ہے کہ کفر کی تمام طاقتوں نے متحد ومتفق ہو کر ان کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے ہر طرح کے ظلم وستم کئے مگر وہ کفر وشرک اور باطل کے سامنے اس طرح ڈٹ گئے کہ کفر کے ایوانوں میں زلزلے آگئے مگر ان کے پاؤں میں ذرا بھی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

کلمہ خبیثہ:

کلمہ خبیثہ کی مثال ایک ایسے معمولی، گندے اور کمزور درخت کی جیسی ہے جس کی جڑیں زمین کے اوپر ہی ہوتی ہیں جس کو کسی طرح کا جماؤ،مضبوطی اور استحکام حاصل نہیں ہوتا یہ درخت نہ دیکھنے میں اچھا لگتا ہے۔نہ اس کا سایہ کسی کو آرام پہنچاتا ہے۔نہ اس کا پھل مزیدار ہوتا ہے اور نہ اس کے پھل میں کوئی خوشبو ہوتی ہے۔فرمایا کہ اسی طرح کفر وشرک کلمہ خبیثہ کی طرح ہیں جس کے ماننے والوں کو نہ تو مضبوطی اور استحکام حاصل ہوتا ہے اور ان کے اعمال وافعال نہ ان کو فائدہ دیتے ہیں اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔کمزور اس قدر ہیں کہ حالات کے ذرا سے جھٹکے کو وہ برداشت نہیں کرسکتے۔ ہر وہ چیز جو ناحق، باطل اور جھوٹ ہو وہ کلمہ خبیثہ ہے۔

۱) کلمہ خبیثہ یہ ہے کہ ایک غلط اور ناحق بات کو سچا ثابت کرنے پر پوری طاقتیں لگا دی جائیں۔

۲) کلمہ خبیثہ انسانی فطرت اور ضمیر کے خلاف کوششوں کا نام ہے جو ظاہری خوبصورتی کے باوجود انسانی قلوب کی گہرائیوں میں اترنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

۳) کلمہ خبیثہ شیطان کے وسوسوں، گمراہیوں اور نشوں کا دوسرا نام ہے۔

۴) کلمہ خبیثہ اختیار کرنے والوں کی دنیاوی زندگی کتنی ہی کامیاب کیوں نہ ہو قبر اور حشر میں ان کو شدید تر ذلتوں اور رسوائیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۵) کلمہ خبیثہ پر عمل کرنے والے اسی دنیا میں ڈولتے اور ڈگمگاتے رہتے ہیں۔

۶) کلمہ خبیثہ پر عمل کرنے والے راہ مستقیم سے محروم اور آخرت کی دائمی راحتوں اور جنتوں سے دور رہیں گے۔

۷) کلمہ خبیثہ فطرت سے جنگ اور حق وصداقت سے دشمنی کا دوسرا نام ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا فرق بالکل واضح اور صاف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ کلمہ طیبہ یعنی ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں ہر طرح کی خیر وفلاح، عزت وسربلندی اور مضبوطی واستحکام عطا فرمائے گا۔ لیکن جن ظالموں نے کلمہ خبیثہ یعنی کفر وشرک کی راہ اختیار کر رکھی ہے ان کی آخرت کی ابدی زندگی بھی تباہ وبرباد ہوگی اور وہ جنت کی راحتوں کی خوشبو تک نہ سونگھ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اپنے فیصلے کو نافذ کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ اسی نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ حق وصداقت جب بھی نکھر کر سامنے آئے گی باطل مٹ جائے گا کیونکہ کمزور اور ناپائدار چیزیں طوفان کے ساتھ بہہ جاتی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۸ تا ۳۱

کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے اس گھر میں پہنچا دیا جو کہ جہنم ہے۔ جس میں وہ داخل ہوں گے وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ اور وہ لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں تا کہ وہ راستے سے بھٹکا سکیں (اے نبی) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم وقتی فائدے حاصل کرلو۔ بے شک تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جو ایمان لے آئے ہیں نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے چھپ کر اور کھل کر اس دن کے آنے سے پہلے خرچ کریں جس میں نہ تجارت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۸ تا ۳۱

بَدَّلُوْا	انہوں نے بدل دیا
نِعْمَتُ اللّٰهِ	اللہ کی نعمت
اَحَلُّوْا	اتارا
دَارُ الْبَوَارِ	تباہی کا گھر (جہنم)
اَنْدَادًا	(نِدٌّ) شرکاء۔ شریک
تَمَتَّعُوْا	تم فائدہ اٹھالو۔ حاصل کرلو
مَصِيْرٌ	ٹھکانا
عِبَادِيْ	میرے بندے
يُقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ	وہ نماز قائم کرتے ہیں
يُنْفِقُوْنَ	وہ خرچ کرتے ہیں
رَزَقْنَا	ہم نے دیا

سِرٌّ	چھپ کر
عَلاَ نِیَۃٌ	کھلم کھلا
بَیْعٌ	تجارت۔لین دین
خِلٰلٌ	دوستی۔دوستانہ تعلقات

تشریح: آیت نمبر ۲۸ تا ۳۱

گذشتہ آیات میں اس بات کو تفصیل سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ کی برکتیں اور رحمتیں کیا ہیں؟ اور کلمہ خبیثہ کی نحوستیں کیا کیا ہیں؟ مکہ کے مغرور اور متکبر سرداروں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں تو اس بات پر ناز ہے کہ تم اللہ کے گھر والے اور بیت اللہ کے رکھوالے ہو۔اس کے گھر کے قریب رہتے ہو لیکن تم نے کلمہ طیبہ کی برکتوں کے بجائے کلمہ خبیثہ کی نفرتوں کو گلے ڈال رکھا ہے۔اللہ نے تمہیں ایسے عظیم پیغمبر پر ایمان لانے کا موقع عطا فرمایا ہے جو تمام نبیوں کے سردار اور آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ان پر ایک ایسی کتاب ہدایت کو نازل کیا ہے جو قیامت تک ساری دنیا کے انسانوں کے لئے مشعل راہ اور ہدایت کی روشنی ہے۔فرمایا کہ تمہیں تو اللہ کی ان عظیم نعمتوں پر شکرادا کرنا چاہئے تھا۔ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنی آخرت کو سنوارنا تھا مگر تم نے کلمہ خبیثہ یعنی کفر و شرک اختیار کر کے جہنم کو اپنا ٹھکانا بنالیا ہے جو ایک بدترین ٹھکانا ہے۔نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم نے جس راستہ کا انتخاب کیا ہے تم چند روزہ زندگی کے مزے اڑالو پھر تمہیں ایک ایک بات کا حساب دینا ہوگا اور نجات کا ہر راستہ بند کر دیا جائے گا۔

فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ! وہ لوگ جنہوں نے کلمہ طیبہ یعنی ایمان اور عمل صالح کی زندگی کو اختیار کر لیا ہے ان صاحبان ایمان سے کہہ دیجئے کہ وہ اللہ کی اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے ناشکری کے ہر طریقے کو چھوڑ کر اللہ کا شکر ادا کریں اور اس خلوص سے نمازوں کو قائم کریں کہ شکر کا حق ادا ہو جائے۔اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو عطا کیا ہے اس کو اپنی ذات اور اپنی اولاد تک محدود نہ کرلیں بلکہ کھل کر یا چھپ کر جس طرح ممکن ہو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔یہی وقت ہے جس میں اپنی دولت اور محنت کی کمائی سے آخرت کی راحتیں خریدی جا سکتی ہیں لیکن موت کے بعد نہ کاروبار اور تجارت ہوگی نہ دوستیاں کام آئیں گی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ”**الدنیا مزرعتہ الاخرۃ**“ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی تمہیں اپنی نیکیوں کو کاشت

کرنے کا موسم عطا کر دیا گیا ہے۔ یہاں جو کچھ تم کاشت کرو گے وہ آخرت میں تمہارے کام آئے گا۔ یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ اس مختصر عارضی زندگی میں کلمہ طیبہ یعنی ایمان اور عمل صالح کے بیج بوتا ہے یا کلمہ خبیثہ کی کاشت کرتا ہے۔ انجام دونوں کا واضح ہے۔ دنیا کی زندگی کا موسم کاشت کرنے کا موسم ہے اور آخرت اس کھیتی اور کاشت کے کاٹنے کا موسم ہے۔ ہر چیز اپنے موسم کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ دنیا کاشت کرنے اور بیج ڈالنے کا موسم ہے اور آخرت اس سے نتیجہ حاصل کرنے کا موسم ہے۔ کانٹے بونے والا پھولوں کی سیج کی امید نہ رکھے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

ع ۵ / ۱۷

ترجمہ: آیت نمبر ۳۲ تا ۳۴

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس نے بلندی سے پانی اتارا۔ پھر اس نے اس کے ذریعہ ثمرات (پھل، پھول، سبزی) کو نکالا تا کہ تم کھا سکو۔ اس نے تمہارے لئے کشتی (جہاز) کو مسخر کر دیا تا کہ وہ اس کے حکم سے دریا (سمندر) میں چلے۔ اور اسی نے تمہارے لئے نہریں بہا دیں۔ اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو تابع کر دیا جو ایک قاعدے سے چل رہے ہیں۔ اسی نے تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کر دیا۔ اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا کی جو تم نے مانگی (مانگ سکتے ہو) اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اس کی گنتی نہیں کر سکتے (لیکن اس سب کے باوجود) انسان بڑا ہی ظالم اور ناشکرا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٣٢ تا ٣٤

اَنْزَلَ	اس نے اتارا۔ نازل کیا
اَخْرَجَ	نکالا
اَلثَّمَرَاتُ	(ثمرۃ)۔ (پھل۔ سبزہ۔ سبزی)
رِزْقٌ	کھانے کو
سَخَّرَ	مسخر کردیا۔ حکم کے تابع کردیا
اَلْفُلْکُ	کشتی۔ جہاز
دَائِبَیْنِ	ہمیشہ کام میں لگے رہنے والے
اٰتٰکُمْ	اس نے تمہیں دیا
سَاَلْتُمُوْہُ	تم نے اس سے مانگا
تَعُدُّوْا	تم گننا چاہو۔ تم شمار کرنا چاہو
لَا تُحْصُوْا	تم شمار نہ کرسکو گے
ظَلُوْمٌ	بہت ظالم

تشریح: آیت نمبر ٣٢ تا ٣٤

جیسا کہ گذشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ انسانی زندگی اور اس کی بقاوسلامتی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ اللہ نے ایک نعمت کے طور پر اس کائنات میں بکھیر دی ہیں۔ جن پر ہر انسان کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے مگر انسان ہر آن اپنی پریشانیوں کے گلے شکوے ہی کرتا رہتا ہے۔

فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ بلندیوں سے پانی برسایا جس کے ذریعہ اس نے اس زمین سے ہر طرح کے ثمرات (سبزہ، سبزی، پھل وغیرہ) کو پیدا کیا۔ اس اللہ نے عظیم الشان سمندروں اور دریاؤں کو اس طرح مسخر اور اپنے حکم کے تابع کردیا کہ وہ بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز انسانی نفع اور تجارت کے سامان کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک

پہنچاتے ہیں۔اس نے چانداور سورج کو اس طرح پابند کر دیا ہے کہ وہ ایک خاص حساب اور طریقے سے روزانہ نکلتے اور ڈوبتے ہیں۔انسانی گھڑیاں بند ہوسکتی ہیں ان کا وقت اور حساب غلط ہوسکتا ہے مگر ہزاروں سال سے چمکتے ہوئے سورج اور چمکتے چاند کے حساب اور وقت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ان کے نکلنے اور ڈوبنے سے رات اور دن بنتے ہیں۔انسان رات کو آرام کر کے تازہ دم ہو جاتا ہے اور سارے دن اپنی روزی کماتا ہے۔فرمایا کہ وہ کونسی نعمت ہے جو اللہ نے تمہیں عطا نہیں کی۔اگر تم ان کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے لیکن ان نعمتوں کے باوجود انسان ناشکری اور زیادتیاں کرتا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو نعمتوں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۗ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

ع ۶ ۱۷

ترجمہ: آیت نمبر ۳۵ تا ۴۱

اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے کہا میرے رب اس شہر کو (مکہ مکرمہ کو) امن کی جگہ بنا دیجئے۔ مجھے اور میری اولاد کو اس سے دور رکھئے گا کہ ہم بتوں کی عبادت و بندگی کریں۔ میرے رب انہوں نے بہت سوں کو راستے سے بھٹکا دیا ہے۔ جس نے میری پیروی کی تو بلاشبہ وہ مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بے شک آپ مغفرت کرنے اور نہایت رحم کرنے والے ہیں۔ میرے رب میں نے اپنی اولاد کو ایک ایسے میدان میں آباد کیا ہے جہاں کچھ اگتا نہیں۔ تیرے احترام والے گھر کے پاس (آباد کر دیا ہے) ہمارے رب تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو ہر طرح کے ثمرات عطا کیجئے تا کہ وہ شکر ادا کر سکیں۔ ہمارے رب آپ اچھی طرح جانتے ہیں جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن زمین اور آسمانوں کی کوئی بات آپ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیلؑ و اسحاقؑ عطا فرمائے بے شک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔ میرے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دیجئے۔ ہمارے رب ہماری دعا کو قبول فرمائیے۔ ہمارے رب مجھے اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو اس دن بخش دیجئے گا جب حساب قائم ہوگا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۵ تا ۴۱

اِجْعَلْ	بنا دے
اَلْبَلَدُ	شہر۔ (مکہ مکرمہ)
اٰمِنٌ	پرامن
اُجْنُبْنِيْ	مجھے بچا لے
بَنِيَّ	میری اولاد

اَنْ نَّعْبُدَ	یہ کہ ہم عبادت کریں
اَلْاَصْنَامُ	(صَنَمٌ)۔بت
اَضْلَلْنَ	انہوں نے بھٹکایا
تَبِعَنِیْ	میری پیروی کی
عَصَانِیْ	میری نافرمانی کی
اَسْکَنْتُ	میں نے آباد کردیا۔بسادیا
ذُرِّیَّتِیْ	میری اولاد
وَادٌ	میدان
غَیْرُ ذِیْ ذَرْعٍ	کھتی نہ اگتی ہو
اَلْمُحَرَّمُ	احترام والا
اَفْئِدَةٌ	(فُوَادٌ)۔ دل۔ قلوب
تَھْوِیْ	مائل ہوں۔مائل ہوتے ہوئے
نُخْفِیْ	ہم چھپاتے ہیں
نُعْلِنُ	ہم اعلان کرتے ہیں۔ہم ظاہر کرتے ہیں
وَھَبَ	عطا کیا۔دیا
اَلْکِبَرُ	بڑھاپا
سَمِیْعُ الدُّعَاءِ	دعا سننے والا
مُقِیْمُ	قائم رکھنے والا
وَالِدَیَّ	میرے والدین
اِغْفِرْ	معاف کردے۔بخش دے
یَقُوْمُ	قائم ہوگا

تشریح: آیت نمبر ۳۵ تا ۴۱

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جب انسان عمل اور کردار سے محروم ہو کر کاہلی اور سستی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر وہ عمل کرنے کے بجائے اپنے بزرگوں اور ان کے کارناموں پر صرف فخر کرتا ہے لیکن جب بھی عمل کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس نشے میں ڈبو لیتا ہے کہ میں تو بڑوں کی اولاد ہوں میں نے اگر کوئی حسن عمل نہیں کیا تو کیا ہوا ہم تو فلاں بڑوں کی اولاد ہیں وہ ہمیں ہر طرح کی مصیبتوں اور عذاب سے بچالیں گے۔ ٹھیک یہی حال اس وقت مکہ والوں کا تھا جب نبی کریم ﷺ نے عرب کے کفار اور مشرکین کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دی۔ ان کو اس بات پر بڑا ناز تھا کہ ہم حضرت ابراہیمؑ اور پیغمبروں کی اولاد ہیں ہمیں جو شرف و عزت اور احترام حاصل ہے وہی سب کچھ ہے۔ اب اگر ہم بت پرستی کرتے ہیں، غلط رسموں کو رواج دیتے ہیں لڑکیوں کو صرف اسی خوف سے زندہ دفن کر دیتے ہیں کہ کل وہ جوان ہونگی اور گھر میں داماد آئے گا۔ فرمایا کہ آج تمہیں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے پر فخر اور غرور ہے لیکن تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ ابراہیمؑ نے جب طوفان نوح میں ڈھے جانے والے بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر فرمائی تھی اس وقت انہوں نے کیا دعا کی تھی۔؟ فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کی تھی الٰہی اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امن و عافیت کی جگہ بنا دیجئے ہمیں اور ہماری اولاد کو بتوں کی عبادت و بندگی سے دور رکھئے گا اور اس عذاب سے بچا لیجئے گا۔ الٰہی انہوں نے ہزاروں کو گمراہ اور بے دین کر دیا ہے۔ ان میں سے جس نے بھی میری اطاعت کرتے ہوئے میرا کہا مانا وہ میرا ہے، اے اللہ ان پر رحم فرمایئے گا لیکن جو میرے طریقے پر نہیں ہے اور میری اتباع و پیروی نہیں کرتا ہے تو ان کے معاملے کو آپ بہتر سمجھتے ہیں آپ بہت مغفرت کرنے والے مہربان ہیں۔ الٰہی میں نے اپنی اولاد کو آپ کے محترم گھر کے پاس ایک ایسی وادی کے پاس جہاں زراعت بھی نہیں ہوتی آباد کر دیا ہے تا کہ وہ نمازوں کے نظام کو قائم کریں آپ کی عبادت و بندگی کریں اے اللہ لوگوں کے دلوں کو اس گھر کی طرف مائل اور متوجہ فرما دیجئے اور یہاں کے رہنے والوں کو ہر طرح کے ثمرات عطا فرما دیجئے تا کہ وہ آپ کا تیرا شکر ادا کر سکیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بھی عرض کیا کہ الٰہی زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اور اس کی کیفیت آپ سے پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں ہے آپ جانتے ہیں جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں۔ الٰہی ہم پر اپنا رحم و کرم نازل فرما دیجیے ارشاد ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو جو بھی نعمت عطا فرمائی اس پر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور عرض کیا الٰہی آپ نے بڑھاپے میں ہماری دعاؤں کو سن کر حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق جیسی اولاد عطا فرمائی۔ بے شک تمام دعاؤں کے سننے والے آپ ہی ہیں۔ الٰہی مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ ہماری دعاؤں کو قبول فرمالے اور اگر ہمارے کسی عمل میں کوئی کوتاہی یا کمی ہو جائے تو الٰہی اس کو قیامت کے دن اپنی رحمت سے معاف کر دیجئے گا۔

مکہ والوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جیسے عظیم مرتبے والے نبی جن کو ابوالانبیاء بھی کہا جاتا ہے ان کا بھروسہ

صرف اللہ پر تھا اسی سے وہ مانگتے تھے وہی ان کو سب کچھ دیتا تھا لیکن ان کے نام اور اولاد ہونے پر ناز کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ سے مانگنے کے بجائے بتوں سے اپنی مرادوں کو مانگتے ہیں ان کو اس کا بھی پاس نہیں کہ ان کی نسبت کتنی اونچی ہے۔ لیکن یہ نسبت محض فخر کرنے سے نہیں بلکہ عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ

اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ﴿۴۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۷

اور تم یہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر ہے۔ بلکہ وہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس دن ان کی آنکھیں پتھرا کر رہ جائیں گی وہ اس دن سر (اوپر کو) اٹھائے دوڑتے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں ان کی طرف نہ لوٹ سکیں گی اور ان کے دل خوف سے اُڑے اُڑے سے ہوں گے۔

(اے نبی ﷺ) آپ ان کو اس دن سے ڈرایئے جب ان ظالموں پر عذاب آئے گا تو وہ کہہ اٹھیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی مدت کے لئے اور مہلت دیدیجئے تا کہ ہم آپ کی دعوت قبول کریں اور رسولوں کی پیروی کریں۔ (فرمایا جائے گا) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمہارے لئے کسی طرح کا کوئی زوال نہیں ہے۔ حالانکہ تم ان کے گھروں میں آباد ہوئے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ تمہارے اوپر یہ بات کھل چکی تھی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان کردی ہیں۔

انہوں نے اپنی چالیں چلیں۔ ان کے داؤ گھات اللہ کے سامنے ہیں اگرچہ ان کی باتیں تو ایسی تھیں کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتے۔

پھر وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ اللہ نے اپنے رسولوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔

لغات القرآن — آیت نمبر ۴۲ تا ۴۷

لَا تَحْسَبَنَّ	تم ہرگز گمان نہ کرنا
غَافِلٌ	بے خبر
یَعْمَلُ	عمل کرتا ہے
یُؤَخِّرُ	وہ مہلت دیتا ہے
تَشْخَصُ	کھلی رہے گی۔ پتھرا جائے گی
اَلْاَبْصَارُ	آنکھیں
مُھْطِعِیْنَ	دوڑتے ہوئے
مُقْنِعِیْ	اوپر اٹھائے ہوئے

رُءُ وْسٌ	(رَاْسٌ)۔سر
لَا يَرْتَدُّ	نہ پلٹے گی
طَرْفٌ	آنکھیں
هَوَاءٌ	اڑا اڑا ہونا
اَنْذِرْ	ڈرا
اَخِّرْنَا	ہمیں مہلت دے دے
نُجِبْ	ہم جواب دیں گے
نَتَّبِعْ	ہم پیروی کریں گے۔ پیچھے چلیں گے
اَقْسَمْتُمْ	تم نے قسم کھائی
زَوَالٌ	زوال۔اترنا
سَكَنْتُمْ	تم آباد ہوئے
مَسٰكِنُ	گھر
تَبَيَّنَ	واضح ہے۔کھل گیا
كَيْفَ فَعَلْنَا	ہم نے کیا کیا
ضَرَبْنَا	ہم نے بیان کردیا
مَكَرُوْا	انہوں نے چال چلی
لِتَزُوْلَ	تاکہ ٹل جائے۔ہل جائے
اَلْجِبَالُ	(جَبَلٌ)۔پہاڑ

مُخۡلِفَ	خلاف کرنے والا
عَزِيۡزٌ	زبردست
ذُو انۡتِقَامٍ	انتقام لینے والا

تشریح: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۷

گذشتہ آیات سے تسلسل کے ساتھ اس بات کو دھرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اتنی نعمتوں سے نوازا ہے جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ زمین و آسمان، چاند، سورج، ستارے، فضائیں ہوائیں، درخت، پہاڑ، دریا، کھانے پینے کی بے شمار ہزاروں نعمتیں اللہ نے بغیر کسی معاوضے کے عطا کر رکھی ہیں۔ فرمایا کہ اہل مکہ پر تو اور بھی بہت سی نعمتیں کی گئی ہیں۔ اگر قدر کی جائے اور صحیح راستے پر چلا جائے اور بے جا فخر و غرور نہ ہو تو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونا یہ بھی ایک نعمت ہی ہے مگر بے عملی نے ان کی اس نسبت کو کس قدر داغ دار کر رکھا ہے اس کا ان کو خود بھی اندازہ ہے۔ پھر اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور کرم تو یہ ہے کہ ان میں ایک ایسے نبی و رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھیجے گئے ہیں جو سارے انبیاء اور رسولوں کے سردار اور خاتم النبیین ہیں جو اللہ کے محبوب ترین پیغمبر ہیں پھر ان کے ساتھ اس کتاب مبین کو بھیجا گیا ہے جو قیامت تک تمام انسانوں کے لئے نور ہدایت ہے اگر مکہ کے کفار و مشرکین نے اپنے کفر و شرک سے توبہ کر کے نبی مکرم ﷺ کے دامن اطاعت و محبت سے وابستگی اختیار کر لی تو قیامت تک ان کا نام روشن ہو جائے گا وہ خود کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر چمکتے ستاروں کی مانند ہو جائیں گے جن کے ذریعہ ساری دنیا سے کفر و شرک کا اندھیرا دور ہو جائے گا لیکن اگر انہوں نے اطاعت رسول ﷺ سے انکار کیا تو پھر اللہ کا وہ فیصلہ آ سکتا ہے جو ہر نافرمان قوم پر اس طرح آیا ہے کہ پھر ان کا وجود بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو ان کو کڑی سے کڑی سزا دے سکتا ہے لیکن یہ اللہ کا حلم اور برداشت ہے جس نے ان سے اللہ کا عذاب روکا ہوا ہے۔ اگر ان پر فوری طور پر عذاب نازل نہیں کیا گیا تو وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔ وہ اللہ بڑی سے بڑی ظالم اور بے انصاف قوم کو سنبھلنے کا موقع اور مہلت دیتا ہے اگر وہ سنبھلنا چاہیں تو سنبھل جائیں ورنہ پھر وہ فیصلہ آنے میں دیر نہیں لگے گی جس کو اللہ نے ایسے مجرموں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔

قیامت کے ہولناک منظر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ غافل اور بے خبر لوگ اس گمان میں نہ رہیں کہ ان کے برے اعمال کو دیکھنے والا کوئی نہیں بلکہ اللہ ان ظالموں کے ایک ایک عمل کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ وہ ان کے اعمال کی سزا ان کو اسی وقت بھی دے سکتا ہے لیکن اس نے ان سے عذاب کو ایک ایسے دن (قیامت کے دن) تک روک رکھا ہے جب ان کی آنکھیں خوف

اور دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ان کی آنکھیں پتھرا جائیں گی، عذاب الٰہی کو دیکھ کر ان کی عقلیں گم ہو کر رہ جائیں گی، ان کے دل اڑے اڑے سے ہوں گے اس تکلیف بھرے دن سے ان ظالموں کا برا حشر ہوگا۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کو اس دن کے عذاب سے ڈرایئے جب یہ ظالم عذاب الٰہی کو دیکھ کر کہہ اٹھیں گے کہ اے اللہ ہمیں آج سب کچھ معلوم ہو گیا۔ ہمیں اپنی غلطی کا پوری طرح احساس ہے۔ ہمیں ایک موقع دیجئے ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیجئے ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے اور رسولوں کی ہر بات کو تسلیم کریں گے۔ اس کے جواب میں اللہ کی طرف سے یہ کہا جائے گا۔ اے کفار و مشرکین ہم نے تمہیں دنیا میں بہت طویل مدت اور مہلت دی تھی۔ تمہارے سمجھانے کے لئے رسولوں کو بھیجا تھا مگر تم تو قسمیں کھا کھا کر یہ کہتے تھے کہ ہمیں اور ہماری نعمتوں کو کبھی زوال آ نہیں سکتا فرمایا جائے گا کہ ہم نے تمہیں ان ہی بستیوں میں آباد کیا تھا جنہوں نے تم سے پہلے کفر و شرک جیسا جرم کیا تھا اور ان کو پوری سزا دی گئی تھی لیکن تم نے ان کے کھنڈرات کو دیکھ کر بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ انہوں نے اللہ کے دین کے مقابلے میں کیسی کیسی چالیں چلیں۔ ان کے داؤ گھات اللہ کے سامنے ہیں۔ ان کی چالیں تو اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتے لیکن اللہ کی ایک ہی تدبیر اور عذاب نے ان کو الٹ کر رکھ دیا۔ فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جس بات کا وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا۔ اگر انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لی تو وہ ان کو دین و دنیا کی تمام بھلائیاں عطا فرمائے گا۔ لیکن اگر انہوں نے گذشتہ قوموں کے طریقے اختیار کئے تو پھر وہ اللہ اس طرح زبردست انتقام لے گا کہ اس کے انتقام سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ

غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

ع ۷ ۱۱ ۱۹

ترجمہ: آیت نمبر ۴۸ تا ۵۲

جس دن یہ زمین و آسمان دوسرے زمین و آسمان سے بدل دیئے جائیں گے۔ اور وہ سب ایک اللہ کے سامنے جو کہ غالب ہے نکل کھڑے ہوں گے۔ اور تم اس دن ان مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھو گے۔ ان کے کرتے گندھک کے اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ رہی ہوگی تا کہ ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جاسکے۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یہ قرآن لوگوں کے لئے پیغام ہے تا کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں' تا کہ وہ جان لیں کہ وہی ایک معبود ہے اور تا کہ عقل و فکر والے نصیحت حاصل کریں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۸ تا ۵۲

تُبَدَّلُ	بدل دے گا
بَرَزُوْا	وہ ظاہر ہوئے۔ سامنے ہوئے
اَلْقَهَّارُ	زبردست
مُقَرَّنِيْنَ	ملا کر جکڑے ہوئے
اَ لْاَصْفَادُ	زنجیریں
سَرَابِيْلُ	کرتے
قَطِرَانٌ	گندھک۔ سیاہ تیل
تَغْشٰى	ڈھانپ لے گی
وُجُوْهٌ	(وَجْهٌ) چہرے
لِيَجْزِىَ	تا کہ بدل دے

کُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص۔ ہر جان
کَسَبَتْ	کمایا
سَرِیْعٌ	جلد
بَلٰغٌ	پہنچانا
اُولُوْا	والا
اَلْاَلْبَابُ	(لُبٌّ)۔ عقلیں

تشریح: آیت نمبر ۴۸ تا ۵۲

سورۂ ابراہیم کو ان آیات پر ختم کیا گیا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی کتاب ہدایت ہے جو انسانوں کے ضمیر کو ہلا کر رکھ دینے والی ہے۔ یہ وہ آخری پیغام الٰہی ہے جو دنیا بھر کے غافلوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والا ہے کہ اے لوگو! تمہارے لئے یہ آخری موقع ہے جس سے فائدہ اٹھالو۔ اس کے ماننے میں ساری انسانیت کی بھلائی اور کامیابی ہے ورنہ وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب موجودہ زمین کو ختم کر کے ایک نئی زمین تیار کی جائے گی جو اس زمین سے بہت مختلف ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”محشر کی زمین (جہاں اولین وآخرین کو جمع کیا جائے گا) چاندی کی طرح سفید ہوگی۔ یہ زمین ایسی ہوگی جس پر کوئی گناہ نہیں کیا گیا ہوگا جس پر کسی کا خون نہیں بہایا گیا ہوگا (بیہقی) یہ روایت تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی بیان کی ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت سہل بن سعدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن لوگ ایسی زمین پر اٹھائے جائیں گے جو نہایت صاف، روشن اور میدے کی روٹی کی طرح سفید ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

یعنی جس زمین پر ساری دنیا کے انسانون کو جمع کیا جائے گا جس کو میدان حشر کہتے ہیں وہ ایک ہموار زمین ہوگی اس میں مکان، باغ، درخت، ٹیلہ پہاڑ وغیرہ نہیں ہوں گے۔ وہ دن مجرموں کے لئے بڑا ہیبت ناک ہوگا۔ وہ مجرم زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ان کے کرتے گندھک کے اور آگ سے ان کے چہرے جھلس رہے ہوں گے۔ ہر ایک سے اس کے تمام کاموں

کا حساب لیا جائے گا جیسا جس نے کیا ہوگا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

آخر میں فرمایا کہ یہ قرآن کریم ایک (آخری) پیغام الٰہی ہے جس میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اگر کسی میں ذرا بھی عقل اور فہم کا مادہ ہے تو وہ یقیناً اس بات کی حقیقت تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اہل عقل و فکر لوگوں میں شامل فرمالے جو اللہ کی توحید اور رسول ﷺ کی رسالت کے سچے دل سے قائل ہوں اور اعمال صالح کرنے والے ہوں۔

الحمدللہ اس مضمون کے ساتھ سورہ ابراہیم کا ترجمہ اور تشریح تکمیل تک پہنچی۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۳ تا ۱۴

• ومآابرئ • ربما

سورۃ نمبر ۱۵

الحِجْر

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۃ الحجر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ نمبر	15
رکوع	6
آیات	99
الفاظ وکلمات	663
حروف	2907
مقام نزول	مکہ مکرمہ

یہ سورت بھی مکی دور کے آخری زمانہ کی سورتوں میں سے ایک سورت ہے جس میں مکہ ومدینہ میں آباد کفار ومشرکین کو قوم عاد اور قوم ثمود کے واقعات سے آگاہ کیا جارہا ہے کہ تم ان کھنڈرات سے گذرتے ہو جو کبھی خوب آباد تھے مگر نافرمانیوں کی وجہ سے آج وہ نشان عبرت بن چکے ہیں۔

اس سورت میں ایک ہی وقت میں حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی خوش خبری دی گئی ہے اور ان ہی فرشتوں نے اللہ کے حکم سے قوم لوط کی تباہی کی اطلاع دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوشی اور غم سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

الحجر قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا جو وادی القریٰ میں مدینہ منورہ سے ملک شام جاتے ہوئے لب سڑک پڑتا ہے ۹ھ غزوہ تبوک میں کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس مقام سے گذرے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اس جگہ ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیزی سے آگے بڑھ جاؤ کیونکہ یہاں قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا تھا۔ قوم عاد کی طرح قوم ثمود بھی عرب کی قدیم اور عظیم قوموں میں سے ایک قوم تھی جن کی تعمیرات کے فن کا یہ حال تھا کہ انہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر بیس بیس منزلہ عمارتیں بنا رکھی تھیں۔ مال ودولت کی کثرت، خوش حالی اور بت پرستی نے اس قوم کو اتنا کھوکھلا کر دیا تھا کہ جب حضرت صالحؑ نے اس قوم کو ایمان اور عمل صالح کی طرف دعوت دی اور بتایا کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ تمہارے کسی کام نہ آسکیں گے۔ اس قوم نے غرور اور تکبر سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اللہ کے حکم کے باوجود انہوں نے اس اونٹنی کو بھی ذبح کر دیا جو معجزہ کے طور پر ان کو دی گئی تھی۔ جب نافرمانیوں کی انتہا ہوگئی تب اللہ نے اس قوم پر عذاب نازل کیا اور ان کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کی تہذیب وتمدن، تعمیر وترقی، مال و دولت ان کے کسی کام نہ آسکے۔ ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ جن کے شہروں کے کھنڈرات آج بھی نشان عبرت بنے ہوئے ہیں۔ فرمایا گیا کہ ہر قوم کو ایک موقع اور مہلت دی جاتی ہے اگر وہ اس سے فائدہ اٹھاتی ہے تو اس کی نجات کا سامان ہو جاتا ہے ورنہ قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور دوسری ظالم قوموں کے ساتھ ان کو ان کے انجام سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے قرآن کریم کی شکل میں ایک ایسی کتاب زندگی عطا فرمائی ہے جس کے اصول نہایت صاف ستھرے اور واضح ہیں۔ انداز بیان شگفتہ اور فیصلہ کن ہے اس کا کوئی انداز ایسا نہیں ہے جس کے سمجھنے میں کسی کو بھی کوئی دشواری یا الجھن ہو سکتی ہو۔ وہی ایک سچائی کی روشنی

ہے جس سے دلوں کو منور و روشن کیا جا سکتا ہے لیکن ایسے بدنصیب لوگ بھی ہیں جو اس سچائی کو ماننے کے بجائے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ شاید ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا گیا ہے اس کے برخلاف وہ خوش نصیب بھی ہیں جو اس حقیقت کو مان کر خود راہ زندگی کے روشن ستارے بن چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو شیطانی وسوسوں سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ شیطان نے ابتدائے کائنات کے وقت ہی یہ کہہ دیا تھا کہ اے اللہ مجھے اتنی مہلت دیجیے کہ میں ثابت کرسکوں کہ انسان بالکل بے حقیقت چیز ہے۔ فرمایا کہ شیطان اپنے جال بچھا کر اس میں اللہ کے بندوں کا شکار کرتا ہے اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ شیطان کے چکر میں آ جائیں گے ان سے میں جہنم کو بھر دوں گا اور جو نیک اور پرہیزگار ہوں گے وہ جنت کی ابدی راحتوں کے مستحق ہوں گے۔

آخر میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان کفار و مشرکین کی پرواہ نہ کیجیے کھلم کھلا اللہ کے دین کی دعوت دیجیے یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جو لوگ آج اللہ کے نبی ﷺ کا مذاق اڑا رہے ہیں اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو خود ان کی زندگیاں مذاق بن کر رہ جائیں گی۔

سورۃ الحجر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱﴾ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۲﴾ ذَرۡہُمۡ یَاۡکُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡہِہِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَ لَہَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّۃٍ اَجَلَہَا وَ مَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۵

الف-لام-را (حروف مقطعات جن کے معنی ومراد کا علم اللہ کو ہے)
یہ کتاب الٰہی اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ کسی وقت اس بات کی تمنا ضرور کریں گے کاش وہ فرماں بردار (مسلم) ہوتے۔ (اے نبی ﷺ) انہیں چھوڑ یئے وہ (کچھ دن) کھائیں' فائدے اٹھائیں اور ان کو امیدوں کی غفلت میں لگا رہنے دیجئے وہ بہت جلد (ساری حقیقت کو) جان لیں گے۔ ہم نے جب بھی کبھی کسی قوم کو ہلاک کیا ہے تو اس کے لئے لکھا ہوا وقت مقرر تھا۔ کوئی قوم اپنی مقررہ مدت سے پہلے ہلاک ہوئی ہے اور نہ بعد میں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۵

تِلۡکَ	یہ (اسم اشارہ)
مُبِیۡنٌ	کھلا۔ واضح۔ روشن
رُبَمَا	کبھی کبھی۔ اکثر

يَوَدُّ	پسند ہوگا
لَوْ	اگر۔کاش
مُسْلِمِيْنَ	فرماں بردار۔گردن جھکانے والے
ذَرْ	چھوڑ دے
يَاْكُلُوْنَ	وہ کھائیں گے
يَتَمَتَّعُوْا	وہ فائدہ حاصل کریں گے
يُلْهِهِمْ	(اَلْهَاءٌ لَهْوٌ)۔دل لگانا۔غافل ہونا
اَلْاَمَلُ	امید۔آرزو
سَوْفَ	جلد۔عنقریب
اَهْلَكْنَا	ہم نے ہلاک کیا۔برباد کیا
قَرْيَةٌ	بستی۔شہر
كِتَابٌ	لکھا ہوا
مَعْلُوْمٌ	مقرر
مَا تَسْبِقُ	آگے نہیں بڑھتی
اُمَّةٌ	جماعت۔گروہ
اَجَلٌ	مدت۔موت
يَسْتَاْخِرُوْنَ	وہ دیر کرتے ہیں۔پیچھے ہٹتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۵

مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی منکرین توحید و رسالت اور قیامت پر ایمان نہ لانے والوں کا بھیانک انجام اور اللہ و رسول پر ایمان و یقین رکھنے والوں کے بہترین انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس سورت کا آغاز حروف مقطعات سے کیا گیا ہے جس کے متعلق پہلے بھی تفصیل سے بتا دیا گیا ہے کہ ان حروف کے معنی اور حقیقت کا علم صرف اللہ رب العالمین کو ہے۔ وہی ان حروف کے معنی اور مراد سے واقف ہے۔ فرمایا گیا کہ قرآن کریم ایک نعمت ہے جو کتابی شکل میں موجود ہے اور اس کے معنی بہت صاف، واضح اور روشن ہیں جس کے سمجھنے میں کسی کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اس کا انداز اس قدر دلچسپ ہے کہ وہ انسانوں کو خود ہی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہ وہ کتاب مبین ہے جس کے نہ تو الفاظ پڑھنے میں کوئی دشواری ہے نہ اس کا ترجمہ کرنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے اور نہ اس کے حفظ کرنے میں کوئی دشواری ہے، یہ اپنے الفاظ، معانی اور عمل کی ایک واضح کتاب ہے۔ فرمایا کہ ان کفار و مشرکین کو جنہوں نے اپنی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں ان کو قرآن کریم کی یہ خوبیاں نظر نہیں آتیں لیکن قیامت میں جب اس قرآن کریم پر عمل کرنے والے عیش و آرام میں ہوں گے تب یہ کفار و مشرکین نہایت حسرت اور افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کاش ہم بھی اللہ کے فرماں بردار ہوتے۔

فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کو سمجھائیں لیکن ان کو کھانے کھیلنے اور اپنی آرزوؤں اور تمناؤں میں الجھا رہنے دیں بہت جلد ان کو ساری حقیقت کا علم ہو جائے گا فرمایا کہ ہم نے ہر قوم کو مہلت عمل دی ہے جس سے ان کو غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ شاید اللہ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا حالانکہ تاریخ کے دریچوں سے اگر جھانک کر دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم کو ان کے برے اعمال کے سبب تباہ و برباد کیا ہے تو اس گھڑی کے آنے میں نہ کبھی دیر ہوئی ہے اور نہ جلدی۔ جب اس کا فیصلہ آ جاتا ہے تب کوئی اس کے فیصلے سے بچ نہیں سکتا۔

ان آیات میں کفار مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ آج وہ جن بدمستیوں میں لگے ہوئے ہیں ان کے پاس وقت بہت کم ہے۔ اللہ کا وہ فیصلہ دور نہیں ہے جب ان کو قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ جیسی نعمتوں کے ٹھکرانے پر سخت سے سخت سزا دی جائے گی اور پھر ان کے کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا
الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝٦ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا
بِالْمَلٰۤئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٧ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰۤئِكَةَ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝٨ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝٩

ترجمہ: آیت نمبر ۶ تا ۹

(ان کافروں نے) کہا اے وہ شخص جس پر یہ قرآن اتارا گیا ہے تو یقیناً دیوانہ ہے۔ اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے کر کیوں نہیں آتا۔ (اللہ نے فرمایا کہ) ہم فرشتوں کو یوں ہی نازل نہیں کرتے کیونکہ (فرشتوں کے آنے کے بعد) ان کو مہلت نہیں دی جاتی۔ بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن کریم) کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶ تا ۹

یٰاَ یُّھَا	اے (حرف ندا)
نُزِّلَ	نازل کیا گیا۔ اتارا گیا
اَلذِّکْرُ	یاددھانی کی چیز۔ قرآن مجید
مَجْنُوْنٌ	دیوانہ۔ پاگل
تَاْ تِیْنَا	تو ہمارے پاس آتا ہے۔
مَانُنَزِّلُ	ہم نازل نہیں کرتے
اِذًا	اس وقت
اِنَّا	بے شک ہم
نَحْنُ	ہم سب
حَافِظُوْنَ	حفاظت کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۶ تا ۹

جب نبی کریم ﷺ کی زندگی میں کفار اور مشرکین کو اللہ کے دین اور آخرت کی ابدی سچائیوں کی طرف بلاتے تب وہ اپنی روایتی ضد، عناد، ہٹ دھرمی اور جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے کہ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کے ساتھ تو فرشتوں کو ہونا چاہئے

تھا جواس بات کی علامت ہوتے کہ آپ سچے نبی ہیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو یہ سوائے جنون اور دیوانگی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کو نازل کردے مگر اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کو عذاب دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تب وہ اپنے فرشتوں کو بھیجتا ہے۔ اور جب وہ فیصلہ کر کے اپنے فرشتوں کو بھیج دیتا ہے تو پھر کسی قوم کو مزید مہلت عمل نہیں دی جاتی بلکہ جڑ و بنیاد سے اکھاڑ دینے کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے۔ گذشتہ قوموں کی تاریخ اس سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے وہ کہ جس پر ذکر اتارا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ بے شک وہ قرآن جس کو ہم نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے وہ ''ذکر'' ہی ہے۔ وہ ہمارا کلام ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہماری ہی ہے۔ ہم اپنے اس قرآن اور ذکر کی حفاظت خود کریں گے اور کسی انسان کے ذمے یہ کام نہیں لگائیں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کی حفاظت کچھ اس طرح سے کی ہے کہ اگر مسلمان عمل سے دور ہو گئے اور انہوں نے خدمت قرآن کو چھوڑ دیا تو اللہ نے دشمنان قرآن کو ایمان کی دولت سے نواز کر محافظ قرآن بنا دیا۔ اس کی سب سے بڑی مثال تیرھویں صدی کا وہ عظیم الشان تاریخی واقعہ ہے جب تاتاریوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ مسلمانوں کی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کئے گئے، خون کی ندیاں بہادی گئیں، ان کے کتب خانے اور ان کی علمی کاوشوں کو تاتاریوں نے تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ کبھی دجلہ وفرات کا پانی ان کمزور مسلمانوں کے خون سے رنگین ہو گیا۔ کبھی ان کی کتابوں کی سیاہی سے پانی کا رنگ کالا ہو گیا۔ ان حالات کو دیکھ کر کمزور ایمان کے لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اب دنیا سے اسلام اور قرآن مٹ جائیں گے لیکن اچانک اللہ نے تاتاریوں کو ایمان کی توفیق عطا فرمادی اور وہ ایمان قبول کر کے محافظ قرآن بن گئے۔

قرآن کریم کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔ اس کی تعلیمات اور انداز تعلیم تک محفوظ ہے۔ قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ صرف کاغذوں کی حد تک نہیں بلکہ اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ آج دنیا میں اس قرآن کے تقریباً تین لاکھ حافظ قرآن موجود ہیں جن کے سینے قرآن کے نور سے منور وروشن ہیں۔

صرف الفاظ کی حد تک نہیں بلکہ احادیث رسول اللہ ﷺ اور اللہ کے آخری نبی ﷺ کی ایک ایک ادا کے ہزاروں حافظ گذرے ہیں۔ علماء امت نے دین کی حفاظت کے لئے وہ کچھ کیا جو کسی امت نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے غریب مسلمانوں کو اس مقصد کے لئے منتخب فرمالیا کہ ان سے حفاظت قرآن کا وعدہ پورا کیا۔ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم دنیا میں سب سے طاقتور چیز ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ اگر ہم اس ذکر کو یعنی قرآن کریم کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو وہ اس کے بوجھ کو کسی طرح برداشت نہ کر سکتا لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن جیسی طاقت کی حفاظت ہمیشہ معاشرہ کے کمزور اور غریب لوگوں نے کی ہے۔ آج بھی اگر دیکھا جائے تو تین لاکھ حافظان قرآن یا صبح وشام تلاوت کرنے والے یا قرآن وحدیث پڑھنے پڑھانے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس دنیاوی دولت نہیں ہوتی وہ معاشرہ کے غریب اور کمزور لوگ ہوتے ہیں۔

لیکن ان کے دل قرآن کریم کے نور سے منور و روشن ہوتے ہیں اور وہ اس دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ یوں تو اللہ جس کو بھی توفیق عطا فرمادے لیکن میں نے عام طور پر دیکھا ہے کہ جس کے پاس چار پیسے آجاتے ہیں وہ تو اپنے بچے کو قرآن حفظ یاد کرنے کرانے کو وقت ضائع کرنے کے برابر سمجھنے لگتا ہے۔ سوائے اللہ کے ان بندوں کے جن کے پاس غربت یا دولت مندی دونوں برابر ہوتی ہیں وہ اپنے بچوں کو دین پر قائم رکھتے ہیں۔ میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ عام طور پر کسی وزیر، بڑے سرمائے دار، وڈیرے، اور سرداروں کے بچے حافظان قرآن اور عالم دین نہیں ہوتے بلکہ غریب و مفلس گھرانے کے بچے قرآن کریم حفظ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ساری دنیا پر یہ واضح کردینا چاہتا ہے کہ اس کائنات میں ساری قوت و طاقت کا مالک صرف اللہ ہے وہ جس سے چاہے اپنے قرآن کی حفاظت کرالے لیکن اس نے اس قرآن جیسی طاقت کی حفاظت ہمیشہ غریبوں اور کمزوروں سے کرائی ہے۔ وہ کسی کی طاقت و قوت کا محتاج نہیں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

ع ۱ ۱۵ ۱

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵

(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے لوگوں کے لئے رسول بھیجے تھے۔ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ ہم اسی طرح مجرموں کے دلوں میں (خیالات کو) ڈالتے ہیں۔ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ یہ طریقہ پہلوں ہی سے چلا آرہا ہے۔ اور اگر ہم ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیں پھر وہ اس میں چڑھتے چلے جائیں تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو باندھ دیا گیا ہے بلکہ ہم پر تو بالکل ہی جادو کر دیا گیا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵

شِيَعٌ جماعتیں۔گروہ

يَسْتَهْزِءُ وْنَ وہ مذاق اڑاتے ہیں

نَسْلُكُ ہم چلاتے ہیں

خَلَتْ گذرگئی۔گذر گئے

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ گذرے ہوؤں کے طریقے

فَتَحْنَا ہم نے کھول دیا

يَعْرُجُوْنَ وہ چڑھتے ہیں

سُكِّرَتْ باندھ دی گئی۔روک دی گئی

مَسْحُوْرُوْنَ جادو کا اثر کئے گئے

تشریح: آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵

کفار و مشرکین ہمیشہ نبی کریم ﷺ کی سچی تعلیمات کا جواب دینے یا اس کو تسلیم کرنے کے بجائے اس کا مذاق اڑاتے اور ایسا انداز اختیار کرتے جس سے نبی کریم ﷺ کو سخت ذہنی اذیت پہنچتی تھی۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کے ساتھ فرشتے کیوں نہ بھیج دیئے گئے جو آپ کے آگے پیچھے چلتے اور ہم ان کو دیکھ کر آپ کو اللہ کا نبی تسلیم کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم فرشتے بھیج سکتے ہیں ہماری قدرت سے یہ باہر نہیں ہے لیکن اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ فرشتے اس وقت بھیجتا ہے جب کسی قوم کی تقدیر کا فیصلہ کر کے اس پر عذاب مسلط کرنا ہوتا ہے چونکہ اللہ بھی ان کفار کو مزید مہلت دے رہا ہے۔ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر اللہ کا فیصلہ آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ ان آیات میں مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کفار و مشرکین کے مذاق اڑانے کی پرواہ نہ کریں۔ آپ سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے گئے ہیں ان کا اسی طرح مذاق اڑایا گیا ہے۔ بلکہ ہم نے ان کے خیالات کے مطابق ان کو اپنی مجرمانہ حرکتیں کرنے کا پورا پورا موقع دیا

تاکہ وہ اپنے جرم پر جم کر پہلے لوگوں کی طرح حرکتیں کرتے رہیں۔ فرمایا کہ جس کو ایمان لانا ہے اس کے لئے چند سچی باتیں ہی کافی ہیں لیکن جنہوں نے کفر وشرک پر جم جانے کا فیصلہ کرلیا ہے ان کے لئے اگر آسمان کے دروازے بھی کھول دیئے جائیں۔ اور وہ ان پر چڑھ کر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ ایسا لگتا ہے جیسے ہماری نظر بندی کردی گئی تھی یا ہم پر جادو کر دیا گیا تھا اور ہمیں وہ نظر آیا جو حقیقت نہیں تھا (نعوذ باللہ) فرمایا کہ یہ ان کی کافرانہ ضد اور ہٹ دھرمی ہے جو ان کی زندگی کا بھیانک پہلو ہے "میں نہ مانوں" کی رٹ نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے مذاق اڑانے اور طرح طرح کے مطالبات سے آپ رنجیدہ نہ ہوں آپ اپنا کام کئے جایئے۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب یہی مذاق اڑانے والے اپنی بوٹیاں نوچتے ہوں گے اور اس وقت ان کا پچھتانا ان کے کام نہ آسکے گا۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ

بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝١٦ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝١٧ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝١٨ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝١٩ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝٢٠ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝٢١ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝٢٢ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝٢٣ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝٢٤ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝٢٥

٢/٢/٢

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶ تا ۲۵

اور بے شک ہم نے آسمان میں ایسے برج (قلعے) بنادیئے جنہیں دیکھنے والوں کے لئے خوبصورت بنادیا گیا ہے۔ اور ہم نے اس کو ہر مردود شیطان سے محفوظ بنادیا ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی چوری چھپے سے سن لے تب ایک چمکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ اور زمین جسے ہم نے پھیلادیا ہے جس میں بھاری پہاڑ جمادیئے اور اس میں ہم نے ایک مقدار کے مطابق ہر طرح کی نباتات (زمین سے اگنے والی چیزوں) کو اگادیا ہے۔ اس میں ہم نے تمہارے لئے روزی کے ذرائع بنائے اور ان کے لئے بھی جن کے تم رازق نہیں ہو۔ اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے خزانے (بھاری مقدار میں) ہمارے پاس نہ ہوں۔ مگر ہم ہر چیز ایک مناسب مقدار (اندازے) میں اتارتے ہیں۔ اور ہم ہی ہوائیں بھیجتے ہیں جو کہ بادلوں کو (پانی سے) بھر دیتی ہیں۔ پھر بلندی سے پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں سیراب کردیتے ہیں اور تم اتنا جمع کر کے نہیں رکھ سکتے تھے۔ اور بیشک ہم ہی زندگی دیتے ہیں، ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہم ہی وارث (مالک) ہیں۔ اور جو لوگ گذر گئے ہیں ہمیں ان کا بھی علم ہے جو پیچھے رہ جانے والے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) بے شک آپ کا رب ان سب کو (قیامت کے دن) جمع کرے گا۔ بے شک وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶ تا ۲۵

بُرُوْجٌ — (بُرْجٌ)۔ اونچی اور بلند عمارت۔ قلعے

زَيَّنَّا — ہم نے زینت دی۔ خوبصورت بنایا

نٰظِرِيْنَ — دیکھنے والے

حَفِظْنَا — ہم نے حفاظت کی

رَجِيْمٌ — مردود۔ نکالا گیا

اِسْتَرَقَ	(اِسْتِرَاقٌ)۔جس نے چوری سے کوئی چیز اڑالی ہو
اَلسَّمْعُ	سننا
اَتْبَعَ	پیچھے لگ گیا
شَهَابٌ	انگارا۔آگ
مَدَدَ	پھیلادیا
اَلْقَيْنَا	ہم نے ڈال دیا
رَوَاسِيَ	بوجھ۔پہاڑ
اَنْبَتْنَا	ہم نے اگایا
مَوْزُوْنٌ	اندازہ۔مقدار
مَعَايِشٌ	زندگی گذارنے کا سامان
لَسْتُمْ	تم نہیں ہو
خَزَائِنٌ	خزانے۔ذخیرہ
قَدَرٌ مَّعْلُوْمٌ	اندازے مقرر۔متعین
اَلرِّيٰحُ	(رِيْحٌ)۔ہوائیں
لَوَاقِحٌ	(لَا قِحَةٌ)۔بوجھل۔بھرپور
اَسْقَيْنَا	ہم نے سیراب کردیا۔پلایا
خَازِنِيْنَ	خزانے والے
نُحْيِ	ہم زندگی دیتے ہیں
نُمِيْتُ	ہم موت دیتے ہیں

اَلْوَارِثُوْنَ	مالک۔وارث
عَلِمْنَا	ہم نے جان لیا
اَلْمُسْتَقْدِمِیْنَ	(اِسْتِقْدَامٌ) آگے رہنے والے
اَلْمُسْتَاْخِرِیْنَ	پیچھے رہنے والے
یَحْشُرُ	وہ جمع کرے گا

تشریح: آیت نمبر ۱۶ تا ۲۵

اس سے پہلی آیات میں ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو نازل فرمایا جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود ہی اپنے ذمے لے رکھی ہے۔اسی طرح وہ اللہ انبیاء کرام اوران کی نبوت کا بھی محافظ ونگران ہے کفار ومشرکین استھزاء اور مذاق کے ذریعہ اس نور کو بجھانے کی کوشش میں کسر اٹھانہیں رکھتے ہرطرح کے ظلم وستم، زیادتیوں اور مذاق کے ہتھیار استعال کر کے انبیاء کرامؑ کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو ہرطرح کا غلبہ وقوت عطا فرما کر کفار ومشرکین کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔انکارنبوت کی نحوستوں کے بعد انکار توحید کرنے والوں کے متعلق فرمایا جارہا ہے کہ کیا یہ لوگ اس کائنات کو دیکھ کر اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ:

۱) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایک خاص انداز سے ترتیب دیا ہے جس میں روشنیوں کو اس نے پھیلا دیا ہے بڑے بڑے ستارے، سیارے بنائے جن کو انسان رات دن کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے آسمان کی بلندیوں کو اتنا حسین اور خوبصورت بنایا ہے کہ جب رات کو چاند اور ستارے چمکتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے اللہ نے کہکشاں بکھیر دی ہے۔انہوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ اتنا بڑا نظام کس نے پیدا کیا یقیناً وہ ایک اللہ کی ذات ہے اسی نے اس کائنات اور اس کی خوبصورتیوں کو پیدا کیا وہی اس کا محافظ، نگراں اور سنبھالنے والا ہے۔جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے ہزاروں نشانیاں ان ہی میں موجود ہیں۔

۲) پھر آسمانوں پر شیطان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔شیطان اپنی پوری کوشش کرتے ہیں کہ وہ آسمانوں کی طرف بلند ہوکر فرشتوں کی گفتگو سے آئندہ ہونے والے حالات کی کچھ سن گن لیں۔پہلے اس کی کسی حد تک اجازت بھی تھی لیکن نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اس کی بھی ممانعت کردی گئی ہے۔اب اگر وہ جنات وشیاطین آسمانوں کی طرف بلند

ہونا چاہتے ہیں تا کہ وہاں کی کچھ خبریں حاصل کر سکیں تو ان پر (شہاب ثاقب) شعلوں کی بارش کردی جاتی ہے تا کہ وہ کسی بات کو چوری چھپے بھی نہ سن سکیں۔

۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے زمین کو بڑی وسعت دی ہے اس کو خوب پھیلایا ہے۔ اس میں طرح طرح کے پھل پیدا کئے انسانی ضروریات کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ اور اس میں ایک ایسا توازن پیدا کر دیا تا کہ ہر چیز ایک تعداد اور اندازے کے مطابق ہو۔ فرمایا کہ یہ اللہ ہی کا کرم ہے کہ اس نے پہاڑوں کو میخوں کی طرح زمین میں گاڑ دیا تا کہ زمین اپنا توازن برقرار رکھ سکے اور ادھر ادھر ڈھلک نہ جائے۔ اسی زمین میں جہاں انسانوں کے لئے ہر چیز پیدا کی وہیں جانوروں کے لئے بھی غذا پیدا کی گئی۔ حالانکہ اصولاً تو ان جانوروں کا رزق انسانوں کے ذمے ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ ان کو استعمال کرتے ہیں لیکن فرمایا کہ انسان ہوں یا جانور زمین پر رینگنے والے، سمندروں میں پلنے والے جانور اور فضاؤں میں اڑنے والے پرندوں کا رزق ہمارے ذمے ہے انسان کی یہ ذمہ داری نہیں رکھی گئی۔ فرمایا کہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا اتنا بڑا نظام خود بخود چل رہا ہے؟ حالانکہ زمین و آسمان کا یہ پورا نظام اپنے خالق و مالک کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ کوئی ذات ہے جو اس پورے نظام کو چلا رہی ہے۔ فرمایا کہ ہم نے ہر چیز کو ایک خاص تعداد، اندازے اور توازن سے پیدا کیا ہے۔ زمین مین اتنے خزانے چھپا دیئے ہیں کہ وہ ہر دور کے انسانوں کی ضرورت کے لئے کافی ہیں۔

۴) پھر فرمایا کہ ہم نے صرف زمین ہی نہیں بنائی بلکہ اس زمین کو سیراب کرنے کا بھی ایک نظام بنایا ہے خوب ہوائیں چلائیں جو بادلوں کو لے کر چلتی ہیں۔ پھر اللہ جہاں چاہتا ہے ان بادلوں سے پانی برسا دیتا ہے جس سے زمین کی پیاس بجھ جاتی ہے اور مردہ زمین کو ایک نئی زندگی مل جاتی ہے۔ اس پانی سے نہریں چشمے دریا اور ندیاں بہتی ہیں جو پورے سال مستقل اس زمین پر رہنے والے انسانوں کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ حالانکہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں بنائی بلکہ وقتی گذارے کے لئے بنائی گئی ہے۔ آخر کار یہ زمین بھی فنا کر دی جائے گی صرف ایک اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ وہ اللہ تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور ایک میدان میں جمع کر کے ان سے پوری زندگی کا حساب لے گا۔ جو لوگ نیکیوں اور پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گذار کر آئیں گے ان کے لئے جنت کی ابدی راحتیں ہوں گی لیکن جو لوگ اللہ کی نافرمانی میں زندگی گذار کر آئے ہوں گے ان کے لئے ابدی جہنم اور اس کی آگ ہوگی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا

الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع

ترجمہ: آیت نمبر ۲۶ تا ۴۴

اور بے شک ہم نے انسان کو کھنکھناتے ہوئے سیاہ سڑے گارے سے بنایا ہے۔ اور جنات کو پہلے ہی سے ایک ایسی آگ سے پیدا کیا جس میں دھواں نہ تھا اور جب آپ ﷺ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتے ہوئے سڑے گارے سے انسان کو پیدا کروں گا پھر جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ میں گر جانا۔ اس کے بعد سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا۔ اس نے اس بات کو قبول نہیں کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ نے کہا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ ابلیس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں جو اس بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے کھنکھناتے ہوئے سڑے گارے سے پیدا کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا۔ پس بے شک تو مردود ہے۔ اور بے شک تجھ پر انصاف کے دن (قیامت) تک لعنت ہے۔ اس نے کہا میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دیدیجئے جس دن سب مردے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ بے شک تو مہلت دیئے جانے والوں میں سے ہے اس دن تک جس کا وقت مقرر ہے۔ کہنے لگا میرے رب جب کہ تو نے مجھے بہکا دیا ہے تو میں ان کے لئے زمین میں (گناہ کو) خوبصورت بناؤں گا اور میں ضرور سب کو گم راہ کروں گا۔ سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔ اللہ نے کہا یہی راستہ سیدھا میری طرف آتا ہے۔ بے شک میرے (مخلص) بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا سوائے ان لوگوں کے جو تیرے پیچھے لگ جائیں گے۔ اور بے شک سب گمراہوں کے لئے جہنم وعدہ کی جگہ ہے۔ جس جہنم کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے میں ایک حصہ ان کے لئے مخصوص ہوگا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۶ تا ۴۴

صَلْصَالٌ	وہ مٹی جو سوکھ کر سخت ہوجائے اور بجنے لگے	حَمَاٍ	سڑی ہوئی مٹی، کیچڑ۔
مَسْنُوْنٌ	گوندھی گئی۔	جَآنٌّ	جن
اَلسَّمُوْمُ	لو	سَوَّيْتُ	میں نے برابر کر دیا۔ ٹھیک کرلیا
نَفَخْتُ	میں نے پھونک دیا۔ پھونک ماردی	رُوْحِیْ	میری روح

قَعُوْا	گر پڑو	اَبٰی	انکار کیا
اَنْ يَكُوْنَ	یہ کہ وہ ہو	مَالَکَ	تجھے کیا ہوا
لَمْ اَكُنْ	میں نہیں ہوں	بَشَر	انسان
اُخْرُجْ	نکل جا	لَعْنَةٌ	لعنت، اللہ کی رحمت سے دوری
اَنْظِرْنِیْ	تو مجھے مہلت دیدے	يُبْعَثُوْنَ	(اٹھائے جائیں گے)
اَغْوَيْتَ	(اغواء) تو نے سیدھی راہ سے ہٹادیا	سُلْطٰنٌ	قوت، زور
اَلْغٰوِيْنَ	بھٹکنے والے	مَوْعِد	وعدہ کی جگہ
سَبْعَةُ اَبْوَاب	سات دروازے	جُزْءٌ	حصہ
مَقْسُوْمٌ	تقسیم کیا گیا		

تشریح: آیت نمبر ۲۶ تا ۴۴

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں کائنات اور اس کے عظیم الشان نظام کا ذکر فرمایا تھا کہ اس اللہ نے ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، شجر و حجر، دریا و سمندر اور ہر طرح کے پھلوں کو پیدا کیا تا کہ انسان اپنی زندگی کا سامان حاصل کر سکے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کی تخلیق، انسانی عظمت کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرنے اور ابلیس کی نافرمانیوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو کھنکھناتے ہوئے سیاہ سڑے گارے سے بنایا ہے۔ اور جنات کو انسانوں سے بھی پہلے ایسی آگ سے پیدا کیا جو صاف و شفاف اور بغیر دھوئیں کے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ میں ایسی مٹی سے انسان کو بنا رہا ہوں جو بجنے والی اور سڑے گارے والی ہے۔ جب میں انسانی پتلہ بنا کر اس میں روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ کرنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس (شیطان) جو قوم جنات سے تھا اور فرشتوں کا سردار تھا اس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے ابلیس جب میں نے آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو تجھے کیا ہوا کہ تو نے اس کو سجدہ نہیں کیا۔ ابلیس نے کہا کہ میں ایسے بشر کو کیسے سجدہ کر سکتا تھا جو بجنے

والی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی میں تو صاف شفاف آگ سے پیدا کیا گیا ہوں جس میں دھواں تک نہ تھا جب کہ انسان ایک حقیر مادہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کو میرے قدموں پر جھکنا چاہئے تھا۔ یہ اسکا تکبر اور اپنی ذات کی بڑائی تھی جو اللہ کو پسند نہیں آئی۔ فرمایا کہ اے ابلیس تو یہاں سے نکل جا (جنت سے، آسمانوں سے، گروہ ملائکہ سے) تو اللہ کی بارگاہ سے نکالا ہوا ہو گیا اور بے شک قیامت تک تیرے اوپر لعنت برستی رہے گی یعنی تو اللہ کی رحمت سے دور رہے گا۔

مزید تکبر کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اے اللہ! مجھے اس دن تک کی مہلت دیجئے جب سارے انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے یعنی قیامت تک۔ اللہ نے فرمایا کہ ایک مدت مقرر تک یعنی قیامت تک تجھے مہلت دیدی گئی۔ ابلیس کہنے لگا کہ اے اللہ جیسا کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا (نعوذ باللہ۔ اللہ پر ہی الزام لگا دیا) میں بھی زمین میں ان کے لئے دل فریب نظارے بکھیر دوں گا اور ان کو گمراہ کروں گا۔ ہاں البتہ وہ لوگ جو تیرے خالص بندے ہیں میں ان کا کچھ نہ کر سکوں گا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہی راستہ سیدھا میری طرف آتا ہے یعنی یہی لوگ جو صراط مستقیم پر ہوں گے ان پر تیرا کوئی زور نہ چل سکے گا۔ رہے وہ لوگ جو تیرے پیچھے چلیں گے ان سے دوزخ کو بھر دوں گا' فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے ہیں ان کفار کے جیسے اعمال ہوں گے میں اس کے مطابق ان کو ان دروازوں سے گذار دوں گا۔

ان آیات سے متعلق چند ضروری وضاحتیں ملاحظہ کر لیجئے۔

۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر جگہ یہی اشاد فرمایا ہے کہ اس نے انسانوں کو ایک ایسی مٹی اور گارے سے بنایا ہے جو سڑا ہوا، سیاہ اور کھنکھنانے والا اور بجنے والا مادہ ہے۔ یعنی انسان کو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے کہ وہ زمین کے اعلیٰ ترین مادے سے نہیں بلکہ سڑے ہوئے مادہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اللہ نے اس انسان کو کائنات میں عظمت عطا فرمائی ہے اور شیطان کے تکبر نے اسے قیامت تک اللہ کی بارگاہ سے نکلوا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل ہے انسان میں خوبی اس کے حکم اور اطاعت سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

۲) تکبر اتنی بری چیز ہے کہ وہ عزازیل جو قوم جنات سے تھا اور تمام فرشتوں کا سردار بنا دیا گیا تھا جب اس نے اللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی، تکبر، غرور اور بڑائی اختیار کی تو اللہ نے اس کو نہ صرف فرشتوں کی سرداری، جنت کی راحتوں اور عزت سے محروم کر دیا بلکہ قیامت تک اس کو ابلیس اور شیطان کا نام دے دیا اور فرما دیا کہ جو شخص بھی اس متکبر اور مغرور کا کہا مانے گا اللہ اس سے اسی طرح ناراض ہو کر اس کو ابدی جہنم میں جھونک دے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تکبر اور نافرمانی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔

۳) جو اللہ کے نیک اور مخلص بندے ہیں شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ان کی حفاظت اللہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگ صراط مستقیم پر ہیں اور جنت کی ابدی راحتوں کے مستحق ہیں۔

۴) اس کے برخلاف شیطان کے طریقوں کو اپنانے والے جیسے ان کے اعمال ہوں گے ہر ایک کے لئے ایک دروازہ بنا دیا ہے۔ جہنم کے کل سات دروازے ہیں۔ ان لوگوں کو ان دروازوں سے گذرنا ہوگا۔
جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس طرح جہنم کے سات دروازے ہیں اسی طرح جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ان دروازوں سے اپنے اعمال کے مطابق ہر شخص جنت میں داخل ہوگا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۵ تا ۵۰

بے شک اہل تقویٰ کیلئے جنتیں اور چشمے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم ان میں امن اور سلامتی کے ساتھ بے فکر ہو کر داخل ہو جاؤ۔ اور ان کے دلوں میں جو باہمی رنجش ہوگی اس کو ہم نکال دیں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔ ان جنتوں میں ان کے لئے نہ تو تکلیف (بے سکونی اور محنت و مشقت) ہوگی اور نہ وہ ان سے نکالے جائیں گے۔ (اے نبی ﷺ) آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہوں (لیکن) بے شک میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۵ تا ۵۰

عُيُوْنٌ (عَيْنٌ)۔ چشمے

اُدْخُلُوْا	تم داخل ہو جاؤ
سَلَامٌ	سلامتی۔ امن وسکون
نَزَعْنَا	ہم نے کھینچ نکالا
غِلٌّ	باہمی رنجش، ناراضگی۔ کینہ
سُرُرٌ	(سَرِیْرٌ)۔ تخت۔ بیٹھنے کی اونچی جگہ
مُتَقَابِلِیْنَ	ایک دوسرے کے سامنے
نَصَبٌ	بے سکونی۔ محنت ومشقت۔ تکلیف
نَبِّئْ	بتادے۔ خبردار کردے

تشریح: آیت نمبر ۴۵ تا ۵۰

حضرت آدمؑ کی پیدائش، ان کا جنت میں قیام، اور شیطان کی نافرمانی کے بعد جب شیطان نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی مہلت مانگی اور وہ مہلت دیدی گئی اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کریں گے ان کو جنت کی دائمی راحتیں عطا کی جائیں گی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں بردار بندوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی کی زندگی اختیار کریں گے ان کو ایسی جنتیں عطا کی جائیں گی جن میں دودھ، پانی اور شہد کے چشمے جاری ہوں گے جو بھی اہل تقویٰ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم ان جنتوں میں داخل ہو جاؤ اور امن وسلامتی کی زندگی اور راحتیں حاصل کرو۔ ان کے دلوں میں اگر کچھ کدورتیں، نفرتیں یا کینہ ہوگا تو وہ سب نکال کر اس کی جگہ محبت اور پیار بھر دیا جائے گا اور وہ حقیقی بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔ نہ ان جنتوں میں کوئی محنت، مشقت اور روزی کے لئے بھاگ دوڑ ہوگی اور نہ وہ کبھی ان جنتوں سے نکالے جائیں گے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

> اہل جنت سے کہا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ تندرست رہو گے۔ تم کبھی بیمار نہ پڑو گے اب تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ اب تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ تم ہمیشہ جوان رہو گے تمہارے اوپر بڑھاپا نہیں آئے گا۔ اب تم (اسی جنت میں) مقیم رہو گے۔ اب تمہیں سفر کی مشقتیں نہ اٹھانا پڑیں گی۔

ان آیات کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ میں اپنے

بندوں پر بہت زیادہ مہربان ہوں اور ان کی خطاؤں کو بہت معاف کرنے والا ہوں۔ لیکن جب میں گناہ گاروں کو پکڑنے پر آتا ہوں تو بہت سخت پکڑتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ ان کی بڑی سے بڑی خطا معاف کرسکتا ہے۔ اور کرتا ہے لیکن وہ صرف ایک مہربان و شفیق ہی نہیں ہے بلکہ وہ ان لوگوں کو جو گناہ اور خطاؤں سے باز نہیں آتے جب ان کو پکڑنے پر آتا ہے تو کوئی اس سے چھڑا نہیں سکتا۔

وقف لازم

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلٰى أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقٰنِطِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِينَ ﴿٦٠﴾

ع ۴

ترجمہ: آیت نمبر ۵۱ تا ۶۰

اے نبی ﷺ انہیں ابراہیمؑ کے مہمانوں کا حال سنا دیجئے جب وہ اس کے پاس آئے تو انہوں نے اس کو سلام کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ بے شک ہمیں تم سے ڈر محسوس ہو رہا ہے۔ (فرشتوں نے) کہا آپ نہ ڈریئے۔ بے شک ہم تو آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی خوش خبری دینے آئے ہیں۔ (ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم مجھے اس حال میں خوش خبری سنا رہے ہو کہ جب مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے۔ پھر تم کس چیز کی خوش خبری دے رہے ہو؟ (فرشتوں نے) کہا ہم آپ کو بالکل سچی خوش خبری دے

رہے ہیں اور آپ ناامید لوگوں میں سے نہ ہوں۔ (ابراہیمؑ نے) کہا (اس میں کوئی شک نہیں) کہ اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ اب تمہارا ارادہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ سوائے لوطؑ کے گھرانے کے ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ البتہ ہم ان سب کو بچالیں گے سوائے لوطؑ کی بیوی کے جس کے لئے ہم نے اندازہ کرلیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں (یعنی مجرم قوم میں رہ جانے والی) ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۱ تا ۶۰

ضَیۡفٌ — مہمان

وَجِلُوۡنَ — (وَجِلٌ)۔ ڈرنے والے

لَا تَوۡجَلۡ — تو خوف نہ کر۔ تو نہ ڈر

نُبَشِّرُکَ — ہم خوش خبری دیتے ہیں تم کو۔

غُلَامٌ عَلِیۡمٌ — علم رکھنے والا لڑکا

اَلۡکِبَرُ — بڑھاپا

اَلۡقَانِطِیۡنَ — مایوس ہونے والے

اَلضَّآلُّوۡنَ — بھٹکنے والے۔ گم راہ

مَا خَطۡبُ — کیا اصل کام ہے ؟

اَلۡمُرۡسَلُوۡنَ — بھیجے ہوئے

مُنَجُّوۡھُمۡ — ہم ان کو بچالیں گے

قَدَّرۡنَا — ہم نے فیصلہ کرلیا۔ اندازہ کرلیا

اَلۡغٰبِرِیۡنَ — پیچھے رہ جانے والے

تشریح: آیت نمبر ۵۱ تا ۶۰

اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ ہزاروں گناہوں اور مسلسل خطاؤں کے باوجود وہ کسی کو ہر خطا پر نہیں پکڑتا لیکن جب کوئی بندہ یا کوئی قوم گناہ پر گناہ اور اللہ کی نافرمانیوں کی انتہا کر دیتی ہے تب اس کی گرفت کی جاتی ہے۔ اللہ ہر آن اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے اپنی رحمتیں بکھیرتا رہتا ہے۔ گذشتہ آیات میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا اے نبی ﷺ! آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں بہت مغفرت کرنے والا مہربان ہوں لیکن جب میں گرفت کرتا ہوں تو پھر مجھ سے کوئی اپنے آپ کو چھڑا نہیں سکتا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی دو کیفیات کا ذکر فرمایا ہے۔ کچھ فرشتے خوبصورت انسانوں کی شکل میں حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابراہیم ان کے اجنبی چہروں سے ان کو مہمان سمجھ کر فوراً ہی گھر کے اندر تشریف لے گئے تا کہ جو کچھ میسر ہو وہ مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ گھر میں بچھڑا تھا حضرت ابراہیمؑ نے اس کو ذبح کیا اور بھنا ہوا گوشت لے کر مہمانوں کے پاس تشریف لائے تا کہ مہمان جی بھر کر کھانا کھالیں۔ مگر حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ وہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہیں۔ اس زمانہ میں اگر کوئی اجنبی مہمان کھانے سے انکار کر دیتا تو یہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ اس کے ارادے بظاہر اچھے نہیں ہیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ کے اصرار کے باوجود انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا تو حضرت ابراہیمؑ کے دل میں یہ خوف پیدا ہونا قدرتی بات تھی کہ ان لوگوں کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ تب فرشتوں نے اپنے آپ کو حضرت ابرہیمؑ پر ظاہر کر دیا کہ وہ اللہ کے فرشتے ہیں جو ان کو (حضرت ابرہیمؑ کو) حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی خوش خبری دینے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے بے ساختہ کہا کہ اس بڑھاپے میں اولاد کی خوش خبری کیسے ممکن ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ابراہیمؑ ہم نے جو کچھ خوش خبری دی ہے وہ برحق ہے اور آپ مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ کی رحمت سے مایوس تو صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو گمراہ ہیں پھر حضرت ابراہیمؑ کے پوچھنے پر ان فرشتوں نے کہا کہ ہم قوم لوط جیسی مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ البتہ حضرت لوطؑ کے گھر والوں کو نجات دینے کے لئے آئے ہیں لیکن ان کی وہ بیوی جو نافرمان ہے اور اللہ پر یقین نہیں رکھتی ان مجرمین کی ساتھی ہے وہ بھی اس قوم کے ساتھ رہ جائے گی جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔

ان آیات کی چند باتوں کی وضاحت ملاحظہ کر لیجئے:

۱) ضیف ابراہیمؑ:----- ابراہیمؑ کے مہمان یعنی انہوں نے اپنے مہمانوں کے لئے کس قدر زبردست خلوص پیش کیا کہ ان کو سب سے پہلے اس بات کی فکر ہوگئی کہ یہ اجنبی مہمان ہیں یقیناً دور دراز سے آئے ہیں۔ بھوک پیاس سے نڈھال ہوں گے ہر بات سے پہلے ان کی مہمان داری میں لگ گئے۔ اپنے مہمانوں کی تواضع کے لئے خود ہی محنت و مشقت میں لگ گئے۔ نبی کریم ﷺ بھی اسی سنت انبیاء پر تھے کہ جب کوئی بھی مہمان آتا تو آپ اپنے دست مبارک سے اس کی خاطر تواضع میں کسر نہیں چھوڑتے تھے۔

۲) جب وہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تو انہوں نے آتے ہی سلام کیا۔ نبی کریم ﷺ کی ہدایات کی روشنی

میں یہ اصول ملتا ہے کہ ہر آنے والا سب سے پہلے موجود لوگوں کو سلام کرے۔ اگر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں تو جو کھڑے ہیں یا آنے والے ہیں وہ ان کو سلام کریں جو بیٹھے ہوئے ہیں۔ البتہ اگر کچھ لوگ تلاوت قرآن کریم یا نماز میں مشغول ہوں تو سلام نہیں کرنا چاہئے۔

۳) دشمن کا خوف طاری ہو جانا تقاضائے بشریت ہے۔ خوف پیدا ہونا بشریت یا نبوت کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے کفار سے چھپ کر رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کفار مکہ کی ایذا رسانیوں سے بچ کر غار ثور میں تین دن تک چھپے رہے اور اس کے بعد آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ وہاں سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے کوئی چیز بعید نہیں ہے۔ وہ انسانوں کی طرح وسائل کا محتاج نہیں ہے بغیر ماں اور باپ کے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا۔ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کیا، ایک سو دس سال کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ جب اللہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کو کرنے کا حکم دیتا ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

۵) ایک مومن اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے تعجب سے کہا کہ اس بڑھاپے میں میرے گھر کیسے اولاد ہو سکتی ہے جبکہ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے یعنی اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر فرشتوں نے عرض کیا کہ یہ اللہ کی رحمت اور اس کی طرف سے خوش خبری ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اس کائنات کے نظام کو چلاتا ہے۔ مایوس تو صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو راہ پر نہ ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ایک مومن کو امید کا دامن تھامے رہنا چاہئے۔

۶) فرشتے مجرم قوم کو تباہ و برباد کرنے اور اللہ کے حکم سے ان تمام لوگوں کو نجات دینے کے لئے آئے تھے جو حضرت لوطؑ کے ماننے والے تھے "آل" سے مراد یہی لوگ ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ حضرت لوطؑ کے گھر والوں کو بھی اللہ کے عذاب سے دور رکھیں لیکن حضرت لوطؑ کی بیوی ان نجات پانے والوں میں شامل نہیں ہوگی کیونکہ وہ مجرم قوم کی ساتھی ہے جس طرح وہ لوگ پیچھے رہیں گے اسی طرح حضرت لوطؑ کی بیوی کا انجام بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اصل چیز ایمان ہے کسی کا رشتہ دار ہونا نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۣ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا

حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿٦٥﴾ وَ قَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰۤؤُلَاۤءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿٧١﴾ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿٧٦﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٧٧﴾ وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ﴿٧٨﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ‌ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ﴿٧٩﴾

وقف لازم ع ۵ ۱۹

ترجمہ: آیت نمبر ٦١ تا ٧٩

پھر جب وہ بھیجے ہوئے (فرشتے) لوطؑ کے گھر والوں کے پاس آئے تو (لوطؑ نے) کہا کہ تم کچھ اجنبی سے لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو اس عذاب کے ساتھ آئے ہیں جس کے آنے میں وہ شک کرتے تھے۔ ہم تمہارے پاس حق کے ساتھ آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔ اور (اے لوطؑ) آپ کچھ رات گئے اپنے اہل خانہ کے ساتھ نکلئے اور خود ان کے پیچھے رہیے۔ اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ اور ویسے ہی کیجئے جس کا آپ کو (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے۔
اور ہم نے (لوطؑ کی طرف) یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان نافرمانوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ اور شہر والے خوشیاں مناتے آئے (لوطؑ نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں پس تم مجھے رسوا نہ کرو، اللہ سے ڈرو اور مجھے رنجیدہ نہ کرو۔ کہنے لگے کہ ہم نے تمہیں سارے جہان کی حمایت سے منع

نہیں کیا تھا۔(لوطؑ نے) کہا یہ میری بیٹیاں (تمہارے گھروں میں) ہیں اگر میرا کہنا کرو۔ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی بدمستی میں اندھے بن رہے تھے۔ پھر سورج نکلتے ہی ان کو ایک سخت دھماکے نے آلیا۔ پھر ہم نے اس بستی کا اوپر کا حصہ نیچے کر دیا (یعنی تہہ و بالا کر دیا) اور پھر ہم نے ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ بیشک اس (واقعہ میں) عقل و سمجھ رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور یہ (آج بھی) ایک آباد راستے پر (نشان عبرت) ہیں اور بے شک ان میں اہل ایمان کے لئے نشانی (عبرت و نصیحت) ہے۔ اور اصحاب الایکہ (بن والے) بڑے ظالم تھے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ اور (عبرت و نصیحت کے لئے) وہ دونوں بستیاں کھلی سڑک پر ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۱ تا ۷۹

مُنْكَرُوْنَ	(مُنْکَرٌ)۔ اجنبی۔ نا آشنا
يَمْتَرُوْنَ	(مِتْرَاءٌ)۔ وہ شک و شبہ کرتے ہیں
اَسْرِ	تو چل دے۔ تو چل پڑ
قِطْعٌ	ٹکڑا۔ حصہ
اَدْبَارٌ	(دُبُرٌ)۔ پیٹھ پیچھے
لَا يَلْتَفِتْ	مڑ کر مت دیکھ۔ متوجہ نہ ہو
اِمْضُوْا	چلتے رہو۔ چلے جاؤ
حَيْثُ	جیسے
تُؤْمَرُوْنَ	تمہیں حکم دیا گیا ہے
قَضَيْنَا	ہم نے فیصلہ کر دیا
دَابِرٌ	جڑ
هٰٓؤُلَاۤءِ	یہ سب

مَقْطُوْعٌ	کاٹ دی گئی
مُصْبِحِيْنَ	صبح ہوتے ہوئے۔صبح صبح
اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ	شہر والے
يَسْتَبْشِرُوْنَ	خوش ہوتے ہیں
لَا تَفْضَحُوْنِ	تم مجھے رسوانہ کرو
لَا تُخْزُوْنِ	تم مجھے رنجیدہ نہ کرو
نَنْهٰى	ہم منع کرتے ہیں
بَنٰتِيْ	میری بیٹیاں (بڑوں کے لئے سب کی بیٹیاں اپنی بیٹیاں کہی جاتی ہیں)
فٰعِلِيْنَ	کرنے والے
لَعَمْرُكَ	البتہ تیری جان (کی قسم)
سَكْرَةٌ	نشہ۔مدہوش
يَعْمَهُوْنَ	مستی میں اندھا بن جاتے ہیں
اَلصَّيْحَةُ	چنگھاڑ۔ہیبت ناک آواز
مُشْرِقِيْنَ	سورج نکلنے کے وقت
عَالِيُ	بلند
سَافِلٌ	نیچے
اَمْطَرْنَا	ہم نے برسایا
حِجَارَةٌ	پتھر
سِجِّيْلٌ	کھردرا پتھر۔پتھر نما
مُتَوَسِّمِيْنَ	غور و فکر کرنے والے۔دھیان دینے والے

مُقِیۡمٌ سیدھا

اِمَامٌ سامنے۔راستہ

تشریح: آیت نمبر ۶۱ تا ۷۹

گذشتہ آیات میں اس بات کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بے انتہا مہربان ہے اور جو بھی دامن مراد پھیلا کر آتا ہے وہ اس کے دامن کو اپنی رحمتوں سے بھر دیتا ہے لیکن جب کوئی قوم اپنے برے اعمال اور نافرمانیوں میں حد سے آگے بڑھ جاتی ہے اور کسی نصیحت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تب اللہ کا وہ فیصلہ آجاتا ہے جس کے بعد معافی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آپ نے اسی سورت میں کفار و مشرکین کے اس مطالبہ کو پڑھ لیا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ سچے ہیں تو آپ کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں بھیجے گئے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ اس سے مجبور اور بے بس نہیں ہے لیکن اس کا اپنا قانون یہ ہے کہ فرشتے اس وقت بھیجے جاتے ہیں جب کسی قوم کی تقدیر کا آخری فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قوم لوط جو اپنی بے حیائی اور خلاف فطرت اعمال میں اتنی آگے بڑھ گئی تھی کہ انسانیت کو اس پر شرم آنے لگی تھی۔ تب اللہ نے چند خوبصورت لڑکوں کی شکل میں اپنے فرشتوں کو بھیجا تا کہ اس قوم کو آخری مرتبہ سمجھا دیا جائے۔ اگر اب بھی وہ ناسمجھی کی اسی راہ پر چلتے رہنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو پھر اللہ کا فیصلہ یعنی عذاب الٰہی اس قوم پر ٹوٹ پڑے گا۔ اور یہی ہوا حضرت ابراہیمؑ کو حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی خوش خبری سنا کر یہ فرشتے حضرت لوطؑ کے گھر پہنچ گئے۔ حضرت لوطؑ بھی ان فرشتوں کو پہچان نہ سکے اور کہنے لگے کہ شاید تم اجنبی ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے لوطؑ ہم تو اللہ کا وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے متعلق ان لوگوں کا یہ گمان تھا کہ شاید ان پر عذاب الٰہی نہیں آئے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم اللہ کے حکم سے آئے ہیں اور اس قوم کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ کے اہل خانہ اور آپ کے ماننے والے جب کچھ رات گذر جائے تو اس بستی سے اس طرح نکل جائیں کہ کوئی پیچھے پلٹ نہ کر دیکھے ہر شخص اس حکم کی تعمیل کرے جو اللہ کی طرف سے ان کو دیا گیا ہے۔ کیونکہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ جب اس قوم کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ دیا جائے گا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیوی جو اللہ کے نافرمانوں کے ساتھ ملی ہوئی تھی اور اس نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اس نے شہر کے لوگوں کو اس بات کی اطلاع کر دی کہ حضرت لوطؑ کے پاس کچھ خوبصورت لڑکے بطور مہمان آئے ہوئے ہیں۔ یہ قوم جو اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکی تھی یہ سن کر حضرت لوطؑ کے دروازے پر پہنچ گئی اور انداز ایسا تھا جیسے

ان لوگوں کو اس اطلاع سے بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے کہ کچھ خوبصورت لڑکے ان کے شہر میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے آتے ہی اس بات کا مطالبہ کیا کہ اے لوطؑ ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت لوطؑ نے فرمایا کہ دیکھو یہ میرے مہمان ہیں مجھے مہمانوں کے سامنے رسوا نہ کرو۔ اللہ کا خوف کرو اور مجھے رنجیدہ نہ کرو۔ لڑکیوں کی موجودگی میں لڑکوں کی طرف کیوں مائل ہوتے ہو۔ ہماری بیٹیاں ہیں اگر تم ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو کونسی رکاوٹ ہے۔ انہوں نے کہا لوطؑ ہم نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ تم سارے جہاں کی حمایت نہ کیا کرو یعنی اپنے کام سے کام رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی عمر کی قسم کھا کر فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ کی عمر کی قسم وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بن چکے تھے یعنی ہر طرح کے خیر اور شر کا احساس ان کے دلوں سے مٹ چکا تھا۔ اس قوم کے لئے یہ آخری موقع تھا مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے چنانچہ حضرت لوطؑ اور ان کے گھر والوں (سوائے ان کی بیوی کے) اور ان پر ایمان والوں کو نجات عطا کر دی گئی۔ اور پھر ان کی پوری بستی کو ان پر اس طرح الٹ دیا گیا کہ نیچے کی زمین اوپر آ گئی اور اوپر کی زمین نیچے چلی گئی اور پتھروں کی بارش کر دی گئی اور سمندر کا پانی ان کی بستیوں پر اس طرح چڑھا دیا گیا کہ آج اس سمندر کا نام ہی بحرمیت یا بحر مردار رکھ دیا گیا ہے جس کی عجیب و غریب خصوصیات ہیں۔ اس سمندر کا یہ عالم ہے کہ اس میں معمولی سے معمولی جانور بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس سمندر کے غیض و غضب کا آج بھی یہ عالم ہے کہ اس پانی کو یہ بھی گوارا نہیں کہ اس میں کوئی کشتی چل سکے۔ سنا ہے کہ اگر کوئی اس پانی پر لیٹ جائے تو یہ سمندر اس کو ڈبوتا نہیں بلکہ کسی بھی وجود کو اپنے اندر لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ غرضیکہ سمندر کے اس پانی کو ان کی بستیوں پر چڑھا کر ان کو ڈبو دیا گیا۔ ان پر پہلے پتھروں کی بارش کی گئی پھر پوری بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا۔ آج یہ قوم اپنے برے اعمال کی وجہ سے ساری دنیا کے لئے نشان عبرت بن کر رہ گئی ہے۔ اس واقعہ کو بیان کر کے اللہ نے "اصحاب الایکہ" کی نافرمانیوں اور ان کی تباہی کا بھی ذکر کیا ہے ایکہ کے معنی گھنے اور گنجان درخت کے ہیں۔ یہ حضرت شعیبؑ کی قوم تھی یعنی بن اور جنگل والے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ ان کی ہدایت کے لئے حضرت شعیبؑ کو بھیجا گیا تھا۔ یہ قوم بھی بہت ظالم و جابر کفر و شرک ڈاکہ زنی اور ناپ تول میں کمی اور عیاشیوں میں بہت مشہور ہے۔ اس قوم کا بھی یہ حال ہوا کہ جب ان کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں اور حضرت شعیبؑ کی بات کو انہوں نے نہیں مانا آخر کار اللہ کا فیصلہ آ گیا سات دن اور سات رات اتنی شدید گرمی پڑی کہ اس گرمی سے وہ لوگ بوکھلا اٹھے۔ آٹھویں دن بڑے گہرے بادل فضاؤں پر چھا گئے وہ قوم بہت خوش تھی کہ اب بارش ہوگی اور گرمی کی یہ شدت کم ہو جائے گی۔ مگر اچانک ان بادلوں سے آگ برسنا شروع ہوگئی اور پوری قوم راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی وہ ان کی عمارتیں، خوبصورت سڑکیں اونچی اونچی بلڈنگیں۔ مال و دولت قوت و طاقت سب ایک لمحہ میں بھسم ہو کر رہ گئی مدینہ منورہ سے ملک شام کی طرف جاتے ہوئے آج ان کی بستیوں کے کھنڈرات اور جلی ہوئی بستیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ان آیات میں چند باتوں کی مزید وضاحت عرض ہے:

۱) قوم لوطؑ کو خلاف فطرت جس فعل کی اتنی بھیانک سزا دی گئی کہ آج بحرمیت معمولی سی جان کو بھی اپنے اندر پنپنے کا موقع نہیں دیتا اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ ہمارے دور میں پھر اس فعل بد کو بڑے پیمانے پر تحفظ فراہم کیا جارہا ہے۔ قوم لوط کا تو یہ جرم تھا کہ لڑکوں سے بدفعلی کرتے تھے۔ان کے فیشن اور معاشرہ کا ایک حصہ بن گیا تھا۔لیکن آجکل یورپ اور براعظم امریکہ میں تو اس بات کو بھی قانونی تحفظ دیدیا گیا ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ شادی کرسکتی ہے۔شادی کا تو صرف نام ہے درحقیقت یہ بھی بدکاری کو تحفظ دینا ہے۔اسی طرح ہر مرد مرد سے شادی کرسکتا ہے اس کو بھی قانونی تحفظ دیدیا گیا ہے آج جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایسے بدکار مرد اور بدکار عورتیں جلوس نکال کر اپنے حقوق اور مزید آزادی کا مطالبہ کررہے ہیں اور جمہوریت کے نام پر یہ حکومتیں مجبور ہیں کہ جو عوام چاہتے ہیں وہی کام کئے جائیں۔ مجھے ایک بہت بڑا ڈر ہے کہ ان بدکاروں کی وجہ سے ایک دفعہ پھر یہ ساری دنیا تباہ و برباد ہوکر نہ رہ جائے۔ آثار تو شروع ہوچکے ہیں اور یہ پیشین گوئیاں شروع ہوچکی ہیں کہ امریکہ کا آدھا حصہ کسی بھی وقت کسی زلزلے کے نتیجے میں سمندر کے نیچے چلا جائے گا۔ یہ ہماری ظاہری آنکھیں دیکھ رہی ہیں نجانے قدرت کا کیا فیصلہ ہے اس کا تو کسی کو علم نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا اس فعل بد کی وجہ سے تباہ و برباد ہوکر رہ جائے۔

۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو بتادیا کہ نجات صرف ان ہی لوگوں کو مل سکتی ہے اور ملتی رہی ہے جنہوں نے اللہ سے اور اس کے رسولوں سے وابستگی اختیار کی ہے۔ چنانچہ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کے ان لوگوں کو بچالیا گیا جو صاحب ایمان تھے اور بے ایمانوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔

۳) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی عمر کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اے نبی تمہاری جان کی قسم یہ قوم اپنی بدمستی میں اندھی ہوچکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں زمین و آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کی قسم کھائی ہے جو اس کی شان کے مطابق ہے اور سات مقامات پر اللہ نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے اور اس جگہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کی عمر کی قسم کھائی ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی عمر مبارک کی قسم کھائی ہے یہ وہ اعزاز اور شرف ہے جو کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرامؑ میں نبی کریم ﷺ سب سے افضل و برتر ہیں۔عرب کا عام رواج یہ تھا کہ جب کسی چیز کی قسم کھائی جاتی تھی تو وہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ جو بات کی جارہی ہے وہ یقینی ہے۔ہمیں اور آپ کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بھی قسم کھائیں لیکن اللہ جس چیز کی بھی قسم کھائیں یہ ان کی شان کے مطابق ہے کیونکہ ساری کائنات ان ہی کی ملکیت ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۰ تا ۸۶

حجر کے رہنے والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ حالانکہ ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دی تھیں۔ مگر انہوں نے اس سے روگردانی کی۔ وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے اور وہ مطمئن تھے۔ پھر انہیں صبح کے وقت ایک چنگھاڑ نے آلیا۔ توان کا کیا دھرا ان کے کچھ بھی کام نہ آیا اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بغیر مصلحت کے پیدا نہیں کیا۔ اور بے شک قیامت آنے والی ہے۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ درگذر کیجئے۔ بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۰ تا ۸۶

مُعْرِضِيْنَ	منہ پھیر کر چلنے والے۔ نظر انداز کرنے والے
اَلْجِبَالُ	(اَلْجَبَلُ)۔ پہاڑ
اٰمِنِيْنَ	امن وسکون سے رہنے والے
مَا اَغْنٰى	کام نہ آیا

يَكْسِبُوْنَ	وہ کماتے ہیں
اَلسَّاعَةُ	قیامت
اِصْفَعْ	درگذر کر
اَلصَّفْحُ الْجَمِيْلُ	اچھی طرح خوبی سے درگذر کرنا

تشریح: آیت نمبر ۸۰ تا ۸۶

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح اور قوموں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا ان ہی میں اصحاب الحجر بھی تھے'' الحجر'' قوم ثمود کے اس مرکزی شہر کا نام ہے جس کے کھنڈرات آج بھی مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں تبوک جاتے ہوئے پڑتے ہیں۔ یہ جگہ چونکہ اللہ کے عذاب سے تباہ و برباد کر دی گئی تھی اس لئے جب نبی کریم ﷺ اس مقام سے گذرے تو آپ نے اس تباہ شدہ بستی کے قریب جانے سے منع فرمادیا۔ اسی لئے یہاں کوئی قافلہ گذرتا تو وہ اس وادی میں قیام نہیں کرتا تھا۔ قوم ثمود دنیا کی متمدن ترین قوم تھی ان کی تہذیب معاشرت اور معیشت نہایت ترقی یافتہ تھی۔ ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ ان کی تعمیرات کا یہ حال تھا کہ وہ پہاڑوں کو نہایت خوبصورتی سے تراش تراش کر بیس بیس منزلہ عمارتیں بناتے تھے جن کی تعمیرات کے نمونے آج تک موجود ہیں۔ دنیاوی ترقی کا تو یہ عالم تھا لیکن کفر و شرک اور بدعات نے اس قوم کو اعمال و اخلاق کے اعتبار سے بالکل کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا انبیاء کرام تشریف لاتے رہے مگر انہوں نے اپنے مال و دولت بلند و بالا عمارتوں اور تہذیب و تمدن کی بدمستی میں اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کو اور ان کی تعلیمات کو حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ آخر کار اللہ کا وہ فیصلہ آ گیا جو نافرمان قوموں کا مقدر ہوتا ہے۔ ایک زبردست اور تیز آواز نے ان کی تہذیب اور ترقیات کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور وہ دنیاوی وسائل جن پر اس قوم کو ناز تھا ان کے کام نہ آ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کفار مکہ کو بھی اس بات پر آگاہ کیا ہے کہ دوسری قوموں کے حالات سے سبق حاصل کریں اور اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان لے آئیں۔ اگر انہوں نے بھی ان کی ناقدری کی اور اس موقع کو غنیمت نہ سمجھا تو وہ اپنے برے انجام پر غور کر سکتے ہیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کفار کی ایذا رسانیوں اور ظلم و ستم سے نہ گھبرائیں۔ اللہ نے آسمان و زمین اور اس پوری کائنات کا نظام یونہی نہیں بنایا بلکہ ایک نظام کے تحت بنایا ہے۔ حالات جگہ اور قومیں بدلتی رہتی ہیں۔ قومیں عروج و زوال کا شکار ہوتی رہتی ہیں لیکن وہ خالق کائنات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ اس نظام کائنات کا نگراں ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ان کو ان کے انجام سے باخبر کر دیجئے اور ان سے درگذر کیجئے اگر ابھی یہ کسی طرح بچ بھی گئے تو قیامت دور نہیں ہے۔ ایک ایک بات کا فیصلہ ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ
سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ
عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا
النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾
الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ
اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ
يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ
اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ
مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۷ تا ۹۹

اور یقیناً ہم نے آپ کو بار بار دھرائی جانے والی سات آیتیں اور عظیم قرآن عطا کیا ہے۔ آپ ان مختلف چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے کافروں کو دے رکھی ہیں۔ اور نہ آپ رنجیدہ ہوں اور اہل ایمان پر شفقت و محبت رکھئے۔ اور آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تو صاف صاف ڈرسنانے والا ہوں۔ جیسا کہ ہم نے (کتاب الٰہی کو) تقسیم کرنے والوں پر عذاب نازل کیا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے قرآن عظیم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (کچھ کو مانا اور کچھ کو نہ مانا)۔ آپ کے رب کی قسم ہم ان سے ضرور پوچھیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے تھے (اے نبی ﷺ) آپ کو جس بات کا حکم

دیا گیا ہے اس کو کیجئے اور مشرکین سے منہ پھیر لیجئے بے شک ہم مذاق اڑانے والوں (کے خلاف) آپ کے لئے کافی ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ پھر وہ بہت جلد (اس حقیقت کو) جان لیں گے۔ البتہ ہم ان تمام باتوں سے واقف ہیں جو وہ کہتے ہیں جس سے آپ دل تنگ نہ ہوں۔ آپ اپنے رب کی حمد وثناء کیجئے اور سجدے کرنے والوں میں سے ہو جائیے۔ اپنے رب کی عبادت و بندگی کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی بات (یعنی موت) آ جائے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۷ تا ۹۹

اٰتَیۡنٰکَ	ہم نے تجھے دیا
سَبۡعٌ	سات
اَلۡمَثَانِیۡ	بار بار پڑھی جانے والی چیز
لَا تَمُدَّنَّ	ہرگز نہ پھیلا۔ ہرگز نہ بڑھا
عَیۡنَیۡکَ	اپنی آنکھیں
مَتَّعۡنَا	ہم نے سامان دیا
اَزۡوَاجٌ	جوڑے۔ قسم قسم کی چیزیں
اِخۡفِضۡ	جھکائے رکھ
جَنَاحٌ	پر۔ بازو
اَلۡمُقۡتَسِمِیۡنَ	تقسیم کرنے والے۔ بانٹنے والے
عِضِیۡنٌ	(عُضوٌ)۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا
نَسۡئَلَنَّ	ہم ضرور پوچھیں گے

اِصۡدَعۡ	صاف صاف کہہ دے
اَعۡرِضۡ	منہ پھیر لے۔ نظر انداز کردے
کَفَیۡنٰکَ	ہم تیرے لیے کافی ہیں
یَضِیۡقُ	تنگ ہوتا ہے
اَلۡیَقِیۡنُ	یقینی بات۔ موت

تشریح: آیت نمبر ۸۷ تا ۹۹

سورۃ الحجر کی آخری آیات جن پر اس سورت کو مکمل فرمایا گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زیب و زینت اور اس کے مقابلے میں قرآن کریم کی شان اور عظمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے کہ آج یہ دنیا پرست اپنے مال و دولت پر فخر و غرور کر رہے ہیں ان کو اپنی سرداریوں اور اعلیٰ خاندانوں پر بڑا ناز ہے اور اسی غرور و تکبر کے نشے میں یہ صحابہ کرامؓ پر مشق ستم کر رہے ہیں صحابہ کرامؓ کی غربت و افلاس کا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن ان کو نہیں معلوم کہ یہ دنیا کی دولت اور عیش و آرام بہت جلد ختم ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی باقی رہنے والی چیز نہیں ہے گذشتہ قومیں تو ان سے بھی زیادہ مضبوط اور طاقت ور تھیں لیکن آج ان کا وجود اس طرح مٹ گیا ہے کہ ان کی تہذیب و ترقی کے کھنڈرات نشان عبرت بنے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ نے آپ کو سارا قرآن کریم عطا فرمایا ہے اور سات ایسی آیتیں عطا فرمائی ہیں جو زمانے اور حالات کے بدلنے سے نہیں بدلیں گی اور نہ ختم ہوں گی بلکہ ہمیشہ باقی رہیں گی۔ قرآن کریم ایک عظیم نعمت ہے اس نعمت کے مقابلے میں دنیا کی ساری زیب و زینت اور مال و دولت کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ہم جانتے ہیں کہ کفار کے ظلم و ستم اور ذہنی اذیتوں سے آپ اپنے دل میں ایک تنگی سی محسوس کرتے ہیں لیکن وقت اور حالات بدلنے والے ہیں۔ آپ اپنے صحابہ کرامؓ پر شفقتیں فرمایئے اور ہر چیز سے بے نیاز ہو کر اللہ کا دین پہنچایئے کیونکہ اللہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جنہوں نے اللہ کے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے جب جس حکم کو چاہتے ہیں مانتے ہیں جس حکم کو چاہتے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ان سے نبٹنے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ ان کو اپنے کھلونوں سے کھیلنے دیجئے وہ وقت دور نہیں جب ان کا انجام بھی ان کے سامنے آجائے گا آپ زندگی کے

آخری سانس تک اللہ کا دین پہنچانے کی کوشش کرتے رہیئے اور کسی ظالم و جابر کی پرواہ نہ کیجئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کا دین پہنچانے کے لئے چپکے چپکے تبلیغ دین فرمایا کرتے تھے لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی "فاصدع بما تومر" (یعنی آپ وہ کیجئے جس کا حکم دیا گیا ہے) تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے کھلم کھلا دین اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔

الحمدللہ سورۃ الحجر کا ترجمہ وتشریح مکمل ہوئی۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۴

ربما

سورة نمبر ١٦

النَّحۡل

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۃ النّحل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ نمبر	16
رکوع	6
آیات	128
الفاظ وکلمات	1871
حروف	7974
مقام نزول	مکہ مکرمہ

یہ سورۃ بھی مکہ مکرمہ کے آخری دور میں نازل کی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسانی وجود، شہد کی مکھی، خون اور گوبر کے درمیان سے دودھ جیسی شفا بخش غذا پیدا کی ہے جو اس کی قدرت کا شاہکار ہے۔

اس سورۃ میں سات باتوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے عدل وانصاف، دوسروں سے نیکی اور بھلائی، رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور حسن سلوک ہر طرح کی بے حیائیوں، برائیوں اور سرکشی سے بچنا۔ ہر وعدہ کو پورا کرنا۔ اسی میں مومن کی کامیابی ہے۔

اس سورۃ میں ایک جگہ النحل کا لفظ آیا ہے جس کے معنی شہد کی مکھی کے ہیں اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ النحل رکھا گیا ہے۔

مکہ مکرمہ میں خاص طور پر ایسی آیتیں نازل کی گئی ہیں جن میں اس بات کو واضح طریقہ پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ اپنا پیغام پہنچایا اور بتایا کہ وہ اس پر چلیں اور اللہ کے رسولوں اور نبیوں کی مکمل اطاعت کریں ورنہ اللہ کا وہ فیصلہ آجائے گا جس کے سامنے پوری کائنات کی قوتیں بے بس ہو کر رہ جاتی ہیں اور مال ودولت اونچی اونچی عمارتیں اور تہذیب وتمدن کی ترقی کام نہیں آتی۔ چنانچہ جن لوگوں نے انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کو اپنا کر کفر وشرک سے توبہ کر لی ان کی نجات ہوگئی اور جنہوں نے انکار کیا اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے اللہ نے ان کو عذاب سے دوچار کر دیا۔

جب اللہ نے اپنے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیغام حق دے کر بھیجا اور ان کو گذشتہ قوموں کے ہولناک انجام سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے جو ان کو دی گئی تھی کہنے لگے کہ اے محمد ہم یہ سن سن کر تنگ آگئے ہیں کہ ہم پر کوئی عذاب نازل ہوسکتا ہے اگر ایسا ہے تو ہم کھلے عام آپ کی تعلیمات کا انکار کرتے ہیں وہ عذاب جس کی تم باتیں کرتے ہو وہ لے آؤ آخر اس کے آنے میں دیر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان نادانوں سے یہی کہا ہے کہ اگر وہ اس وقت کو غنیمت جانتے اور قدر کرتے اور مہلت عمل سے فائدہ اٹھاتے تو ان کے حق میں بہتر تھا۔ ان کو اس فیصلے کی جلدی مچانے کی ضرورت ہی نہیں ہے جو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ فرمایا کہ اگر وہ دنیا کی معمولی معمولی چیزوں پر غور کرتے تو اللہ کی ذات کا انکار کبھی نہ کرتے۔ فرمایا کہ انسان اپنے

وجود پر ہی غور کرلے کہ ایک معمولی سے ناپاک قطرے سے اس کے وجود کو بنایا گیا ہے لیکن اس نطفہ کی ناپاکی کا اس کے جسم وجان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ گوبر اور خون کے درمیان سے اللہ تعالیٰ ایسا دودھ پیدا کرتا ہے جس میں نہ تو خون کی رنگت ہوتی ہے اور نہ گوبر کی بدبو۔ اسی طرح ایک زہریلی شہد کی مکھی کے پیٹ میں ایک ایسا مادہ پیدا کیا جاتا ہے جس میں زہر کی کوئی آمیزش نہیں ہے بلکہ شہد میں سراسر شفا ہی شفا رکھی گئی ہے اگر انسان اس پر ہی غور کرلے کہ ان تمام چیزوں کا اور زمین وآسمان کے ذرے ذرے کا نظام کون چلا رہا ہے تو انسان پھر خیر کی جلدی کرے گا شر کے لیے نہیں۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو سات باتوں کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ ہمیشہ عدل وانصاف، احسان وکرم، صلہ رحمی اور حسن معاملہ اختیار کریں اور ہر بے حیائی، بے غیرتی، برائی اور ضد اور ہٹ دھرمی سے دور رہیں ہر وعدہ کو پورا کریں۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھیں اور صبر واستقامت سے ثابت قدم رہیں۔ اللہ قدم قدم پر ان کی امداد واعانت فرمائے گا۔

سُورَةُ النَّحل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۴

اللہ کا حکم آ گیا۔ تم اس میں جلدی نہ مچاؤ۔ اس کی ذات بے عیب ہے اور اس سے بلند و برتر ہے جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو۔

وہ فرشتوں کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے تاکہ وہ سب کو اس بات سے آگاہ کر دیں کہ میرے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے پس مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے اس کی ذات ان چیزوں سے بلند ہے جنہیں یہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اس نے انسان کو ایک (حقیر اور گندے) پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر وہ کھلم کھلا جھگڑنے والا بن جاتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۴

اَتٰی	آگیا
اَمْرُ اللّٰهِ	اللہ کا حکم
لَا تَسْتَعْجِلُوْهُ	تم اس میں جلدی نہ مچاؤ
تَعَالٰی	بلندو برتر
اَلرُّوْحُ	جبرئیل امین۔ وحی
خَصِيْمٌ	جھگڑا کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۴

نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جب قرآن کریم کی آیات تلاوت فرما کر کفار مکہ سے یہ فرماتے تھے کہ میں اللہ کا آخری رسول ہوں جو تعلیمات میں لے کر آیا ہوں ان پر ایمان لے آؤ تو تمہیں اس دنیا کی سربلندی اور آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں عطا کی جائینگی۔ لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی اور اپنے کفر و شرک، بری رسموں اور خرافات سے چمٹے رہے اور تم نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی نہ چھوڑی تو کہیں تم پر وہی عذاب نہ آجائے جو نبیوں کی تعلیمات کو جھٹلانے سے قوموں پر آیا کرتا ہے۔ اس کے لئے توحید کا ثبوت شرک اور کفر کے باطل ہونے، اللہ کے پیغمبروں کی دعوت کو نہ ماننے کے بدترین نتائج اور گذشتہ قوموں کے واقعات سنا کر تنبیہ فرماتے تو اس کے جواب میں وہ کہتے تھے کہ اے محمد ﷺ! ہم تمہارے لائے ہوئے دین کو تسلیم نہیں کرتے اور ہم تمہاری اسی طرح مخالفت کرتے رہیں گے۔ تم جس عذاب کے آنے کی باتیں کرتے ہو اگر تم واقعی سچے ہو تو اس عذاب کے آنے میں دیر کیا ہے وہ کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم جس عذاب کے آنے کی جلدی مچا رہے ہو اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمہیں سوچنے سمجھنے کی جو مہلت دی گئی ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کفر و شرک سے توبہ کرلو۔ ورنہ اللہ کا وہ حکم (امر اللہ) بہت جلد آنے والا ہے۔ جب وہ امر اللہ آجائے گا تو پھر اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

علماء مفسرین نے لکھا ہے کہ امر اللہ سے مراد وہ وعدہ ہو سکتا ہے جو اللہ نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے کر رکھا تھا کہ اللہ کا فیصلہ جس میں تمہیں تمہارے دشمنوں پر غالب کر دیا جائے گا اور مسلمانوں کو فتح و نصرت اور کامیابی عطا کی جائے گی۔ یا یہ کہ

امر اللہ سے مراد قیامت کا دن ہے جو بہت جلد آنے والا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے چند سالوں کے بعد ان کفار و مشرکین کو شکست پر شکست کھانا پڑی۔ساری دنیا میں ان کو ذلت نصیب ہوئی اور آخر کار فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۃ العرب پر اہل ایمان کو فتح حاصل ہوئی اور وہ وقت بھی آ کر رہا جب تمام کفار و مشرکین کو اس سرزمین سے نکل جانے کا حکم دیدیا گیا اور اب قیامت تک اس سرزمین پر انہیں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔اس طرح اس دنیا کی زندگی میں تو ان کو اس بدنصیبی سے واسطہ پڑا۔اب قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔وہ وقت بھی دور نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ مشرکین اللہ کی ذات اور صفات میں جن چیزوں کو شریک کرتے ہیں اللہ کی ذات اس سے بہت بلند و برتر ہے۔وہ ہر طرح کے عیبوں سے پاک ذات ہے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا کلام نازل کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کے نیک بندے (پیغمبر) اس بات کو پوری وضاحت سے بیان فرمادیں کہ اس کائنات میں ہر طرح کی عبادت و بندگی کے لائق صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔اسی نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا فرمایا ہے۔اسی نے اس انسان کو ایک حقیر قطرہ سے پیدا کیا ہے۔اور زندگی گذارنے کا ہر طرح کا سامان عطا فرمایا ہے۔وہ انسان کتنا عجیب ہے کہ اپنی خلقت کو بھول کر اپنے پروردگار کے سامنے ہی ڈٹ کر کھڑا ہو گیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے کھلم کھلا جھگڑتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں۔پھر بھی اگر کوئی شخص اللہ کے نبی کی بات کو نہیں مانتا تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کا فیصلہ آنے میں دیر نہیں لگے گی۔جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کے ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵ تا ۹

اسی (اللہ) نے تمہارے لئے چوپائے (مویشی) پیدا کئے، ان میں سردی سے بچنے کا سامان اور بعض ان میں فائدے بھی ہیں اور ان میں سے بعض چوپایوں کو تم کھاتے بھی ہو۔ ان میں تمہارے لئے خوبصورتی اور شان ہے جب تم شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب صبح کو تم چرانے لے جاتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ ایسی بستیوں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر شدید جسمانی تکلیف کے پہنچ نہ سکتے تھے۔ بے شک آپ کا رب نہایت مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ اور اس نے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ زینت و آرائش کے لئے بھی ہیں۔ (ان کے علاوہ) وہ ان سواریوں کو پیدا کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔ اور اللہ کا یہ ذمہ ہے کہ وہ سیدھا راستہ دکھائے جب کہ ان میں بعض ٹیڑھے راستے بھی ہیں۔ اور اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵ تا ۹

اَلاَ نْعَامُ	چوپائے۔ مویشی جانور
دِفْءٌ	گرمی۔ (کا سامان یعنی کھالیں وغیرہ)
جَمَالٌ	خوبصورتی
تُرِيْحُوْنَ	(اِرَاحَۃٌ)۔ شام کو چرنے جاتے ہیں
تَسْرَحُوْنَ	(سَرْحٌ)۔ صبح کو چرنے جاتے ہیں
تَحْمِلُ	اٹھاتا ہے
اَثْقَالٌ	(ثِقْلٌ)۔ بوجھ

بَلَدٌ	شہر
لَمْ تَكُوْنُوْا	تم نہ تھے
بَا لِغِيْنَ	(بالغ) ۔ پہنچنے والے
بَشِقِّ الْاَ نْفُسِ	شدید جسمانی محنت سے
اَلْخَيْلُ	گھوڑے
اَلْبِغَالُ	خچر
اَلْحَمِيْرُ	گدھے
لِتَرْ كَبُوْا	تاکہ تم سواری کرو
زِيْنَةٌ	خوبصورتی ۔ آرائش
قَصْدُ السَّبِيْلِ	سیدھا راستہ
جَائِرٌ	ٹیڑھی
اَجْمَعِيْنَ	سب کے سب ۔ تمام

تشریح: آیت نمبر ۵ تا ۹

توحید کے دلائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے خیر اور شر کو پیدا کیا ہے اور انسان کے جسم و روح کا سامان مہیا کیا ہے ۔ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ خیر اور شر میں سے کسی ایک راستے کو اختیار کر لے ۔ اور اس اللہ نے انسانی فائدوں کے لئے جو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی حقیقی آخرت کی منزل پر نگاہ رکھے تا کہ اس کو صحیح راستہ نصیب ہو سکے ۔

فرمایا کہ اس اللہ نے جہاں اپنی قدرت کاملہ سے چاند، سورج، ستارے، فضائیں ہوائیں، شجر وحجر کو پیدا کیا ہے وہیں ہر طرح کے جانور بھی پیدا فرمائے ہیں۔ چوپائے، مویشی، گائے، بیل، اونٹ، بکرا اور دنبہ جیسے جانور بنائے جن کے جسموں پر ایسی اون پیدا کی ہے جس سے انسان موسم کی نرمی و سختی سے بچ کر بہترین لباس تیار کرتا ہے اور راحت وسکون حاصل کرتا ہے۔ خود فائدہ حاصل کرتا ہے اور تجارت کے ذریعہ بہت سے فائدے حاصل کرتا ہے اللہ نے ان کی کھال بھی ایسی بنائی ہے جس سے بہترین لباس اور بے شمار چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ ان جانوروں کو تازہ گوشت کی فیکٹریاں بنا دیا، انسان جب چاہتا ہے ان کو ذبح کر کے تازہ تازہ گوشت حاصل کرتا ہے۔ ان جانوروں کو پال کر ان کے ریوڑ بناتا ہے جب وہ صبح کو اپنا رزق حاصل کرنے کی طرف جاتے ہیں یا شام کو وہ پیٹ بھر کر جھومتے، اٹھلاتے اپنی مستی میں واپس آتے ہیں تو آدمی کا سیروں خون بڑھ جاتا ہے۔ ان کی تعداد اور خوبصورتی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور بڑے بڑے نفع کی امید سے اس کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انسان اونچی نیچی پہاڑیوں اور ان دشوار گزار راستوں پر بھاری سامان لاد کر لے جاتا ہے جہاں اس کو آسانی سے پہنچنا دشوار ہوتا ہے۔ فرمایا کہ نجانے قیامت تک اور اللہ کیسی کیسی سواریاں پیدا کرے گا جن پر سوار ہو کر وہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک سفر کر سکے گا۔

فرمایا کہ یہ تو وہ اسباب ہیں جو اس رؤف اور رحیم نے اپنے فضل وکرم سے انسان کی دنیا سنوارنے کے لئے بنائے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس آخرت تک پہنچنے کے لئے اور صراط مستقیم پر چل کر حقیقی منزل تک پہنچنے کے ئے بہت سے ذریعے بنائے ہیں۔ اس اللہ نے خیر اور شر کو پیدا کیا اور انسان کو اختیار دیا کہ وہ ان میں سے کسی ایک راستے کو اپنا لے انجام دونوں کا بتا دیا گیا۔ انبیاء کرامؑ یہی بتانے اور سمجھانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ وہ پوری وضاحت سے اس بات کو بتا دیتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے دنیا کے انسانوں کو ایک ہی راستے پر لگا دیتا۔ کوئی دنیا میں کفر وشرک بدعات وخرافات میں مبتلا نہ ہوتا لیکن یہ اس اللہ کی مشیت اور مرضی ہے کہ اس نے انسان کے امتحان کے لئے خیر وشر کو پیدا کر کے یہ دیکھا ہے کہ کون ان میں سے خیر کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کون شر اور شیطان کے بنائے ہوئے راستے پر چل کر اپنے لئے ابدی جہنم خریدتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہدایت کا راستہ تو دکھاتا ہے لیکن جبر نہیں کرتا۔ اس کی قدرت تو یہ تھی کہ وہ ساری دنیا کے لوگوں کو خیر پر چلنے والا بنا دیتا لیکن پھر اس انسان کا امتحان تو نہ ہوتا کیونکہ خیر کی پہچان تو شر سے ہوتی ہے۔ اگر دن ہی دن ہوتا اور کبھی رات نہ ہوتی تو دن کی پہچان اور قدر کیسے ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رات اور دن کے آنے جانے کو بھی ایک نشانی اور اپنی رحمت قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

هُوَالَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫ ۙ

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲

وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے بلندی سے پانی برسایا جس سے تم خود بھی پیتے ہو اس سے سبزہ پیدا ہوتا ہے جس میں تم (ان جانوروں کو) چرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہو۔ وہ اس سے تمہارے لئے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیان ہیں۔ اسی نے تمہارے لئے دن اور رات کو بنایا چاند اور سورج کو مسخر کر دیا اور ستارے بھی اس کے حکم کے تابع ہیں۔ بے شک اس میں لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل و سمجھ رکھتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲

شَرَابٌ	پینے کی چیز
شَجَرٌ	درخت
تُسِيْمُوْنَ	تم چراتے ہو
يُنْبِتُ	اگاتا ہے

اَلزَّرْعُ	کھیتی
اَلنَّخِيْلُ	کھجور
اَلْاَعْنَابُ	انگور
يَتَفَكَّرُوْنَ	وہ غور وفکر کرتے ہیں
سَخَّرَ	اس نے مسخر کر دیا۔ حکم کے تابع کر دیا
اَلشَّمْسُ	سورج
اَلْقَمَرُ	چاند
اَلنُّجُوْمُ	(اَلنَّجم)۔ ستارے
يَعْقِلُوْنَ	جو عقل رکھتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲

اس سے پہلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمان اور ساری کائنات کو پیدا کیا۔ اس نے اپنے پیغمبروں کو غفلت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے بھیجا تا کہ وہ ان کو بتا سکیں کہ اس پوری کائنات کا وہ ایک ہی رب ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے ورنہ اللہ کا وہ فیصلہ آنے میں دیر نہیں لگے گی جو ان نافرمانیوں کے نتیجے میں قوموں پر آتا رہا ہے۔ اب ان آیات میں اس کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے کہ اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ زمین و آسمان کو پیدا کر دیا بلکہ انسان کو زندگی گذارنے کے تمام اسباب بھی مہیا کئے۔ اس نے بلندیوں سے پانی برسا کر مردہ زمین کو دوبارہ زندگی دیدی۔ وہی پانی ہے جس کو انسان پیتے ہیں اس پانی سے وہ اپنے درختوں اور کھیتوں کو سینچتے ہیں جس کے نتیجے میں ہر طرح کے ثمرات اگ آتے ہیں۔ زیتون کھجور اور انگور کے درخت سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں اس نے دن کام کے لئے رات آرام کے لئے بنائی، چاند، سورج اور ستارے پیدا کئے جو اللہ کے حکم کے تابع ہیں عقل و فکر رکھنے والے لوگوں کے لئے اس میں ہزاروں نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ اگر کوئی انسان اللہ کی ان مخلوقات میں غور و فکر کرتا ہے تو خالق تک پہنچنا بہت آسان ہے۔ لیکن اگر وہ آس پاس کی ہزاروں چیزوں پر سے گذر جائے اور غور و فکر نہ کرے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ ۭ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝

ع ١٢/٢ ٨

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳ تا ۲۱

(اور وہ اللہ ہی تو ہے جس نے) تمہارے لئے زمین میں چیزوں کو بکھیر دیا ہے جن کے مختلف رنگ ہیں۔ بے شک ان چیزوں میں سمجھ رکھنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیورات کیلئے وہ چیزیں نکالو جن کو تم استعمال کرتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں

پانی کو چیر کر چلتی ہیں تا کہ تم اس کا فضل و کرم تلاش کرو اور شاید کہ تم شکر کرو۔ اور اسی نے زمین میں پہاڑ کے بوجھ رکھ دیئے تا کہ وہ زمین تمہیں لے کر ایک طرف نہ ڈھلک جائے، اور اس نے نہریں اور راستے بنا دیئے تا کہ تم راہ پا سکو۔ اور اسی نے (راستے کے لئے) علامتیں بنائیں اور ستاروں سے بھی وہ راستہ پاتے ہیں۔ کیا پھر وہ جو پیدا کرتا ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو (کسی بھی چیز کو) پیدا نہیں کرتا۔ کیا پھر بھی تم غور و فکر نہیں کرتے۔ اور اگر تم اس اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے اور بے شک اللہ بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اور وہ لوگ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ یہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ایک دن وہ اٹھائے جائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳ تا ۲۱

ذَرَاَ	اس نے پھیلا دیا، پیدا کیا۔
اَلْوَانٌ	(لَوْنٌ) رنگ۔
یَذَّکَّرُوْنَ	وہ دھیان دیتے ہیں۔
لَحْمٌ	گوشت۔
طَرِیٌّ	تازہ۔
تَسْتَخْرِجُوْ	تم نکالتے ہو۔
حِلْیَۃٌ	زیور۔
تَلْبَسُوْنَ	تم پہنتے ہو۔

مَوَاخِرَ	پھاڑنے والا، پھاڑنے والیاں۔
لِتَبْتَغُوْ	تاکہ تم تلاش کرو۔
اَلْقٰی	اس نے ڈالا، رکھا
رَوَاسِیٌ	(رَاسِیَۃٌ) بوجھ، پہاڑ۔
تَمِیْدٌ	جھک جانا
سُبُلٌ	(سَبِیْلٌ) راستے۔
عَلٰمٰتٌ	علامتیں، نشانیاں۔
نَجْمٌ	ستارہ۔
یَخْلُقُ	پیدا کرتا ہے۔
تَعُدُّوْا	تم گنو گے، شمار کرو گے۔
لَا تُحْصُوْا	تم شمار نہ کر سکو گے۔
تُسِرُّوْنَ	تم چھپاتے ہو۔
تُعْلِنُوْنَ	تم ظاہر کرتے ہو۔
یَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں۔
یُخْلَقُوْنَ	وہ پیدا کئے جاتے ہیں۔
اَمْوَاتٌ	مردے ہیں۔
اَیَّانَ	کب؟
یُبْعَثُوْنَ	وہ دوبارہ اٹھائیں جائیں گے۔

تشریح: آیت نمبر ۱۳ تا ۲۱

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح طریقہ پر ارشاد فرمایا ہے کہ اسی نے اپنے علم و حکمت سے اس نظام کائنات کو بنایا ہے۔ اگر انسان کو پیدا کیا تو اس کے لئے زندگی گذارنے کے تمام سامان و اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں۔ انسان رات کو سوکر صبح اٹھتا ہے دن بھر اپنی روزی کما کر اپنے گھر لوٹتا ہے۔ اپنے بیوی بچوں میں پہنچ کر خوش ہوتا ہے تھک ہار کر سو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے دن اور رات کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس دن رات کے پیچھے کتنا بڑا نظام قائم کیا ہوا ہے۔ قرآن کریم بار بار اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان اگر ایک لمحہ رک کر اتنا ہی سوچ لے کہ اتنے بڑے نظام کو کس نے قائم کیا ہے۔ جب انسان غور کرے گا تو وہ یقیناً اس نتیجہ تک پہنچ کر رہے گا کہ اس پورے نظام کو چلانے والی کوئی ہستی ہے۔ لوگوں نے انسانوں کے سیدھے پن سے فائدہ اٹھا کر ان کو یقین دلا رکھا ہے کہ اس دنیا کو اور اس کے اسباب کو پیدا کرنے والے ان کے پتھر کے یہ بے جان بت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے کہ جو بت اپنے وجود میں دوسروں کے ہاتھوں کے محتاج ہوں۔ ان کی ناک پر مکھی بیٹھ جائے تو وہ بت اتنی بھی طاقت نہیں رکھتے کہ اس مکھی کو اپنے وجود سے بھگا دیں۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ کیا لوگوں کو اتنا بھی شعور نہیں ہے کہ اس سامنے کی حقیقت پر غور کرلیں کہ اللہ نے تو سب کچھ پیدا کیا ہے لیکن ان بتوں نے کیا چیز پیدا کی ہے؟ یہ تو خود اپنے وجود کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ دوسروں کے ہاتھوں کے محتاج ہیں اور پیدا کئے جاتے ہیں جو اپنے نفع اور نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں وہ دوسروں کو کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

گذشتہ آیات میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو اللہ نے انسان کے لئے پیدا کی ہیں۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ اے لوگو! کیا تم نے کبھی اس بات پر دھیان دیا ہے غور کیا ہے کہ ایک ہی زمین ہے، فضا بھی ایک، پانی کے قطرات بھی ایک لیکن درختوں پر یہ طرح طرح کے رنگ کس نے بکھیر دیئے ہیں یقیناً وہ صرف ایک ہی ذات ہے یعنی اللہ کی جس نے یہ سب کچھ پیدا فرمایا ہے وہ اللہ جس نے اتنے بڑے سمندر کو جو زمین سے بھی کئی گنا بڑا ہے اس کے کڑوے پانی میں ایسی مچھلیوں کو پیدا کیا جن کے گوشت میں کوئی کڑواہٹ نہیں ہوتی بلکہ آدمی مچھلیوں کو مزے لے لے کر کھاتا ہے۔ اس سے ایسے مونگے اور موتی پیدا کئے ہیں جن کو نکال کر تجارت کی جاتی ہے اس سے ہار اور مختلف چیزیں بنا کر ان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ عظیم الشان اور گہرائیوں والے سمندروں میں وہ جہاز ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک رواں دواں رہتے ہیں وہ جہاز اور کشتیاں جن کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن اللہ نے سمندر کو انسان کے قدموں تلے اس طرح تابع بنایا ہے کہ اس سے وہ ہزاروں فائدے حاصل کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ بلند و بالا اونچے اونچے پہاڑ جن کو زمین کا توازن قائم رکھنے کے لئے زمین کے اوپر ایک بوجھ بنا کر رکھ دیا تا کہ زمین ادھر ادھر ڈھلک نہ جائے ان پہاڑوں میں ہزاروں معدنیات رکھ دیں۔ سونا، چاندی، ہیرے جواہرات، پانی کے بہتے چشمے اور ان ہی

پہاڑوں کے اوپر پانی کو برف بنا کر جما دیا جو تھوڑا تھوڑا بہتا رہتا ہے ان سے چشمے، ندی، نالے اور نہریں بن جاتی ہیں جن سے انسان اپنی کھیتیوں کو سیراب کرتا ہے خود پیتا ہے اپنے جانوروں کو پلاتا ہے اور ہزاروں طرح کے کیمیکل حاصل کرتا ہے۔ فرمایا کہ ذرا غور تو کرو کہ کروڑوں سال سے یہ پہاڑ اپنی جگہ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے کس کو فائدہ ہے یقیناً انسان کو کیونکہ یہ اس کے لئے بنائے گئے ہیں جب قیامت آئے گی تو یہی پہاڑ جو جمے کھڑے ہیں وہ ریت کے ذرے بن کر بکھر جائیں گے۔ فرمایا کہ جب آدمی سمندروں کے درمیان پہنچتا ہے اور اس کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی منزل کہاں ہے؟ اس کے لئے ستارے بنا دیئے جن کو علامت کے طور پر دیکھ کر آدمی اپنی منزل سے نہیں بھٹکتا غرضیکہ اللہ کی نعمتیں ہیں کہ اگر انسان ان کو شمار کرنا چاہے تو کر نہیں سکتا فرمایا کہ ان تمام چیزوں کو کس نے پیدا کیا۔ جس نے سب کچھ پیدا کیا اور جس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمایا کہ ہر شخص کے لئے لازمی ہے کہ وہ اس اللہ ہی کو پکارے جس نے اس پوری کائنات اور اس کے نظام کو بنایا ہے غیر اللہ کو پکارنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ فرمایا کہ تمہارا اللہ تو وہ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور رہے گا لیکن جن بتوں کو انسان نے اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ تو ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں جوان کی موت بھی ہے۔ ان مردوں یا مر جانے والوں کو اپنا معبود بنا لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ انسان کو نہیں معلوم کہ وہ کب دوبارہ قیامت میں اٹھایا جائے گا لیکن اس کو یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ غیر اللہ کی عبادت و بندگی آخرت میں اس کے کسی کام نہ آئے گی۔ عبادت و بندگی کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ وہی خالق ہے اور وہی مالک ہے

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾

ع ۳ / ۹

ترجمہ: آیت نمبر ۲۲ تا ۲۵

تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پھر وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ ہر اس بات کو جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (یہ اس لئے ہے) تا کہ وہ قیامت کے دن اپنے پورے بوجھ بھی اٹھائیں اور کچھ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ اپنی جہالت کی وجہ سے گم راہ کر چکے ہیں۔ سنو! کہ وہ بہت برا بوجھ ہے جس کو وہ (اپنے اوپر) لاد رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۲ تا ۲۵

مُنْكِرَةٌ	انکار کرنے والے۔
لَاجَرَمَ	یقیناً، قطعاً۔
لَايُحِبُّ	پسند نہیں کرتا ہے۔
مَاذَا	کیا؟ (حرف سوال)
اَسَاطِيْرُ	(اُسْطُوْرَةٌ) قصے، کہانیاں۔
لِيَحْمِلُوْا	تا کہ وہ اٹھائیں۔
اَوْزَارًا	(وِزْرٌ) بوجھ
سَاءَ	برا ہے۔

تشریح: آیت نمبر۲۲ تا ۲۵

سورۃ النحل کے آغاز سے ہی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان ہو رہا ہے کہ اس پوری کائنات اور اس کے ذرے ذرے کا پیدا کرنے والا خالق ورازق صرف اللہ ہی ہے۔ یہاں سے یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ وہ رب جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے وہ اپنی ذات میں اس طرح ''واحد'' یعنی ایک ہے جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ جو لوگ اللہ کی ذات اور صفات میں دوسروں کو شریک کرتے اور ایمان نہیں لاتے وہ جہالت کی اس انتہا پر پہنچ چکے ہیں جہاں سامنے کی ایک حقیقت اور ایک معقول بات کو بھی وہ ماننے سے انکار کر رہے ہیں اور تکبر سے اپنی گردنیں اکڑا کر چلتے ہیں۔ دین اسلام اور نبی مکرم ﷺ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ان کی حرکتوں کو دیکھنے والا اور سننے والا کوئی نہیں ہے حالانکہ چھپ چھپ کر باتیں کی جائیں یا کھلم کھلا۔ عاجزی کی جائے یا تکبر وہ اللہ سب کے حالات دلوں کی کیفیات اور کفار کی سازشوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ اسے معلوم ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ جب کچھ اجنبی لوگ ان کفار سے قرآن کریم کے متعلق پوچھتے ہیں کہ قرآن کیسی کتاب ہے؟ تو وہ لوگوں کی نظر میں قرآن کریم کی حیثیت کو کم کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ تو گذشتہ قوموں کے قصے کہانیاں ہیں جو قرآن میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح وہ نبی کریم ﷺ کے متعلق بھی ایسی بے سروپا باتیں کرتے ہیں جس سے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے متعلق بدگمانیاں پیدا ہو جائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کے قریب نہ جائے۔ کیونکہ جب وہ ان کے قریب جائیں گے تو ان کی سیرت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ قرآن کریم کی تلاوت سنیں گے تو ان کے دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں گے لہٰذا ان کی پوری کوشش ہوتی کہ کسی طرح سننے والے کو اچھی طرح گمراہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی سرداری اور خاندانی بڑائیوں کے گھمنڈ میں یہ جس طرح اللہ کے کلام اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اس کا اور وہ خود جس گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں دونوں کی گمراہی کا بوجھ دوگنا وہ اپنے سر پر لے کر چل رہے ہیں وہ کل قیامت کے دن اتنے بوجھ کیسے اٹھا سکیں گے؟ اس دن ان کو اس بات کا احساس ہوگا کہ وہ اپنے سر پر کتنے ناقابل برداشت بوجھ لے کر آئے ہیں فرمایا کہ وہ لاعلمی اور جہالت کا فائدہ اٹھا کر لوگوں کو گمراہ تو کر سکتے ہیں لیکن وہ ذلت دور نہیں ہوگی کہ جب ان کے فریب کے پردے چاک ہو جائیں گے اور سچائی کا چہرہ نکھر کر سامنے آجائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی سچائی جھوٹ کے پرفریب پردوں میں عرصہ تک چھپانا مشکل ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٧﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۶ تا ۲۹

ان سے پہلے لوگ مکروفریب کر چکے ہیں۔ پھر اللہ نے ان کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا۔ پھر ان پراوپر سے چھت گر پڑی اوران پر عذاب اس طرح آ گیا کہ جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔ پھر قیامت کے دن اللہ ان کورسوا کرے گا اور کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے؟ علم والے کہیں گے کہ بے شک آج کے دن رسوائی وذلت اور کافروں کے لئے برادن ہے جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ پھر وہ صلح کا پیغام ڈال کر کہیں گے کہ ہم تو کوئی برائی نہ کرتے تھے (فرمایا جائے گا) کیوں نہیں؟ تم جو کچھ کرتے رہے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ اب تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ پھر البتہ وہ تکبر کرنے والوں کے لئے بدترین ٹھکانہ ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٢٦ تا ٢٩

بُنْیَانٌ گھر۔

اَلْقَوَاعِدُ بنیادیں۔

خَرَّ گر پڑا۔

سَقْفٌ چھت۔

فَوْقٌ اوپر۔

یُخْزِیُ وہ ذلیل ورسوا کرے گا۔

اَیْنَ کہاں؟

شُرَکَاءِ یُ میرے شریک۔

تُشَاقُّوْنَ تم لڑتے ہو۔

اُوْتُوا الْعِلْمَ جن کو علم دیا گیا۔

تَتَوَفّٰی جان نکالتے ہیں۔

اَلْقَوْا انہوں نے ڈالا۔

اَسْلَمَ صلح کا پیغام۔

مَثْوٰی ٹھکانا۔

اَلْمُتَکَبِّرِیْنَ بڑائی کرنے والے۔

تشریح: آیت نمبر ۲۶ تا ۲۹

گذشتہ آیات میں جس مضمون کو شروع کیا گیا تھا اس کی تکمیل کی جارہی ہے ساری دنیا کو اور خاص طور پر مکہ کے ان لوگوں سے خطاب کیا جارہا ہے جو حج وغیرہ کے موقعوں پر آنے والے بے خبر لوگوں کے سامنے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی ذات کے متعلق حقارت سے ذکر کرتے تا کہ اجنبی آدمی کے دل میں شدید بدگمانی پیدا ہوجائے مثلاً قرآن کریم کے متعلق کہتے کہ اس میں کونسی نئی بات ہے وہی پرانے قصے ہیں جن قصوں کو قرآن نے نقل کردیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے متعلق کبھی کہتے کہ ان پر کسی جنون یا جن کا سایہ ہوگیا ہے اسی لئے وہ ایسی باتیں کرتے ہیں (نعوذ باللہ) ایسے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو تکبر اور غرور کرتے ہوئے دین کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں اور لوگوں کو گم راہ کررہے ہیں وہ ایک ایسے جرم کا ارتکاب کررہے ہیں جس کے بوجھ کو وہ قیامت کے دن اٹھا نہ سکیں گے فرمایا کہ یہی مکروفریب ان سے پہلے کے لوگ بھی کرچکے ہیں۔ اللہ نے ان کو اتنی سختی سے پکڑا کہ وہ عاجز و بے بس ہوکر رہ گئے۔ اللہ نے ان کو ان کی بنیادوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور ان کو اور ان کی اونچی اونچی بلڈنگوں، مکانات اور تہذیب وتمدن کو اس طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دیا کہ آج ان کا وجود تک نہیں رہا ہے۔ ان کے کھنڈرات اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہیں کہ ان پر اللہ نے شدید عذاب نازل کرکے ان کی زندگیوں اور تہذیب وتمدن کو نشان عبرت بنا دیا ہے۔ انہوں نے دین اسلام کے خلاف جو بھی تدبیریں کیں اللہ نے ان تدبیروں کو ان پر ہی الٹ دیا۔ یہ تو اس دنیا کی ذلت ورسوائی ہے لیکن جب قیامت میں وہ اللہ کے سامنے پہنچیں گے تو اس سے بھی زیادہ ذلت ورسوائی میں مبتلا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے تم نے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے متعلق بہت سی جھوٹی باتیں کی تھیں تا کہ تمہارے ہاتھوں کے بنائے ہوئے جھوٹے معبودوں کی عظمت بڑھ جائے۔ فرمایا جائے گا کہ وہ اللہ کے شریک کہاں ہیں جن پر تم ناز کیا کرتے تھے؟ اور ان کے لئے لوگوں سے جھگڑتے تھے اور اللہ کے سچے نبیوں کو جھٹلاتے تھے۔ آج وہ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آجاتے؟ ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا وہ تو کچھ نہ بول سکیں گے لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے صحیح علم عطا فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ اے رب العالمین آج کے دن ساری ذلت ورسوائی ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے کفر وشرک کیا تھا اور ایمان قبول نہیں کیا تھا وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم وستم کی انتہا کردی تھی۔ جب فرشتے ان کی جان نکالنے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم نے درحقیقت کوئی کفر اور شرک نہیں کیا تھا نہ ہماری مجال تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ تم دنیا میں کیا کیا کرتے رہے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ ان تکبر اور غرور کرنے والوں کے لئے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کو لے جا کر جہنم میں جھونک دو یہ اسی قابل ہیں اور یہ کسی رحم کے مستحق نہیں ہیں اب یہ ہمیشہ ہمیشہ اسی جہنم میں رہیں گے۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ

اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٤﴾

ع ۹ ٤ ۱۰

ترجمہ: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۴

اور جب اہل تقویٰ سے کہا جائے گا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟ تو وہ کہیں گے کہ بھلائی نازل کی ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے نیکی کی ہے ان کے لئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت میں بھلائی ہے۔ اور اہل تقویٰ کا ٹھکانہ کتنا بہترین ہے۔ ہمیشہ رہنے کی ایسی جنتیں ہوں گی جن میں وہ داخل ہوں گے۔ ان کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہونگی اور ان میں ان لوگوں کے لئے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے اور ہم تقویٰ والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور جب فرشتے ان

کی جان نکالیں گے تو وہ پاکیزہ صفت ہوں گے۔ (فرشتے کہیں گے کہ) تم پر سلامتی ہو۔ اپنے بہتر اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کفار کے لئے فرمایا گیا کہ اب یہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ یا تو فرشتے آ جائیں یا آپ کے رب کا حکم (فیصلہ) آ جائے۔ درحقیقت یہی بات ان سے پہلوں نے بھی کہی تھی اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ پھر جو کچھ انہوں نے کیا اس کی سزا ان کو ملی اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر مسلط ہو کر رہا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۰ تا ۳۴

خَیْرٌ خیر، بھلائی۔

دَارُ الْاٰخِرَةِ آخرت کا گھر۔

نِعْمَ اچھا، بہتر۔

عَدْنٌ ہمیشہ

طَیِّبِیْنَ پاک صاف۔

اَمْرٌ حکم، فیصلہ۔

یَظْلِمُوْنَ وہ ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔

اَصَابَ پہنچا۔

حَاقَ گھیر لیا، پہنچ گیا۔

تشریح: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۴

گذشتہ آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب کفار و مشرکین سے کوئی اجنبی آدمی یہ سوال کرتا تھا کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور جس قرآن کو وہ سناتے ہیں ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ جواب دیتے کہ قران کیا ہے (نعوذ باللہ) گذرے ہوئے لوگوں کے کچھ قصے کہانیاں ہیں جو اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔ قرآن کریم کی حقارت کے ساتھ ساتھ وہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں بھی ایسی باتیں کرتے تھے جس سے دوسرے آدمی کے دل میں غلط فہمی پیدا ہو جائے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے قریب جائے اور وہ قرآن کریم کی عظمت و شان سے واقف ہو سکے۔ فرمایا کہ ایک تو یہ کفار و مشرکین ہیں جو اللہ کی آیات سن کر اپنی آخرت کو تباہ کرتے ہیں اور اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں اس کے برخلاف دوسری طرف کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی اختیار کر لی ہے ان کو ہر طرح کا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا ان کا طرز عمل یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اللہ نے ہمارے لئے وہ سچائی نازل کی ہے جس میں خیر ہی خیر ہے۔ اس دنیا کی زندگی کی بہتری بھی ہے اور آخرت کی خیر اور بھلائی تو اس سے بھی زیادہ ہے وہاں ہر شخص کو اس کی محنت اور تقویٰ کا پھل ملے گا۔ کسی کی کوئی نیکی اور بھلا کام ضائع نہ ہوگا اور اس پر تصور سے بھی زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔ دنیا میں بھلائی اور خیر تو یہ ہے کہ قدم قدم پر کامیابی، نیک نامی، فارغ البالی، اطمینان قلب، حکومت و سلطنت وغیرہ حاصل ہوگی اور آخرت میں نجات اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روحانی مسرت و سکون نصیب ہوگا۔ فرمایا کہ اہل تقویٰ کے لئے اللہ نے ایسی جنتیں مقدر کی ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی یعنی خوب سرسبزی و شادابی ہوگی اور وہ جو چاہیں گے ان کو عطا کیا جائے گا یہ ان کی نیکی ورتقویٰ کا انعام ہوگا۔ ان کو موت کے وقت عزت اور آسانی بھی نصیب ہوگی کہ جب موت کے فرشتے ان کے سامنے آئیں گے تو ان پر اللہ کی سلامتی بھیجتے ہوئے آئیں گے اور ان کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے کہیں گے جنت ہی تمہارا مقام ہوگا۔ اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ان ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں کی پرواہ نہ کرو جو اس بات کے منتظر بیٹھے ہیں کہ اللہ کے فرشتے خود آکر ان سے کہیں گے کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ یا اللہ ہی کا کوئی فیصلہ آجائے۔ فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی جو لوگ گذرے ہیں ان کا یہی حال تھا اور انہوں نے کبھی سچائی کو دل سے قبول نہیں کیا لیکن جنہوں نے نے انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کو مان لیا۔ نیکی اور پرہیز گاری کی زندگی کو اپنا لیا وہ تو سرخ رو ہوئے لیکن جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا طریقہ اختیار کیا انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے دین و دنیا کو برباد کر لیا۔ فرمایا کہ ہم کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے بلکہ لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم و ستم کرتے ہیں جس کی ان کو سزا مل کر رہتی ہے اور جن سچائیوں کا وہ مذاق اڑاتے رہتے ہیں اس کا عذاب ان پر مسلط ہو کر رہے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۵ تا ۳۷

اور ان لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا۔ کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی عبادت و بندگی نہ کرتے اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھراتے۔ (اللہ نے فرمایا کہ) اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی ایسا کر چکے ہیں۔ (لیکن یاد رکھو) ہمارے رسولوں کی ذمہ داری صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اور البتہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے (جس نے ایک ہی بات کہی ہے کہ) تم اللہ کی عبادت و بندگی کرو اور شیطان سے بچتے رہو۔ ان میں سے بعض تو وہ ہوئے ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دیدی اور بعض ان میں سے وہ ہوئے ہیں جن پر گمراہی مسلط کر دی گئی۔ پھر زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟۔ (اے نبی ﷺ) اگر چہ آپ کی یہ تمنا ہے کہ وہ ہدایت پر آجائیں لیکن جس کو اللہ ہی بھٹکا دے اس کو نہ تو راستہ ملتا ہے اور نہ ان کی مدد کے لئے کوئی آگے آتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۵ تا ۳۷

مَا عَبَدْ نَا	ہم نے عبادت وبندگی نہیں کیا۔
لَاحَرَّمْنَا	ہم حرام نہ کرتے۔
اَلْبَلَا غُ	پہنچادینا ہے۔
بَعَثْنَا	ہم نے بھیجا۔
اِجْتَنِبُوْا	بچتے رہو۔
اَلطَّاغُوْتُ	شیطان، سرکش۔
حَقَّتْ	ثابت ہوگیا۔
سِیْرُوْا	چلو پھرو۔
عَاقِبَةٌ	انجام۔
اِنْ تَحْرِصْ	اگر آپ کی شدید خواہش ہے۔

تشریح: آیت نمبر ۳۵ تا ۳۷

بے جا ضد، ہٹ دھرمی اور نافرمانی ایک ایسی بری عادت ہے جو انسان کو ہر خیر اور بھلائی سے اس طرح محروم کردیتی ہے کہ اس کو سامنے کی حقیقت بھی نظر نہیں آتی مثلاً جب کفار و مشرکین سے یہ کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے کفر، شرک اور ہر طرح کے گناہوں سے توبہ کرلیں تو وہ یہ کہتے تھے کہ جب تم یہ کہتے ہو کہ اس کائنات میں ساری قدرت و طاقت اللہ ہی کی ہے تو ہم کیا کریں اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتے نہ ہم اور ہمارے باپ دادے شرک اور کفر کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کہتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس جاہلانہ بات کا جواب دینے کے بجائے یہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کی احمقانہ باتوں کی پرواہ نہ کیجئے اسی طرح ان سے پہلی قوموں نے بھی ایسی ہی باتیں کی تھیں اور پھر وہ اپنے بداعمالیوں کے سمندر میں غرق ہو چکی ہیں۔ فرمایا کہ اللہ کے رسول کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کی سچائی کو پورے خلوص اور محنت سے ان تک پہنچا دے جو کفر کی وادیوں میں اپنے سر ٹکراتے پھر رہے ہیں اگر یہ مانتے ہیں تو ان کو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں مل جائیں گی اور اگر انہوں نے گذشتہ

امتوں کے جیسے طریقے اختیار کیے تو وہ بھی گذشتہ قوموں کی طرح اپنے برے انجام سے نہیں بچ سکتے۔ فرمایا کہ اگر ان لوگوں کو ذرا بھی عقل ہوتی تو یہ ان کھنڈرات کو جا کر دیکھتے جن میں ان ہی جیسے انسان رہتے تھے لیکن اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے وہ اور ان کے گھر بار نشان عبرت بن چکے ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے جس نے ایک ہی پیغام دیا ہے کہ اے لوگو! تم سب اللہ ہی کی عبادت و بندگی کرو اور شیطانی اور کفر و شرک کے کاموں سے بچو۔ جنہوں نے اس پیغام ہدایت کو سن کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کر لی وہ تو کامیاب ہو گئے لیکن جنہوں نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر ذلالت و گمراہی کی مہریں لگوا لی ہیں وہ سخت ناکام ہوئے۔ فرمایا کہ یہ لوگ ان قوموں کے گھر بار اور ان کے تہذیب و تمدن کے کھنڈرات پر کیوں غور نہیں کرتے کہ ان کا کتنا بھیانک انجام ہوا۔ آخر میں فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ہم جانتے ہیں کہ آپ کی یہ تمنا ہے کہ دنیا بھر کے تمام لوگ ہدایت پر آ جائیں اور گمراہی سے توبہ کر لیں لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نہ تو ہدایت دیتا ہے اور نہ کوئی مدد کرتا ہے جنہوں نے کفر و شرک کرتے کرتے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنا لیا ہے۔ اب ان کا انجام تو یہی ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب مسلط کر دیا جائے جو ان سے پہلی امتوں پر نازل کیا گیا تھا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝۳۹ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۰

ع ۵
۶
۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۳۸ تا ۴۰

اور وہ زوردار قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اسے قیامت کے دن اللہ (دوبارہ) نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں؟ اس پر اس کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ جس چیز میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے وہ اس کو ظاہر کر دے گا اور یہ کافر جان لیں گے کہ بے شک وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ ہم جس چیز کو وجود دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ''ہو جا'' پھر وہ ''ہو جاتی ہے''۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۸ تا ۴۰

اَقْسَمُوْا	انہوں نے قسم کھائی۔
جَهْدَ اَيْمَانِ	قسموں میں زوردار۔
لَايَبْعَثُ	دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔
اَرَدْنَا	ہم نے ارادہ کیا۔

تشریح: آیت نمبر ۳۸ تا ۴۰

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی کے جھوٹا ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ بات بات پر قسم کھاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کو قسمیں کھانے کی عادت پڑ جائے وہ بڑی سے بڑی سچائی کو جھٹلانے سے بھی باز نہیں آتا۔ بخاری و مسلم میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک صحابی رسول ﷺ کا کسی کافر پر کچھ قرض تھا وہ مسلمان صحابی اس سے قرض واپس کرنے کا مطالبہ کرتے تو وہ ٹال مٹول سے کام لیتا اور آخر کار اس نے قرض واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ صحابی رسول ﷺ نے کہا کہ مجھے تو آخرت پر یقین ہے وہاں ایک ایک بات کا بدلہ ملے گا۔ اس کافر نے اللہ کی قسم (جو ان کے نزدیک سب سے اہم قسم ہوتی تھی) کھا کر کہا کہ جب انسان گل سڑ کر ختم ہو جائے گا تو اس کو دوبارہ اٹھایا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ بخاری و مسلم میں یہ بھی آتا ہے کہ اس کافر نے (مذاق اڑاتے ہوئے) کہا اچھا دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ تب وہاں مجھ سے قرض وصول کر لینا۔ یہ اور اسی طرح کی بہت سی باتوں پر وہ مذاق اڑاتے اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہتے ہیں کہ جب آدمی مرجائے گا تو اس کا دوبارہ اٹھ کھڑا ہونا یعنی زندہ ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ فرمایا کہ کیوں نہیں یہ تو اللہ کا سچا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ اس حقیقت سے اکثر لوگ ناواقف ہیں اور جہالت کے اندھیروں میں دھکے کھا رہے ہیں۔ وہ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ صرف مرنے والے ہی دوبارہ پیدا نہیں ہوں گے بلکہ دنیا میں وہ جن باتوں کا اور دین حق کا انکار کرتے تھے اس کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ اس دن ان کافروں کو پتہ چل جائے گا کہ وہ اپنے عقیدے اور فکر میں کس قدر بڑی غلطی پر تھے۔ فرمایا کہ شاید ان کا یہ خیال ہے کہ ایسا کس طرح ممکن ہوگا یعنی جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ذرہ ذرہ بن کر بکھر جائیں گے تو ہمارے اجزا کو کیسے جمع کیا جائے گا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے کرنے میں اسباب اور چیزوں کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ حکم دیتا ہے کہ ''ہو جا'' تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا دن مقرر کیا ہوا ہے جس میں ابتدائے کائنات سے قیامت تک جتنے بھی انسان ہیں ان کو اپنے حکم سے دوبارہ زندہ کرے گا اور ایک ایک بات کا حساب و کتاب لے کر اس کے لئے فیصلے فرمائے گا۔ اس میں کسی طرح کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو دنیا کی اس مختصر سی زندگی میں انسان کے کئے ہوئے اعمال کا پورا بدلہ مل ہی نہیں سکتا عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ایک اور جہاں ہو جہاں حق و صداقت پر چلنے والوں کو ان کا پورا پورا بدلہ ملے اور جنہوں نے کفر و شرک، اور بدعات میں اپنا وقت گذارا ہے ان کو ان کے گناہوں کی پوری پوری سزا دی جائے۔

ہر مومن کا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ قیامت آئے گی اور تمام انسانوں کے بھلے برے اعمال کا فیصلہ کر کے ان کو جنت یا جہنم کی ابدی زندگی میں داخل کیا جائے گا۔ کافر یہ سمجھتا ہے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ ان آیات میں ان دونوں نظریات اور ان کے نتائج کو بیان فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾

وقف لازم

ترجمہ: آیت نمبر ۴۱ تا ۴۲

اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم و ستم کے باوجود اللہ کے لئے ہجرت کی ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کاش وہ جانتے ہوتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۱ تا ۴۲

هَاجَرُوْا	جنہوں نے ہجرت کی۔
ظُلِمُوْا	ظلم کیا گیا۔
نُبَوِّءُ	ہم ٹھکانا دیں گے۔
اَكْبَرُ	بڑا، بڑھ کر۔
يَتَوَكَّلُوْنَ	وہ بھروسہ کرتے ہیں۔

تشریح: آیت نمبر ۴۱ تا ۴۲

نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی دلی خواہش اور تمنا تھی کہ تمام کفار و مشرکین اس غلط راستے کو چھوڑ کر ایمان قبول کرلیں۔ اس کے لئے آپ دن رات جدوجہد فرماتے تھے صبح ہو یا شام آپ کو جہاں اور جیسے موقع ملتا آپ ہر ایک کو سمجھاتے رہتے۔ دوسری طرف کفار عرب اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور شیطانی اعمال میں اس قدر آگے جاچکے تھے کہ وہ حق و صداقت کی کسی بات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے شروع شروع میں تو آپ ﷺ کا مذاق اڑایا۔ جملے کسے، ہر طرح کی غلط فہمیاں پیدا کیں۔ اس کے بعد طرح طرح سے ستانا شروع کیا وہ نبی کریم ﷺ کو ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے اور طرح طرح کے سوالات کرتے رہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ پر انہوں نے ناقابل برداشت مظالم کرنے شروع کردیئے۔ جب ان کے ظلم و ستم کی انتہا ہوگئی تب آپ کے جاں نثار صحابہ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے آپ ﷺ کی اجازت سے مکہ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ سب سے پہلے سولہ مردوں اور عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پہلے قافلے میں حضرت عثمان غنیؓ کے علاوہ حضرت رقیہ بنت رسول ﷺ بھی شریک تھیں۔ اس کے بعد ایک سو افراد پر مشتمل ایک اور قافلے نے ہجرت فرمائی جس میں آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیارؓ بھی شریک تھے۔ ان تمام صحابہ و صحابیاتؓ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ قرآن کریم میں ان ہی حضرات کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں فرمایا کہ:

۱) جن لوگوں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے اپنا گھر بار کاروبار اور رشتہ داریوں کو چھوڑ کر ہجرت کی اور ہر طرح کے ظلم و ستم کو برداشت کیا ان کے لئے دنیا میں بہترین ٹھکانا ہے اور آخرت میں تو ان کو بہت عظیم انعامات عطا کئے جائیں گے۔ کاش اس حقیقت کو یہ منکرین اور مشرکین جان لیتے فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا۔ حالات کی سختی کو برداشت کیا اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر نتائج سے بے پرواہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا ان کے لئے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں مقدر کردی گئی ہیں۔ صحابہ کرامؓ اسی طرح ہجرت فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتے ہی نبی کریم ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس ہجرت میں صرف سیدنا ابوبکر صدیقؓ آپ کے ساتھ تھے۔ جیسے ہی نبی کریم ﷺ کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرلی ہے تو صحابہ کرام بھی حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف آنا شروع ہوگئے۔ اللہ نے مدینہ منورہ کے بہت سے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائی اور انہوں نے صحابیت رسول ﷺ کی عظمت حاصل کی۔ اس طرح مہاجرین و انصار کو اللہ نے بہترین ٹھکانا عطا فرمایا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوکر رہا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ السجدة

النصف

ع ۶ / ۱۲ السجدة ۳

ترجمہ: آیت نمبر ۴۳ تا ۵۰

(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ہیں وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی پس اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے معلوم کرلو۔ ان کو ہم نے معجزات اور کتابیں عطا کیں اور آپ ﷺ کی طرف قرآن کو نازل کیا ہے تا کہ آپ ان (اہل کتاب) کی طرف جو کچھ نازل کیا ہے اس کی وضاحت کردیں شاید وہ غور وفکر کریں۔

وہ لوگ جو بدترین تدبیریں کرتے ہیں کیا وہ اس سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ایسی جگہ سے ان پر عذاب لے آئے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو۔ یا ان کے چلتے

پھرتے ان کو پکڑ لے یہ لوگ اللہ کو بے بس نہیں کر سکتے۔ یا ان کو ڈرانے کے بعد پکڑ لے۔ بلا شبہ تمہارا رب تو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے ولا ہے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کے سائے ڈھلتے جاتے ہیں کبھی دائیں طرف کبھی بائیں طرف اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے۔ جان دار اور تکبر نہ کرنے والے اور فرشتے وہ سب اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے اس رب سے ڈرتے ہیں جو ان پر بلند و برتر ہے۔ اور ان کو جو کچھ حکم دیا جاتا ہے وہ کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۳ تا ۵۰

نُوْحِیْ — ہم وحی کرتے ہیں۔

اِسْئَلُوْا — تم پوچھ لو۔

اَھْلُ الذِّکْرِ — یاد رکھنے والے، علم والے۔

اَلْبَیِّنٰتُ — (اَلْبَیِّنَۃُ) کھلی نشانیاں۔

اَلزُّبُرُ — (زَبُوْرٌ) لکھی ہوئی کتابیں، صحیفے۔

اَلذِّکْرُ — دھیان دینے کی چیز (قرآن کریم)

نُزِّلَ — نازل کیا گیا۔

اَفَاَمِنَ — کیا پھر وہ مطمئن ہو گئے۔

یَخْسِفُ — وہ دھنساتا ہے۔

تَقَلُّبٌ — چلنا، پھرنا، بھاگ دوڑ

مُعْجِزِیْنَ — عاجز کرنے والے، بے بس کرنے والے۔

تَخَوُّفٌ — ڈرنا۔

يَتفَيَّئُوا	(فَیْ) ڈھلتے ہیں۔
ظِلَالٌ	(ظِلٌّ) سائے
اَلْيَمِيْنُ	داہنی جانب۔
اَلشَّمَائِلُ	بائیں جانب۔
دَاخِرُوْنَ	ذلیل ہونے والے، عاجزی کرنے والے۔
يَسْجُدُ	سجدہ کرتا ہے۔
دَابَّةٌ	زمین پر رینگنے، چلنے والے جان دار۔
لَايَسْتَكْبِرُوْنَ	وہ بڑائی، تکبر نہیں کرتے ہیں۔
يَخَافُوْنَ	وہ خوف رکھتے ہیں۔
يَفْعَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں۔
يُؤْمَرُوْنَ	حکم دیئے جاتے ہیں۔

تشریح: آیت نمبر ۴۳ تا ۵۰

انبیاء کرامؑ کی بشریت کا انکار یہ ایک ایسا عام مرض ہے جس کو قرآن کریم نے بار بار بیان فرمایا ہے۔ یوں تو کفار ہر طرح کے اعتراضات کرتے تھے لیکن ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اللہ کا نبی و کیسے ہو سکتا ہے جو ہماری طرح سے زندگی گذارتا ہو۔ نبی تو ایسا ہونا چاہئے تھا کہ جس کو زندگی کے معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ فرشتے اس کے آگے پیچھے ہوں غیب کی خبریں بتاتا ہو۔ اس کے ساتھ ایسا خزانہ ہو جس کو وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے لٹاتا ہوا آئے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے اس اعتراض کے جواب میں ایک ہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے گئے ہیں وہ انسان ہی ہوتے ہیں کوئی اور مخلوق نہیں ہوتے اور ان کے ساتھ بشریت کے تمام تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو ان کی زندگی دوسرے ان جیسے انسانوں کے لئے قابل عمل

ہوتی ہے۔ اگر کسی فرشتے کو بھیج دیا جاتا تو اس کی زندگی دنیا میں بسنے والے انسانوں کے لئے کوئی مثالی زندگی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہر وہ شخص واقف ہے جسے گذشتہ کتابوں کا علم دیا گیا ہے کفار سے فرمایا کہ اگر تمہیں اس بات کو جاننا ہو تو ان اہل کتاب سے پوچھ لو جن پر تم بہت زیادہ اعتماد کرتے ہو جن کے انبیاء کرامؑ کو معجزات اور کتابیں دی گئی تھیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جس کلام کو نازل کیا ہے آپ اس کو کھول کھول کر بیان کر دیں تا کہ وہ غور وفکر کر سکیں۔ فرمایا کہ اگر اس وضاحت سے وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف آ جائیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے ان ہی کے لئے فائدہ مند ہے۔ اللہ کسی کی عبادت و بندگی کا محتاج نہیں کیونکہ زمین و آسمان میں جو بھی مخلوق ہے آسمان پر جتنے بھی فرشتے ہیں اور زمین پر ہر طرح کے جان دار ہیں وہ اللہ کے فرماں بردار ہیں اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں جس طرح ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کے سائے کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف ڈھلتے جاتے ہیں وہ نہایت عاجزی اور اطاعت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہیں تو یہ ان کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے لیکن اگر انہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کا یہی طریقہ اختیار کیا اور وہ لوگ جو اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے ہیں ان کو اسی طرح ستاتے رہے تو ان پر گذشتہ قوموں کی طرح کوئی بھی عذاب آ سکتا ہے۔ زمین میں دھنسا دیا جائے۔ آسمان سے آگ برسا دی جائے، تیز آندھی یا طوفان سے ہلاک کر دیا جائے چلتے پھرتے ان پر عذاب آ جائے یا زندگی بے سکون اور ویران ہو کر رہ جائے۔ فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان اور کرم کرنے والا ہے وہ کسی کو گناہ کرتے ہی نہیں پکڑ لیتا بلکہ اس کو مہلت دیتا چلا جاتا ہے تا کہ اس کو سنبھلنے کا پورا پورا موقع مل جائے۔ مہلت کے باوجود اگر کوئی بھی اپنی بری روش پر قائم رہتا ہے تو اس کو کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

ان آیات کی چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے تا کہ ان آیات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

۱) تمام انبیاء کرامؑ بشر ہی ہیں لیکن ایسے بشر جن پر بشریت ناز کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو سب سے بڑی عظمت کا مقام عطا فرماتا ہے، ان کی طرف اللہ کے کلام کی وحی کی جاتی ہے اور وہ اللہ کے نمائندہ خصوصی ہوتے ہیں جن کا ہر فعل اور عمل قابل تقلید ہوتا ہے کیونکہ ان پر بشریت کے تمام تقاضے طاری کئے جاتے ہیں جس سے وہ دوسروں کے لئے قابل عمل مثال ہوتے ہیں۔

۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس جگہ اگر چہ اہل کتاب کے لئے فرمایا گیا ہے کہ جس قوم کے لئے معجزات اور کتابیں نازل کی گئی ہیں کہ ان سے تم پوچھ سکتے ہو کہ انبیاء کرام بشر ہوتے ہیں یا نہیں؟ ان کا جواب یہی ہوگا کہ وہ بشر ہی ہوتے ہیں۔ اس

آیت میں بہت سادہ سا اصول بتایا گیا ہے جو بہت اہمیت رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص جس بات کو نہیں جانتا وہ جاننے والوں سے جان لے کسی چیز کے جاننے میں کوئی عیب نہیں ہے۔ بعض لوگ زندگی بھر چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں اسی لئے الجھے رہتے ہیں کہ وہ کسی سے پوچھنے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں قرآن کریم سے یہ اصول بھی مل گیا کہ جس بات کو آدمی نہیں جانتا اس کو جاننے والوں سے جان لینا چاہئے جس مسئلہ کا اس کو علم نہ ہو اس کو کسی عالم سے پوچھ لینا کوئی عیب نہیں ہے۔

۳) چونکہ انبیاء کرام بشر ہوتے ہیں اس لئے ان کی زندگی کے طریقوں کو اختیار کرنے میں نہ مشکل ہوتی ہے نہ دشواری کیونکہ ان پر زندگی کے معاملات کو جس طرح طاری کیا جاتا ہے اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں وہی ان کے امتیوں کے لئے مثال ہوتے ہیں۔

۴) اللہ کا کلام جس رسول پر بھی نازل کیا جاتا ہے وہ اپنے عمل اور کردار سے اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اللہ کے رسول اور نبی کی یہ شان نہیں ہوتی کہ وہ اللہ کا کلام کسی کتابی شکل میں دے کر چلا جاتا ہو کہ میں نے یہ کتاب تم تک پہنچادی ہے تم جس طرح چاہو اس کی تشریح کرلو اور جس طرح چاہے عمل کرلو۔ ایسا نہیں ہوتا بلکہ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ہم نے اس کتاب کو نازل کیا ہے اب اس کی وضاحت کرنا اور اس پر عمل کر کے دکھانا یہ آپ کی ذمہ داری ہے تا کہ لوگ اس پر عمل کرسکیں۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بس قرآن کریم پہنچا گئے ہیں اب ہم اس قرآن کو لغت کے ذریعہ خود سمجھ لیں گے ہمیں اس کی وضاحت کے لئے رسول ﷺ کی احادیث کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ نعوذ باللہ ان احادیث کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یقین کیجئے جب کوئی میرے سامنے یہ کہتا ہے کہ ہمیں قرآن کافی ہے احادیث رسول ﷺ کی ضرورت نہیں ہے۔ تو میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں کہ یہ کیسے گستاخ اور بے ہودہ لوگ ہیں جن کے نزدیک ایک شاعر یا جھوٹے افسانے لکھنے والوں کی بے سروپا باتوں میں تو اس کا ایک ایک جملہ بھی جو اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس کے بیان کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں لیکن اللہ کے جس نبی نے سال دو سال نہیں بلکہ پورے تیئیس سال تک رات دن پوری محنت سے اللہ کا دین پہنچایا ہو ایک ایک آیت کو سکھایا اور اس کے عمل کی وضاحت فرمائی ہو نعوذ باللہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اگر قران کریم کی وضاحت کو لوگوں نے اپنی مرضی پر ڈھال لیا تو یہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے عظیم جذبے، آپ کے بے مثال عمل اور کردار کی توہین ہے بلکہ توہین قرآن اور توہین رسالت بھی ہے ایسے لوگ اللہ کے عذاب سے کیسے بچے رہتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ محض اللہ کا حلم، برداشت اور اس کی مہربانی ہے ورنہ ایسے لوگ کسی معافی کے مستحق نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ ہم یہ نہیں کہتے کہ قرآن کریم نامکمل ہے اور حدیث رسول اس کو مکمل کرتی ہے۔ بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم ایک کامل ترین کتاب ہے اس کو اور اس کے نور کو کوئی چیز مکمل نہیں کرتی۔ لیکن احادیث رسول قرآن کریم کے نور کو کھولنے والی اور اللہ کی مراد کی وضاحت کرنے والی ہیں۔

اگراحادیث رسول ﷺ کونظر انداز کر کے کوئی تشریح کی جائے گی تو وہ اس تشریح کرنے والے کی اپنی ذاتی رائے ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ کی مراد اور منشا ہرگز نہیں ہوسکتی۔ جس طرح کسی آیت کی تشریح رسول ﷺ نے فرمادی ہے وہی تشریح ایک سچائی ہے اس پر ہمارا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث رسول ﷺ کی عظمت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۵) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ موڑنے والے ہیں ان پر عذاب کی چار شکلیں ارشاد فرمائی گئی ہیں

☆ اللہ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسادے۔ زمین پھٹ جائے اور یہ اس میں سماجائیں۔ جس طرح قارون کو اس کی تمام دولت کے ساتھ زمین میں دھنسادیا گیا تھا اور زمین نے اس کو اور اس کے خزانوں کو نگل لیا تھا۔

☆ اچانک کوئی عذاب یا آفت آجائے۔ آسمان سے آگ، پتھر یا اولے برسنے لگیں تیز آندھی یا شدید بارش سے سرکش ہلاک کردیئے جائیں۔

☆ جب یہ لوگ اپنے کاروبار زندگی میں لگے ہوئے ہوں، بازاروں میں چل پھر رہے ہوں اور ان پر اچانک عذاب آجائے۔

☆ یہ بھی عذاب ہے کہ مرنے سے پہلے ان پر ایسی بے چینی، بے سکونی اور ویرانی طاری ہوجائے، قحط سالی، وبا، بیماریاں اور دشمن کا غلبہ ہوجائے کہ اس سے وہ ہلاک ہوجائیں۔ بہر حال اللہ کا عذاب آنے کی کوئی ایک شکل نہیں ہے بلکہ وہ جب اور جہاں اور جیسے چاہے نافرمانوں پر عذاب نازل کرسکتا ہے۔ لیکن وہ رؤف و رحیم ہے اس لئے ان کو مہلت اور ڈھیل دیئے ہوئے ہے جس سے ان کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۶) اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت و بندگی کا محتاج نہیں ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز اس کی اطاعت میں اس کے سامنے سرنگوں ہے۔ انسان اگر عبادت و بندگی کرتا ہے تو یہ اس کی سعادت کی بات ہے۔ وہ اللہ کسی کی نیکی اور عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ اگر دنیا کے سارے انسان اللہ کی نافرمانی کرنے لگیں یا سب مل کر اس کی عبادت و بندگی کریں اللہ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ چاند، سورج، ستارے، ہوائیں، فضائیں، تمام جاندار اور ہر چیز کے سائے اس کو ہر وقت سجدے کرتے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ساری کائنات اس کے ایک اشارے کی منتظر ہے۔ جب وہ کن کہتا ہے تو وہ چیز ہوجاتی ہے۔ وہ نہ انسانوں کی کسی نیکی کا محتاج ہے اور نہ دنیاوی اسباب کا۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــــَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۱ تا ۵۶

اور اللہ نے فرمایا کہ تم دو معبود نہ بناؤ۔ وہ صرف ایک ہی معبود ہے، تم مجھ سے ہی ڈرو۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اسی کی ملکیت ہے اور اسی کی عبادت و بندگی لازمی ہے۔ پھر کیا تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو۔ اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تم اسی سے فریاد کرتے ہو۔ پھر جب وہ مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ تم میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتی ہے۔ تا کہ ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے وہ ناشکری کرنے لگیں۔ پھر تم (وقتی) فائدے حاصل کرلو (ساری حقیقت کو) تم بہت جلد جان لوگے۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ ان کے لئے حصہ مقرر کر لیتے ہیں۔ اللہ کی قسم اس سے متعلق تم سے ضرور پوچھا جائے گا جو کچھ تم نے جھوٹ گھڑا تھا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۱ تا ۵۶

لَاتَتَّخِذُوْا	تم نہ بناؤ۔
اِلٰهَيْنِ	(اِلٰهٌ) دو معبود
اِثْنَيْنِ	دو۔
وَاحِدٌ	ایک
اِيَّایَ	مجھ سے ہی
اِرْهَبُوْا	تم ڈرو۔
وَاصِباً	ہمیشہ رہنے والا۔
مَا بِكُمْ	جو کچھ تمہارے پاس ہے۔
تَجْئَرُوْنَ	تم فریاد کرتے ہو، تم چلاّتے ہو۔
كَشَفَ	کھل گیا، دور گیا۔
فَرِيْقٌ	ایک جماعت
يُشْرِكُوْنَ	وہ شرک کرتے ہیں، شریک کرتے ہیں۔
تَمَتَّعُوْا	تم فائدہ حاصل کرو۔
نَصِيْبٌ	حصہ۔
تَاللّٰهِ	اللہ کی قسم۔
تُسْئَلُنَّ	تم پوچھے جاؤ گے۔
تَفْتَرُوْنَ	تم گھیرتے ہو۔

تشریح: آیت نمبر ۵۱ تا ۵۶

قرآن کریم میں سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ اللہ کو ایک ماننا اور ان تمام غیر اللہ کی عبادت و بندگی سے منہ موڑنا جن کو کچھ نادانوں نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ کفار و مشرکین کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنے بہت سے دیوی دیوتا بنا رکھے تھے جن کے متعلق مختلف بتوں کی طرف مختلف طاقتوں کو منسوب کر رکھا تھا کسی بت کے متعلق ان کا یہ گمان تھا کہ یہ اولاد دیتا ہے، کوئی رزق دیتا اور کوئی بارش برساتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے بت درحقیقت خود اپنے وجود کے لئے دوسروں کے ہاتھوں کے محتاج ہیں یہ انسان کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ کسی طرح کا نقصان پہنچا سکتے ہیں کیونکہ یہ خود اپنے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ فرمایا کہ انسان کی فطرت بھی اسی بات کو سچا مانتی اور جانتی ہے کہ مشکل کے وقت اس کو اپنے بت یاد نہیں آتے بلکہ وہ اللہ کو یاد کرتا ہے، روتا ہے، چلاتا ہے اور اسی کو پکار کر اپنی مصیبت کو دور کرنے کے لئے فریاد کرتا ہے لیکن جب اس کو اس مصیبت سے نجات مل جاتی ہے تو شکر کرنے کے بجائے وہ پھر سے شرک کرنے لگتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم توحید خالص پر زور دیتے ہوئے کفر اور شرک سے نفرت سکھاتا ہے وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال، اقوال اور اخلاق اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک وہ اللہ کی وحدانیت اور فکر آخرت پر نہ آ جائے۔ اسی بات کو ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو! تم ایک اللہ کو چھوڑ کر بہت سے معبود نہ بناؤ اور ان سے ڈرنے کے بجائے صرف مجھ سے ڈرو کیونکہ اس کائنات میں زمین و آسمان اور ہر چیز اس کی ملکیت ہے وہ بغیر کسی شریک کے ان سب چیزوں کا مالک ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے سامنے عبادت و بندگی میں جھکا ہوا ہے۔ اب انسان کی بھی یہی ذمہ داری ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت و بندگی کرنے والا بن جائے۔ کیونکہ وہی ایک اللہ ہے جس نے اس کائنات کے ذرے ذرے کو ایک نعمت کے طور پر انسان کا خادم بنا دیا ہے وہی نعمت دینے والا ہے اور وہی ہر آفت سے بچانے والا ہے۔ انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارے اور غیر اللہ کی عبادت و بندگی میں لگا رہے۔ اور ان بتوں کے نام پر اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں کچھ حصہ مقرر کر دے جن کو وہ جانتا تک نہیں کہ انہوں نے جن کو اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ کون ہیں۔ یہ صرف بچوں کو بہلانے والے قصے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ فرمایا کہ پتھر کے بتوں کو انسانی شکل میں تراش لیا ہے اور ان کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ یہ اپنے گمان کی پیروی ہے اپنے معبود کی نہیں کیونکہ جو تصویریں ان کے سامنے ہیں نہ ان کو کسی نے دیکھا اور نہ ان کا کوئی ثبوت موجود ہے۔ فرمایا کہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے کسی کو اس کا اختیار کیسے مل گیا کہ وہ اس رزق کو غیر اللہ کے لئے وقف کر دے۔ فرمایا کہ اللہ کے ہاں اس کا سوال ضرور کیا جائے گا جس کا یقیناً انسان جواب نہ دے سکے گا اللہ تعالیٰ ہمیں وحدانیت کو مانتے ہوئے اس کی ہر نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

ع ۷/۱۰/۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰

اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ذات بے عیب ہے۔ اور ان کے اپنے لئے وہ ہے جو یہ چاہتے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی (پیدائش کی) خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ میں کھولنے لگتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس برائی کی خوش خبری کے سبب جو اس کو دی گئی۔ سوچتا ہے کہ اس رسوائی کو برداشت کرلے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے۔ سنو! یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کا برا حال ہے اور اللہ کی شان بلند تر ہے۔ وہی زبردست حکمت ولا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰

يَجْعَلُوْنَ — وہ بناتے ہیں۔

اَلْبَنٰتُ — (اَلْبِنْتُ) بیٹیاں

يَشْتَهُوْنَ — وہ خواہش رکھتے ہیں، چاہتے ہیں۔

بُشِّرَ — خوش خبری دی گئی۔

اَلْاُنْثٰی	لڑکی
ظَلَّ	گیا
وَجَهٌ	چہرہ۔
مُسْوَدًّا	تاریک،سیاہ۔
کَظِیْمٌ	وہ کھولنے والا ہے،دم گھٹنے لگتا ہے۔
یَتَوَارٰی	(تَوَارِیٌ)وہ چھپتا پھرتا ہے۔
سُوْءٌ	برائی۔
اَیُمْسِکُهٗ	کیا اس کو روکے رکھے۔
هُوْنٌ	توہین،ذلت۔
یَدُسُّ	وہ دباتا ہے۔
اَلتُّرَابُ	مٹی۔
اَلَا	سنو،خبردار رہو
یَحْکُمُوْنَ	وہ فیصلہ کرتے ہیں۔
مَثَلُ السَّوْءِ	بری مثال،بری حالت۔
اَلْاَعْلٰی	بلندوبرتر

تشریح: آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰

کفار ومشرکین عرب کے اس معاشرہ میں جہاں نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تھا لڑکیوں کو نہایت کم تر، حقیر اور باعث رسوائی سمجھتے تھے اور اپنے لئے لڑکوں کی تمنا رکھتے تھے اور ان کو اپنی زندگی کا سہارا سمجھتے تھے۔ بعض قبائل تو لڑکیوں کو اتنا برا سمجھتے تھے کہ ان کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں آج بھی وہ قبرستان موجود ہے جہاں وہ کفار اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ جب کسی کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اور اس کی اطلاع اس کے باپ کو کی جاتی تو نفرت اور غم سے اس کی تیوریاں چڑھ جاتیں۔ غم سے نڈھال ہو جاتا اور چہرہ پر اداسی اور بے رونقی چھا جاتی۔ اور وہ رنج وغم سے بے حال ہو کر یہ سوچنے لگتا کہ اب میں لوگوں کا سامنا کیسے کروں گا۔ لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا اور یہ سوچتا کہ یہ مصیبت کہاں سے گلے پڑ گئی۔ اب میں اس ذلت ورسوائی کو برداشت کروں یا اس کو مٹی میں گاڑ دوں۔ آخر کار وہ برا فیصلہ کر کے اپنی زندہ لڑکی کو زمین میں گاڑ دیتا تھا۔ اس سنگ دلی کے بہت سے واقعات ہوتے تھے۔ اس دور پر کیا منحصر ہے آج بھی ہندوؤں کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو خوشی کے بجائے رونا دھونا شروع ہو جاتا ہے اور نفرت سے اس لڑکی کو اور اس کی ماں کو دیکھا جاتا ہے۔ ہماری بے عملی کا یہ عالم ہے کہ بعض مسلمانوں میں بھی لڑکی کی پیدائش پر خوشی نہیں کی جاتی بلکہ اگر ان کو مبارک باد پیش کی جائے تو وہ برا محسوس ہیں۔ لیکن سب ہی ایسے نہیں ہیں۔ الحمد للہ صحیح عقیدہ وفکر رکھنے والے لڑکے اور لڑکی کی پیدائش کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عرب کے معاشرہ میں لڑکی سب سے بدترین چیز سمجھی جاتی تھی۔ یہ تو دین اسلام کا فیض ہے کہ دنیا سے یہ رسم ختم ہوئی ورنہ وہ کفار تو اپنی سنگ دلی میں کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ اس جگہ یہ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کفار ومشرکین اپنے لئے تو لڑکی کو بدترین سمجھتے ہیں اور لڑکوں کی خواہش کرتے ہیں لیکن اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں چنانچہ بنو خزاعہ اور دوسرے کچھ قبائل یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ فرمایا کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم اپنے لئے تو بیٹوں کی خواہش کرتے ہو اور اللہ کی طرف اس چیز کی نسبت کرتے ہو جس کو تم برا سمجھتے ہو یعنی اس کے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بناتے ہو یہ کتنی خود غرضی اور بے وقوفی کی بات ہے۔ اللہ جس کے لئے ہر عمدہ سے عمدہ صفت اور مثال ہونی چاہئے تھی جس کا وہ حق دار ہے اس کے لئے بری مثالیں گھڑتے ہو اور ہر اچھی چیز کی نسبت اور صفت اپنی طرف کرنا چاہتے ہو۔ فرمایا یہ انداز خود ایک بدترین مثال ہے۔ فرمایا کہ وہ اللہ جو زبردست ہے اور تمام کائنات کا مالک ہے وہ تمہیں فوراً ہی اس گستاخی پر سزا نہیں دیتا لیکن اگر وہ سزا دینے پر آئے تو اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾

ع ٨ ۱۴

ترجمہ: آیت نمبر ٦١ تا ٦٥

اور اگر اللہ لوگوں کی زیادتیوں پر ان کو فوراً ہی پکڑ لیا کرتا تو زمین پر کوئی جان دار (اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا تھا) لیکن وہ ایک مقرر مدت تک ڈھیل دیئے ہوئے ہے۔ پھر جب وہ ساعت (گھڑی) آ جائے گی تو پھر وہ ایک ساعت بھی پیچھے نہ ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ اور وہ اللہ کے لئے ان چیزوں کو تجویز کر رہے ہیں جس کو وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ وہ اپنی زبانوں سے جھوٹے دعوے کرتے ہیں تا کہ ان کو ہر بھلائی مل جائے۔ یقیناً ان کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ یہ اس میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

اللہ نے اپنی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے امتوں کی طرف رسول بھیجے (تا کہ وہ ان

کوڈرا سکیں) لیکن شیطان نے ان کے اپنے کرتوتوں کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنادیا تھا۔ آج وہ شیطان ان کا ساتھی بنا ہوا ہے۔ حالانکہ ان سب لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے تا کہ آپ ان پران باتوں کو کھول دیں جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔ (یہ کتاب) ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ اور اللہ بلندی سے پانی برساتا ہے پھر زمین کو مردہ ہونے کے بعد ایک نئی زندگی دیتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کیلئے نشانی ہے جو (حق بات) سنتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵

یُؤَاخِذُ	وہ پکڑتا ہے۔
مَا تَرَکَ	اس نے نہ چھوڑا (وہ نہ چھوڑے گا)
یُؤَخِّرُ	وہ مہلت دیتا ہے، تاخیر کرتا ہے۔
اَجَلٌ	مدت، موت۔
لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ	نہ پیچھے ہٹ سکیں گے۔
لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ	نہ وہ آگے بڑھیں گے۔
یَکْرَهُوْنَ	وہ ناپسند کرتے ہیں۔
تَصِفُ	ملوث ہوتے ہیں، کہتے ہیں۔
اَلْسِنَةٌ	(لِسَانٌ) زبانیں۔
مُفْرَطُوْنَ	آگے بڑھا رہے ہیں۔
زَیَّنَ	خوبصورت بنادیا۔
اَحْیَا	اس نے زندگی دی۔
یَسْتَمِعُوْنَ	وہ سنتے ہیں۔

(۷-۶)

تشریح: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کفار و مشرکین اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں حالانکہ اللہ ہر عیب سے پاک ہے وہ بیٹا، بیٹی کا محتاج نہیں ہے یہ خود ان کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں اور ستم تو یہ ہے کہ اپنے لئے تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان کے ہاں لڑکے پیدا ہوں۔ لڑکیوں سے نفرت کرتے ہیں لیکن دیویوں سے لے کر فرشتوں تک اللہ کے لئے لڑکیاں ثابت کرتے ہیں یعنی لڑکے ان کفار کے لئے اور لڑکیاں اللہ کے لئے۔ اس بات کو گذشتہ آیات میں تفصیل سے فرمادیا گیا۔ اب یہ فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کی شان میں اتنی بڑی گستاخی کی سزا تو یہ ہونی چاہئے تھی کہ اللہ فوراً ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا لیکن یہ اللہ کا لطف و کرم اور حلم و برداشت ہے کہ وہ ان کو اسی وقت سزا نہیں دے رہا ہے کیونکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کفار و مشرکین اور گناہ گاروں کو ایک خاص مدت تک مہلت اور ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے تاکہ وہ توبہ کر کے اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کرلیں۔ لیکن اگر وہ اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے تب اللہ کا وہ فیصلہ آجاتا ہے جس کے آنے اور واقع ہونے میں گھڑی بھر نہ دیر ہوتی ہے نہ جلدی۔ فرمایا کہ یہ ان لوگوں کی سخت غلطی اور ناانصافی ہے کہ وہ ہر اچھی بات کو اپنے لئے خاص کرتے ہیں اور ہر بری چیز کی نسبت وہ اللہ کی طرف کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کو اس ذہنی گستاخانہ روش سے باز آجانا چاہئے۔ ورنہ اللہ کے فیصلہ آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ جس طرح وہ اللہ کی شان میں گستاخی کرتے تھے اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بھی کسی گستاخی کے کرنے سے پیچھے نہیں رہتے تھے۔ کبھی آپ کا مذاق اڑاتے۔ دین کی سربلندی اور کوششوں میں رکاوٹ بنتے۔ اور جو لوگ ایمان لے آئے تھے ان کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ ان حالات سے سخت رنجیدہ ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول اور نبی آئے ہیں ان کو اسی طرح ستایا گیا ہے۔ شیطان نے ان کا ساتھی بن کر ان کے برے عمل کو ان کی نگاہوں میں بہت خوبصورت بنا کر پیش کیا تھا جس سے ان کو یقین ہوجاتا تھا کہ وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ یہی صورت حال آپ کے ساتھ بھی ہے کہ شیطان نے اپنے جال پھیلا رکھے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر کے ان کو گمراہ کرتا رہتا ہے فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ اللہ کے دین کو ان تک پہنچاتے رہئے۔ ہر اصول کی وضاحت پیش کرتے رہئے کیونکہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائے گا ان کے لئے یہ قرآن ہدایت و رحمت بن جائے گا۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ اللہ کا دین ان تک پہنچاتے رہئے، شیطان کی ہر چال ناکام ہو کر رہے گی اور جس طرح بارش کے پانی سے مردہ زمین میں ایک نئی زندگی پیدا ہوجاتی ہے اسی طرح یہ قرآن کریم اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت بن کر ان کو ایک نئی زندگی اور اس کی بہاریں عطا فرمائے گا جو ان کی دنیا اور آخرت کو سنوار دے گا۔ فرمایا کہ جو لوگ اس قرآن کریم اور آپ کے ارشادات کو سن کر عمل کریں گے ان کے لئے یہ بڑی نشانی ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ
مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا
حَسَنًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٦٦ تا ٦٧

اور بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں سامان عبرت ونصیحت ہے کہ ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکلتا ہے جو تمہارے پینے کے لئے ہے جس سے ہم تمہیں سیراب کرتے ہیں۔ اور اسی طرح کھجور اور انگور کے پھلوں کے (رس) سے تم نشہ کی چیزیں بناتے ہو اور اچھا رزق (بھی حاصل کیا جاسکتا ہے) بے شک اس میں عقل رکھنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٦ تا ٦٧

اَلْاَنْعَامُ	چوپائے، مویشی جانور۔
نُسْقِيْكُمْ	ہم تمہیں پلاتے ہیں، سیراب کرتے ہیں۔
بُطُوْنٌ	(اَلْبَطْنُ) پیٹ۔
بَيْنَ	درمیان۔
فَرْثٌ	گوبر، جانور کی لید۔
دَمٌ	خون۔

لَبَنٌ دودھ، لسی۔

سَائِغٌ (سَوْغٌ) خوش گوار۔

شَارِبِیْنَ پینے والے۔

تشریح: آیت نمبر ۶۶ تا ۶۷

کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کی بے انتہا صفتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان ہی میں سے یہ صفت بھی ہے کہ وہ ''حی وقیوم'' ہے یعنی وہ زندہ ہے اور ہر چیز کو تھامے ہوئے ہے۔ اس کائنات میں انسان جتنا بھی غور کرتا ہے وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس حی وقیوم ذات نے اس پورے نظام کائنات کو سنبھالا ہوا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی اس کائنات اور اس کے نظام کو چلاتا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فضائیں، ہوائیں، بادل، بارش، شجر وحجر، جانور اور بدلتے موسم۔ یہ سب اس کی قدرت کے نمونے ہیں۔

ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انسان نے کبھی ان مزیدار اور خوشبودار غذاؤں اور پھلوں کی پیدائش پر غور کیا ہے کہ وہ ان چیزوں کو نعمتیں بنا کر کس طرح انسانوں کی غذا بنا دیتا ہے اور اس نے کس طرح ان کو سنبھالا ہوا ہے۔ ایک جانور ہر طرح کی غذا کھاتا ہے۔ اس کے ذریعہ وہ دودھ جیسی نعمت کو پیدا کرتا ہے۔ جاندار کے جسم میں ان غذاؤں سے خون بھی پیدا ہو رہا ہے۔ گوبر جیسی گندگی بھی پیدا ہو رہی ہے لیکن یہ اللہ کی کتنی بڑی قدرت ہے کہ وہ اس فضلے (گوبر) اور خون کے درمیان سے دودھ جیسی غذا کو پیدا کرتا ہے۔ نہ اس میں خون کی رنگت کا اثر ہوتا ہے نہ گوبر کی بدبو ہوتی ہے وہ ایک ایسی خالص غذا بنتی ہے جس کو حلق سے اتارنے میں نہ ان کے بچے کو تکلیف ہوتی ہے نہ بوڑھے اور جوان کو کوئی زحمت ہوتی ہے۔ دودھ جیسی پاکیزہ صحت منداور مزیدار غذا پیدا کر دی جاتی ہے جس سے انسان دودھ، دہی، چھاچھ کے علاوہ بہترین اور صحت منداصلی گھی بھی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یہ قدرت ہے کہ وہ بدبودار اور گندی کھاد جو درختوں، پودوں اور کھیتوں میں ڈالی جاتی ہے اس سے انسان کو ہر طرح کا اناج، طرح طرح کے پھل، پھول، سبزہ، سبزی ملتی ہے اس کے مزے مختلف کر دیئے تا کہ انسان ان غذاؤں کی یکسانیت سے اکتا نہ جائے۔ فرمایا کہ ان تمام چیزوں میں عقل وفہم رکھنے والوں کے لئے زبردست عبرت ونصیحت کے پہلو پوشیدہ ہیں۔ انسان دودھ اور غذائیں استعمال کرتا ہے لیکن کبھی اس محسن ومنعم ذات کا شکریہ بھی ادا کیا جس نے اپنی قدرت کاملہ سے اتنی عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ یقیناً اللہ کے نیک بندے اپنے پروردگار کا احسان مانتے ہوئے اس کا شکر ادا کرتے ہیں یہی لوگ کامیاب وبامراد ہیں۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى

النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾

ع ۹ / ۱۵

ترجمہ: آیت نمبر ۶۸ تا ۷۰

(اے نبی ﷺ) آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ وہ پہاڑوں اور درختوں اور جو بلند عمارتیں ہیں ان میں اپنے گھر بنالے۔ پھر ہر طرح کے پھلوں سے رس چوس کر اپنے رب کے بنائے ہوئے نرم اور ہموار راستوں پر چلے۔ (اسی) مکھی کے پیٹ سے مختلف رنگ کا شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ اللہ تمہیں پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے۔ اور بعض تم میں سے اس نکمی عمر کو پہنچ جاتے ہیں جہاں سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا (سب بھول جاتا ہے) بے شک اللہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۸ تا ۷۰

اَوْحٰى — وحی کی، الہام کیا۔

اَلنَّحْلُ — شہد کی مکھی۔

اِتَّخِذِىْ — تو بنالے۔

بُيُوْتٌ	گھر۔
يَعْرِشُوْنَ	وہ لوگ اونچا اٹھاتے ہیں۔
كُلِيْ	(مونث) تو کھالے
اُسْلُكِيْ	تو چل۔
سُبُلَ	(سَبِيْلٌ) راستے۔
ذُلُلٌ	آسان کئے ہوئے، ہموار۔
شِفَاءٌ	شفا ہے، صحت ہے۔
يَتَوَفّٰى	وہ موت دیتا ہے۔
يُرَدُّ	لوٹایا جاتا ہے۔
اَرْذَلُ الْعُمَرِ	نکمی عمر، بے فائدہ زندگی۔
لِكَيْ لَا يَعْلَمَ	تا کہ وہ نہ جانے۔

تشریح: آیت نمبر ٦٨ تا ٧٠

گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ انسان اگر اس کائنات کی ایک ایک چیز پر غور کرے گا تو اس کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کائنات خود بخود نہیں چل رہی ہے بلکہ اس کو چلانے والا اور اس کا انتظام کرنے والا ایک اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ہر چیز میں تاثیر پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو چیز جیسی نظر آتی ہے اس کی تاثیر اللہ کے ہاتھ میں ہے مثلاً ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ سمندر جس کا پانی انتہائی کڑوا ہے اور اس کا استعمال بظاہر ناممکن ہے اس میں پلنے والی مچھلیاں بھی اپنے گوشت میں کڑواہٹ لئے ہوئے ہوں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ سمندر کی مچھلی کے گوشت میں پانی کی کڑواہٹ کا اثر تک نہیں ہوتا اس طرح خون اور گوبر (گندگی) کے درمیان سے اس نے دودھ کو پیدا کیا۔ لیکن دودھ میں خون کی رنگت یا گوبر کی بد بو نہیں ہوتی۔ آدمی دن رات دیکھتا ہے کہ گندگی سے بنا ہوا کھاد درختوں پودوں اور

کھیتوں میں ڈالا جاتا ہے لیکن اس کھاد کا اثر اس کے اناج اور پھلوں پر نہیں پڑتا۔ فرمایا اسی طرح شہد کی ایک مکھی جو بڑی زہریلی ہوتی ہے۔ اگر کسی کے کاٹ لے تو آدمی تلملا کر رہ جاتا ہے لیکن اللہ نے اس شہد کی مکھی کو ایک خاص عقل، سمجھ اور حسن انتظام کا مادہ عطا فرمایا ہے جس سے وہ فطرت کی اس رہنمائی میں جو اللہ نے اسے عطا فرمائی ہے پھولوں، پھلوں اور پودوں کی مٹھاس کو چوس کر اپنے معدے میں ڈالتی ہے تو وہ رنگ برنگ کا ایک ایسا مفید مرکب بن جاتا ہے جس میں اللہ نے شفاء اور صحت رکھ دی ہے۔

ان آیات میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جس طرح ہر چیز کی تاثیر اللہ کی طرف سے ہے اسی طرح زندگی اور موت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس اللہ نے انسان کو پیدا کیا، وہی موت دیتا ہے یا کسی کسی کو اس نکمی عمر تک پہنچا دیتا ہے جہاں سب کچھ جاننے کے باوجود سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس میں اور ایک بچے میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ یہ پوری کائنات کیا ہے؟ اس کا نظام کیا ہے؟ اس کو وہی جانتا ہے اور ساری قدرتیں اور طاقتیں اللہ ہی کی ہیں۔

ان آیات کی چند باتوں کی وضاحت بھی ملاحظہ کر لیجئے:

اوحی اس نے وحی کی ---- قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے وحی کا لفظ بہت سی جگہوں پر ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے وحی کی۔ قرآن کریم اور کتب آسمانی بھی وحی کے ذریعہ آئی ہیں۔ لیکن اس وحی میں اور جو اللہ نے کائنات کی مختلف چیزوں کی طرف وحی کی ہے اس میں کیا فرق ہے؟ اگر غور کیا جائے تو یہ فرق بہت واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی طرف بھی وحی کی ہے اور فرشتوں کی طرف بھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی طرف، حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف حضرت مریمؑ کی طرف بھی وحی کی ہے۔ اس لئے وحی کیا ہے؟ اس کو سمجھ لیا جائے، اصل میں تو خفیہ اور خاموش اشارے کو وحی کہا جاتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ جہاں بھی وحی کا لفظ آئے اس سے وہی مراد ہو جو فرشتے کے ذریعہ انبیاء کو عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرما رہے ہیں اس لئے اس وحی کا منشا اس فطری رہنمائی کا بھی ہو سکتا ہے جو اللہ نے ہر مخلوق کی طرف اس کی فطرت میں رکھ دی ہے۔ مثلاً انسان کا اور جانور کا بچہ اس دنیا میں قدم رکھتے ہی اپنی غذا حاصل کرنے کا طریقہ جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ وہ کس طرح تھنوں کو منہ میں لے کر دبائے گا تو اس کی غذا دودھ اس کو حاصل ہوگی۔ یہ اس کی فطرت میں شامل ہے تو اس کو بھی وحی کہہ دیا گیا ہے لیکن درحقیقت وحی حقیقی وہی ہے جس میں اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ جو اللہ کی طرف سے اس کی وحی لانے پر مقرر ہے جس کلام کو لے کر آتا ہے اس کو وحی حقیقی کہتے ہیں اس کے علاوہ فطرت کا جو بھی خاموش اشارہ ہے اس کو ہم مجازاً وحی کہہ سکتے ہیں یا اس کو الہام کا نام دے سکتے ہیں۔

النحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ شہد کی یہ چھوٹی سی مکھی جس کو اللہ نے ایسی انتظامی صلاحیت دی ہے جس کی تفصیلات سے آدمی

حیران ہوکر رہ جاتا ہے۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ شہد کی مکھیوں کا ایک ایسا اعلیٰ ترین نظام ہے جس پر جتنا بھی غور وفکر کیا گیا انسان حیران رہ گیا۔ شہد کی مکھیوں میں با قاعدہ پولیس، فوج، نگران اور حکومت کرنے والی ملکہ متعین ہے۔ اس پر بہت سے حضرات نے اور مفسرین نے شہد کی مکھیوں پر جتنی بھی تحقیق کی ہے وہ بڑی حیرت انگیز ہے اور اس سے اللہ کی قدرت اور شان نمایاں ہے۔ وہی ایک اللہ ہے جس نے اپنی مخلوق کو بنایا ہے تو ان کی ہدایت کے بھی پورے سامان فراہم کر دیئے ہیں۔ یہ شہد کی مکھی اللہ کے حکم اور فطری رہنمائی میں درختوں، شاخوں اور اونچے گھروں میں اپنا چھتا تیار کرتی ہے اور ہر طرح کے پھلوں اور پھولوں سے رس نچوڑ کر ایسا شہد بناتی ہے کہ انسانی عقل حیران ہوکر رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زہریلے جانور میں جو شہد بنایا ہے وہ انسانوں کی بہت سی بیماریوں میں شفا دیتا ہے۔ اور اس کے زہریلے پن کا کوئی اثر شہد میں نہیں آتا بلکہ بہت سے زہروں کا علاج شہد میں رکھ دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ اگر ان کے پھوڑا بھی نکل آتا تو آپ اس پر شہد کا لیپ لگا لیا کرتے تھے۔ بعض حضرات صحابہ نے ان سے اس کی وجہ معلوم کی تو آپ نے جواب میں کہا کہ تم نے قرآن کریم میں نہیں پڑھا **''فیه شفاء للناس''** یعنی اس میں لوگوں کے لئے شفاء رکھی گئی ہے (قرطبی)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ بھی اظہار فرمایا کہ زندگی، موت، مختصر یا طویل زندگی سب اس کے اختیار میں ہے یہاں تک کہ وہ بعض لوگوں کو اس نکمی عمر تک پہنچا دیتا ہے جہاں پہنچ کر وہ سب کچھ بھول جاتا ہے ایک بچے میں اور اس میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس ''ارذل العمر'' یعنی نکمی عمر سے پناہ مانگی ہے۔ اس موقع پر ایک بات میں عرض کروں گا کہ بعض لوگ جو لمبی عمر کی دعائیں مانگتے ہیں ان کو اس طرح دعا مانگنی چاہئے کہ اے اللہ اپنے فضل وکرم سے صحت وعافیت اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرما تا کہ میں زیادہ سے زیادہ آپ کے دین کو دنیا میں پھیلا سکوں۔ اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ طویل عمری عطا فرمائے گا تو انشاء اللہ وہ عمر پانے والا نکمی عمر تک نہ پہنچے گا۔ اس بات کو حضرت عکرمہؓ نے فرمایا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کی یہ حالت نہیں ہوگی۔ بعض حضرات طویل عمری کی دعا کرتے ہیں اور کچھ بزرگ بھی طویل عمری کی دعا دیتے ہیں لیکن نامکمل دعا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ قبول کر لیتا ہے لیکن اس طرح سے کہ وہ دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جاتا ہے۔ فرض کیجئے کہ زندگی کے آخری حصے میں اللہ نے اس کی زندگی بڑھادی مگر اس کو فالج ہوگیا۔ کوئی حادثہ پیش آ گیا اور وہ نابینا ہوگیا یا اعضا سے محروم ہوگیا تو وہ زمین پر رہتا ہے مگر دوسروں کا محتاج۔ اس لئے ہمیشہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ ایمان کی سلامتی کے ساتھ جتنی بھی عمر عطا فرمائے اس میں ہم آپ کے دین کی سربلندی کے لئے کام کرتے رہیں اور کسی کے محتاج نہ ہوں۔ سوائے اللہ کی محتاجی کے۔ انشاء اللہ ایسی دعا مکمل دعا ہوگی اور اللہ عافیت کے ساتھ قبول ومنظور فرمائے گا۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ جن لوگوں کو فضیلت اور بڑائی دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا رزق (مال ودولت) کبھی اپنے غلاموں کی طرف لوٹانے والے نہیں ہیں کہ وہ سب برابر ہو جائیں۔ تو کیا پھر بھی وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ نے تمہارے لئے تم ہی میں سے تمہاری بیویاں بنائیں اور ان سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں بہترین رزق عطا کیا۔ تو کیا پھر بھی وہ باطل (جھوٹ) پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت و بندگی کرتے ہیں جن کے اختیار میں نہ تو زمین و آسمان سے رزق پہنچانے کا کوئی اختیار ہے اور نہ وہ کوئی طاقت رکھتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

فَضَّلَ — بڑائی دی۔

فُضِّلُوْا — بڑھائے گئے۔

رَادِّیْ	لوٹانے والے۔
مَلَکَتْ اَیْمَانٌ	داہنے کی ملکیت۔غلام
سَوَاءٌ	برابر۔
یَجْحَدُوْنَ	وہ انکار کرتے ہیں۔
اَزْوَاجٌ	جوڑے، بیویاں۔
بَنِیْنَ	بیٹے۔
حَفَدَةٌ	پوتے۔
لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ	وہ قدرت طاقت نہیں رکھتے

تشریح: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور قدرت کاملہ اور اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے انسانوں کے فائدہ کے لئے عطا فرمائی ہیں۔ان آیات میں چند اور نعمتوں کا بھی ذکر کر کے توحید کا اثبات اور باطل کے بے حقیقت ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔

فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے کہ اس نے اپنی حکمت اور قدرت کاملہ سے سب کو ایک درجہ کا نہیں بنایا بلکہ کسی کو امیر کسی کو غریب کسی کو نہایت سمجھ دار اور کسی کو بے وقوف بنایا ہے۔ اگر ساری دنیا کے انسان ایک ہی جیسے رتبے اور مقام کے ہوتے تو اس کائنات کا نظام کیسے چلتا۔اس میں اللہ نے اپنی توحید کو نہایت شان کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اس غریبی اور امیری کے فرق میں تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ اللہ نے جن لوگوں کو خوب عطا فرمایا ہے وہ بہت خوش حال ہیں۔ دوسری طرف غریب، مفلس، غلام اور نوکر چاکر ہیں لیکن کوئی آقا، مالک اور صاحب حیثیت آدمی اپنا سب کچھ دے کر غریبوں کو اپنے برابر کی سطح پر لانا نہیں چاہتا۔اپنی عزت، رتبے اور مال و دولت کے نشے میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔فرمایا کہ تم تو اپنی دولت، ملکیت اور رتبے میں کسی کو شریک کرنا پسند نہیں کرتے مگر تمہاری یہ کتنی بڑی بھول ہے کہ تم پتھر کے بے جان بتوں اور غیر اللہ کو اللہ کے برابر کرتے ہو اور اس کا شریک بناتے ہو۔فرمایا کہ جس چیز کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے اپنے اس اللہ کیلئے کیسے پسند کرتے ہو جس کی عظمت کی کوئی مثال دینا بھی دشوار ہے۔ جس کی یہ ساری کائنات ہے اور اس کا ذرہ ذرہ اس کی ملکیت ہے فرمایا کہ کیا تم اللہ کی نعمتوں کا انکار کر سکتے ہو۔ اللہ نے تو تم پر یہ کرم

فرمایا کہ تمہاری جنس سے تمہیں وہ بیویاں اور زندگی کی ساتھی عطا کی ہیں جو تمہارے گھر کے انتظام کو سنبھالتی ہیں جو تمہارے دکھ سکھ کی شریک، تمہارے مال و دولت اور بچوں کی نگراں ہیں جو تمہارے لئے سکون قلب اور انسیت و محبت کا ذریعہ ہیں۔ وہ اللہ جس نے تمہیں اولاد بھی دی اور اولاد کی اولاد یعنی پوتے اور نواسے بھی عطا فرمائے جس سے تمہاری نسل چلتی ہے اور تمہارے آڑے وقت میں کام آتے ہیں۔ فرمایا کہ تمہیں تو اسی کی عبادت و بندگی کرنی چاہئے تھی اور غیر اللہ کو اس کے برابر کرنے کے بجائے توحید کا پیکر ہونا چاہئے تھا کیونکہ اللہ نے اپنی قدرت سے ہر چیز کو پیدا کیا ہے یہ پتھر کے بت اور مورتیاں جو خود اپنے وجود کے لئے تمہارے ہاتھوں کی محتاج ہیں زمین و آسمان میں نہ تو کسی کو رزق پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان میں طاقت و قوت ہے۔

واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض

اللہ کی حکمت اور مشیت ہے کہ اس نے اس دنیا میں بسنے والے تمام لوگوں کو برابر نہیں کیا بلکہ رزق، ملکیت، دولت اور صلاحیتوں میں بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ کسی کو اتنا دیا کہ وہ خوب عیش و آرام سے رہتا، بستا کھاتا اور پیتا ہے وہ اپنی مرضی سے اپنی زیر ملکیت چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو بھی دیتا ہے۔ اس کے برخلاف بعض وہ لوگ ہیں جو نہایت تنگی اور عسرت کی زندگی گذارتے ہیں اور اپنے بنیادی اخراجات میں بھی تنگی ترشی سے گذارا کرتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو متوسط اور درمیانہ حال کے مالک ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ سے یہی تین طبقے رہے ہیں۔ اللہ نے تو اپنی اس کائنات میں کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں رکھی جو شخص بھی چاہے محنت اور اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیاوی زندگی کے ہر عیش و آرام کو اپنے اردگرد جمع کر سکتا ہے لیکن بعض لوگ وہ ہیں کہ سب کچھ محنت اور ان تھک محنت کے باوجود پوری زندگی عسرت و تنگی کی زندگی گذارتے ہیں۔ بہر حال دنیا میں یہی تین طبقے رہے ہیں۔ یہ ایک فطری تقسیم ہے جو ہمیشہ سے رہی ہے۔ سرمایہ داروں کے ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے ہاتھوں تنگ آجانے والوں میں سے کچھ لوگوں نے ایک ایسا نظام بنانے کی کوشش کی جس میں سب لوگ برابر ہو جائیں اور ان میں وسائل زندگی برابر تقسیم کئے جائیں۔ اس نظریہ میں بڑی جاذبیت تھی اور اسی (۸۰) سال کی محنت کے بعد کمیونزم کا نظام قائم کرنے کے لئے چند مملکتیں بن گئیں مگر یہ غیر فطری تقسیم کا نظام بھی سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی طرح انسانوں کے مسائل کو حل نہ کر سکا، پہلے تو لوگ سرمایہ داروں کے غلام تھے لیکن کمیونزم میں لوگ ایک ایسی سلطنت کے غلام بن گئے جس میں انسانی آزادی بھی چھین لی گئی اور غیر فطری تقسیم کا نظام آخر کار چند برسوں ہی میں ناکام ہو گیا اور ہمارے زمانہ تک جو ملک ابھی تک اس شکنجے میں پھنسے ہوئے ہیں وہ بھی بہت جلد آزاد ہو جائیں گے۔ گذشتہ کوئی سو برسوں سے انسان نے طرح طرح کے تجربات کئے لیکن انسان کو سکون میسر نہ آسکا کیونکہ جب تک دنیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ پر آمادہ رہے گی اس وقت تک انسان کو اس کی سچی منزل نصیب نہیں ہوگی۔ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مکمل اطاعت و محبت پر نہیں آئے گی اور خوش نما نعروں کو زندگی سمجھے گی اس وقت تک اس کو زندگی کا حقیقی سکون حاصل نہیں ہوگا۔

افبنعمتہ اللہ یجحدون --- ترجمہ --- کیا پھر بھی وہ اللہ کی نعمت کا انکار کریں گے۔

آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف متوجہ فرمایا ہے کہ انسان پر اللہ کی ہزاروں نعمتیں ہیں ایک نعمت یہ فطری تقسیم بھی ہے فرمایا کہ انسان تو اس بات پر جتنا بھی غور کرے گا شکر اور احسان مندی کے جذبے سے اس کا سر تو اٹھ ہی نہیں سکتا بلکہ ان احسانات کے سامنے اس کو اپنا سر جھکانا ہی پڑے گا کیونکہ وہ اللہ اپنے بندوں کا خیر خواہ ہے۔ اس کے برخلاف شیطان انسان کو ناشکری کی راہ پر ڈالنا چاہتا ہے جو انسان کی سب سے بڑی بھول ہے۔

من انفسکم ازواجاً --ترجمہ-- اللہ نے تمہارے لئے تم ہی میں سے تمہاری بیویوں کو بنایا

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی بچے، پوتے، نواسے عطا فرمائے جن کے ذریعہ اس کی نسل چلتی ہے بہت بڑی نعمت ہیں۔ انسان کو اپنی رفیقہ حیات سے جو سکون، اطمینان اور اعتبار ملتا ہے وہ بیوی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ پھر جب ان میاں بیوی کے ذریعہ اللہ اولاد اور پھر اولاد کی اولاد عطا فرماتا ہے۔ تو یہ اور بھی بڑی نعمت بن جاتی ہے کیونکہ انسان کے لئے یہ تصور ہی بڑا حسین ہے کہ اب آگے اس کی نسل چلتی رہے گی۔ بیوی جو ایک مرد کی محنت اور مزدوری سے اس کے گھر کا نظام چلاتی ہے اس کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔ اس کو اس کے خاندان میں عزت کا مقام دلواتی ہے۔ اس کے بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہ داشت کرتی ہے اور اس مرد کے لئے قلبی اور جذباتی انس، سکون اور محبت کا ذریعہ بنتی ہے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جو لوگ زندگی کی اس ذمہ داری سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بڑے ہی بدنصیب ہیں۔ ہم نے ترقی یافتہ ملکوں میں دیکھا ہے کہ اکثر لوگ زندگی کی اس ذمہ داری سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں کسی ایک عورت کے ساتھ کچھ وقت گذارتے اور اولاد کی ذمہ داریوں سے دور رہنے کے لئے ایسے مصنوعی طریقے اختیار کرتے ہیں جس سے ان کے ہاں اولاد نہ ہو۔ ہزاروں لاکھوں انسان ایسے ہیں جو اسی عیاشی میں اپنی زندگی گذارتے ہیں اور بے نام و نشان اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ جب یہ صورت حال سامنے آتی ہے تو قرآن کریم میں بتائی گئی اس نعمت حقیقی کا اندازہ ہوتا ہے کہ بیوی، بچے پوتے، نواسے یعنی ایک خاندانی زندگی کتنی بڑی نعمت ہے۔

رزقکم من الطیبت --ترجمہ-- اور اس نے تمہیں بہت پاکیزہ رزق عطا کیا ہے۔

اصل میں رزق طیب یعنی رزق حلال بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے جس میں سات گنا زیادہ برکت ہے اس کے برخلاف رزق حرام میں ہزراوں نحوستیں ہیں۔ اس آیت کے حصے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو محنت کی صلاحیت دی ہے اور رزق حلال کے ہزاروں راستے کھول دیئے ہیں اب یہ انسان کی بھول ہے کہ وہ اپنی جلد بازی میں اور فوری نتیجہ حاصل کرنے کے چکر میں اپنی حلال روزی کو اپنے لئے حرام بنالیتا ہے۔ اور اس طرح وہ باطل اور جھوٹ کو اپنی زندگی کی کامیابی سمجھ کر اللہ کی اس نعمت کو اپنے لئے حرام بنالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمام نعمتیں تمہارے پروردگار نے تمہیں بخشی ہیں۔ ان نعمتوں کے بخشنے میں ان بے جان پتھروں کو کوئی دخل نہیں ہے جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ نہ ان میں اس کی طاقت ہے نہ قوت ہے لیکن ایک انسان اپنے حقیقی اللہ کو بھول کر بے جان پتھروں کو اس کا شریک معبود بنالیتا ہے تو یقیناً وہ بہت بڑا ظلم کرتا ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا

لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

ع ١٠
١٦

ترجمہ: آیت نمبر ۷۴ تا ۷۶

پھر تم اللہ پر مثالیں چسپاں نہ کرو۔ بے شک (جس بات کو) اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ اللہ نے ایک مثال بیان کی ہے کہ ایک شخص جو کسی کا غلام ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے خوب رزق دیا ہے۔ وہ چھپ کر اور کھل کر ہر طرح خرچ کرتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ بلکہ اکثر لوگ اس حقیقت کو جانتے نہیں۔ اور اللہ نے دو آدمیوں کی (ایک اور) مثال بیان کی ہے ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے جہاں کہیں اس کو بھیجتے ہیں وہ کوئی خیر لے کر نہیں آتا۔ کیا یہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو عدل و انصاف کرتا ہے اور وہ صراط مستقیم پر ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۴ تا ۷۶

لَا تَضْرِبُوْا	تم نہ مارو، تم نہ گھڑو۔
ضَرَبَ	بیان کیا۔
عَبْدٌ	غلام۔
مَمْلُوْكٌ	کسی کی ملکیت۔
لَايَقْدِرُ	قدرت نہیں رکھتا۔
يُنْفِقُ	وہ خرچ کرتا ہے۔
سِرٌّ	چھپ کر
جَهْرٌ	کھل کر۔
هَلْ يَسْتَوٗنَ	کیا وہ دونوں برابر ہیں۔
رَجُلَيْنِ	دو آدمی۔
اَبْكَمُ	گونگا۔
لَايَقْدِرُ	قدرت نہیں رکھتا، اختیار نہیں رکھتا۔
كَلٌّ	بوجھ۔
مَوْلٰى	مالک، آقا۔
اَيْنَمَا	جہاں بھی۔
يُوَجِّهْهُ	اس کو بھیجا جاتا ہے۔

لَا يَأْتِ	نہیں لاتا۔
بِخَيْرٍ	بھلائی سے۔
يَأْمُرُ	حکم کرتا ہے۔
اَلْعَدْلُ	انصاف۔

تشریح: آیت نمبر ۷۴ تا ۷۶

اس سے پہلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اے لوگو! تم ایک اللہ کو چھوڑ کر ان غیر اللہ کی عبادت و بندگی نہ کرو جو آسمان و زمین میں نہ تو کچھ پیدا کرتے ہیں نہ وہ رزق پہنچاتے ہیں اور نہ ان میں اس کی طاقت و استطاعت ہے۔ وہ ایک اللہ ہے جو اس ساری کائنات کے نظام کو چلانے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ دنیاوی حکمرانوں اور افسروں کی طرح نہیں ہے جن کو اپنا کام چلانے کے لئے بہت سے مددگاروں کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ وہ ایسا حاکم مطلق ہے کہ جس چیز کو کرنا چاہتا ہے اس میں وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ چیز کے موجود ہونے کا حکم دیتا ہے اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ ایسی ذات کو دنیاوی مثالوں سے سمجھنا سمجھانا سب سے مشکل اور ناممکن ہے۔ چونکہ اللہ کو کسی نے دیکھا نہیں لہٰذا اس کی قدرت، شان اور ذات عظیم کے لئے اپنے تصور اور گمان کے مطابق تصوراتی شکل بناتا ہے تو یہ اس کا اپنا خیال ہے۔ اگر وہ اس خیالی تصویر کی عبادت کرتا ہے اور ان سے اپنی مرادوں کے پورا ہونے کی توقع رکھتا ہے تو یہ اس کی نادانی اور اپنے خیال اور گمان کی عبادت و بندگی کہلائے گی اس لئے فرمایا کہ اے لوگو! تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو اور جو کائنات میں مثالیں تمہارے سامنے موجود ہیں جن کو تم آسانی سے سمجھ سکتے ہو ان پر غور کر سکتے ہو، دیکھ سکتے ہو تو یقیناً تم اس نتیجے تک پہنچ سکتے ہو کہ اللہ اپنی ذات میں یکتا ہے اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی حقیقت سامنے آتی ہے جس میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے لوگو! تم اللہ کی ذات میں غور نہ کرو بلکہ اس کی مخلوقات میں غور و فکر کرو۔ کیونکہ غور کرنے سے وہ اس فرق کو صاف اور واضح طریقہ پر سمجھ سکتا ہے کہ جب دو آدمی جو ایک ہی جنس سے مختلف صلاحیتوں کی بنا پر ایک جیسے نہیں ہو سکتے تو وہ خالق جو ہر چیز پر ہر طرح کی قدرت و طاقت رکھتا ہے اس کے برابر وہ بندہ کیسے ہو سکتا ہے جس کا اپنے وجود پر بھی پورا اختیار نہیں ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے دو مثالوں سے واضح کیا ہے۔ فرمایا کہ تم اس بات میں غور کرو کہ دو شخص ہیں ایک تو وہ ہے جو کسی کا غلام ہے کوئی اس کا مالک ہے اور اس غلام کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ نے خوب بہترین

رزق اور اسباب عطا کئے ہیں وہ اس میں سے اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہتا ہے کھلے عام یا خاموشی سے خرچ کرتا ہے۔ اللہ نے سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ ایسے دو آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً اس کا جواب یہی ہوگا کہ ایک بے اختیار شخص ایک با اختیار کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح دو شخص ہیں ایک تو ان میں سے بہرا گونگا ہے جو نہ تو سنتا ہے نہ اپنی بات کا اظہار کر سکتا ہے کسی چیز پر اس کا کوئی اختیار بھی نہیں ہے۔ کسی کام کا نہیں اس کا مالک اس کو جو کام بھی سپرد کرتا ہے وہ اس کو ٹھیک سے کر نہیں سکتا۔ دوسرا شخص وہ ہے جو عدل وانصاف کرنے کا خوگر ہے اور وہ راہ مستقیم پر ہے۔ اللہ نے سوال فرمایا ہے کہ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ فرمایا کہ اگر عام زندگی کی اس مثال کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جو ایک ہی جنس سے ہیں تو پھر یہ کیسی بے انصافی، جہالت اور نادانی کی بات ہے کہ ان اندھے بہرے، گونگے بے اختیار پتھروں کے وہ بت جو کسی کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں ان کو اس اللہ کے برابر سمجھا جائے جو ساری دنیا کو عدل وانصاف عطا فرماتا ہے جو کامل اختیار رکھتا ہے اپنے اختیار میں کسی کا محتاج نہیں ہے وہ اپنے اختیار سے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اس کو ان بے بس اور عاجز معبودوں کے برابر سمجھنا انسان کی سب سے بڑی غلطی ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْــِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

ع ۱۱ / ۱۷

ترجمہ: آیت نمبر ۷۷ تا ۸۳

اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔اور قیامت کا آنا صرف ایسا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس طرح پیدا کیا ہے کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔اور اسی نے تمہارے لئے کان۔ آنکھیں اور دل بنایا تا کہ تم شکر ادا کرسکو۔ کیا وہ لوگ پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ آسمان کی فضا میں اس کے حکم کے تابع ہیں۔ انہیں اللہ کے سوا کس نے تھام رکھا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا ہے۔ اس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لئے ایسے مکان بنا دیئے جنہیں تم قیام اور سفر کی حالت میں ہلکا پھلکا پاتے ہو۔اور ان کے اون ان کے رؤوں اور بالوں سے گھر کا سامان اور فائدہ کی چیزیں ایک وقت تک کے لئے بنائی ہیں۔اور اللہ کی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزں سے تمہارے لئے سائے کا انتظام کیا۔اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسے کرتے بنائے جو گرمی (کی شدت) سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور ایسے کرتے (زرہیں) بنائے جو لڑائی میں تمہارے بچاؤ کا سامان ہیں۔ وہ اسی

طرح تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کرتا ہے شاید کہ تم فرماں بردار بن جاؤ۔ ور (اے نبی ﷺ) اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو آپ کے ذمے صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور احسان کو پہچانتے ہیں۔ پھر بھی اس کا انکار کرتے ہیں ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۷ تا ۸۳

اَمْرُ السَّاعَةِ — قیامت کا حال۔

لَمْحُ الْبَصَرِ — آنکھ کا جھپکنا، آنکھ کا بند ہونا۔

اَقْرَبُ — زیادہ قریب

بُطُوْنٌ — (بَطْنٌ) پیٹ۔

شَيْئًا — کچھ بھی۔

اَلسَّمْعُ — سننا، کان

اَلْاَبْصَارُ — (بَصَرٌ) آنکھیں۔

اَلْاَفْئِدَةُ — دل، قلب۔

اَلطَّيْرُ — پرندہ۔

فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ — آسمان کی فضا میں۔

مَا يُمْسِکُ — نہیں تھامتا۔

سَکَنٌ — ٹھکانا، رہنے کی جگہ۔

جُلُوْدٌ — (جِلْدٌ) کھالیں۔

تَسْتَخِفُّوْنَ — تم ہلکا پھلکا پاتے ہو۔

یَوْمُ ظَعْنِ	سفر کے دن، کوچ کے دن۔
یَوْمُ اِقَامَۃِ	ٹھہرنے کے دن۔
اَصْوَاف	(صُوْف) اون۔
اَوْبَارٌ	(وَبْرٌ) اونٹ کا نرم رواں۔
اَشْعَارٌ	(شَعْرٌ) بال۔
اَثَاثًا	سامان اسباب۔
مَتَاعًا	سامان۔
حِیْنٌ	وقت، زمانہ۔
ظِلَالٌ	سائے۔
اَکْنَانٌ	(کَنٌّ) چھپنے کی جگہ۔
سَرَابِیْلُ	(سِرْبَالٌ) کرتے۔
تَقِیْکُمْ	تمہیں بچاتا ہے۔
بَأْسٌ	لڑائی، جنگ۔
تُسْلِمُوْنَ	تم فرماں برداری کرتے ہو۔
یَعْرِفُوْنَ	وہ پہچانتے ہیں۔
یُنْکِرُوْنَ	وہ انکار کرتے ہیں۔

تشریح: آیت نمبر ۷۷ تا ۸۳

فرمایا کہ یہ لوگ پتھر اور لکڑیوں کے بے جان بتوں کو اپنا معبود بنا کر ان سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں حالانکہ وہ نہایت بے

بس عاجز اور کمزور ہیں جو اپنے وجود تک کے لئے انسانی ہاتھوں کے محتاج ہیں وہ کسی کے نفع اور نقصان کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس دنیا میں اور آخرت میں اس کے کوئی کام نہیں آسکیں گے۔ اس کے برخلاف اللہ کی قدرت وشان اور اختیار یہ ہے کہ اس نے کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے جو بھی اس کے تابع اور فرماں بردار ہے وہ ذرے ذرے کی حقیقت اس کے راز اور ہر بھید سے واقف ہے۔ وہی اللہ سب کا خالق و مالک اور محسن ہے۔ انسان کی یہ کتنی بڑی بھول ہے کہ وہ اپنے حقیقی محسن کو بھول کر غیر اللہ کے سامنے جھکتا ہے اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتا ہے حالانکہ حاجت روا صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ کے سارے نبیوں اور رسولوں نے یہی بتایا کہ اس کائنات میں صرف ایک اللہ کا حکم چلتا ہے وہی سبّ کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ہر چیز پر اس کو پوری قدرت وطاقت حاصل ہے۔ اس نے سب لوگوں کو قیامت تک مہلت دی ہوئی ہے جب وہ قیامت آجائے گی پھر ہر شخص کو زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ اس وقت یہ پتھر کے بے جان بت کسی کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔ نبی کریم ﷺ جو اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں آپ نے بھی سب سے پہلے مکہ والوں کو یہی بتایا کہ ساری قدرت وطاقت اللہ ہی کی ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بہت جلد قیامت آنے والی ہے وہ قیامت جس میں اس کائنات کو سمیٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ چاند، سورج بے نور ہو جائیں گے ستارے ٹوٹ کر ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، زمین ایک شدید زلزلے کے جھٹکے سے ختم کر دی جائے گی اور پھر اللہ ایک نئی زمین پیدا فرمائیں گے۔ میدان حشر قائم ہوگا اور پھر سب کا حساب کتاب ہوگا۔ کفار مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ اے محمد ﷺ! آخر قیامت جس کا آپ بار بار ذکر کرتے ہیں وہ کب آئے گی؟ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین کے ہر بھید اور راز کو صرف اللہ ہی جانتا ہے اللہ کو معلوم ہے کہ قیامت کب آئے گی لیکن جب وہ قیامت آئے گی تو اس کے آنے میں اتنی دیر بھی نہیں لگے گی جتنی دیر پلک جھپکنے میں لگتی ہے۔ اللہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ فرمایا کہ اس کائنات میں اللہ کی قدرت وطاقت کی سیکڑوں نشانیاں موجود ہیں مثلاً:

۱) ہر انسان کا اپنا وجود ہی ایک نشانی ہے۔ جب اللہ کسی انسان کو نو مہینے ماں کے پیٹ میں رکھ کر اس کو اس دنیا میں لاتا ہے اس وقت وہ سننے، دیکھنے اور سوچنے کی صلاحیت ہونے کے باوجود اپنی ان صلاحیتوں کو استعمال نہیں کر سکتا تھا وہ اللہ اس کو سننے دیکھنے اور سوچنے کی طاقتیں عطا کرتا ہے یہ چیز ہر انسان کے لئے مقام شکر ہے۔

۲) اس نے ہزاروں قسم کے پرندے پیدا کئے جن کو ایسا ہلکا پھلکا جسم اور اڑنے کی صلاحیت عطا فرمائی کہ وہ فضاؤں میں بے تکلف اڑتے پھرتے ہیں۔ فضاؤں کو ہواؤں کو ان کے لئے ایسا مسخر کر دیا کہ نہ ان کو زمین کی کشش اڑنے سے روک سکتی ہے اور نہ فضاؤں کی تیزی۔ ان پرندوں کو یہ صلاحیت کس نے دی؟ یقیناً اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو عطا فرمائی ہے۔

۳) اللہ نے انسان کو عقل، فہم اور فراست کے ساتھ ساتھ ایسے ذرائع بھی عطا فرمائے جن سے وہ دنیا کی زندگی کو

آرام اور سکون سے گذار سکے۔ فرمایا کہ ان کو گھر بنا کر اس میں سکون سے رہنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ اسی اللہ نے جانوروں کی کھالوں سے خیمے بنا کر رہنے کی صلاحیت عطا فرمائی جن کو انسان نہایت آسانی اور سہولت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے۔ اللہ نے اس انسان کو ایسی صلاحیت عطا فرمائی جس سے وہ جانوروں کا اون، روئیں اور بال حاصل کر کے سردی گردی موسم کی سختی اور نرمی سے بچنے کا سامان بناتا ہے اور سکون حاصل کرتا ہے۔ انسان کا اپنا گھر اور لباس وغیرہ اللہ کی بڑی نعمت ہے جس پر اسے ہر آن شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

۴) اسی طرح اس اللہ نے تپتے صحراؤں اور میدانوں میں درختوں، پہاڑوں اور بادلوں کا سایہ عطا فرمایا۔ اگر سایہ نہ ملے تو انسان جھلس کر رہ جائے۔ اسی طرح پہاڑوں کے غار بنائے جس میں آدمی رہ سکتا ہے وقت ضرورت ان کو اپنی پناہ گاہ بنا سکتا ہے۔ اس نے لوہا پیدا کیا جس سے انسان زرہ تلواریں اور دوسرے ہتھیار بنا کر اپنی حفاظت کر سکتا ہے۔ فرمایا کہ اس طرح اللہ نے طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں یہ سب اس کی قدرت کاملہ کے نمونے اور نشانیاں ہیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اللہ کی یہ نشانیاں ہیں جو اس نے کائنات میں بکھیر دی ہیں اب ان سے فائدہ اٹھانا اور عبرت حاصل کرنا انسان کا اپنا کام ہے آپ اللہ کے اس پیغام کو پہنچا دیجئے کہ اس کائنات میں ساری قدرت و طاقت صرف اللہ کی ہے اس لئے یہ سب کچھ عطا فرمایا ہے۔ اسی کی عبادت و بندگی کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ وہ لوگ اس کی قدر کریں یا نہ کریں وہ جانتے بوجھتے شرک کا راستہ اختیار کریں یا ناشکری اور کفر کا آپ کا کام ہے اللہ کا پیغام پہنچا دینا۔ آپ کو اکثر لوگ وہ ملیں گے جو سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود انکار کریں گے لیکن آپ ان کی پرواہ نہ کریں۔ یہ اللہ کا دین ہے وہ اس کا خود ہی محافظ و نگراں ہے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ

الثلثة

يَوْمَىِٕذِ ِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

۱۲ ع ۱۸

ترجمہ: آیت نمبر ۸۴ تا ۸۹

وہ (قیامت کا دن) جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے پھر ان کافروں کو نہ تو اجازت دی جائے گی (کہ وہ عذر پیش کریں) اور نہ ان سے توبہ استغفار کا مطالبہ کیا جائے گا۔ پھر جب وہ ظالم عذاب کو دیکھیں گے تو نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو (کسی طرح کی) مہلت دی جائے گی۔ اور وہ مشرک ان کو دیکھیں گے جنہیں وہ اللہ کا شریک ٹھراتے تھے تو کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہیں وہ شرکاء جنہیں ہم آپ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ پھر وہ (جھوٹے معبود) ان سے کہیں گے کہ بے شک تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اور وہ اس دن اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے جھک جائیں گے اور یہ جن کو جھوٹ گھڑتے رہے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے۔ جنہوں نے کفر کیا تھا اور اللہ کے راستے سے روکا تھا ہم ان کے لئے عذاب پر عذاب بڑھا دیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فساد کیا کرتے تھے۔

اور وہ دن (کیسا عجیب ہوگا) جب ہم ہر امت میں ان ہی میں سے ایک ایک گواہ اٹھائیں گے جو ان پر گواہی دے گا اور (اے نبی ﷺ) آپ کو ہم ان سب پر گواہی کے لئے لائیں

گے۔اور(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ پر قرآن کریم کو نازل کیا ہے جس میں ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ جو ہدایت ہے۔اور رحمت ہے اور فرماں برداروں کے لئے خوش خبری ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۴ تا ۸۹

نَبۡعَثُ	ہم اٹھائیں گے۔
شَهِيۡدٌ	گواہ۔
لَا يُؤۡذَنُ	اجازت نہیں دی جائے گی۔
لَا يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ	نہ وہ راضی کرسکیں گے۔
لَا يُنۡظَرُوۡنَ	نہ دیکھے جائیں گے، مہلت نہ دی جائے گی۔
كُنَّا	ہم تھے۔
نَدۡعُوۡا	ہم بلاتے ہیں۔
اَلۡقَوۡا	انہوں نے ڈالا (وہ ڈالیں گے)
يَوۡمَئِذٍ	اس دن۔
اَلسَّلَمَ	اطاعت وفرماں برداری۔
زِدۡنَا	ہم نے بڑھادیا (ہم بڑھادیں گے)
تِبۡيَانٌ	کھلی بات، واضح بات۔
بُشۡرٰى	خوشخبری۔

تشریح: آیت نمبر ۸۴ تا ۸۹

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے'' یعنی اس دنیا میں جس انسان نے اپنے عمل کا جیسا بیج بویا ہوگا وہ اس کو آخرت میں جا کر کاٹے گا۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت اس کے عمل کی جزا ہوگی جیسا بوئے گا ویسا ہی کاٹے گا۔ کانٹے بو کر پھولوں کی تمنا حماقت سے زیادہ کچھ نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ قیامت آنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک نیا جہاں پیدا فرمائیں گے جس میں تمام انسانوں کو جمع کر کے ان کی پوری زندگی کے متعلق حساب پوچھا جائے گا جس کے اعمال درست ہوں گے وہ جنت کا اور جس کے اعمال خراب ہوں گے وہ جہنم کا مستحق ہوگا وہاں کوئی عذر اور معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ ان آیات میں اسی بات کو فرمایا جارہا ہے کہ وہ کتنا ہیبت ناک دن ہوگا جب ہر امت کا نبی اپنی امت کی گواہی دینے کے لئے کھڑا ہوگا کہ ان میں کون نیک، اطاعت گذار اور دین پر چلنے والا تھا اور کون برائیوں، گناہوں اور نافرمانیوں کا پیکر بن چکا تھا۔ جب عذاب سامنے آئے گا تو کفار و مشرکین یہ عذر پیش کریں گے کہ الٰہی ہمیں سزا نہ دی جائے بلکہ ان معبودوں کو سزا دی جائے جنہوں نے ہمیں گمراہی کے راستے پر ڈالا تھا۔ وہ جھوٹے معبود جن کی وہ عبادت و بندگی کرتے تھے کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں تو یہ معلوم ہی نہیں کہ یہ ہمیں اپنا معبود کیوں مانتے تھے اس میں ہمارا کیا قصور ہے'' یعنی ہم تو بے جان پتھر اور لکڑی کے بنائے گئے بت تھے اس میں ہمارا کوئی اختیار نہ تھا۔ اس طرح اس برے وقت میں وہی جھوٹے معبود ان کو تنہا چھوڑ کر ان سے غائب ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم سب جھوٹے ہو۔ آج کا دن جزا کا دن ہے تمہاری شرمندگی اور معذرت پر نہ تو کوئی رعایت ملے گی اور نہ عذاب میں کمی کی جائے گی بلکہ دوگنا سزا ملے گی کیونکہ تم لوگ خود بھی گمراہی پر قائم تھے اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے گمراہ کرتے اور روکتے تھے۔

فرمایا کہ اے نبی ﷺ! وہ دن بھی کفار کے لئے کیسا عجیب اور دہشت ناک دن ہوگا جب ہر امت میں سے ہر ایک نبی اپنی امت کے اعمال کی گواہی دے گا اور ان تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں پر اے نبی ﷺ آپ گواہی دیں گے (اور اس دن یہ حقیقت پوری طرح کھل کر سامنے آئے گی کہ) اللہ نے آپ پر قرآن کریم کو نازل فرمایا جس میں ہر چیز کو کھول کھول کر بیان فرمایا گیا ہے وہ قرآن کریم جو ہدایت، رحمت اور اللہ و رسول کے فرماں برداروں کے لئے خوش خبری ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ امت کے تمام اعمال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ خیر اور بھلائی کے اعمال پر آپ اللہ کا شکر ادا فرماتے ہیں اور امت کی برائی اور بداعمالیوں سے آپ کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور آپ ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے ہیں (تفسیر عثمانی) نبی کریم ﷺ امت کے ان ہی اعمال کی گواہی دیں گے۔ اس مضمون کے سلسلہ میں احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ میدان حشر میں ہر نبی اور رسول اپنی امت پر اس بات کی گواہی دیں گے کہ اے اللہ ہم نے آپ کا پیغام ان

کفار ومشرکین تک پہنچا دیا تھا لیکن سوائے چند لوگوں کے باقی لوگ اپنی گمراہی میں لگے رہے۔اس پر وہ کفار ومشرکین جھوٹ کی انتہا کرتے ہوئے کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں کوئی پیغام نہیں پہنچا تھا اس پر انبیاء فرمائیں گے کہ اے اللہ نبی کریم ﷺ کی امت سے پوچھ لیا جائے وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہم نے آپ کا پیغام پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی جب امت محمدیہ (ﷺ) گواہی دے گی وہ پھر کہیں گے کہ اے اللہ یہ امت تو ہمارے بعد یعنی آخر میں آئی ہے ان کو کیا معلوم۔اس پر آپ ﷺ کی امت کہے گی کہ اے اللہ اس پر آپ کے محبوب نبی ﷺ گواہ ہیں کیونکہ یہ سب باتیں ہمیں انہوں نے ہی بتائی تھیں۔نبی کریم ﷺ جب گواہی دیں گے تو کفار ومشرکین ڈھٹائی کی انتہا کرتے ہوئے کہیں گے کہ اے اللہ یہ تو بالکل آخر میں تشریف لائے ہیں ان کو کیا معلوم کہ ہمارے نبیوں نے آپ کا پیغام ہم تک پہنچایا تھا یا نہیں اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں اپنے محبوب نبی ﷺ کی بات پر گواہ ہوں۔

اس طرح کفار ومشرکین اپنے اس جھوٹ پر شرمندہ ہوں گے اور پھر ان کو جہنم کی طرف ہنکا دیا جائے گا۔اور انبیاء کرامؑ کی بات مان کر اطاعت گذاروں کو جنت کی ابدی راحتوں سے ہم کنار کر دیا جائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ
بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲

بے شک اللہ تمہیں عدل واحسان اور رشتہ داروں کو ان کے حقوق دینے کا حکم دیتا ہے۔ بے حیائی ناشائستہ کاموں اور سرکشی اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور جب تم نے اللہ سے کوئی پکا وعدہ کرلیا ہے تو اس کو پورا کرو اور اپنی ان قسموں کو جن پر تم اللہ کو گواہ بنا چکے ہو مت توڑو۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جانا جس نے سوت کات کر اس کے بعد خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد ڈالنے کا بہانہ اور ایک دوسرے پر غالب آنے کا ذریعہ بناتے ہو اللہ تمہیں (اس کے ذریعہ) آزماتا ہے۔ اور قیامت کے دن ان تمام باتوں کو کھول کر رکھ دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲

يَأْمُرُ	وہ حکم دیتا ہے۔
اَلْعَدْلُ	انصاف۔
اَلْاِحْسَانُ	نیکی کرنا۔
اِيْتَآءٌ	دینا۔
ذِي الْقُرْبٰى	رشتہ دار۔
يَنْهٰى	وہ روکتا ہے۔
اَلْفَحْشَآءُ	(فحش) بے حیائی۔
اَلْمُنْكَرُ	ناشائستہ کام۔

اَلْبَغْیُ	سرکشی۔
یَعِظُ	وہ نصیحت کرتا ہے۔
اَوْفُوْا	پورا کرو۔
عٰهَدْتُّمْ	تم نے وعدہ کیا، عہد کیا۔
لَاتَنْقُضُوْا	تم نہ توڑ دو۔
اَلْاَیْمَانُ	قسمیں۔
تَوْكِیْدٌ	پکا کرنا۔
كَفِیْلٌ	ذمہ دار۔
نَقَضَتْ	جس نے توڑا۔
غَزْلٌ	کاتا ہوا سوت۔
اَنْكَاثٌ	ٹکڑے ٹکڑے۔
دَخَلًا بَیْنَكُمْ	آپس میں مداخلت کا بہانہ کرنا۔
اُمَّةٌ	ایک جماعت۔
اَرْبٰی	زیادہ بڑھا ہوا۔
یَبْلُوْ	وہ آزماتا ہے۔

تشریح: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲

گذشتہ آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول حضرت مصطفیٰ ﷺ پر جس قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے وہ

ہدایت، رحمت اور بشارت وخوش خبری ہے۔اسی طرح یہ بھی فرمایا گیا کہ قرآن کریم اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بہت واضح اور صاف صاف احکامات پر مشتمل ہے۔اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ اپنے ان بندوں کو جنہوں نے اللہ و رسول کی اطاعت کر لی ہے اور وہ اس کے پابند ہیں حکم دیتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں عدل وانصاف، احسان وکرم اور صلہ رحمی کا پوری طرح خیال رکھیں اور ہر بے حیائی اور ہر گناہ کی بات سے بچتے ہوئے ہر طرح کی بے اعتدالی اور ظلم کی راہ سے دور رہیں جب وہ اپنے کسی عہد اور معاہدہ پر اللہ کو ضامن اور گواہ بنالیں تو نتائج سے بے پرواہ ہو کر سچائی کا پیکر بن جائیں اور ان معاہدات کی پابندی کریں جو انہوں نے اللہ سے یا اللہ کے بندوں سے کئے ہیں۔فرمایا کہ اپنی قسموں اور معاہدوں کو فساد ڈالنے یا ایک دوسرے پر غالب آنے کا ذریعہ نہ بنائیں۔اور یہ اس عورت کی طرح نہ ہو جائیں جو دن بھر سوت کاتنے میں محنت کرتی رہی اور شام کو اس نے اپنی محنت کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر ڈالا ہو۔ان تین آیات میں شریعت اسلامیہ کی وہ مضبوط بنیادیں سامنے آتی ہیں جن پر انسانی معاشرہ قائم کر لیا جائے تو دنیا کی ہزاروں خرابیاں دور ہو سکتی ہیں بلکہ انسانوں کو جینے کا سچا راستہ مل سکتا ہے۔ان آیات کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ سے جمعہ اور عیدین کے خطبے میں اس آیت کو پڑھنا امت کا متفقہ فیصلہ رہا ہے تاکہ حق وصداقت کی اس آواز سے دنیا کے تمام مسلمانون کے کان آشنا ہو جائیں۔ان آیات میں سات باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عدل، احسان اور صلہ رحمی کا راستہ اختیار کیا جائے اور بے حیائی، گناہوں کی ہر بات اور زیادتی وسرکشی سے بچتے ہوئے انسانی حقوق پر دست درازی نہ کی جائے۔عہد ومعاہدوں کی پابندی، اپنے اعمال کی حفاظت اور نامعقول رویئے سے باز رہا جائے۔

عدل:

بنیادی عقیدوں، عبادتوں، اخلاق ومعاملات، جذبات واحساسات اور امن وجنگ ہر حالت میں اعتدال، توازن اور انصاف کا خیال رکھا جائے۔یہی چیز انسان کو خیر وبرکت اور فتح ونصرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔زندگی کے ہر معاملہ میں اعتدال کی بہترین مثال اور نمونہ زندگی نبی کریم ﷺ کی زندگی ہے۔آپ نے اپنی سیرت وکردار کی بلندی سے زندگی کے ہر شعبہ کی نہ صرف تکمیل فرمائی ہے بلکہ تمام معاملات میں اعتدال، عدل وانصاف اور توازن کی بہترین ترجمانی فرمائی ہے۔آپ راتوں کو اللہ کی عبادت وبندگی کے لئے اگر مصلے پر بیٹھے ہیں تو دن میں آپ ایک عظیم مجاہد کی طرح گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر میدان جہاد میں بھی رہنمائی فرما رہے ہیں۔اگر آپ اپنی گھریلو زندگی کو پرسکون بنانے کے لئے اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین حسن سلوک کا معاملہ فرما رہے ہیں تو دوسری طرف اہل ایمان کے ہر گھر میں محبت اور باہمی ہمدردی اور بہترین سلوک کی شمع روشن رکھنے کیلئے تاکید فرما رہے ہیں۔اگر صحابہ کرام جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھے ہوئے ہیں تو نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ تم

نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھا ہوا ہے تو میں نے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔
صحابہ کرام خندق کی کھدائی فرما رہے ہیں تو آپ بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی ہے تو آپ صحابہ کرام کے ساتھ مل کر مٹی، گارا اور پتھر ڈھو رہے ہیں۔ غرضیکہ گھریلو زندگی ہو یا عوامی زندگی آپ ہر جگہ اعتدال و توازن کو قائم کئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آپ عدل و انصاف میں بھی ساری دنیا کے انسانوں کو یکساں سمجھتے ہیں اور فیصلے فرماتے ہیں۔ یہی وہ اسوہ حسنہ ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کے لئے مشعل راہ اور نور ہدایت ہے۔

الاحسان:

احسان کے معنی نیکی بھلائی اور اخلاق کریمانہ کے آتے ہیں۔ حکم ہے کہ انسان بہترین اخلاق، کردار اور نیکیوں کا ایسا پیکر بن جائے جس میں اپنی ذات کے علاوہ ہر آن دوسروں کی بھلائی اور بہتری کے لئے سوچتا رہے۔ تا کہ نیک نامی، عزت اور سر بلندی اس کا مقدر بن جائے۔ دوسروں کے لئے ہمدردانہ رویہ، رواداری، برداشت، خوش خلقی، دوسروں کو معاف کر دینے کا جذبہ اور ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا لحاظ کرنے والا بنا جائے۔ اخلاق کریمانہ یہ ہیں کہ انسان دوسروں کو ان کے حق سے بھی زیادہ دینے والا بن جائے اور اس کے صلے میں کسی سے کوئی توقع نہ رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "تم اس سے ملو جو تم سے ملنا نہیں چاہتا اور جو شخص قطع تعلق کرنا چاہتا ہے اور تم اس شخص کو معاف کر دو جو تم پر ظلم اور زیادتی کرنے والا ہے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے اس حدیث میں ان ہی اخلاق کریمانہ کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے جو اعلیٰ ترین نیکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان کو ایک بڑی نعمت بھی قرار دیا ہے۔ سورۂ رحمٰن میں ارشاد ہے کہ نیکی اور بھلائی کا بدلہ نیکی اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایتاء ذی القربیٰ:

یعنی رشتہ داروں کے ساتھ بہترین سلوک کرنا جس کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔ صلہ رحمی خود اپنی جگہ ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ جس کے لئے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حکم دیا گیا ہے اور احادیث میں نبی کریم ﷺ نے صلہ رحمی کرنے کو ایسی نیکی قرار دیا ہے جس سے خیر و برکت اور اللہ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں جس سے باہمی انسیت و محبت، ہمدردی اور مروت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قرابت داروں کے جو حقوق رکھ دیئے ہیں ان کا ہر حال میں لحاظ رکھنا شرف انسانیت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ عدل و احسان اور رشتے ناتوں کا پاس و لحاظ کر کے اپنے لئے جنت کی ابدی راحتیں اور سعادتیں حاصل کر لیتا ہے۔

ان تین اعلیٰ ترین اخلاقی صفات کے بعد تین ایسی برائیوں کے متعلق ارشاد فرمایا جا رہا ہے جو انسانی اخلاق، معاشرہ، فرد اور قوم کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ بے حیائی، ہر برائی کا کام اور اپنی حدوں سے آگے بڑھنا ان تین باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

فحشاء:

فحش کی جمع ہے یعنی تمام شرمناک مکروہ اور بے ہودہ کام جن سے ہر مومن کو بچنا چاہئے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی خرابی اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے، زنا، بدکاری، شراب نوشی، عریانیت، گانا بجانا، بدکلامی، بدزبانی اور کھلم کھلا بے حیائی کا ہر وہ کام جس سے جھوٹ فریب، تہمت اور دوسروں پر ناحق الزام تراشی پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح بدکاریوں پر ابھارنے والے وہ تمام کام جو آج فیشن کے طور پر رائج ہو چکے ہیں۔ افسانے، ڈرامے، فلمیں وغیرہ، یہ سب بھی شریعت کی نظر میں فحش اور برے کام ہیں۔ ان تمام کاموں سے بچنا ضروری ہے۔

منکر:

اس سے مراد ہر وہ برائی اور کام ہے جس کو ساری دنیا برا سمجھتی ہے اور ہمیشہ سے ہر قوم نے اس سے بچنے کی تاکید بھی کی ہے مثلاً، جھوٹ، دھوکہ دھی، فریب، بداخلاقی بدلحاظی وغیرہ۔ اس سے دنیا کا وہ کونسا مذہب ہے جو اس کو برا نہیں کہتا۔ لیکن اس آیت میں فحش اور منکر کو ایک ساتھ بیان کرنے سے یہ بھی سمجھانا ہے کہ دنیا بھر کے لوگ منکر کو تو برا سمجھتے ہیں لیکن بے حیائیوں کے کاموں کو برا نہیں سمجھتے۔ شریعت اسلامیہ نے فرمایا ہے کہ صرف برائی کو برا نہ سمجھا جائے بلکہ ہر برائی کے ساتھ ہر بے حیائی اور بے غیرتی کے کاموں کو بھی برا سمجھنا ضروری ہے۔ یہ دونوں ایسی برائیاں ہیں جن سے صرف نماز روک سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''**ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر**'' یعنی نماز بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے۔ اگر ایک نماز پڑھنے والا نماز بھی پڑھتا ہے اور بے حیائی اور منکرات کے کام بھی کرتا ہے تو اس کو اپنی عبادت کا جائزہ لینا چاہئے کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ بے حیائی اور منکرات نماز کے ساتھ جمع ہو جائیں۔ ایسا شخص یقیناً نماز کی روح تک نہیں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نمازوں کو صحیح کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ہر طرح کے فحش اور منکرات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

البغی:

اللہ نے جو حدیں مقرر کی ہیں ان سے باہر نکلنا، سرکشی کرنا اور دوسروں کے حقوق مارنے کی کوشش کرنے کو ''**بغی**'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ انسان پر بندوں کے حقوق ہوں یا اللہ کے ان کو پورے طور پر ادا نہ کرنا گناہ ہے۔ ان ہی میں سے بہت بڑے گناہ کی بات یہ ہے کہ کوئی شخص دوسروں کے حقوق مارنے اور دست درازی کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا خیال کریں اور بے حیائی، برائی اور حد سے گذر جانے والی باتوں سے پرہیز کریں۔

ایفائے عہد:

وعدوں اور معاہدوں کو پورا کرنا ''ایفائے عہد'' کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے عہد اور معاہدوں کو پورا کرنے

پر زور دیا ہے اور ہر مومن کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ اس نے

(۱) اللہ تعالیٰ سے جو بھی عہد اور وعدہ کیا ہو۔

(۲) ایک انسان نے دوسرے انسان سے وعدہ اور عہد کیا ہو۔

ہر ایک عہد و معاہدے کو پورا کرنا ضروری ہے اگر ان معاہدوں پر قسم کھا کر اللہ کو گواہ بنالیا ہو تب تو اس پر دوہری ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے ایک تو وعدہ کو پورا کرنے کی اور ایک اس قسم کی جس میں اللہ کو گواہ اور ضامن بنالیا گیا ہو۔ دنیاوی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو وہی شخص اور افراد و قوم عزت و احترام کا مقام حاصل کرتے ہیں جن کی زبان پر دوسروں کو اعتماد اور بھروسہ ہو۔ جس کی زبان، عہد اور معاہدے کا اعتبار نہ ہو اس کی کوئی عزت نہیں کی جاتی۔ عربوں میں علاوہ اور بہت سی خرابیوں کے ایک بڑی خرابی اپنے وعدوں، معاہدوں اور قسموں سے پھر جانے کی عادت تھی مثلاً ایک شخص سے معاہدہ کر لیا۔ وہ شخص مطمئن ہو گیا۔ ادھر اس نے اطمینان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے سے اسی قسم کا وعدہ کر لیا۔ اس طرح چند پیسوں کی خاطر وہ اپنے عہد و معاہدہ کو قربان کر دیتے تھے اور مکاری، فریب اور دغابازی کرنے کو اپنی ہوشیاری سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے عہد و معاہدوں کی پابندی کا بھی حکم دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہر اس طریقے کو آخرت کی ناکامی اور رسوائی قرار دیا ہے جس میں دوسرے شخص کو کسی طرح کا بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ اے مومنو! جب تم کسی سے عہد و معاہدہ کر لو تو اس کو پورا کرو اور اپنی ان قسموں کو جن پر تم نے اللہ کو گواہ بنالیا ہو ان کو ہرگز نہ توڑو۔ فرمایا کہ اپنے دلی فریب اور معاہدے کی خلاف ورزی کو تم ساری دنیا سے چھپا سکتے ہو لیکن اس اللہ سے نہیں چھپا سکتے جس کو تمہاری ایک ایک بات کا علم ہے فرمایا کہ تم اس عورت کی طرح مت ہو جانا جو دن بھر سوت کات کر شام کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر ڈالتی تھی۔ فرمایا کہ تم اپنی قسموں اور معاہدوں کو باہمی فساد ڈالنے کا بہانہ اور ایک دوسرے پر غالب آنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک بڑی آزمائش ہے۔ دنیا میں انسان وقتی طور پر بدعہدی کو چھپا سکتا ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ایک ایک بات کو کھول کر رکھ دے گا، فریب کار، بدکار اور معاہدوں کو توڑنے والے اللہ کے سامنے قیامت کے دن ذلیل ورسوا ہو کر رہ جائیں گے۔

وَلَوْ شَآءَ

اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۳ تا ۹٦

اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی جماعت بنا دیتا۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے گم راہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راستہ پر لگا دیتا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ اور تم اپنی قسموں کو آپس میں ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ کہیں (ایسا نہ ہو کہ) کوئی قدم جمنے کے بعد پھسل جائے۔ اور تم اللہ کے راستے سے روکنے کا وبال چکھو اور تمہارے لئے بڑا عذاب بن جائے۔ اور تم اللہ کے عہد کو تھوڑے سے فائدہ کے لئے فروخت نہ کر ڈالو۔ بے شک جو اللہ کے پاس ہے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب ختم ہو جانے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر سے کام لیا ان کے لئے ہم اس سے بہتر اجر و ثواب دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۳ تا ۹٦

شَاءَ اللّٰهُ	اللہ نے چاہا

لَتُسْئَلُنَّ	البتہ تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔
لَاتَتَّخِذُوْ	تم نہ بناؤ۔
تَزِلُّ	پھسل جاتا ہے۔
تَذُوْقُوْا	تم چکھو۔
صَدَدْتُمْ	تم نے روکا۔
لَاتَشْتَرُوْا	تم نہ بیچو، نہ فروخت کرو۔
يَنْفَدُ	ختم ہو جائے گا۔
بَاقٍ	باقی رہنے والا۔
اَحْسَنُ	زیادہ بہتر۔

تشریح: آیت نمبر ۹۳ تا ۹۶

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور ارادہ کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ عقل سے انسان خیر اور شر کو پہچانتا ہے اور ارادہ کی قوت سے ہدایت یا گمراہی میں سے کسی ایک راستہ کا انتخاب کر کے اس پر چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہو جائے تو وہ نجات حاصل کر کے جنت کی ابدی راحتوں سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ جب وہ صراط مستقیم پر چلنے کا پختہ عزم و ارادہ کر لیتا ہے اور اس کے نزدیک آخرت کی کامیابی ہی سب کچھ ہوتی ہے اس وقت دنیا کا بڑے سے بڑا لالچ بھی اس کو صراط مستقیم سے ایک قدم بھی ہلنے نہیں دیتا لیکن جب ایمان اور عزم و ارادہ میں پختگی نہیں ہوتی تو وہ جس طرف چند پیسوں کا فائدہ دیکھتا ہے اسی طرف چل پڑتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت کچھ حضرات تو وہ تھے جنہوں نے آخرت کے ادھار پر اپنا سب کچھ راحت و آرام اور مال و دولت اللہ کے دین کے لئے وقف کر دیا تھا لیکن بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا یعنی اللہ سے پکا وعدہ اور عہد و پیمان کر لیا تھا لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کفار قریش کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے تو وہ ان کی طرف مائل ہونے لگے بعض روایات کے مطابق کفار مکہ ان نئے نئے مسلمانوں کو مال و دولت کا لالچ دے کر یہ کہتے تھے کہ اگر تم نے

ہمارا دین اور طریقہ اختیار کیا تو ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔ ایسے لوگوں کے لئے فرمایا کہ:

اگر اللہ چاہتا تو ساری دنیا کے انسانوں کو ایک ہی امت اور جماعت بنا دیتا۔ ان میں کوئی اختلاف نہ ہوتا وہ ایک طرح رہتے، سوچتے اور حکم کی تعمیل کرتے لیکن اللہ کی مشیت یہ ہے کہ خیر وشر، حق و باطل اور نور و ظلمت کو باقی رکھے تا کہ خیر، حق اور نور کی پہچان ہو سکے۔ اگر دنیا میں خیر ہی خیر ہوتی تو اس کی قدر نہ ہوتی اور پہچان بھی نہ ہوتی لیکن ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اسی لئے اللہ نے خیر وشر کو پیدا کیا تا کہ ہر شخص خیر اور شر کی حقیقت کو پہچان کر اس کو اختیار کر سکے۔ البتہ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ انسانوں کے دل اللہ کی انگلیوں کے بیچ میں ہوتے ہیں وہ جب چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کے دلوں کو اوندھا کر دیتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے راہ ہدایت نصیب فرمائی ہے۔ بہر حال توفیق جو اللہ کی طرف سے ملتی ہے وہ تو ایک نعمت ہے لیکن عقل کے فیصلے اور عزم و ارادے کے ساتھ کئے گئے ہر طرح کے عمل سے متعلق ہی اللہ کے ہاں پوچھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ جنت یا جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ فرمائیں گے۔

ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ جب تم پختہ عہد و پیمان کر لو تو اس پر پورے عزم و یقین کے ساتھ آگے قدم بڑھاؤ، دنیا کا لالچ تمہارے قدم نہ روک لے اور تم نے جو اللہ و رسول ﷺ سے عہد کیا ہے اس پر جم جاؤ اور اس عہد و پیمان کو دھوکے اور فریب کا ذریعہ نہ بناؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے قدم اکھڑنے سے دوسرے بھی بد دل ہو جائیں اور اس طرح دنیا کے مال و دولت کے لالچ میں آ کر خود بھی گمراہیوں کے پیچھے چل پڑو اور تمہیں دیکھ کر دوسرے بھی تمہاری راہ پر چل پڑیں اس طرح تمہاری اپنی گمراہی کا جو وبال اور عذاب ہے وہ تو آ کر رہے گا لیکن دوسروں کو گمراہ کرنے کا گناہ بھی تمہارے سر پر آ جائے گا اور اس طرح تم دوہری سزا کے مستحق بن جاؤ گے۔ فرمایا کہ دنیا کا وقتی مفاد انسان کے قدموں کو ڈگمگا دیتا ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ دنیا کی دولت جس کے بدلے آدمی اپنے ایمان کو بیچ دیتا ہے کب تک اس کے پاس رہے گی۔ آخر کار ایک دن یہ مال و دولت اور زندگی ختم ہو جائے گی۔ یہ باقی رہنے والی چیزیں نہیں ہیں لیکن جو چیزیں اللہ کے پاس ہیں وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں ان کو فنا نہیں ہے۔ وہ لوگ جو آخرت پر یقین رکھتے ہوئے صبر و تحمل اور ایثار و قربانی سے کام لیتے ہیں آخرت کی ابدی راحتیں ان ہی لوگوں کے لئے ہیں۔ لیکن جو دنیاوی مفادات کے لئے اپنے ایمان کی دولت کو بیچ ڈالتے ہیں وہ آخرت میں ناکام بھی ہوں گے اور کسی طرف سے ان کی کوئی مدد نہیں ہو گی۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ

لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۳ ع ۱۱ ۱۹

ترجمہ: آیت نمبر ۹۷ تا ۱۰۰

تم میں سے جس نے بھی کوئی بہتر کام کیا خواہ مرد ہو یا عورت ہو جب کہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو (اس دنیا میں) پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور (آخرت میں) ان کا اجر وثواب اس سے بہتر دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے۔ پھر جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود (کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں بے شک شیطان کا زور ان پر نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو دوست بناتے ہیں اور ان لوگوں پر (زور چلتا ہے) جو اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۷ تا ۱۰۰

صَالِحٌ نیک، بہتر۔

ذَكَرٌ مرد۔

اُنْثٰى عورت۔

نُحْيِيَنَّ ہم ضرور زندگی دیں گے۔

حَيٰوةً طَيِّبَةً	پاکیزہ زندگی۔
نَجْزِيَنَّ	ہم ضرور بدلہ لیں گے۔
اَحْسَنُ	زیادہ بہتر۔
قَرَأْتَ	تم نے پڑھا، تلاوت کی۔
اِسْتَعِذْ	پناہ مانگ لے۔
سُلْطٰنٌ	زور، قوت۔
يَتَوَكَّلُوْنَ	وہ بھروسہ کرتے ہیں۔
يَتَوَلَّوْنَ	دوستی کرتے ہیں۔

تشریح: آیت نمبر ۹۷ تا ۱۰۰

ان آیات میں اللہ نے فرمایا ہے کہ عورت ہو یا مرد ان میں سے جو بھی ایمان اور عمل صالح کا پیکر ہوگا ہم اس کو نہ صرف حیاۃ طیبہ عطا کریں گے بلکہ اس نے جو بھی نیکی اور بھلائی کے کام کئے ہوں گے ان پر اس کے تصور سے بھی بہتر اجر وثواب عطا کریں گے۔ دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ یہ قرآن کریم جو ہر نیکی، ایمان اور عمل صالح کا سرچشمہ ہے اس کی تلاوت کے آداب یہ ہیں کہ جب بھی اس کی قرأت کی جائے تو پہلے ''استعاذہ'' کرلیا جائے یعنی شیطان جو ہر وقت مستعد اور تیار رہتا ہے کہ کسی طرح لوگوں کو نیکی اور بھلائی کے کاموں سے دور لے جائے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر ان پر حاوی ہو جائے فرمایا کہ تلاوت کلام اللہ کے وقت اللہ سے اس کی پناہ اور شیطان کے شر سے بچنے کی درخواست کرلیا کریں تا کہ شیطان کے کسی چکر میں نہ پھنس جائیں۔ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ہر حال میں اسی پر بھروسہ کر کے زندگی کی راہوں میں چلتے ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چلتا۔ اس کا زور تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اللہ کے دین کی ہر بات سے منہ پھیر کر چلتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

ان آیات کی مزید وضاحت کے لئے کچھ الفاظ کا ترجمہ اور مفہوم بھی پیش نظر رکھ لیجئے:

عمل صالح

ہر وہ کام جو اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکامات کے تحت محض اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے کیا جائے ''عمل صالح'' ہے۔ قرآن کریم میں عموماً ایمان کے ساتھ عمل صالح کا حکم اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا ہر وہ کام جس کو ہم بہتر سمجھتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ عمل صالح ہو۔ البتہ اگر اللہ ورسول کے حکم کے مطابق ہو تو وہ عمل صالح ہے۔

ذکر او انثی

یعنی ایمان اور عمل صلح جو بھی کرے گا اس کو اجر ملے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ کفار ومشرکین عورت ذات کو انتہائی کم تر اور گھٹیا درجہ دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ایمان اور عمل صالح کے حق دار صرف مرد ہیں فرمایا کہ اعمال صالحہ میں ہر مرد اور ہر عورت برابر کا درجہ رکھتے ہیں جو جیسا عمل کرے گا اس کو ویسا ہی اجر وثواب دیا جائے گا۔

حیاۃ طیبۃ

پاکیزہ اور کامیاب زندگی جس میں نیکی سے کئے گئے کاموں پر اجر وثواب اس دنیا میں اور آخرت میں بھر پور طریقے سے ادا کیا جائے گا۔ ان کو دنیا میں رزق حلال، صبر وقناعت، تحمل اور برداشت، قلبی سکون واطمینان، معاشی خوش حالی، گھریلو سکون، کامیاب مستقبل کا خوشنما تصور عزت وسربلندی، کامیابی اور کامرانی نصیب ہوگی۔ قبر میں اس کا ایمان اور عمل صالح اس پر سایہ کئے ہوں گے اور وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ پھر آخرت میں جنت کی وہ راحتیں نصیب ہونگی جن کی لذت اور کیفیت کا تصور اس دنیا میں ممکن ہی نہیں ہے۔ غرضیکہ دنیاوی زندگی، قبر کی منزل کی آسانی، حشر میں رسوائی سے حفاظت اور جنت کی ہمیشہ رہنے والی راحتیں اور لذتیں حیاۃ طیبہ ہیں۔

قرأت القران

قرآن کریم کو پڑھنا، تلاوت کرنا قرأت کرنا اس کے تمام آداب کا لحاظ کرنا قرأت قرآن کریم کہلاتا ہے۔ قرآن کریم اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اس کو سمجھا جائے اور سمجھ کر ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کیا جائے تاکہ آخرت کی ابدی راحتیں نصیب ہوسکیں۔ لیکن قرآن کریم چونکہ سرچشمہ ہدایت ہے اس لئے اگر ایک شخص محض تلاوت قرآن کریم کرتا ہے اور اس کے معنی نہیں سمجھتا تب بھی اس کو ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب عطا کیا جانے کا وعدہ ہے۔ اس لئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب قرآن کریم کے ایک حرف پر دس نیکیاں ہیں اگر اس کو سمجھ کر پڑھا جائے تو اس کے اجر وثواب کا کیا ٹھکانا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ صحابہ کرامؓ جو قرآن کریم اور اس کی تشریح یعنی سنت رسول اللہ ﷺ میں اس طرح ڈھل گئے تھے کہ انہوں نے اس قرآن کریم کے ذریعہ ساری دنیا میں ایک صالح انقلاب برپا کر دیا تھا۔ آج بھی اس کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم کے نور

سے ساری دنیا کو روشن کر کے اندھیروں کو سمیٹ دیا جائے۔

استعاذہ

اصل میں شیطان ہر آن اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ وہ انسان کو صراط مستقیم سے بھٹکا کر اللہ کی رحمت سے دور لے جائے۔ وہ اس کو بہت سے فضول کاموں کی طرف متوجہ کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح وہ قرآن کریم کی تلاوت کی طرف نہ جا سکے وہ اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے تاکہ وہ قرآن کریم کے نور سے دور رہ سکے۔ نبی کریم ﷺ جو اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور وہ ہر خطا سے معصوم ہیں اور براہ راست اللہ کی نگرانی میں ہیں آپ کو خطاب کرتے ہوئے درحقیقت پوری امت کے ہر فرد کو بتایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ جب بھی تلاوت قرآن فرمائیں تو سب سے پہلے اس بات کی درخواست کریں کہ اے اللہ مجھے شیطان کے ہر وسوسے سے محفوظ فرما۔ اس کے ہر شر سے بچاتے ہوئے اپنی پناہ اور حفاظت عطا فرما۔ چونکہ شیطان کا وار تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اللہ اور اس کی پناہ سے منہ پھیر کر چلتے ہیں یا اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جو ایمان، عمل صالح اور توکل علی اللہ کے پیکر ہوتے ہیں ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا۔

وَإِذَا بَدَّلْنَآ ءَايَةً مَّكَانَ ءَايَةٍ ۙ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوٓا۟ إِنَّمَآ أَنتَ مُفْتَرٍۭ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهُۥ رُوحُ ٱلْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِٱلْحَقِّ لِيُثَبِّتَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُۥ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ ٱلَّذِى يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِىٌّ وَهَـٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠٣﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ ٱللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِى ٱلْكَذِبَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ ۖ وَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَـٰذِبُونَ ﴿١٠٥﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۵

اور جب ہم ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم لاتے ہیں جب کہ اللہ کے علم میں ہے کہ وہ کیا نازل کررہا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ (اے نبی ﷺ) تم نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اسے اللہ کی طرف سے جبریل امین لے کر اترتے ہیں اور وہ کلام برحق ہے تاکہ وہ مومنوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری بن جائے۔ اور البتہ ہم جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کہ اس کو کوئی آدمی سکھاتا ہے۔ لیکن انہوں نے جس شخص کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تو عجمی (غیر عربی) ہے جب کہ یہ (قرآن) تو واضح عربی زبان میں ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ ان کو ہدایت نہیں دیا کرتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے وہی جھوٹ گھڑتے ہیں اور یہی جھوٹے لوگ ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۵

بَدَّلْنَا — ہم نے بدل دیا۔

يُنَزِّلُ — وہ نازل کرتا ہے۔

مُفْتَرٍ — گھڑنے والا۔

رُوْحُ الْقُدُسِ — پاکیزہ روح جبریل امین۔

لِيُثَبِّتَ — تاکہ وہ پکا کردے۔

يُعَلِّمُ — سکھاتا ہے۔

يُلْحِدُوْنَ — (اِلْحَادٌ) اشارہ کرتے ہیں۔

عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ — واضح عربی، فصیح عربی زبان۔

تشریح: آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۵

حضرت عیسیٰؑ (جن کو اللہ نے آسمانوں کی طرف اٹھالیا ہے) ان کے ساڑھے پانچ سو سال کے بعد جزیرۃ العرب میں مذہبی، تمدنی، معاشرتی، اخلاقی، تہذیبی، اور رسم ورواج میں اتنی تبدیلیاں آچکی تھیں کہ کفار مکہ زبان سے تو یہ کہہ کہ فخر کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی اولاد یا ان کے ماننے والے ہیں لیکن اس نسبت کے باوجود وہ ہر طرح کی جہالت اور ظلم وستم کے پیکر بن کر رہ گئے تھے۔ بداخلاقی، بدکرداری، شراب نوشی جوئے بازی، سودخوری، رسم ورواج کی غلامی اور بتوں کی پرستش نے ان کے معاشرہ کو اس طرح تباہ کر کے رکھ دیا تھا کہ قتل وغارت گری کی وجہ سے کسی کی جان، مال اور آبرو تک محفوظ نہ تھی۔ سارے جزیرۃ العرب میں ہر قبیلہ ایک حکومت اور سلطنت تھا ایک دوسرے کے کسی اصول کی پابندی کو کسی طرح قبول نہیں کرتا تھا۔ ایسے معاشرہ میں اگر اس بات کی توقع کی جائے کہ جیسے ہی حکم دیا جائے گا لوگ اس کی اسی طرح پابندی کریں گے تو یہ ایک خلاف فطرت بات ہوتی۔ اسی لئے قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایسی بگڑی ہوئی قوم کو کچھ اصولوں کے دائرے میں لانے کے لئے حکمت، ومصلحت کے ساتھ ہی پابند بنایا جاسکتا تھا چنانچہ زیادہ تر احکامات میں تدریج ہے بعد میں ان احکامات کی تکمیل فرمائی گئی ہے اور اب قیامت تک کسی کو کسی تبدیلی کا اختیار نہیں ہے۔ وہ قوم جو شراب نوشی میں اس طرح مبتلا تھی کہ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی یعنی ادھر بچے نے دنیا میں قدم رکھا اور ادھر شراب اس کے حلق میں انڈیل دی گئی۔ اسی لئے شراب کو حرام قرار دینے کے لئے تین آیتیں نازل کی گئیں دو آیتوں میں ان کو بتایا گیا کہ شراب نوشی سب سے گھٹیا عادت ہے یہ اللہ کی عبات وبندگی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی لہٰذا نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی جانے کی اجازت نہیں ہے۔ غور کیجئے تو یہ معلوم ہوجائے گا کہ اس آیت میں پابندی بھی لگادی اور آزادی بھی باقی رکھی گئی۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ اس میں دنیا کا نفع ضرور ہے لیکن آخرت کا گناہ اور نقصان اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ جو لوگ بات کو اشاروں میں سمجھ لیتے ہیں وہ سمجھ گئے کہ شراب اللہ کی عبادت وبندگی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اس میں دنیا کی عارضی زندگی کے کچھ منافع ضرور ہیں لیکن آخرت کی ابدی زندگی کا بہت بڑا اور شدید نقصان ہے۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد بہت سے صحابہؓ نے شراب کے قریب جانے سے بھی توبہ کرلی پھر وہ آیت نازل فرمائی گئی جس میں صاف طور پر یہ بتادیا گیا کہ شراب، جوا، بت پرستی اور قسمت کے تیر یہ سب ایک جیسی برائیاں اور شیطانی پھندے اور جال ہیں ان سے ''اجتناب'' کرو اسی میں فلاح وکامیابی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ جو عربی زبان کی اس نزاکت وعظمت سے واقف تھے کہ اگر شراب کو صرف حرام کہا جاتا تو شاید بات میں اتنا زور نہ ہوتا اس کا مفہوم تو صرف یہ ہوتا کہ اب شراب سے ہاتھ روک لئے جائیں لیکن اجتناب کا مفہوم بہت وسیع ہے یعنی شراب سے صرف رکنا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے متعلق ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینا بھی ہے۔ چنانچہ جو لوگ شراب نوشی کررہے تھے انہوں نے نہ صرف اس ''ام الخبائث'' سے توبہ کرلی بلکہ ان برتنوں اور شراب کے مٹکوں کو بھی توڑ دیا جن میں شراب جمع کر کے رکھی جاتی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ اس دن

شراب مدینہ کی گلیوں میں اس طرح بہہ رہی تھی جس طرح برسات میں پانی بہتا ہے۔ اس بات کو میں نے تفصیل سے اس لئے بیان کیا کہ "تدریج اور تکمیل" کا یہ عمل قرآن کریم کے احکامات میں بہت جگہ نظر آئے گا اسی طرح نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد، وراثت، قبلہ وغیرہ میں بھی یہی تدریج اور تکمیل کا عمل نظر آئے گا جو ایک فطری اور صحیح عمل تھا لیکن یہ باتیں کفار کے نزدیک بڑی قابل اعتراض تھیں وہ بلا سوچے سمجھے یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا قرآن ہے کہ جس میں آج ایک بات ہے دوسرے دن دوسری بات ہے وہ کہتے کہ (نعوذ باللہ) یہ سب گھڑی گھڑائی باتیں ہیں۔ ان کی زبانیں یہاں تک آزاد ہوگئی تھیں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں معلوم ہے یہ قرآن آپ ﷺ کو کوئی سکھا جاتا ہے ان کی مراد ان رومی یا فارسی غلاموں سے تھی جو آپ کے پاس دین سیکھنے آتے تھے یا آپ ﷺ ان کے پاس ان کو دین سکھانے تشریف لے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کفار مکہ کے ان دونوں غیر سنجیدہ اعتراضات کے نہایت سنجیدہ اور اہم جوابات عنایت فرمائے ہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب تو یہ ارشاد فرمایا کہ جس اللہ نے اپنا کلام روح القدس یعنی حضرت جبرئیل کے ذریعہ قلب مصطفیٰ ﷺ پر نازل کیا ہے یہ اس کا اپنا کلام ہے وہ جب چاہے جیسے چاہے اپنے علم اور مصلحت سے اپنے کلام کو تبدیل کر سکتا ہے کیونکہ اس بات کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے لیکن وہ اللہ جو تمام انسانوں کا خالق ہے وہ جانتا ہے کہ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے کب کیا بات ضروری ہے یا ضروری نہیں ہے۔ اعتراض اسی پر ہو سکتا تھا کہ کلام تو اللہ نے نازل کیا ہے اور اس میں تبدیلی کوئی اور کرتا۔ لیکن اس میں کیا اعتراض کی گنجائش ہے کہ جس کا کلام ہے وہی نازل کرتا ہے وہی تبدیل کرتا ہے۔

کفار مکہ کے دوسرے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ قرآن کریم تو صاف واضح اور اعلیٰ ترین عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جس کے سامنے سب گونگے بن کر رہ گئے ہیں کوئی اس کے چیلنج کا جواب تک دینے کے قابل نہیں ہے۔ اگر یہ کہتے کہ نبی کریم ﷺ کو نعوذ باللہ کوئی عربی زبان کا ماہر، ادیب یا شاعر سکھا جاتا ہے تو شاید بات سمجھ میں آ سکتی تھی لیکن وہ شاعر و ادیب اور عربی زبان کے ماہرین کا یہ حال تھا کہ وہ خود قرآن کریم کے سامنے عاجز لاچار اور بے بس تھے وہ کیا کر سکتے تھے لیکن یہ بات کس قدر جاہلانہ اور عقل سے بعید تر ہے کہ ایسا کلام آپ ﷺ کو وہ عجمی غلام سکھائیں گے جو عربی زبان بھی صحیح نہیں جانتے۔ فرمایا کہ یہ کتنے بدقسمت لوگ ہیں جو قرآن کریم سے کچھ سیکھنے کے بجائے جاہلانہ اعتراض کر کے ابدی راحتوں سے محروم ہو رہے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ اہل ایمان جو قرآن کریم اور رسول ﷺ پر ایمان لا کر اس قرآن کریم کے ذریعہ اپنی روح کی تسکین اور آخرت کی کامیابی حاصل کر رہے ہیں فرمایا کہ یہ قرآن کریم ان لوگوں کے دلوں کے جمانے کا اور اطمینان قلب کا ذریعہ ہے جو اللہ و رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ یہ ان کے لئے ہدایت بھی ہے اور فرماں برداروں کے لئے ابدی راحتوں اور آخرت کی کامیابیوں کے لئے بشارت بھی ہے۔ فرمایا کہ وہ لوگ جو ان آیات پر یقین نہیں رکھتے ان کو نہ دنیا میں رہبری و رہنمائی نصیب ہوگی اور نہ آخرت میں بلکہ آخرت میں تو دردناک عذاب ان کا منتظر ہے۔ یہ قرآن کریم گھڑا ہوا کلام یا جھوٹا کلام نہیں ہے بلکہ وہ لوگ سب سے بڑے جھوٹے اور جھوٹ کے پجاری ہیں جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

اس موقع پر ایک بات کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں تدریج اور تکمیل کا عمل اس وقت تک تھا جب تک دین کے احکامات مکمل نہیں ہو گئے جب اللہ نے یہ فرما دیا کہ دین اسلام مکمل ہو گیا ہے۔ نعمت نبوت مکمل ہو گئی ہے اور اللہ بھی دین اسلام پر راضی ہے تو اب تدریج کا ہر عمل ختم ہو گیا اور دین درجہ تکمیل تک پہنچ گیا ہے یعنی دین اور اس کے تمام اصول مکمل ہو گئے ہیں اب اس میں کسی کو تبدیلی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ کسی تدریج پر عمل کرنے کی ضرورت ہے سوائے اللہ و رسول کے حکم کے۔ یہ بات میں نے اس لئے عرض کی ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اب حالات پھر اسی سطح پر پہنچ گئے ہیں جہاں نزول قرآن کے وقت تھے۔ معاشرہ تباہ ہو چکا ہے لہٰذا احکامات میں پہلے والی سہولتیں دی جائیں تا کہ عام آدمی دین کی طرف آ سکے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ جب دین کے تمام اصول مکمل ہو گئے ہیں تو اب خیر و برکت کا ذریعہ یہی ہے کہ ان اصولوں کو نافذ کیا جائے۔ مثلاً اللہ کا یہ حکم ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اس معاملہ میں کسی کی کوئی رعایت نہ کی جائے تو اب حکم یہ ہو گا کہ اس کو پوری قوت سے نافذ کر دیا جائے تو دنیا سے چوری کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ کسی کا یہ کہنا کہ پہلے ایسے معاشی حالات پیدا کئے جائیں تا کہ کوئی چوری نہ کرے پھر احکامات نافذ کئے جائیں۔ میرے نزدیک یہ بہت غلط انداز فکر ہے صحیح فکر یہ ہے کہ اسلام کے جو قوانین ہیں ان کو نافذ کر دیا جائے تو ان کی برکتوں سے مسائل حل ہوں گے اور معاشی حالات بھی درست ہوتے چلے جائیں گے ورنہ ان ہی فلسفوں میں الجھ کر دین کبھی نافذ نہ ہو سکے گا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں جن کے پاس زبردست وسائل موجود ہیں ہر گھر اور کارخانے اور آفسوں میں الارم فٹ کئے گئے ہیں لیکن وہ معاشرے انسان کی جان و مال کی حفاظت میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں جبکہ ان کو معاشی سکون بھی حاصل ہے اس کے برخلاف سعودی عربیہ میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ ہے وہاں یہ عالم ہے کہ اگر ایک شخص اپنا گھر، کاروبار، اور آفس کھلا چھوڑ جائے تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ کسی کے مال کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھ لے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا قانون بنا بنا کر تھک گئی ہے ہر روز اپنے قوانین میں تبدیلیاں کرتی رہتی ہے چونکہ قانون انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں تو انسان ہی ان قوانین کا توڑ بھی نکال لیتے ہیں اور اس طرح قانون سازوں اور قانون شکنوں کی جنگ جاری رہتی ہے اور صورت حال یہی رہی تو یہ جنگ جاری رہے گی۔ اس کا حل صرف ایک ہی ہے کہ آج دنیا اگر پر سکون رہنا چاہتی ہے تو اس کو اللہ و رسول ﷺ کے قوانین کو نافذ کر دینا چاہئے کیونکہ یہ وہ قوانین ہیں جن کو اللہ نے بنایا ہے انسان اس کو توڑ نہیں سکتے۔ چونکہ یہ قوانین اس خالق و مالک نے بنائے ہیں جو انسانوں کی فطرت سے واقف ہے لہٰذا یہی قانون فطرت انسانوں کی نجات کا ذریعہ ہے۔ اس سے ہٹ کر جو بھی قوانین نافذ کئے جائیں گے ان سے انسان کو کبھی سکون نصیب نہیں ہو گا اور انسان اپنے خالق سے جنگ کر کے آخر کار ہار کر بیٹھ جائے گا۔

۱۴
ع ۱۰
۲۰

رکوع ۱۶

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۶ تا ۱۱۰

جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوائے اس کے جو مجبور کر دیا گیا (لیکن اس جبر واکراہ کے باوجود) اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو (اور بات ہے) لیکن جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا تو اس پر غضب ہے اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں پسند کر لیا۔ اور بے شک اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کفر کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر، کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہ لوگ آخرت سے غفلت برتنے والے ہیں ا۔ ور یقیناً یہ لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر بے شک وہ لوگ جنہوں نے ستائے جانے کے باوجود ہجرت کی پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا تو بے شک اس کے بعد آپ کا رب ان کو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۶ تا ۱۱۰

اُكْرِهَ	مجبور کر دیا گیا، زبردستی کی گئی۔
شَرَحَ	کھل گیا۔
صَدْرٌ	دل، سینہ۔
اِسْتَحَبُّوْ	انہوں نے پسند کرلیا۔
طَبَعَ	مہر لگادی۔
اَلْغٰفِلُوْنَ	بے خبر رہنے والے۔
هَاجَرُوْا	انہوں نے ہجرت کی۔
فُتِنُوْا	آزمائش میں ڈالے گئے۔
جَاهَدُوْ	انہوں نے جہاد کیا۔

تشریح: آیت نمبر ۱۰۶ تا ۱۱۰

جب نبی کریم ﷺ نے کفار و مشرکین مکہ کے سامنے اللہ کے پیغام کو رکھا تو ابتدا میں آپ کی باتوں پر زیادہ غور نہیں کیا گیا۔ پھر مذاق اڑانا شروع کیا، اس کے بعد شدید مخالفت کا آغاز ہوا۔ نبی کریم کی تعلیمات کو جو بھی قبول کرتا اس پر انسانیت سوز ظلم و ستم کئے جاتے اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ حضرت عمار بن یاسر کی آنکھوں کے سامنے ان کے والدین کو سخت اذیتیں دے کر شہید کر دیا گیا حضرت عمار بن یاسر کو بھی بہت سخت تکلیفیں اور اذیتیں دی گئیں اور ان سے کہا گیا کہ وہ اللہ و رسول کی توہین میں الفاظ ادا کریں۔ اس وقت حضرت عمار بن یاسرؓ نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کفار کہلوانا چاہتے تھے۔ اس طرح حضرت عمار کو چھوڑ دیا گیا حضرت عمارؓ نے اپنی جان تو بچالی مگر شرمندگی کا یہ عالم تھا کہ روتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال کو بیان فرما دیا اور اس کلمہ کفر کا بھی ذکر کیا جو کفار نے آپ سے کہلوائے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ اس وقت تمہارے دل میں کیا تھا؟ عرض کیا یا رسول ﷺ اس وقت میرا دل ایمان کے جذبوں سے معمور تھا۔ آپ نے بڑا حکیمانہ جواب دیا کہ

اے عمارؓ ایسی صورت میں اگر وہ ظالم تم سے پھر کہلوانا چاہیں تو کہہ دینا۔ قرآن کریم میں یہی ارشاد ہے کہ ایمان لانے کے بعد اگر کسی کو زبردستی کفر کہنے پر مجبور کر دیا جائے لیکن اس کا دل ایمانی جذبوں سے بھرپور ہو تو ظاہری طور پر جان بچانے کے لئے کلمہ کفر کہہ دینے سے وہ شخص کافر نہیں ہو جاتا۔ البتہ اگر وہ دل کی خوشی سے کلمہ کفر ادا کرے گا تو اس پر نہ صرف اللہ کا قہر نازل ہوگا بلکہ قیامت میں اس کو زبردست عذاب دیا جائے گا کیونکہ اس نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کو زیادہ محبوب بنا لیا۔ اور دنیا کے وقتی عیش و آرام کے لئے آخرت کی ابدی راحتوں کو ٹھکرا دیا۔ اس آیتؐ سے اور صحابی رسولؐ کے عمل اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اگر کوئی اپنی جان بچانا چاہتا ہے تو اس کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اوپری دل سے کلمہ کفر کہنا پڑے تو کہہ دے مگر اپنے دل میں ایمان کے جذبے کو برقرار رکھے۔ ایک تو شکل یہ ہے کہ آدمی اپنی جان بچالے لیکن اگر کوئی شخص دنیا کی ہر سختی، پریشانی، اذیت اور آزمائش کے باوجود اپنے ایمان پر بھی قائم رہے اور اگر اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے تو پیش کر دے تو ایسے شخص کا مقام اور اس کی قربانی نہایت باعظمت ہے چنانچہ اکثر صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ انہوں نے دنیا کی ہر تکلیف اور ظلم برداشت کیا لیکن کلمہ کفر ادا نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی جان دیدی لیکن وہ سب کچھ نہ کہا جو کفار کہلانا چاہتے تھے۔

حضرت بلال حبشیؓ جو موذن رسول ﷺ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں جب انہوں نے کلمہ توحید پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و محبت کا اقرار کر لیا۔ تو ان کو ان کے مالک کی طرف سے ایسی تکلیفیں دی گئیں جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ عرب کی سخت گرمی میں تپتی ہوئی ریت پر ان کو لٹا دیا جاتا اور اوپر سے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا۔ ہاتھ پاؤں پر کوڑے برسائے جاتے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے برسائے جاتے۔ مشرکین ان کے گلے میں رسی باندھ کر ان کو پہاڑیوں پر کھینچتے جاتے اور کہتے کہ تم اس کلمہ توحید سے توبہ کر لو تو تمہاری جان بخش دی جائے گی مگر حضرت بلال حبشیؓ زخموں کی تکلیف کے باوجود ''احد احد'' کہتے جاتے یعنی اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک ہے ہر طرح کی اذیتوں کے باوجود وہ حضرت بلال حبشیؓ کے عزم و ایمان کو شکست نہ دے سکے۔

حضرت عمارؓ کے والدین کو اتنی شدید تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ جو ناقابل تصور ہیں پھر ان دونوں کو صرف اس لئے شہید کر دیا گیا کہ وہ ایک اللہ کے ماننے کا اقرار کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا سچا نبی اور رسول مانتے تھے۔ اسی طرح حضرت سمیہؓ اسّی سال کی بوڑھی خاتون تھیں جب ابوجہل کو معلوم ہوا تو اس نے حضرت سمیہؓ کو سمجھایا۔ جب انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ میں جان تو دے سکتی ہوں مگر جس ایمان کا اقرار کر چکی ہوں اس سے میں نہیں پلٹوں گی ابوجہل نے ان کی شرم گاہ پر اتنی زور سے برچھا مارا کہ ان کا وہیں انتقال ہو گیا اور اس طرح دین اسلام کی عظمت کے لئے سب سے پہلے حضرت سمیہؓ نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے وہ عظمت حاصل کی جو کسی کو اس سے پہلے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہ اسلام کی عظمت و شان کے لئے پہلی شہید

ہیں جنہوں نے دین اسلام کے لئے اپنا خون بہایا۔

حضرت خباب بن الارتؓ ایک کافر عورت کے غلام تھے۔ جب آپ نے دین اسلام کو قبول کیا اور اس عورت کو معلوم ہوا تو اس نے لوہا گرم کرایا اور اس سے ان کے جسم کو داغنا شروع کیا کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر ان کو باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا جاتا۔ کبھی گرم ریت پر لٹا دیا جاتا جس سے ان کی کمر کا گوشت گل گیا تھا۔ ایک دفعہ تو ظلم کی یہ انتہا ہوگئی کہ ان کو باندھ کر آگ کے انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ آپ کی کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھ گئی لیکن ان تمام تر تکلیفوں کے باوجود حضرت خباب بن الارتؓ نے اپنی زبان سے کلمہ کفر نہیں کہا اور اپنے ایمان کو بچانے کے لئے ہر طرح کے ایثار و قربانی سے کام لیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کلمہ کفر کہہ کر اپنی جان بچا سکتا ہے تو بچالے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا دل جذبہ ایمانی سے سرشار ہو۔ اور اگر اس نے اپنی جان تو بچالی اور کفر پر راضی ہو کر اس نے اپنا ایمان نہ بچایا تو اس کو مرتد کہا جائے گا جس کی سزا جہنم ہے دنیا میں بھی اس کے مرتد ہونے کی سزا دی جائے گی اور آخرت میں تو جہنم کے انگارے ہی اس کا مقدر ہیں۔ البتہ اگر وہ اپنے ارتداد سے توبہ کرلے تو اس کے لئے معافی ہے۔

وہ لوگ جو مرتد ہو جاتے ہیں اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ کر ایمان کی دولت تک سے محروم ہو جاتے ہیں اور اسی پر جم جاتے ہیں تو اللہ ایسے لوگوں کو راہ ہدایت نصیب نہیں فرماتا اللہ ان کے دلوں پر اور سماعت و بصارت پر اس طرح مہریں لگا دیتا ہے کہ ان کا شمار غافلوں میں ہونے لگتا ہے۔ اور آخر کار وہ آخرت کا شدید نقصان اٹھاتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے اذیتوں اور پریشانیوں کے باوجود ہجرت کی اور نہایت صبر و شکر سے دین کی سربلندی کے لئے کوششیں، جہاد اور جدوجہد کرتے رہے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ دیکھیں گے کہ آپ کا پروردگار بہت ہی معاف کر دینے والا نہایت مہربان ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کی بڑی سے بڑی غلطی کو معاف کر دیتا ہے اور وہ شخص جس نے ایمان قبول کرلیا اس کے گذشتہ تمام گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۱ تا ۱۱۳

(یاد کرو) وہ دن جب ہر شخص اپنی ہی طرف سے (اپنی طرف داری کرتے ہوئے) جھگڑتا آئے گا۔

ہر شخص کو اس کے اعمال کے سبب پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا اور اللہ نے ایک بستی کی مثال دی ہے۔ جس بستی کے لوگ مطمئن اور بے خوف تھے۔

اور انہیں ہر طرف سے سہولتوں کے ساتھ رزق پہنچ رہا تھا۔ پھر وہاں کے لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔

پھر اللہ نے ان لوگوں کی حرکات کی وجہ سے ان پر بھوک اور خوف کو مسلط کر دیا۔ اور بے شک ان کے پاس ان ہی میں سے رسول آ گیا ہے۔

پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ پھر عذاب نے انہیں اس حالت میں آ پکڑا جب کہ وہ ظلم پر آمادہ تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۱ تا ۱۱۳

تأْتِیُ	آئے گا۔
تُجَادِلُ	جھگڑتا ہے۔
تَوَفّٰی	پورا دیا جائے گا۔
عَمِلَتْ	عمل کیا
لَایُظْلَمُوْنَ	زیادتی نہ کیا جائے گا۔
ضَرَبَ اللّٰهُ	اللہ نے بیان کیا۔
قَرْیَةٌ	بستی، شہر۔
کَانَتْ اٰمِنَةٌ	مطمئن تھی۔
رَغَدٌ	سہولت سے، بافراغت۔
اَنْعُمِ اللّٰهِ	اللہ کی نعمتیں۔
أَذَاقَ	چکھایا۔
لِبَاسُ الْجُوْعِ	بھوک کا لباس (بھوک مسلط ہوگئی)
یَصْنَعُوْنَ	وہ بناتے ہیں۔
کَذَّبُوْا	انہوں نے جھٹلایا۔
اَخَذَ	پکڑ لیا۔

تشریح: آیت نمبر ۱۱۱ تا ۱۱۳

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر قیامت کے ہولناک دن کے متعلق بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ ہر ایک طرح طرح کے عذر و معذرت پیش کر کے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اس دن ہر طرح کی معذرت کرنا بے کار ہوگی کیونکہ عمل کا وقت تو گذر گیا ہوگا اب تو ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہوگی۔ نہ عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ زیادتی کی جائے گی۔ سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمادے تو اور بات ہے ورنہ اللہ کے اصولوں کے مطابق ہر شخص کو اپنے کئے ہوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جس نے اللہ کے دین اور نعمت کی قدر کی ہوگی اس دن وہ خوش اور مسرور ہوگا لیکن جو اس دنیا میں اپنے گھر والوں اور بچوں میں تو بڑی خوشیاں مناتا ہوگا اور اس کو فکر آخرت نہ ہوگی تو وہ اس دن بے چین اور بے قرار ہوگا۔ اس آیت میں اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ اس دن کے آنے سے پہلے ہی کفر و شرک سے توبہ کر لی جائے ورنہ جب وہ قیامت کا دن آجائے گا تو پھر عمل کا وقت نکل جائے گا۔ اس آیت کی مناسبت سے ایک پر سکون واطمینان والی بستی کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور اللہ کی نعمت یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قدر نہ کی تو اللہ نے اسی دنیا میں دکھا دیا کہ ان پر سات سال تک اتنا شدید قحط پڑا کہ وہ گھاس پھونس، پتے اور غلاظت و گندگی تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ فرمایا کہ یہ تو دنیا میں نافرمانی کا نتیجہ ہے کہ کوئی کسی کو نہیں پوچھ رہا ہے۔ ابھی تو توبہ کرنے اور عمل کرنے کا وقت ہے لیکن جب نتیجہ کا وقت ہوگا تو وہاں عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

فرمایا کہ ایک ایسی بستی تھی جس میں امن، چین، سکون اور اطمینان تھا ہر طرف سے ہر طرح کا رزق پہنچ رہا تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہ تھی۔ لیکن امن و چین نے اس شہر کے لوگوں کو اس قدر مغرور اور متکبر بنا دیا تھا کہ وہ اللہ کو بالکل بھول گئے تھے اور انہوں نے ہر نصیحت کرنے والے کی ہر نصیحت کو برا محسوس کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت انبیاء کرام ہیں ان کی بھی ناقدری کی گئی تو اللہ نے ان پر ایسا عذاب مسلط کیا جس نے ان کے اطمینان و سکون کو بے چینی، خوف اور ڈر سے تبدیل کر دیا گیا۔ خوش حالی کی جگہ بھوک، قحط اور آپس کے جھگڑوں کا عذاب مسلط ہو گیا دشمن کے خوف، فقر و فاقہ اور بے سکونی کے ساتھ ساتھ قحط نے ان کی کمر دوہری کر دی تھی۔

یہ کونسی بستی تھی اس کو متعین کر کے کچھ کہنا تو مشکل ہے۔ ہر ایک وہ بستی ہو سکتی ہے جہاں کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمت

کی ناشکری اور ناقدری کی جس کے نتیجے میں ان پر اللہ کا عذاب آیا۔لیکن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ اس آیت میں اگرچہ کسی بستی کا نام نہیں لیا گیا۔لیکن نام لئے بغیر اس بستی سے مراد ''مکہ مکرمہ'' ہے اس صورت میں جس بھوک اور خوف کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد وہ قحط ہوگا جو نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت ایک مدت تک قحط کی شکل میں مکہ مکرمہ پر مسلط رہا۔

اس روایت کی تائید میں تفسیر مظہری کے مطابق یہ واقعہ بھی ہے کہ مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کفر و نافرمانی تو ہم نے کی ہے۔ہم قصوروار ہیں عورتیں اور بچے تو بے قصور ہیں۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ سے کھانے وغیرہ کا سامان بھجوایا۔قرطبی میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ابوسفیان نے بحالت کفر نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ تو صلہ رحمی اور عفو و درگذر کی تعلیم دیتے ہیں۔آپ کی قوم (قحط سے) ہلاک ہوئی جا رہی ہے۔اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ قحط ہم سے دور ہو جائے۔اس پر رسول اللہ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور قحط دور ہوا۔

ان تمام حقائق و روایات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور تمام صحابہ کرامؓ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے تب مکہ مکرمہ میں مسلسل سات سال تک ایسا شدید قحط پڑا کہ لوگ کتے، بلی اور گندگی تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ جب قحط نہایت شدید ہو گیا جو ان کے برے اعمال اور نبی کریم ﷺ جیسی عظیم شخصیت و نعمت کی ناقدری کی وجہ سے ان پر مسلط کیا گیا تھا۔اس وقت حضرت ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے ان کی قیادت میں مکہ کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو ان حالات سے آگاہ کیا اور دعا کی درخواست کی تو آپ نے کفار مکہ کے سارے ظلم و ستم کو بھلا کر نہ صرف ان دشمنوں کے لئے بھلائی کی دعا کی بلکہ ان کی امداد بھی فرمائی۔پیغمبر انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت کا یہ عظیم پہلو ہے کہ آپ کے سامنے جب بھی انسانوں کی ظاہری تکلیفوں کا ذکر کیا گیا۔تو آپ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے لئے بے چین ہو گئے اور آپ نے دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کر کے امت کے لئے یہ اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے کہ ایک مومن کو انسانیت کا سچا خادم ہونا چاہئے۔

فَكُلُوا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ

كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ
الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا
حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ؕ
مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ
هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا
ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

۱۵ ع ۹ ۲۱

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۹

پھر اللہ نے تمہیں جو حلال اور پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اس میں سے کھاؤ اللہ کی نعمت کا شکرادا کرو اگر تم اسی کی بندگی وعبادت کرتے ہو۔ اللہ نے تمہارے اوپر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے علاوہ (کسی اور معبود کا) نام پکارا گیا ہو ان کو حرام کردیا ہے۔ البتہ اگر بھوک سے بے قرار ہو کر کھالے جب کہ اس کا نہ تو سرکشی کا ارادہ ہو اور نہ حد سے آگے بڑھنے کا تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اس جھوٹ میں اپنی زبانوں کو ملوث نہ کرو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے۔ اس طرح اللہ پر جھوٹ نہ باندھو۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں وہ کبھی

فلاح وکامیابی حاصل نہیں کرتے۔ان کے لئے (دنیا کا) فائدہ بہت تھوڑا ہے اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور یہودیوں پر جو چیزیں ہم نے حرام کی تھیں جن کا ذکر ہم اس سے پہلے بھی کر چکے ہیں وہ ہم نے ان پر ظلم نہ کیا تھا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پھر (اے نبی ﷺ) آپ کا رب تو وہ ہے جب انہوں نے نادانی میں کوئی برا عمل کیا پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب اس کے بعد بڑا بخشنے ولا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۹

كُلُوْا	کھاؤ۔
رَزَقَ	اس نے رزق دیا۔
اِيَّاهُ	اسی کی۔
تَعْبُدُوْنَ	تم عبادت کرتے ہو۔
حَرَّمَ	حرام کر دیا، روک دیا۔
اَلْمَيْتَةُ	مردار۔
اَلدَّمُ	خون۔
لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ	خنزیر کا گوشت۔
اُهِلَّ	پکارا گیا۔
اُضْطُرَّ	مجبور کر دیا گیا، مجبور ہو گیا۔

غَيْرُ بَاغٍ	بغاوت کا ارادہ نہ ہو۔
لَاعَادٍ	نہ زیادتی کا ارادہ ہو۔
لَاتَقُوْلُوْا	تم نہ کہو۔
تَصِفُ	بنالی ہے۔
قَصَصْنَا	ہم نے بتایا، بیان کیا۔
يَظْلِمُوْنَ	وہ ظلم کرتے ہیں۔
بِجَهَالَةٍ	نادانی سے۔
تَابُوْ	توبہ کرلی۔
اَصْلَحُوْا	اصلاح کرلی۔

تشریح: آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۹

جس شخص کو بات بات پر اعتراض اور کج بحثی کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے اس کے سامنے کتنی ہی معقول سے معقول حقیقت کو پیش کر دیا جائے تب بھی وہ اس میں کوئی نہ کوئی ایسی بات نکالیتا ہے جس سے ایک نئی بحث چھڑ جائے اور سچائی کی شمع مدہم پڑ جائے۔ بنی اسرئیل دنیا کی وہ قوم ہے جس نے اسی روش کو اختیار کیا اور اپنے نبیوں سے طرح طرح کے سوالات کر کے نہ صرف اپنے اوپر سیکڑوں پابندیاں لگوالیں بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ ایمان کی دولت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کی امت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہو رہا ہے اس وقت بہت سے وہ سوالات نہ کریں کہ اگر ان کو ظاہر کر دیا گیا تو وہ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اسی طرح فرمایا کہ ''اے مومنو! کیا تم بھی اپنے نبی سے ایسے ہی سوالات کرو گے جس طرح اس سے پہلے حضرت موسیٰ سے سوالات کئے گئے تھے'' (البقرہ) ان احکامات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ بہت ہی کم سولات کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے اسی مزاج کو یہاں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہر روز ایک نیا سوال لے کر آ جاتے تھے۔ جب یہ کہا گیا کہ جو لوگ بھی اللہ

کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں تو بطور سزا وہ نعمت ان سے چھین لی جاتی ہے۔ حلال چیزیں بھی اللہ کی نعمت ہیں۔ اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ جو حلال اور پاکیزہ اور ستھری چیزیں انہیں دی گئی ہیں وہ ان میں سے کھائیں اور حرام چیزوں کے قریب نہ جائیں فرمایا کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا حرام ہے اس کا فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اللہ کے سوا کسی شخص کو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کا حق نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کو دو باتوں پر اعتراض تھا۔

(۱) ایک تو یہ کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں تو اور بہت سی چیزیں بھی حرام تھیں لیکن شریعت مصطفیٰ ﷺ میں وہ چیزیں حلال ہیں۔ کیا حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کی شریعتیں الگ الگ تھیں؟ یا ایک تھیں۔ اگر وہ شریعت اللہ کی طرف سے تھی تب تو اس کی مخالفت کر کے گناہ میں مبتلا ہونے کی بات کی جارہی ہے ہو اور اگر دونوں شریعتیں ایک تھیں تو پھر ایک ہی اللہ کی اتاری ہوئی شریعتوں میں یہ اختلاف کیوں ہے؟

(۲) دوسرا اعتراض یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں ''سبت'' کی حرمت کا قانون تھا اہل ایمان نے اس قانون کو بالکل ختم کر دیا ہے یعنی ہفتہ کا دن جو یہودیوں کے نزدیک اتنا قابل احترام تھا کہ اس دن یہودی کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ہفتہ کے دن کے بجائے جمعہ کے دن کو پورا احترام دیدیا۔ کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے یا مسلمانوں نے خود ہی جس چیز کو چاہا حلال کر لیا اور جس چیز کو چاہا حرام قرار دے لیا؟

ان دونوں اعتراضات کے اللہ نے جوابات ان آیات میں عطا فرمائے ہیں۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعتیں ایک ہی اللہ کے حکم سے تھیں لیکن بعد میں لوگوں نے اپنی مرضی سے بعض حلال چیزوں کو حرام کر لیا اور خود ہی ہفتہ کے دن کو مقدس و محترم بنا لیا تھا اور جو چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں وہ ان بنی اسرائیل کی شرارتوں اور نافرمانیوں کا نتیجہ تھا یعنی سزا کے طور پر ان کو ان چیزوں کے استعمال سے روکا گیا تھا۔

مثلاً ناخون والا یعنی کھر رکھنے والا ہر وہ جانور جس کی انگلیاں پھٹی ہوئی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ بطخ، خرگوش وغیرہ ان کا کھانا حرام قرار دیا گیا تھا۔ اسی طرح گائے بکرے کی جو چربی پشت یا انتڑیوں یا ہڈی پر لگی ہوئی نہ ہو۔ وہ ان کے لئے حرام تھی۔ لیکن یہ ان پر بطور سزا کے حرام قرار دی گئی تھی۔ اسی طرح ہفتہ کا دن جب انہوں نے منع کرنے کے باوجود شکار کیا تھا ان پر اللہ نے عذاب نازل کیا اور ان کو شرف انسانیت سے محروم کر کے بندر بنا دیا گیا جو سارے کے سارے بندر تین دن کے اندر اندر مر کھپ گئے۔ فرمایا کہ شریعت موسیٰؑ اور شریعت مصطفوی ﷺ دونوں ہی اللہ کی طرف سے ہیں ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ جو چیزیں بطور سزا دی گئی تھیں وہ قیامت تک سارے انسانوں کے لئے حرام نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ خود اپنی طرف سے گھڑتا ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ نے کن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اس کے متعلق بھی ان آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

اے مومنو! اللہ نے تمہیں جو بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں وہ کھاؤ اور گر تم اس ایک اللہ کی عبادت و بندگی کرتے ہو تو اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

فرمایا کہ تمہارے اوپر چار چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۱) مردار (۲) خون (۳) خنزیر کا گوشت (۴) اور ہر وہ چیز جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

اگر کوئی شخص انتہائی شدید مجبور ہو جائے تو (جان بچانے کے لئے) ان چیزوں کو استعمال کر سکتا ہے شرط یہ ہے کہ اس کا مقصد نہ تو شریعت سے بغاوت ہو اور نہ زیادتی ہو تب جائز ہے۔ وہ اللہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

فرمایا کہ اس جھوٹ میں اپنی زبانوں کو ملوث نہ کرو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے کیونکہ ایسا کہنا اللہ پر جھوٹ گھڑنا ہے جس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کیونکہ جو لوگ ایک جھوٹی بات کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ کبھی فلاح اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتے وجہ یہ ہے کہ اس جھوٹ سے ممکن ہے وہ کچھ دنیاوی فائدے حاصل کر لیں لیکن یہ فائدے ان کے اس دنیا ہی میں کچھ دیر کام آ سکتے ہیں۔ ایسا کرنے والوں کے لئے آخرت کا دردناک عذاب تیار ہے۔ فرمایا کہ یہودیوں کی نافرمانی کی وجہ سے جو چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں وہ ان پر اللہ کا ظلم اور زیادتی نہ تھا کیونکہ اللہ تو کسی بندے پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا یہ تو انسان ہی ہے جو اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار کر اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ وہ رب العالمین تو ایسی شان والا ہے کہ اس کا کوئی بندہ زندگی بھر گناہ کرنے کے بعد بھی اگر احساس شرمندگی اور انداز ندامت سے اس کے سامنے آ کر توبہ کر لیتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو وہ رب بہت ہی مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾ وَآتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۰ تا ۱۲۴

بے شک ابراہیمؑ بڑے مقتدا، اللہ کے فرماں بردار اور سب سے کٹ کر اللہ کے ہو رہے تھے۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے۔ اللہ نے ان کو منتخب کیا اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی۔ ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی اور آخرت میں وہ نہایت اچھے لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے (اے نبی ﷺ) آپ کی طرف وحی بھیجی ہے کہ وہ ابراہیم جنہوں نے کبھی شرک نہیں کیا وہ صرف اللہ کو جانتے تھے ان کے طریقے کی پیروی کیجئے۔ سبت (ہفتہ کے) بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا جو ان پر ہی مسلط کر دیا گیا تھا اور (اے نبی ﷺ) بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس میں اختلاف کیا کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۰ تا ۱۲۴

اُمَّةٌ	پیشوا، رہنما، مقتدا۔
قَانِتٌ	فرماں بردار۔
حَنِيْفًا	سب سے کٹ کر ایک اللہ کا ہونے والا۔
لَمْ يَكُ	نہ تھا۔
شَاكِرٌ	شکر کرنے والا۔
اَنْعُمِهٖ	اس کی نعمتوں کا۔
اِجْتَبٰى	اس نے منتخب کیا۔
اَوْحَيْنَا	ہم نے وحی کی
اِتَّبِعْ	پیروی کیجیے، پیچھے چلیے۔
مِلَّةٌ	ملت، دینی طریقہ

١٦ ع ٩ ٢٢

جُعِلَ مقرر کیا گیا۔

اَلسَّبْتُ ہفتہ کا دن۔

تشریح: آیت نمبر ۱۲۰ تا ۱۲۴

اس حقیقت سے انکار ممکن ہی نہیں ہے کہ جو قوم، سست، کاہل اور بے عمل ہو جاتی ہے اس میں بعض ایسی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کو دوسروں کی نظروں میں حقیر و ذلیل کر دیتی ہیں مثلاً

(۱) بات بات پر بحث و مباحثہ، کٹ حجتی، کج بحثی کرنا

(۲) اور اپنے بزرگوں اور محترم شخصیات کی طرف نسبت کر کے فخر و غرور کرنا۔

مکہ کے کفار و مشرکین اور خصوصاً بنی اسرائیل کو اس بات پر بڑا ناز تھا کہ وہ ابراہیمی ہیں وہی اللہ کے محبوب، پیارے اور سچے مسلمان ہیں ان کے علاوہ سب کے سب کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ جن کی عظمتوں پر انہیں ناز ہے وہ واقعی توحید کے پیکر اپنی ذات میں ایک امت، ایک جماعت اور ایک انجمن تھے۔ دین و دنیا کی وہ کونسی خوبی اور بھلائی ہے جو ان میں موجود نہ تھی۔ ابراہیم خلیل اللہؑ، ابوالانبیا اور اللہ کے فرماں بردار بندے ہیں، ہر طرف سے کٹ کر وہ صرف ایک اللہ کو خالق و مالک ماننے والے اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے۔ صراط مستقیم پر گامزن۔ اللہ کے منتخب بندے۔ حق و صداقت کے لئے خاندان کی عزت و عظمت، راحت و آرام کو قربان کرنے والے۔ آخرت میں تمام عظمتوں کے مستحق تھے اور ہیں۔ ان ہی طریقوں پر وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو چلایا اور ان کو ملت ابراہیمی کو اپنانے کا حکم دیا۔ حضرت محمد ﷺ نے اسی توحید کے راستے کو اپنایا اور ہر طرح کے کفر و شرک سے نفرت کا اظہار فرمایا۔ ارشاد ہے کہ یہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ تھے اور دوسری طرف ان کے راستے پر چلنے والے ان کے پیروکار نبی کریم ﷺ اور ان کے جاں نثار صحابہ ہیں۔ فرمایا کہ تیسری طرف وہ ہیں جنہوں نے ہفتے کے دن کی عظمت کو خود ہی متعین کر کے اس کو دین کا جزو بنا لیا اور اس میں بھی طرح طرح کے اختلافات ہیں۔ ان اختلافات کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرما دیں گے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ کس منہ سے اپنے آپ کو دین ابرہیمی کا پیکر اور متبع کہتے ہیں جب کہ ان میں حضرت ابراہیمؑ جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے برخلاف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے ماننے والے مومنین حضرت ابراہیمؑ کی ملت اور دین کے پیروکار ہیں۔ فرمایا کہ نجات درحقیقت ان کی نسبتوں پر فخر کرنے سے حاصل نہ ہوگی بلکہ ان کے جیسے طریقے اختیار کرنے میں ہوگی۔ اب جب کہ وہ نبی تشریف لے آئے ہیں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے پیروکار ہیں تو ان کا راستہ ہی کامیابی کا راستہ ہے آپ کے علاوہ جس راستے کو بھی اختیار کیا جائے گا وہ نجات اور کامیابی کا راستہ نہ ہوگا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۵ تا ۱۲۸

(اے نبی ﷺ) آپ (ان لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت ودانائی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور اگر (بحث کا موقع آجائے) ان سے اچھائی کے ساتھ بحث کیجئے۔ بے شک آپ کا رب اس بات کو زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹک گیا اور وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت پانے والے لوگ کون ہیں۔ اور اگر بدلہ لو تو صرف اتنا ہی بدلہ لو جو انہوں نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے اور اگر تم نے صبر کیا تو صبر کرنے والوں کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

(اے نبی ﷺ) آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی مدد سے (ممکن ہوا) ہے۔ اور آپ ان کی زیادتیوں پر رنجیدہ نہ ہوں اور نہ ان کی حرکتوں پر دل تنگ ہوں۔ بے شک اللہ تو ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو بھلے کام کرنے والے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۵ تا ۱۲۸

اُدْعُ — بلا، پکارا۔

سَبِیْلٌ	راستہ۔
اَلْحِکْمَۃُ	سمجھ، دانائی۔
اَلْمَوْعِظَۃُ	نصیحت۔
جَادِلْ	بحث کرو۔
اَحْسَنُ	زیادہ بہتر۔
اَعْلَمُ	بہت زیادہ جانتا ہے۔
ضَلَّ	بھٹک گیا۔
عَاقَبْتُمْ	تم نے بدلہ لیا۔
عُوْقِبْتُمْ	تمہیں تکلیف دی گئی۔
لَاتَحْزَنْ	رنجیدہ نہ ہو۔
ضَیْقٌ	دل میں تنگی محسوس کرنا۔
یَمْکُرُوْنَ	وہ مکروفریب کررہے ہیں۔
مُحْسِنُوْنَ	نیکی کرنے والے۔

تشریح: آیت نمبر ۱۲۵ تا ۱۲۸

سورۃ النحل میں بہت سے بنیادی اصولوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس سورت کو جن آیات پر ختم فرمایا گیا ہے اس میں اس بات کی نصیحت کی جارہی ہے کہ کائنات کی سچائیاں وہی ہیں جو اس سورت میں اور اس سے پہلی سورتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ ان کو سمجھانا اور ہر شخص کے دل میں اتارنے کا طریقہ کیا ہے اس کی تفصیل ارشاد فرمائی جارہی ہے۔ کسی بھی نصیحت کے لئے چند بنیادی باتوں کو سمجھنا ضروری ہے ورنہ ہر نصیحت بے کار ہو کر رہ جاتی ہے۔

۱) نصیحت کے لئے حکمت و دانائی بہت ضروری چیز ہے۔ حکمت کیا ہے؟ حکمت یہ ہے کہ جس کو نصیحت کی جارہی ہے وہ کس عمر رتبہ اور مقام کا آدمی ہے اگر ایک عقل و فکر والے کو دیہاتی انداز سے سمجھایا جائے گا تو اس پر نصیحت کا اثر ہونے

کے بجائے الٹا اثر ہوگا۔ اسی طرح ایک کم سمجھ اور کم علم اور کم عمر والے کو اگر ایسی باتیں بتائی جائیں گی جو اس کی عقل و فکر سے بہت اونچی تھیں تو اس کے سر سے گذر جائیں گی اور نصیحت کرنے والے کی نصیحتیں بے کار ہو جائیں گی۔ اس لئے بات کہنے سے پہلے اس بات کا پوری طرح لحاظ کیا جائے کہ ہم کس سے بات کر رہے ہیں۔

۲) پھر یہ کہ جس سے بات کی جارہی ہے اس کا اصل مرض اور خرابی کیا ہے دنیا میں وہی ڈاکٹر اور طبیب کامیاب سمجھا جاتا ہے جو مرض کی تشخیص کرنے کے بعد اس کا مناسب علاج کر سکتا ہو۔ نصیحت کرنے والا بھی ایک ڈاکٹر کی طرح ہوتا ہے۔ اگر اس کو یہی نہیں معلوم کہ میں جس کو نصیحت کر رہا ہوں وہ کس بات میں الجھا ہوا ہے اس کا مرض اور کمزوری کیا ہے تو یقیناً اس کی نصیحت کارگر نہ ہوگی۔

۳) نصیحت کرنے والے کو خوش اخلاق ہونا چاہئے تا کہ سننے والا یا جس کو خاص طور پر نصیحت کی جارہی ہے وہ یہ محسوس نہ کرے کہ مجھ پر زبردستی ایسی بات کو مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس پر اس کا دل آمادہ نہیں ہے۔ غرضیکہ حکمت و دانائی بڑی بنیادی چیز ہے۔ اگر ایک آدمی نے نہایت خلوص سے نصیحت کی لیکن دوسرا آدمی بجائے سننے کے مرنے مارنے پر اتر تا ہے تو فرمایا کہ اگر وہ جاہل و نادان ہے تو یہ کہہ کر اٹھ جاؤ کہ اللہ تجھے سلامت رکھے یہی اس کی کج بحثی کا بہترین جواب ہے۔ لیکن خود اس کو اس طرح اپنے مقابل نہیں لے کر آنا چاہئے کہ اس کی رہنمائی کے بجائے وہ خود کسی گمراہی میں مبتلا ہو جائے۔ نصیحت کرنا انسان کا کام ہے لیکن دلوں کا پھیر دینا ہدایت دینا یا گمراہ کرنا یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کا کام صرف سیدھی راہ دکھانا ہے۔ اس میں نہایت خلوص احترام اور محنت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص زیادتی کرتا ہے تو فرمایا کہ اس کو اسی طرح جواب دینا جائز ہے لیکن اگر صبر کر کے اللہ پر چھوڑ دیا جائے تو پھر یہ بات صبر و برداشت کرنے والوں کے حق میں بہت ہی بہتر ہے۔

نبی کریم ﷺ ان ہی آیات کی روشنی میں لوگوں کو اللہ کی راہ کی طرف نہایت حکمت و دانائی سے بہترین نصیحتوں سے اور نرمی سے بلاتے تھے اور ان کی خیر خواہی میں کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی آپ کے طریقے پر چلتے ہوئے اللہ کا دین پہنچانے میں ہر طرح کی محنتیں فرماتے تھے مگر کفار و مشرکین اور اسلام اور سچائی کے دشمن ایسا دل شکن رویہ اختیار کرتے تھے کہ جس سے آپ ﷺ کو سخت اذیت اور تکلیف پہنچتی تھی اور آپ رنجیدہ ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

اے نبی ﷺ! آپ اللہ کا دین پہنچاتے رہیے اگر وہ ظلم اور زیادتی کرتے ہیں تو اس پر صبر کیجیے نہ آپ رنجیدہ ہوں اور نہ اپنے دل میں کوئی تنگی پیدا کریں۔ اللہ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اور پرہیز گاری کی زندگی اختیار کرتے ہیں اور ہر حال میں دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کے متمنی رہتے ہیں

الحمد للہ ان آیات پر سورۃ النحل تکمیل تک پہنچ گئی ہے۔ میں اس پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ اللہ قبول و منظور فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۵

سبحٰن الذی

سورۃ نمبر ۱۷

بَنِیٓ اِسْرَآءِیْل

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۂ بنی اسرآئیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ نمبر	17
رکوع	12
آیات	111
الفاظ وکلمات	1582
حروف	6710
مقام نزول	مکہ مکرمہ

اس سورت کی ابتدا معراج مصطفیٰ ﷺ سے کر کے بنی اسرئیل کی تاریخ کے اہم پہلوؤں کو نہایت مختصر اور جامع طریقہ پر بیان کیا گیا ہے۔ زندگی کے اہم ترین بنیادی اصولوں کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ ایک انسان کو صحیح راہ ہدایت اسی وقت مل سکتی ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔

بنی اسرائیل کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ انہوں نے انبیاء کرامؑ کا راستہ چھوڑ کر دنیا پرستی کے ہر طریقے اور انداز کو اختیار کر لیا تھا۔ اسی لیے اس سورت میں حضرت محمد ﷺ کی امت کو باقاعدہ منصب امامت پر فائز کر کے بنی اسرائیل کی قیادت کو معزول کرنے کے واضح اشارات کیے گئے ہیں۔

علماء مفسرین نے فرمایا ہے اس واقعہ کو اسراء اور معراج فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ﷺ کو مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اس کو اسراء کہتے ہیں۔ پھر مسجد اقصیٰ سے بارگاہ رب العالمین تک کے سفر کو معراج کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ کو اسراء اور معراج دونوں بیداری کی حالت میں عطا کی گئیں۔

اس سورۃ کی ابتداء اسراء یا معراج سے کی گئی ہے تا کہ بنی اسرائیل اور تمام مذاہب کے پیروکاروں کو اس بات کا اچھی طرح احساس دلایا جائے کہ اب انسانیت کی معراج اور سر بلندی اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہی پوشیدہ ہے کیونکہ اس سے زیادہ انسانیت کی سر بلندی کا اور کوئی تصور ممکن نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں مگر کوہ طور تک محدود ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک باعزت مہمان کی حیثیت سے براق پر حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل کے ساتھ یاد فرمایا۔ پھر اللہ نے آپ ﷺ کو وہ بلند مقام عطا فرمایا جہاں اللہ کے سب سے مقرب فرشتے حضرت جبرائیل نے بھی آگے جانے سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں اس مقام سے آگے نہیں جا سکتا اگر میں نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو تجلی الٰہی میرے پروں کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ پھر اللہ نے رف رف سواری بھیج کر آپ ﷺ کو اپنے قریب بلایا اور آپ ﷺ سے کلام فرمایا۔ تمام

یہ سورۃ مکہ مکرمہ کے آخری دور میں نازل کی گئی جب کفار ومشرکین کے ظلم وستم کی انتہا ہو چکی تھی۔ اس سورۃ میں توحید و رسالت ، اسلام کی حقانیت، قیامت، آخرت، جنت و جہنم اور کفر وشرک کے برے انجام اور اچھے برے اعمال کی جزا وسزا کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

سورت کے مختصر الفاظ میں امت محمدی ﷺ کو قیامت تک دنیا کی امامت سپرد کیے جانے اور بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو ان کے مقام سے باقاعدہ معزول کرنے کی طرف واضح اشارات فرمائے گئے ہیں۔

امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ خواب کی حالت نہ تھی بلکہ مکمل بیداری میں آپ کو اسراء اور معراج عطا فرمایا گیا۔

سفر معراج کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی ایک طویل ترین تاریخ کو نہایت مختصر الفاظ میں ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ ہزاروں خطاؤں اور نافرمانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت اور سربلندی کے اعلیٰ ترین مقامات تک پہنچایا تھا لیکن احکامات الٰہی کی وہ مسلسل نافرمانی کرتے رہے جس کی وجہ سے ان کو ہزاروں ذلتیں بھی نصیب ہوئیں اور طاقت ور قوموں نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے انبیاء کرامؑ کے راستے کو چھوڑ کر کفر وشرک کے طریقوں کو اختیار کر لیا تھا۔

اس سورۃ میں بنی اسرئیل کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اب اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول اور آخری کتاب آ گئی ہے اگر اس کا بھی انکار کیا گیا اور نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری نہ کی گئی تو اس قوم کو ایسی ذلتوں سے واسطہ پڑے گا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ فرمایا گیا کہ یہ قرآن کریم صراط مستقیم کی طرف لے جانے والا ہے جس میں دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔

اس سورۃ میں چند ایسے ضروری احکامات بیان کیے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے انسانی معاشرہ ہزاروں خرابیوں سے پاک ہو سکتا ہے اور کسی بھی معاشرے کی کامیاب بنیادیں عطا کی گئی ہیں۔ وہ اصول یہ ہیں۔

(1) اللہ کے سوا کسی کی عبادت و بندگی نہ کرنا اور شرک کے ہر انداز سے بچنا۔

(2) والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

(3) رشتہ داروں، غریبوں، ضرورت مندوں اور مسافروں کے ساتھ حسن معاملہ کرنا۔

(4) فضول خرچی سے بچنا مال کو احتیاط سے خرچ کرنا، سخاوت ہو لیکن کنجوسی اور بخل سے بچنا۔

(5) مفلسی اور غربت کے خوف سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرنا کیونکہ یہ ایک بدترین جرم ہے۔

(6) فرمایا کہ زنا کے قریب بھی مت جانا ورنہ بدترین راستے کھل جائیں گے۔

(7) انسانی جان قابل احترام ہے کسی حال میں قتل ناحق کی اجازت نہیں ہے۔

(8) یتیم بچے جب تک شعور کی عمر کو نہ پہنچ جائیں اس وقت تک سوائے احسن طریقے کے ان کے مال کے قریب بھی نہ جانا۔

(9) ہر طرح کے عہد اور معاہدے کی پابندی کرنا۔

(10) ماپ تول اور لین دین میں ہر طرح کی ناجائز حرکتوں سے بچنا۔

(11) جس بات کی تحقیق نہ ہو اس بات کے پیچھے نہ پڑنا اور ہر طرح کی بدظنی اور الزام لگانے سے بچنا

(12) ہر طرح کے تکبر، غرور اور بڑائی کے انداز اور زمین پر اکڑنے اور اترانے سے بچنا۔

(13) کفر و شرک سے بچنا اور صرف اللہ ہی کی عبادت و بندگی کرنا۔

(14) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر یقین رکھنا۔

(15) اللہ، اس کے رسول اور دین کے بنیادی اصولوں کے مقابلے میں کفر و شرک، ضد، ہٹ دھرمی پر نہ جمنا کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

اس سورۃ میں حضرت نوحؑ کا ذکر کر کے فرمایا گیا کہ اللہ نے کسی بستی کو بلاوجہ برباد نہیں کیا بلکہ جب انہوں نے انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کا انکار کیا اس سے منہ موڑا اور دنیا پرستی کو غالب کر لیا تو پھر اللہ کا فیصلہ آ گیا اور اس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

حضرت موسیٰؑ کے بعض معجزات کا ذکر کر کے فرمایا کہ انہوں نے کس طرح فرعون کو للکارا اور جب فرعون نے اللہ کے دین کا مسلسل انکار کیا تو اس کو اس کے لشکر کو اور اس کی سلطنت کو غرق کر دیا۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تا کہ اس کو اچھی طرح سمجھا جا سکے۔ نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیجیے آپ کا کام مکمل ہو جائے گا۔ اگر اس پر عمل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دین و دنیا میں وہ کامیابیاں عطا فرمائے گا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

سُورۃ بَنِیٓ اِسرَآءِیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

ترجمہ: آیت نمبر ۱

اللہ، پاک بے عیب ذات ہے جو اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے اردگرد کو ہم نے برکت عطا کی ہے تاکہ ہم ان کو (اپنی قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱

سُبْحٰنَ	ہر طرح کے عیب سے پاک ذات۔
اَسْرٰى	لے گیا۔ (گیا)
اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ	قابل احترام مسجد۔ (بیت اللہ)
اَلْمَسْجِدُ الْاَقْصٰى	دور کی مسجد۔ (بیت المقدس)۔
حَوْلٌ	اردگرد۔ آس پاس
نُرِیْ	ہم دکھائیں گے۔

تشریح: آیت نمبر۱

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء یا سورہ بنی اسرائیل کی ابتدا "سبحٰن" سے فرمائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر طرح کے عیب سے پاک ہے، وہ اللہ جیسے اس کائنات میں ہر طرح کی تعریفوں اور عظمتوں کا مستحق ہے اسی طرح وہ تمام انسانی کمزوریوں سے بھی پاک ہے۔ وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہ کسی کام کے کرنے میں دنیاوی اسباب اور ذرائع کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ جب بھی کسی کام کو کرنا چاہتا ہے اسی وقت پورا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا اور وہاں سے ان کو سارے آسمانوں کے عجائبات قدرت کی سیر کرانے کے بعد اسی رات ان کو واپس مکہ مکرمہ لے آیا تو اس میں تعجب اور حیرت کی کیا بات ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی اس سورت میں صرف مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ النجم (پارہ ۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے اس معراج کا ذکر فرمایا ہے جس میں آپ ﷺ کو آسمانوں تک لے جانے اور رسول اللہ ﷺ کے بارگاہ الٰہی میں پہنچنے کی کیفیات ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ اسی لیے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ "اسراء اور معراج" دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ

۱) اسراء مسجد الحرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) تک کے سفر کو اسراء کہا جاتا ہے۔

۲) معراج مسجد الاقصیٰ سے بارگاہ الٰہی تک پہنچنے اور سفر کرنے کو معراج کہا جاتا ہے۔

اسراء کا ذکر تو سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے البتہ معراج کا تفصیلی ذکر سورۃ النجم (پارہ نمبر 27) کے علاوہ ان متواتر اور مشہور احادیث میں بھی موجود ہے جن کو اکابر صحابہؓ خاص طور پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت انس ابن مالکؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت مالک ابن صعصعہؓ اور حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے روایت کیا ہے۔ معراج کی روایات اس قدر تسلسل اور تواتر کے ساتھ معتبر ترین ذرائع سے بیان کی گئی ہیں جن پر تقریباً تمام اکابر امت کا اتفاق ہے اور ان کی تعداد تیس (30) تک جا پہنچتی ہے۔ جمہور علماء امت اس بات پر متفق ہیں کہ "اسراء اور معراج" کا واقعہ ایک ہی وقت اور ایک ہی رات میں بیداری کی حالت میں جسم و روح کے ساتھ پیش آیا۔ آپ ﷺ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا اور آپ اسی رات عالم بالا کی بلندیوں سے گذرتے ہوئے بارگاہ الٰہی تک پہنچے اور صبح ہونے سے پہلے آپ مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئے۔

سورۃ الاسراء کی اس پہلی آیت کی تشریح اور وضاحت کرتے ہوئے علماء کرامؒ اور مفسرین نے بہت سی بحثیں کی ہیں جن کو مختصر انداز میں بیان کیا جاتا ہے تاکہ اسریٰ اور معراج کی پوری کیفیات سامنے آسکیں۔ سورۃ الاسراء اور سورۃ النجم کی آیات کے مطالعہ سے جو باتیں سامنے آتی ہیں ان کو چند عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے تاکہ بات پوری طرح سمجھ میں آسکے۔

۱) مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کا سفر (جس کو اسراء کہا جاتا ہے)۔
۲) مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) میں رسول اللہ ﷺ کی امامت میں تمام انبیاء نے نماز ادا فرمائی۔
۳) مسجد الاقصیٰ سے سدرۃ المنتھی تک پہنچنا (جس کو معراج کہا جاتا ہے)۔
۴) سدرۃ المنتھی پر حضرت جبریل امینؑ کا اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونا۔
۵) سدرۃ المنتھی سے بارگاہ الٰہی میں حاضری کی کیفیات (کیا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کو آنکھوں سے دیکھا ہے؟)
۶) سفر اسراء و معراج کا سب سے بڑا تحفہ ''نماز'' جو آپ ﷺ کی امت کو عطا کیا گیا۔
۷) سفر ''اسراء و معراج'' خواب میں پیش آیا یا بیداری کی حالت میں؟
۸) سفر معراج کی ضرورت کیا تھی؟ اس سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

یہ ہیں وہ عنوانات جن کی تفصیل بیان کرنے سے انشا اللہ اس سفر کی عظمت سامنے آسکے گی۔

اسراء

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اپنی قدرت کاملہ سے بعض نشانیاں دکھانے کے لئے راتوں رات مسجد الحرام (بیت اللہ) سے مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا۔ اور اللہ نے اس سفر اسری میں نبی کریم کو بعض نشانیاں بھی دکھائیں جن کی کیفیات کو صحیح احادیث میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مسجد الاقصیٰ سے آپ کو معراج عطا فرمائی گئی۔ امت کے اکثر علماء، فقہا، محدثین، متکلمین اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ ایک ہی رات میں جسم وروح کے ساتھ بیداری کی حالت میں پیش آیا ہے۔ یہ کوئی خواب یا محض روحانی عروج نہ تھا۔

یہ واقعہ کب پیش آیا؟

مشہور تو یہی ہے کہ ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے شعب ابی طالب میں شدید فقر و فاقہ اور سفر طائف کے اذیتوں بھرے سفر کے بعد 27 رجب 12 نبوی ﷺ میں پیش آیا لیکن بعض علماء امت نے کچھ روایات کی بنیاد پر مختلف تاریخیں اور دن بیان کئے ہیں۔

۱) جس سال نبوت عطا کی گئی اسی سال معراج کا واقعہ پیش آیا (امام طبری)
۲) نبوت کے پانچویں سال 27 رجب کو معراج ہوئی (امام قرطبی)
۳) نبوت کے دسویں سال 27 رجب کو معراج کا واقعہ پیش آیا (علامہ منصور پوری)
۴) واقعہ معراج مکی زندگی کے بالکل آخری دور میں ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا (طبقات ابن سعد)
۵) یہ واقعہ معراج 17 رمضان المبارک 12 نبوی ﷺ میں پیش آیا (واقدی)
۶) یہ ہجرت کے ایک سال آٹھ مہینے پہلے رجب 12 نبوی ﷺ میں پیش آیا (ابن عبداللہ)

یہ علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں جن کو بیان فرمایا گیا ہے۔ حقیقت کا علم تو اللہ کو ہے بہر حال موجودہ دور میں یہی قول مشہور ہے کہ واقعہ معراج 27 رجب کو پیش آیا۔

معراج اور ختم نبوت

علم و تحقیق کی بات تو اپنی جگہ محترم ہے لیکن اگر ہم اس مبارک رات کی حقیقت، کیفیات اور معراج عطا کئے جانے کا جو عظیم مقصد تھا اس کو پیش نظر رکھیں تو یہ سب سے بہتر بات ہوگی کیونکہ امت محمدی کی اس سے بڑھ کر اور کیا عظمت ہوگی کہ اس نے انہیں ایک ایسے عظیم نبی کا امتی بنایا جو سردار انبیاء، خاتم الانبیاء اور فخر انبیاء و رسل ہیں جنہیں اللہ نے حضرت موسیٰ کی طرح محض اپنے کلام ہی سے نہیں نوازا بلکہ آپ کو پوری شان و شوکت سے اس قدر قریب بلایا کہ جبرئیل امین بھی کہہ اٹھے کہ اس سے آگے آپ تشریف لے جایئے۔ اگر میں نے اس سے آگے ایک قدم بھی بڑھایا تو تجلی الٰہی میرے پروں (بازوؤں) کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ اللہ نے آپ کو یہ مقام رفعت و عظمت عطا فرمایا۔ اس شان و عظمت اور بلندیوں تک نہ کوئی نبی اور رسول پہنچا اور نہ کسی کو یہ عظمت حاصل ہوسکتی تھی۔ اللہ نے اس سفر میں گویا آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھ کر قیامت تک آنے والی نسلوں کو بتا دیا کہ یہی وہ نبی و رسول ہیں جن کے ساتھ نبوت و رسالت مکمل ہوگئی اب کسی نئے نبی نئے رسول اور نئی امت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اسراء و معراج درحقیقت ختم نبوت کا اعلان بھی ہے۔ یہی اس سفر کا ایک بنیادی مقصد سمجھ میں آتا ہے۔

تمام نبیوں کی امامت

ایک رات نبی کریم ﷺ "حطیم کعبہ" میں آرام فرما رہے تھے اچانک حضرت جبرئیل امین اور حضرت میکائیل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے ہمارے ساتھ چلئے۔ چنانچہ آپ اس براق پر سوار کئے گئے جو آپ کے لئے لایا گیا تھا۔ براق جس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جس جگہ (حضورؐ) کی نظر پڑتی تھی وہیں اس کا قدم پڑتا تھا۔ براق بجلی کی طرح کوندتا ہوا تیزی سے آپ کو مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) لے کر پہنچ گیا۔ بعض روایات کے مطابق جیسے ہی نبی کریم ﷺ مسجد الاقصیٰ پہنچے تو یہاں تمام انبیاء اور رسلؑ جمع تھے۔ نماز تیار تھی جیسے صرف امام کا انتظار کیا جارہا ہے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل امین نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو امامت کی جگہ کھڑا کر دیا اور اس طرح آپ نے تمام نبیوں اور رسولوں کی امامت فرمائی۔ اس سلسلہ میں دوسری روایت بھی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سفر معراج سے واپس تشریف لائے تب آپ نے تمام نبیوں اور رسولوں کی امامت فرمائی۔ یہ تو روایات کا اختلاف ہے بہر حال یہ تو ثابت ہے کہ آپ کو اللہ نے سارے نبیوں اور رسولوں کا امام بنایا ہے۔ اس طرح یہ واقعہ بھی آپ کی ختم نبوت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

الاقصیٰ سے سدرۃ المنتہی تک

مسجد الاقصی سے سدرۃ المنتھی کے سفر کی کوئی تفصیل قرآن کریم میں موجود نہیں ہے البتہ ایسی صحیح اور متواتر تمیں احادیث میں اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں جن پر پوری امت کے اکثر علماء کا اتفاق ہے۔لیکن اس جگہ یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر احادیث میں اس واقعہ کی تفصیل نہ بھی ہوتی تو یہ بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ جب سورۃ النجم میں سدرۃ المنتھی اور بارگاہ الٰہی میں پہنچنے کا ذکر ہے تو یقیناً آپ کسی نہ کسی ذریعہ سے مسجد الاقصیٰ سے آسمانوں تک پہنچے ہوں گے۔

بہر حال احادیث کے مطابق تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبریل امینؑ حضور اکرم ﷺ کو براق پر سوار کر کے آسمانوں کی طرف لے چلے۔ جب آپ پہلے آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا خیر مقدم کیا۔دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ سے تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ سے چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ سے چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی پھر حضرت جبرئیل امین آپ کو سدرۃ المنتھی کی طرف لے کر چلے۔راستے میں آپ نے حوض کوثر اور جنت کو بھی دیکھا پھر کچھ لوگوں پر جہنم کے عذاب کی مختلف شکلیں اور جہنم کو بھی دیکھا۔اس طرح اللہ کی نشانیوں کو دیکھتے ہوئے آپ سدرۃ المنتھی تک پہنچ گئے۔

سدرۃ المنتھی کیا ہے؟

سدرہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں مگر بیری کا درخت کیا ہے؟ اس کا تصور بالکل اسی طرح ناممکن ہے جس طرح جنت کی راحتوں اور جہنم کی تکلیفوں کا اندازہ اس دنیا میں لگانا مشکل ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان اپنے مشاہدہ کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتا۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جنت ایسی ہے کہ نہ کسی کان نے سنا نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے دل پر اس کا تصور بھی گذرا ہے۔اسی طرح سدرہ بیری کا ایک درخت ہے اس کی صحیح کیفیات کا علم اللہ کو ہے۔سدرۃ المنتھی کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ یہ آسمان پر تمام بھلائیوں، فیصلوں اور احکامات الٰہی کا ایک ایسا سنگم ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی احکامات آتے ہیں پہلے وہ سدرۃ المنتھی تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے ہیں اسی طرح اس دنیا کے تمام اعمال پہلے سدرۃ المنتھی تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے اللہ کے حکم پر اوپر اٹھائے جاتے ہیں حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اتنا بڑا اور تناور درخت ہے جس کی جڑیں چھٹے آسمان میں اور اس کا پھیلاؤ ساتویں آسمان تک ہے۔سدرۃ المنتھی وہ ہے جس کے پاس ''جنت الماوی'' یعنی وہ جنت ہے جس میں اہل ایمان کو رکھا جائے گا اور اہل ایمان و صاحبان تقویٰ کے لئے بہترین قیام گاہ ہوگی۔(حسن بصری)

حضرت قتادہؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ وہ جنت ہے جس میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کی ارواح کو رکھا جاتا ہے۔اس سے مراد وہ جنت نہیں ہے جو آخرت میں ملنے والی ہے غرضیکہ جب نبی کریم ﷺ سدرۃ المنتھی سے آگے

لے جائے گئے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ چیزیں جو سونے کے پروانوں کی طرح روشن و منور تھیں وہ اس بیری کے درخت سے چمٹی اور لپٹی ہوئی ہیں۔ روایات کے مطابق یہ فرشتے تھے جو اس درخت سے اتنی بڑی مقدار میں لپٹے ہوئے تھے کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ نظر آرہا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فرشتوں کو معلوم ہوا کہ خاتم الانبیاء سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آج کی رات یہاں تشریف لا رہے ہیں تو فرشتوں نے درخواست پیش کی کہ ہم بھی نبی کریم ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی۔ معلوم ہوا کہ اس رات اللہ کی خصوصی تجلیات کا ظہور تھا جس کی بنا پر اللہ کے فرشتے بھی آپ کی آمد کے منتظر تھے۔

جبرئیل اپنی اصلی شکل میں

اس مضمون کو سمجھنے کے لئے سورۃ النجم کی آیات کا ترجمہ ملاحظہ کر لیجئے

ترجمہ: ستارے کی قسم جب وہ غروب ہوا۔ یہ تمہارے صاحب (ساتھ رہنے والے) نہ راہ حق سے بھٹکے نہ غلط راستہ پر چلے۔ نہ وہ اپنی نفسانی خواہش سے کچھ کہتے ہیں سوائے اس وحی کے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ ان کو وہ سکھاتا ہے جو بڑی قوت والا ہے۔ پھر وہ اصلی صورت پر اس حالت میں ظاہر ہوا کہ وہ (آسمانوں کے) بلند کنارے پر تھا۔ پھر وہ قریب آیا اور بہت نزدیک آگیا کہ دو کمانوں سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر وحی نازل کی اور (وہ نازل کیا) جو اس کو نازل کرنا تھا۔ قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں غلطی نہیں کی کیا تم اُس سے اس بات پر جھگڑتے ہو جو اس نے دیکھا۔ اور یقیناً اس نے اس کو ایک مرتبہ پھر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اترتے دیکھا۔ جس کے قریب جنت الماویٰ (انسان کا اصل ٹھکانا اور مقام) بھی ہے۔ جب وہ اس "سدرہ" پر چھا رہا تھا جو کچھ وہ چھا رہا تھا۔ نہ تو نگاہ (حد سے آگے) بڑھی۔ اور اس نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات کو دیکھا۔ (سورۃ النجم آیت نمبر 1 تا 18)

سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں علماء مفسرین کی دو رائے ہیں

کچھ علماء فرماتے ہیں کہ ان آیات میں "شدید القوی، ذو مرۃ، دنی فتدلی، قاب قوسین، او ادنی" الفاظ حضرت جبرئیل امین کی صفات ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کی وحی میں یہ کہہ کر شبہات پیدا کرتے تھے کہ حضرت جبرئیل پر ہمیں اعتماد نہیں ہے کہ وہ صحیح طریقہ پر وحی لے کر اترتے ہیں۔ اور کہتے تھے کہ ہمارا محمد (ﷺ) سے کوئی لڑائی جھگڑا یا اختلاف نہیں ہے بلکہ ہم تو جبرئیل کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اس کا جواب اللہ نے سورۃ بقرہ میں یہ دیا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں سے جو جبرئیل سے دشمنی کا اظہار کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ جبرئیل تو اللہ کے حکم سے اللہ کا کلام آپ کے قلب پر لے کر اترتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ) روایات کے مطابق عام طور پر حضرت جبرئیل امین حضرت وحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے لیکن دو موقعے ایسے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا ہے ان میں سے ایک وہ موقع ہے جس کی طرف ان آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے جب

نبی کریم ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبرئیل کو دیکھا تو اس وقت وہ پورے افق پر چھائے ہوئے تھے اور ان کے چھ سو بازو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جبرئیل وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی زبردست طاقتیں عطا فرمائی ہیں کہ وہ کسی کے سامنے مجبور یا کمزور نہیں پڑ سکتے وہ شدید القوی یعنی زبردست قوت و طاقت والے ہیں۔ ذومرہ طاقت ور ہیں، دنی فتدلی وہ قریب ہوئے اور بہت قریب ہو گئے۔ قاب قوسین او ادنی۔ دو کمان کے برابر یا اس سے قریب تر ہو گئے۔ مراد یہ ہے کہ وہ ایسی طاقتوں والے اور افق پر چھا جانے والے ہیں کہ شیطان کی طاقتیں ان کو نہ مجبور و بے بس کر سکتی ہیں اور نہ شیطان کی یہ مجال ہے کہ ان کے کام میں کسی طرح کی مداخلت کر سکے۔

کچھ علماء کرام نے ان آیات کو اللہ کی صفات قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان آیات میں رویت اور قرب سے مراد اللہ کی رویت اور قرب ہے بہر حال آیات میں دونوں تفسیروں کی گنجائش اور احتمال موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ پہلا موقع تو مکہ مکرمہ میں اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ فترۃ الوحی کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سے کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ دوسرا واقعہ شب معراج میں ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پیش آیا جس کا ذکر سورۃ النجم کی مذکورہ آیات میں کیا گیا ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ اور دربار الٰہی میں حاضری

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے "سدرۃ المنتہیٰ" ایک اہم ترین مقام اور سنگم ہے جہاں سے سارے فیصلے اور اعمال اوپر سے آتے اور نیچے سے بارگاہ الٰہی میں پہنچتے ہیں۔ جب حضرت جبرئیل اس مقام پر پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ میں اس سے ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں گا تو اللہ کی تجلی مجھے جلا کر راکھ کر دے گی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچا تو مجھے بادل کی طرح کی چیز نے گھیر لیا اور میں سجدہ میں گر گیا۔ پھر اللہ کی طرف سے رف رف سواری بھیجی گئی اور میں رنگ و نور کے درمیان آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔

علماء محققین نے اس موقع پر اس سوال کو اٹھایا ہے کہ سفر معراج میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی رویت حاصل ہوئی یا نہیں؟ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس بات کو بڑی شدت سے بیان فرماتی ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کو دیکھا ہے تو وہ غلط کہتا ہے اور اس تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ امت میں سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ سورۃ النجم میں جس رویت کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد جبرئیل کی رویت ہے۔ ام المومنین تو یہاں تک فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ (سورۃ النجم میں جس رویت کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ) میں نے جبرئیل کو دیکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنا قرب تو عطا فرمایا لیکن آپ ﷺ نے اللہ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اسی

لئے ام المومنین کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھتا ایک اور روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ کو دیکھا ہے تو آپ نے اس سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اللہ کو نہیں دیکھا۔ مسلم کی ایک روایت کے مطابق ام المومنین نے مسروقؓ سے گفتگو میں فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے (مسلم۔ کتاب الایمان فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ)

دوسری طرف وہ روایات بھی موجود ہیں جن میں ''رویت'' سے مراد جبرئیل امین کی رویت نہیں بلکہ اللہ کی رویت ہے چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ نے قصہ معراج میں شریک ابن عبداللہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں درج فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے قریب آئے اور (اس کا نور) آپ پر سایہ فگن ہوگیا۔ یہاں تک کہ آپ کے اور اللہ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو چاہا آپ پر وحی نازل فرمائی۔ ان ہی احکامات میں سے پچاس نمازوں کی فرضیت کا حکم بھی تھا (جو بعد میں پانچ فرض نمازوں تک محدود کردیا گیا)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا ایک قول امام شعبیؒ نے نقل فرمایا ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے ایک مجلس میں فرمایا۔ انہوں نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان تقسیم فرمادیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے دومرتبہ کلام فرمایا اور حضرت محمد ﷺ نے اللہ کو دومرتبہ دیکھا۔ (ترمذی)

مسند احمد میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

طبرانی اور ابن مردویہ نے بھی حضرت ابن عباس کی اس روایت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ آنکھ سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔

روایتوں کے اس اختلاف سے آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ اللہ کو آنکھوں سے دیکھنے اور نہ دیکھنے کے بارے میں علماء و محققین کی مختلف رائے ہیں۔ چونکہ سورۃ النجم کی آیات میں دونوں ہی احتمال اور امکان موجود ہیں اس لئے بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو معراج پر اسی لئے بلایا تھا تا کہ اپنا دیدار کرادیں اور دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا البتہ اللہ نے آپ کو اپنی بارگاہ میں قریب تر بلا کر کائنات کی نشانیاں دکھائیں اور آپ کو زبردست اعزاز عطا فرمایا جو کسی اور نبی اور رسول کو حاصل نہ ہوسکا۔

معراج اور پانچ وقت کی نمازیں

سفر معراج سے پہلے آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سنت ابراہیمی کے مطابق صبح کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں ادا فرماتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں زیادہ تر نمازیں دار ارقم میں ادا کی جاتی تھیں کیونکہ کفار مکہ اس بات کو برداشت نہیں کرتے تھے کہ اللہ کے گھر میں ان کی مرضی کے بغیر اللہ کا نام لیا جائے چنانچہ مسلمان چھپ چھپ کر نمازوں کو ادا کرتے تھے۔

جب حضرت عمر ابن خطابؓ ایمان لے آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب ہم حق پر ہیں تو بیت اللہ میں جا کر نمازیں کیوں ادا نہ کریں؟ نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بعد حضرت عمر اور صحابہ کرامؓ نے بیت اللہ میں جا کر کھلم کھلا نماز ادا فرمائی۔ معراج النبی ﷺ کے موقع پر جب پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دی گئیں اور حضرت جبرئیل امین نے اللہ کے حکم سے نمازوں کے اوقات اور اس کی ترتیب تعلیم فرما دی تب پانچ وقت کی باقاعدہ نمازوں کا آغاز ہو گیا۔

اس بات پر بخاری و مسلم کی روایات ایک جیسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سفر معراج کے موقع پر نبی کریم ﷺ کو آپ کی امت کے لئے پچاس نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا تھا جس پر نبی کریم ﷺ بہت مطمئن اور خوش تھے جب آپ واپس تشریف لا رہے تھے اور حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کیجئے کہ پچاس نمازوں میں تخفیف فرما دیں کیونکہ مجھے اپنی امت کا تلخ تجربہ ہے جن پر دو وقت کی نمازیں فرض تھیں جنہیں وہ ادا نہ کر سکے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں تخفیف کی درخواست کی جسے قبول کرتے ہوئے دس یا پانچ نمازیں کم کر دی گئیں حضرت موسیٰ نے کہا اس میں بھی کمی کی درخواست کیجئے۔ آپ نے اللہ سے درخواست کی اور یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک پچاس نمازوں کی تعداد گھٹ کر پانچ رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ اگرچہ آپ کی درخواست پر ہم نے پچاس نمازوں کو پانچ نمازوں تک محدود کر دیا ہے لیکن جو شخص بھی دن بھر میں پانچ فرض نمازیں ادا کرے گا اس کو پچاس نمازوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ کے مشورے پر نبی کریم ﷺ کا بار بار اللہ کی بارگاہ میں درخواست کرنا اور ہر مرتبہ نمازوں کی تعداد کو کم کرنا اس سے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اس سے جب بھی درخواست کی جاتی ہے تو وہ سنتا ہے اور بندوں کی خواہشات کو پورا کرتا ہے بندے کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے دوسرے یہ کہ اس میں نبی کریم ﷺ کا اعزاز و اکرام بھی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی امت پر کس قدر مہربان ہیں کہ امت کی آسانیوں کے لئے بار بار اللہ کی بارگاہ میں درخواست پیش فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی حضور اکرم ﷺ کی امت پر کس قدر مہربان و کریم ہے کہ پچاس نمازوں کو پانچ کر دینے کے باوجود ثواب پچاس نمازوں کے برابر دینے ہی کا وعدہ فرما رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کواور آپ کی امت کومعراج کا یہ تحفہ عطا فرمایا گیا اسی لئے گویا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری معراج تو یہ ہے کہ میں بارگاہ الٰہی تک گیا لیکن مومنوں کی معراج اور سر بلندی نمازوں میں رکھ دی گئی ہے۔ جو شخص بھی نمازیں ادا کرتا ہے وہ معراج کی لذتوں اور کیفیتوں کو محسوس کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کے حقوق اور پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نبی کریم ﷺ کی مکہ واپسی

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں دکھادیں تو آپ نماز جیسی عظیم عبادت کا تحفہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات کا عطیہ لے کر اسی رات مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئے۔ آپ نے صبح کو یہ واقعہ سب سے پہلے اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانیؓ کو سنایا جو حرم کعبہ کے نزدیک ہی رہتی تھیں۔ جب آپ نے یہ فرمایا کہ میں اس واقعہ کو کفار مکہ کے سامنے بیان کرنے جارہا ہوں تو حضرت ام ہانیؓ نے آپ کی چادر مبارک کو تھام کر کہا کہ اللہ کے واسطے آپ اس قصہ کو نہ سنایئے ورنہ کفار مکہ آپ کا مذاق اڑائیں گے اور آپ کو ستائیں گے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ میں اس واقعہ کو ضرور بیان کروں گا (طبرانی ابو العلی)

نبی کریم ﷺ حضرت ام ہانی کے گھر سے سیدھے حرم کعبہ پہنچے۔ یہاں سب سے پہلے جس سے ملاقات ہوئی وہ ابوجہل تھا۔ ابوجہل نے طنز کے طور پر پوچھا کہیے آج کونسی بات بیان کرنے تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ آج رات میں مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) گیا اور واپس آگیا آپ نے مزید تفصیلات بتائیں ابوجہل کو تو جیسے مذاق اڑانے کا موقع مل گیا۔ کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ! کیا تم یہی بات سب کے سامنے بیان کرسکتے ہو؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ ابوجہل نے آوازیں دے دے کر ساری قوم کو جمع کرلیا۔ آپ نے گذری ہوئی رات کے تمام واقعات کو تفصیل سے بیان کردیا لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کیا۔ کوئی تالیاں پیٹ رہا تھا، کوئی ہنس رہا تھا، کوئی سر پر ہاتھ رکھ کر ناچ رہا تھا۔ یہ بات پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور اس انہونی بات کا اتنا مذاق اڑایا گیا کہ کمزور ایمان کے بعض مسلمانوں نے اسلام سے رخ پھیرلیا۔ کفار اس پر خوش تھے کہ ان کا پروپیگنڈہ کام آگیا اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہوگیا۔ ابوجہل نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات میرے آقا ﷺ نے فرمائی ہے تو بالکل سچ ہے اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں تو روز سنتا ہوں کہ آسمان سے کیا کیا پیغام آتے ہیں۔ اور فرمایا کہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں (ترمذی، بیہقی، مسند احمد)

اس موقع پر بعض وہ لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے بیت المقدس کو دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ بیت المقدس کے دروازے اور طاقیں کتنی ہیں؟ یہ عجیب سا سوال تھا کیونکہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کی زیارت کرتے ہوئے غور

ہی نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس اور آپ کے درمیان سے پردے ہٹا دیئے۔ اب بیت المقدس آپ کے سامنے تھا۔ آپ نے کفار مکہ کے ایک ایک سوال کا جواب دیا کفار لاجواب ہو گئے اور پھر بھی انہوں نے ان حقائق کو تسلیم نہیں کیا۔ اور وہ اپنے کفر و شرک پر جمے رہے۔ یہ واقعہ کسی خواب کا واقعہ نہ تھا کیونکہ انسان خواب میں تو اس سے بھی زیادہ حیرت ناک باتیں دیکھ لیتا ہے اور کفار مکہ مذاق نہ اڑاتے چونکہ آپ نے بیداری کی حالت میں یہ سب کچھ دیکھا تھا اس لئے کفار مکہ نے مذاق اڑانے کی کوشش کی۔

اس بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ واقعہ خواب میں پیش آیا۔ روحانی سفر تھا یا جسمانی و روحانی سفر تا ہم اس بات پر تفصیل سے غور کر لیا جائے تو بہتر ہوگا۔

کیا واقعہ معراج خواب میں پیش آیا؟

یہ مسئلہ کہ آپ نے یہ سفر اسراء و معراج خواب میں طے کیا یا آپ نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے جاگتے ہوئے مشاہدہ کیا اور اللہ نے آپ کو اپنے دیدار (رویت) کرایا یا نہیں، اس سلسلہ میں اکابر صحابہ و علماء نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اگر یہ واقعہ محض خواب یا روحانی عروج کا ہوتا تو اس پر کفار مکہ کو کوئی اعتراض نہ ہوتا کیونکہ انسان خواب میں تو بہت سی ناممکن چیزوں کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ انسانی تصورات اور خیالات اس کو کہیں سے کہیں حیرت انگیز واقعات کی طرف لے جاتے ہیں جس کا عام زندگی میں تصور بھی ممکن نہیں ہوتا۔ خواب کی بات ہوتی تو کفار مکہ نہ تو سوالات کی بوچھاڑ کرتے نہ مذاق اڑاتے اور نہ حضرت ام ہانیؓ آپ کی چادر مبارک پکڑ کر یہ کہتیں کہ آپ اس کو بیان نہ کریں ورنہ لوگ آپ کا مذاق اڑائیں گے مگر آپ نے فرمایا کہ میں اس کو ضرور بیان کروں گا۔

۲۔ ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب آپ براق پر سوار تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے قریش مکہ کے تین تجارتی قافلوں کو دیکھا۔ سلام کیا جب کفار مکہ نے جھٹلایا تو آپ نے فرمایا کہ فلاں فلاں قافلہ مکہ کی طرف آ رہا ہے۔ اور فرمایا کہ ایک جگہ تو براق کو دیکھ کر قافلے والوں کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا جس کی طرف میں نے رہنمائی کی۔ کچھ دن بعد وہ قافلے والے مکہ پہنچے اور انہوں نے آپ کی ایک ایک بات کی تصدیق کی۔ علماء فرماتے ہیں کہ خواب میں ایسا کچھ نہیں ہوتا بلکہ یہ پوری جاگنے کی کیفیت کا اظہار ہے۔

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ جب آپ نے بیت المقدس کا ذکر کیا تو کفار مکہ نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اچھا یہ بتائیے بیت المقدس کیا ہے؟ اس کی تفصیل کیا ہے؟ آپ نے ایک ایک تفصیل بتائی یہ بات بھی اس کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ محض خواب کا واقعہ نہ تھا۔

۴۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کفار مکہ نے یہ کہا کہ اے ابوبکر کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک ہی رات میں ساتوں آسمانوں کی سیر کرلے اور اسی رات واپس آجائے؟ تو حضرت ابوبکر نے اس کی تصدیق فرمائی اور آپ کو اسی بنا پر صدیق کا لقب عطا فرمایا گیا۔ اس سلسلہ میں آخری بات یہ ہے کہ اس دور میں ممکن ہے کہ بعض ایسے سوالات پیدا ہوئے ہوں مگر موجودہ دور میں سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ یہ بات کسی طرح تعجب کی نہیں ہے کیونکہ اب تو چند گھنٹوں میں اتنا طویل سفر کرنا آسان ہے اور نجانے آئندہ اور کیسی کیسی سہولتیں لوگوں کو نصیب ہوں گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء علم وتحقیق کی روشنی میں یہ فرماتے ہیں کہ اسراء اور معراج کا یہ واقعہ خواب یا روحانی عروج کا قصہ نہیں تھا بلکہ پوری طرح حالت بیداری میں پیش آیا ہے۔

سفر معراج کی ضرورت واہمیت

سفر معراج اس وقت پیش آیا جب آپ کو اسلام کی تعلیمات کو پھیلاتے ہوئے بارہ سال گذر چکے تھے۔ طائف کا تکلیف دہ سفر، تین سال تک بائیکاٹ کی وجہ سے فقروفاقہ، محبت کرنے والی بیوی اور ہر موقع پر سرپرستی کرنے والے چچا کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوچکے تھے۔ کفار نے ظلم وستم کی انتہا کردی تھی۔ ان مایوس کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو آپ کا وہ مقام رفیع دکھایا جو اس سے پہلے کسی کو نصیب نہ ہوا تھا۔ دوسری طرف کفار کی صفوں سے نکل نکل کر سعادت مند لوگ دامن مصطفیٰ ﷺ میں پناہ لے رہے تھے کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کے دو چار آدمی دین اسلام میں داخل نہ ہوچکے ہوں۔ مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے طاقت ور قبیلوں کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہ کیا تھا وہ اسلام کی آفاقی اور اخلاقی تعلیم سے پوری طرح متاثر ہوچکے تھے اب یہ وقت تھا کہ ساری دنیا کو بتادیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ بنی اسرائیل کو منصب امامت سے معزول کردیا ہے اور امت محمدیہ (ﷺ) کو درجہ امامت وفضیلت پر فائز کردیا گیا ہے۔ اب دین اسلام کی تکمیل کا وقت قریب ہے اور جس دین کو مٹانے کے لئے کفار مکہ سرتوڑ کوششیں کرچکے تھے اب ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اب یہ پودا کمزور نہیں رہا جس کو آسانی سے زمین سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے بلکہ وہ ایک مضبوط اور تناور درخت بن چکا تھا جس کی جڑ اگر زمین پر تھی تو اس کی شاخیں سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے تک پھیل چکی تھیں۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ
هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲
ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳

ترجمہ: آیت نمبر ۲ تا ۳

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) عطا کی جو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) تھی (جس میں بتایا گیا تھا کہ) میرے سوا کسی کو کام بنانے والا (حاجت روا) مت بنانا۔ (اے ان لوگوں کی اولاد) جن کو ہم نے نوحؑ (کی کشتی میں) سوار کیا تھا بے شک وہ (نوحؑ) شکر ادا کرنے والے بندے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲ تا ۳

جَعَلْنَا ہم نے بنایا۔

اَلَّاتَتَّخِذُوْا یہ کہ تم نہ بناؤ گے۔

دُوْنِیْ میرے سوا۔

وَكِيْلٌ کام بنانے والا۔ (حاجت روا)

ذُرِّيَّةٌ اولاد۔ بچے

حَمَلْنَا ہم نے سوار کیا۔ ہم نے اٹھایا۔

شَكُوْرٌ بہت شکر ادا کرنے والا۔

تشریح: آیت نمبر ۲ تا ۳

سورۃ الاسراء کی پہلی آیت میں ''اسریٰ'' یعنی معراج النبی ﷺ کو بیان کر کے دوسری اور تیسری آیت میں حضرت موسیٰ اور ان پر اتاری گئی اس کتاب الٰہی (توریت) کا ذکر کیا گیا ہے جو بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل کی گئی تھی۔ فرمایا کہ جس کتاب کا پہلا سبق یہی تھا کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو قابل اعتماد اور لائق بھروسہ ہو۔ وہی سب کا

پالنے والا اور ہر مشکل میں نجات دینے والا ہے۔ حضرت نوحؑ جو اللہ کے شکر گذار بندے تھے انہوں نے شدید ترین حالات میں اللہ ہی پر بھروسہ کیا اور اس کے حکم اور ہدایت پر ایک ایسا جہاز (کشتی) تیار کیا جس کو دیکھ کر کفار مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا خشکی پر بھی کشتیاں چلائی جائیں گی؟ لیکن جب پانی کا شدید ترین طوفان آیا اور ان کی بنائی ہوئی کشتی جس میں اہل ایمان اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے والے سوار تھے اس نے پانی پر ڈولنا اور چلنا شروع کیا تو اس وقت دنیاوی اسباب پر بھروسہ کرنے والے پہاڑوں کی بلندیوں کی طرف دوڑ پڑے تاکہ پہاڑ کی بلندیاں انہیں اس طوفان سے نجات دیدیں۔ یہاں تک کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا بھی پہاڑوں کی طرف دوڑا حضرت نوحؑ نے آوازیں دے کر کہا کہ بیٹا ایمان قبول کر کے میری کشتی میں سوار ہو جاؤ آج اللہ کے سوا کوئی چیز اور کوئی پہاڑ کی بلندی کسی کو بچا نہ سکے گی۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے نے کہا ابا جان! میں کسی اونچے پہاڑ پر یا کسی اور سہارے سے اپنی جان بچالوں گا لیکن طوفان کی شدت نے اس کو اور دوسرے کافروں کو اس کی مہلت نہیں دی اور وہ پوری قوم ڈوب گئی اللہ نے اپنی رحمت سے حضرت نوحؑ اور ان کی تعلیمات پر ایمان لانے اور اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو بچالیا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو ایک مرتبہ پھر خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی ہے اور بتادیا کہ جس طرح حضرت نوحؑ اور اہل ایمان کو اللہ نے نجات عطا فرمائی اسی طرح وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے والوں اور اللہ پر بھروسہ و اعتماد کرنے والوں کو نجات عطا فرمائے گا۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ان کے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بت یا مال و دولت کے سہارے عذاب الٰہی سے انہیں بچا سکتے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہے۔ نجات کا راستہ دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی ہی میں ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفار مکہ کے اٹھائے ہوئے مخالفت اور دشمنی کے طوفانوں سے نہ گھبرائیں کیونکہ جنہوں نے اللہ و رسول پر ایمان لا کر اپنی نجات کا سامان کر لیا ہے وہی کامیاب و بامراد ہوں گے۔

اس مقام پر مفسرین نے اس بات پر کافی بحث کی ہے کہ ''اسراء و معراج'' کا ذکر کرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ، توریت اور قوم بنی اسرائیل کا ذکر کیا گیا ہے جس کی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن غور کرنے پر ایک مناسبت اور یکسانیت سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے بہت سے دلائل پیش کئے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو معراج اور قرب اس وقت عطا کیا گیا جب نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں پر کفار مکہ کے ظلم و ستم کی انتہا ہو چکی تھی۔ اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ چھوڑ کر حبشہ اور دوسرے مقامات کی طرف ہجرت کر رہے تھے اور وہ وقت بہت قریب آچکا تھا جب نبی کریم ﷺ بھی مکہ سے ہجرت کرنے والے تھے ایسے نازک موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پہلے بیت المقدس اور پھر ان بلندیوں تک بلایا جہاں اللہ کے مقرب ترین فرشتے بھی نہیں جا سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب عطا فرمایا اور ساری دنیا کو بتا دیا گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ نے اس قدر بلندیاں اور اپنے آپ سے قرب عطا فرما دیا ہے جس کے بعد مزید بلندیوں، قربتوں اور عظمتوں کا تصور ناممکن ہے لہٰذا اب انسانیت کی فلاح و کامیابی حضور اکرم ﷺ کی مکمل اطاعت وفرماں برداری میں ہے۔ جو آپ ﷺ کے راستے سے ہٹ کر کوئی دوسرا راستہ تلاش کرے گا وہ اپنی منزل سے بھٹک جائے گا۔ اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اب نبوت ورسالت مکمل ہو چکی ہے اور اب کسی طرح کے کسی نبی اور رسول کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کے بعد اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کائنات کا جھوٹا اور بدترین شخص ہے۔ سفر معراج میں دوسری بات جو سامنے آتی ہے وہ اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی ہے جو آپ کو عطا فرمائے گئے۔ ان تمام اصولوں میں جو سب سے بڑا تحفہ ہے "وہ نماز ہے"

بخاری و مسلم کی روایات کے مطابق جب نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت پر بطور تحفہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں تو آپ نے اس کو امت کے لئے نعمت سمجھ کر قبول فرمالیا لیکن واپسی کے سفر میں جب حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی اور ان کو معلوم ہوا کہ امت محمدی پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ میری امت پر دو وقت کی نمازیں فرض کی گئی تھیں وہ اس فرض کو ادا نہ کر سکے تو اے اللہ کے رسول (ﷺ) آپ کی امت پچاس نمازیں کیسے ادا کر سکے گی؟ انہوں نے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے پچاس نمازوں میں تخفیف کی درخواست کیجئے۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا تو اللہ نے پانچ یا دس (دونوں روایتیں موجود ہیں) نمازیں کم کر دیں، حضرت موسیٰؑ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اور کمی کی درخواست کیجئے چنانچہ آپ ہر بار حضرت موسیٰؑ کے مشورے پر اللہ کی بارگاہ میں تخفیف کی درخواست پیش کرتے رہے یہاں تک کہ نمازوں کی تعداد پانچ تک رہ گئی۔ اس کے بعد آپ نے مزید درخواست نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب ﷺ! آپ کی امت میں جو شخص بھی پانچ وقت کی نمازیں ادا کرے گا میں اس کو پچاس وقت کی نمازوں ہی کا ثواب عطا کروں گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یوں تو حضرت موسیٰؑ اور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بہت زیادہ یکسانیت ہے لیکن معراج کے موقع پر حضرت موسیٰؑ کا مشورہ دینا اور پھر اس کو نبی کریم ﷺ نے قبول کر کے نمازوں کی تخفیف کی درخواست پیش کی یہ بھی اس مضمون کی مناسبت ہے کہ اللہ نے معراج کا ذکر کرنے کے بعد فوراً ہی حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کا ذکر فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معراج کے ذکر کے بعد قوم بنی اسرائیل کا ذکر فرمانا، کفار و مشرکین کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل پر بے انتہا کرم فرمائے مگر انہوں نے مسلسل نافرمانیاں کر کے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں وہ اپنی نااہلی کی وجہ سے دنیا کی امامت، قیادت اور رہنمائی کے قابل نہیں رہے ہیں اب دنیا کی امامت و قیادت کا تاج نبی کریم ﷺ اور امت محمدیہ کے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ اب ساری دنیا کی رہبری اور رہنمائی قیامت تک صرف نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کی ذمہ داری ہے۔

وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿٤﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۗ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿٥﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿٦﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۖ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۗ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿٧﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿٨﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿٩﴾ لا وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾ ع

وقف لازم

ع ١

ترجمہ: آیت نمبر ۴ تا ۱۰

ہم نے بنی اسرئیل کو کتاب میں (صاف طور پر) بتا دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور البتہ تم ضرور زبردست سرکشی کرو گے پھر ان دو میں سے پہلا وعدہ آ گیا تو ہم نے تمہارے اوپر اپنے بندوں میں سے سخت لڑنے والے بھیجے۔ پس وہ شہروں کے اندر گھس گئے اور یہ ایک فیصلہ تھا جو پورا ہو کر رہنے والا تھا۔ پھر ہم نے ان پر تمہیں دوبارہ غلبہ عطا کیا۔ اور مالوں اور بیٹوں سے ہم نے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہیں بڑی (طاقت ور) جماعت بنا دیا۔ اور (بتا دیا

تھا کہ) اگر تم نے بھلے کام کئے تو وہ تمہارے اپنے لئے ہیں اور اگر تم نے برے کام کئے تو وہ بھی تمہارے اپنے لئے ہیں پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو دشمن نے تمہارے چہرے بگاڑ دیئے تا کہ وہ مسجد اقصیٰ میں گھس جائیں جس طرح وہ پہلی مرتبہ گھسے تھے اور یہ کہ وہ غلبہ پا کر پوری طرح برباد کر ڈالیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمادے۔ لیکن اگر تم وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم کو قید خانہ بنایا ہے۔ بے شک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا راستہ ہے۔ یہ قرآن اہل ایمان کو اور عمل صالح کرنے والوں کو خوش خبری دیتا ہے کہ بے شک ان کے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ اور بے شک وہ لوگ جو آخرت کو نہیں مانتے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴ تا ۱۰

قَضَیۡنَا — صاف صاف بتادیا۔

مَرَّتَیۡنِ — دومرتبہ

تَعۡلُنَّ — تم ضرور ظلم/تکبر/سرکشی کروگے۔

اُوۡلٰی — پہلا۔

بَعَثۡنَا — ہم نے بھیجا۔

اُولِیۡ بَاۡسٍ — لڑنے والے۔

جَاسُوۡا — وہ گھس گئے۔ وہ پھیل گئے۔

اَلدِّیَارُ (دَیۡرٌ) — گھر۔ آبادیاں۔ شہر۔

مَفۡعُوۡلًا — کیا جانے والا۔

رَدَدۡنَا — ہم نے لوٹایا۔

كَرَّةً	بار بار۔
نَفِيرٌ	لوگ۔مددگار۔
اَحۡسَنۡتُمۡ	تم نے اچھا کیا۔
اَسَاْتُمۡ	تم نے بُرا کیا۔
لِيَسُوْٓءٗ	تا کہ وہ بگاڑ دیں۔
لِيُتَبِّرُوْا	تا کہ وہ تباہ کر دیں گے۔
عُدْتُّمْ	تم پلٹے۔
حَصِيۡرٌ	گھیر لے۔روک لے۔قید خانہ۔
يَهۡدِىۡ	رہنمائی کرتا ہے۔ہدایت دیتا ہے۔
اَقۡوَمُ	بالکل سیدھا۔سب سے بہتر۔

تشریح: آیت نمبر ۴ تا ۱۰

تاریخ کے دھارے، دنیا کے حالات، رنگ ڈھنگ اور طرز فکر و عمل بدلتے رہتے ہیں لیکن تاریخی سچائیاں کبھی تبدیل نہیں ہوتیں۔سورۃ بنی اسرائیل کی ان چند آیات میں قوم بنی اسرائیل کی ایک ہزار سالہ تاریخ کو نہایت جامع انداز میں بیان کر کے اہل ایمان کو بتایا گیا ہے کہ جب بھی کسی قوم کو دین و دنیا کی بھلائیاں اور کامیابیاں نصیب ہوئیں ان کے پس پردہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات اور انبیاء کرام کی شریعت کو ماننے کا عظیم جذبہ کارفرما رہا ہے۔اسی سے ان کو ایک نئی زندگی ملی ہے۔اس کے برخلاف جس قوم نے بھی اللہ کی تعلیمات سے روگردانی اور انبیاء کرام کی شریعت سے منہ موڑا ہے دین و دنیا کی بدنصیبیاں ان کا مقدر بن گئی ہیں۔یہ اللہ کی ایک ایسی سنت اور طریقہ ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں آتی۔

جب حضرت موسیٰؑ کو قوم بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا گیا اس وقت بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم نے ذلتوں کے اس مقام تک پہنچا دیا تھا جہاں انسانیت بھی شرما جاتی ہے، دنیا پرستی اور اللہ کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے اس قوم کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ ان کو دو وقت کی روٹی حاصل کرنے کے لئے ذلیل سے ذلیل کام کرنے پڑتے تھے۔ملک کی اکثریت

ہونے کے باوجود ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ فرعون کے ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہوجاتے۔ اگر ان کے لخت جگر بیٹوں کو ان کی ماؤں کی گود سے چھین کر ذبح کر دیا جاتا تو ان کو اف تک کرنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ اللہ جو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے اس نے بنی اسرائیل کی اس مظلومیت کو دیکھتے ہوئے ان ہی میں سے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی قیادت و رہنمائی میں اس قوم کو ایک نئی زندگی مل گئی اور ان میں اس بات کا شعور پیدا ہونا شروع ہوگیا کہ ہماری تباہی و بربادی کا اصل سبب اللہ کے دین اور اپنے مرکز سے دوری ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ پوری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر فلسطین کی طرف روانہ ہوگئے۔ فرعون نے ان کا پیچھا کیا مگر اللہ نے فرعون، اس کے لشکر اور حکومت و سلطنت کو سمندر میں ڈبو دیا اور اس طرح اس قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات مل گئی۔ صحرائے سینا میں اللہ نے اس قوم پر بڑے بڑے انعامات کئے۔ سب سے بڑا انعام یہ تھا کہ ان کی رہبری و رہنمائی کے لئے توریت جیسی کتاب عطا کی گئی لیکن اس قوم کا جو مزاج بن چکا تھا اس نے ان کو پھر سے نافرمانیوں پر آمادہ کر دیا اور ایک دفعہ پھر وہ چالیس سال کے لئے میدان تیہ میں بھٹکا دیئے گئے۔ اس عذاب سے نکلنے کا راستہ ان سے اس طرح گم ہوگیا کہ صبح کو چلتے چلتے جب رات ہوجاتی تو وہ سمجھتے کہ ہم نے راستہ معلوم کرلیا ہے لیکن اگلے دن وہ وہیں پر ہوتے جہاں سے وہ چلے تھے۔ ان سب نافرمانیوں کے باوجود اللہ نے ان کو اس لق ودق صحرا میں کھانے، پینے اور سائے سے محروم نہیں فرمایا بلکہ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے کھانے کے لئے من وسلویٰ، پینے کے لئے بارہ چشمے سائے کے لئے بادل عطا کئے۔ اسی کشمکش میں یہ قوم فلسطین کی طرف بڑھتی رہی۔ حضرت ہارونؑ کا اسی راستے میں وصال ہوگیا۔ پھر اریحا کے مقام پر حضرت موسیٰؑ بھی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور حضرت شمعونؑ قوم بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین میں داخل ہوگئے۔ حضرت شمعونؑ جو حضرت موسیٰؑ کے بعد اس قوم کی رہنمائی کے لئے مقام نبوت پر فائز ہوئے انہوں نے اس قوم کو بہت سمجھایا مگر انہوں نے نہ صرف ان کی نبوت کا انکار کر دیا بلکہ ایک دوسرے کی ضد میں بارہ قبیلوں نے بارہ سلطنتیں قائم کرلیں ان پر دنیاداری اور قوم پرستی کا اس قدر غلبہ ہوگیا تھا کہ وہ کتاب الٰہی کو بھول گئے۔ اس انتشار کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کفار ومشرکین جو ان علاقوں میں رہتے بستے تھے انہوں نے آہستہ آہستہ ان کی منتشر حکومتوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی سرحدوں پر حملے شروع کر دیئے اور بداخلاقیوں کو رواج دینا شروع کر دیا چنانچہ ان کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا۔ ان سلطنتوں کی حیثیت بارہ قبیلوں جیسی ہوگئی جو ایک دوسرے سے الجھتے رہتے تھے۔ ایک پٹتا تو دوسرا دور کھڑے ہو کر صرف تماشا دیکھتا تھا۔ کفار ومشرکین نے ایک ایسا متحدہ پلیٹ فارم بنالیا تھا کہ بنی اسرائیل کی کوئی ریاست ان کے شر سے محفوظ نہ رہی۔ سرحدی جھڑپوں کے بعد آہستہ آہستہ ان کی ایک ایک ریاست کو کفار ومشرکین نے ہڑپ کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ جالوت جیسے ظالم بادشاہ نے اس قوم بنی اسرائیل سے صندوق سکینہ تک چھین لیا جس میں توریت کی تختیاں اور حضرت موسیٰؑ کا عصا جیسے تبرکات تھے۔ جب ان پر ہر طرف سے حملے کر کے ان کی کمزور ریاستوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا تب اس قوم کو ہوش آیا اور انہوں نے جالوت کے جبر وظلم اور طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے وقت کے نبی سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے تا کہ ہم اس کے ساتھ مل کر جالوت کا مقابلہ کرسکیں۔ اللہ نے حضرت طالوت کو

جو بن یمین کے قبیلے سے تھے اس قوم کا سربراہ مقرر فرمایا۔ اتنی تباہی و بربادی کے باوجود بھی بنی اسرائیل نے حضرت طالوت کی قیادت سے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ ایک بہت چھوٹے سے خاندان کا ایک غریب آدمی ہے یہ ہمارے اوپر حکمرانی کیسے کر سکتا ہے؟ لیکن اللہ نے ان پر ثابت کر دیا کہ اب اس قوم کی نجات اسی میں ہے کہ حضرت طالوت کی قیادت کو تسلیم کیا جائے چنانچہ حضرت طالوت معمولی سے لشکر کے ساتھ آگے بڑھے۔ اللہ نے ان کی غیب سے مدد فرمائی صندوق سکینہ بھی واپس مل گیا۔ جالوت کو قتل کر دیا گیا اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی اور اہل ایمان کا دوبارہ غلبہ ہو گیا۔ اس جہاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان کی عظیم سلطنتیں ایک سو سال تک قائم رہیں جن میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنات، چرند، پرند پر حکومت الٰہی قائم ہوگئی۔ حضرت سلیمانؑ کو جانوروں تک کی بولیاں سکھا دی گئیں تاکہ اگر ایک چیونٹی بھی فریاد کرنے والی ہو تو وہ سن کر اس کی فریاد کو پہنچ سکیں۔ حضرت سلیمانؑ کے وصال کے بعد بنی اسرائیل پر ایک دفعہ پھر دنیا پرستی کا غلبہ ہو گیا۔ اور باہمی انتشار اور اختلافات کی وجہ سے ایک اسلامی ریاست دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن پر سلطنت اسرائیل قائم ہو گئی اور یروشلم میں سلطنت یہودیہ قائم ہو گئی۔

سلطنت اسرائیل میں مشرکانہ تہذیب وعقائد کو اس قدر زیادہ فروغ حاصل ہو چکا تھا کہ وہ اپنی عیش پرستیوں اور بدمستیوں میں پوری طرح ڈوب گئے کہ ان کے بازوؤں میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی سکت وقوت ختم ہو کر رہ گئی۔ اشوریوں نے سلطنت اسرائیل پر مسلسل حملے کر کے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ بنی اسرائیل کے خون سے ارض فلسطین رنگین ہو گئی۔ تیس ہزار بنی اسرائیل کے بااثر لوگوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ان کی عبادت گاہوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا گیا اور اس طرح سلطنت اسرائیل اشوریوں کی غلام بن کر رہ گئی۔ بنی اسرائیل کی دوسری سلطنت جو انبیاء کی تعلیمات کی وجہ سے ابھی اس قدر عیاشیوں اور بدکرداریوں میں مبتلا نہیں ہوئی تھی لیکن کفر وشرک کی وجہ سے وہ بھی انتہائی کمزور ہو چکے تھے مگر انبیاء کرام کی تعلیمات کی وجہ سے ان کے بازوؤں میں دشمن کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ باقی تھا۔ وہ خوب لڑے مگر وہ بھی اشوریوں کے باج گذار بن کر رہنے پر مجبور ہو گئے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے تقریباً چھ سو سال پہلے بخت نصر نے اپنی پوری قوت و طاقت سے سلطنت یہودیہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کے بادشاہ کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا گیا۔ ان کے شہروں کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی گئی یہاں تک کہ اس کی دیواریں بھی سلامت نہ رہیں۔ لاکھوں یہودیوں کو ملک سے نکال دیا گیا۔ جو لوگ اس سلطنت میں رہ گئے تھے ان کو اس قدر ذلیل وخوار کر دیا گیا کہ انہیں اپنے وجود پر شرم آنے لگی۔

اگر یہ لوگ انبیاء کرام کی اطاعت کرتے جو قدم قدم پر ان کو سمجھاتے رہے، برے انجام سے ڈراتے رہے تو انہیں اس بدترین تباہی سے واسطہ نہ پڑتا مگر اللہ اور اس کے رسولوں کی تعلیمات سے منہ موڑنے والی قوم کا انجام ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے تک یہ وہ فساد عظیم تھا جس کا قرآن کریم نے ان آیات میں تذکرہ فرمایا ہے۔

دوسرا فساد

اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی، انکساری اور توبہ استغفار سب سے بڑی سعادت اور نیکی ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی وہ حکومت جو سلطنت یہودیہ کے نام سے مشہور ہے اس میں انبیاء کرام کی تعلیمات کی وجہ سے اتنی جان موجود تھی کہ وہ کفار و مشرکین کے عقائد اور غلط نظریات کا مقابلہ کر سکے۔ ان کی اس جدو جہد اور توبہ استغفار کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''بابل کی سلطنت'' زوال پذیر ہونا شروع ہوگئی اور ایران کے سائرس نے بابل کی سلطنت کو شکست دے کر فتح کرلیا۔ ایرانی فاتح کی اجازت سے ایک مرتبہ پھر بنی اسرائیل کو وطن آنے کی اجازت مل گئی۔ اور یہودیوں کے قافلے بڑی تیزی سے فلسطین آنا شروع ہوگئے۔ ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت کے ساتھ ہی اس علاقے کو ایک نئی زندگی مل گئی۔ جب سلطنت یہودیہ کے آخری بادشاہ کے پوتے کو بابل کا گورنر مقرر کیا گیا تو اس نے اس وقت کے موجود انبیاء اور علماء کو اپنے اردگرد جمع کرلیا اور ان کی نگرانی میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا آغاز ہوگیا۔ بعد میں حضرت عزیرؑ کو شاہ ایران نے ایک خصوصی فرمان کے ذریعہ حکومت کا نگران مقرر کردیا۔ حضرت عزیرؑ نے اس قدر تیزی کے ساتھ اصلاحات کا آغاز کیا کہ قوم بنی اسرائیل ایک دفعہ پھر خواب غفلت سے بیدار ہو بیٹھی۔ حضرت عزیرؑ نے بائبل کی ترتیب، عوام کے لئے تعلیم کا انتظام، قوانین شریعت کا نفاذ اور اخلاق و اعتقاد کی اصلاح کے لئے انقلابی اقدامات کئے۔ حضرت عذیرؑ کے بعد بھی ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کی آباد کاری کا کام جاری رہا اس طرح بنی اسرائیل کو ابھر کر کام کرنے کا موقع مل گیا لیکن ایرانی سلطنت کے زوال، سکندر اعظم کی فتوحات اور پھر یونانیوں کے عروج نے اس پوری قوم کو کئی حصوں میں تقسیم کردیا۔ یونانیوں کی حکومت نے بنی اسرائیل کے اخلاق کو اتنی تیزی سے بگاڑنا شروع کردیا کہ حکومت کی کوشش سے ہر بداخلاقی اور بدکرداری کو قوت سے رواج دینا شروع کردیا۔ بنی اسرائیل پر اور مذہبی طبقہ پر ظلم و جبر کا ایک نیا باب کھل گیا۔ بنی اسرائیل کی بے دینی اور کھیل کود میں لگ جانے کی وجہ سے کفار کو اس حد تک ہمت پیدا گئی کہ حکومت وقت نے بیت المقدس میں بت رکھوا کر ان کی عبادت کرنے کو لازمی قرار دیدیا۔ اس مذہبی ظلم و ستم نے یہودیوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ بنی اسرائیل نے متحد ہو کر حالات کا مقابلہ کیا۔ اس تحریک کے نتیجے میں انہوں نے کفار و مشرکین کی صفوں کو الٹ کر رکھ دیا۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ بنی اسرائیل پر ایک مرتبہ پھر دنیا کی دولت عیش و آرام اور بدکرداریوں نے غلبہ حاصل کرلیا اور اس طرح رومی فاتح نے یہودیوں کی سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد یہودیوں کی بدقسمتی کا دور شروع ہوا۔ ان کی سلطنت لٹ گئی لاکھوں یہودیوں کو یا تو قتل کردیا گیا یا ان کو وطن سے بے وطن کر کے دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کردیا گیا۔

یہ ہے وہ دوسرا فساد عظیم جس نے یہودیوں کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کی طرف اشارہ کر کے یہ بتا دیا ہے کہ اب ان یہودیوں کی سربلندی اسی میں ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین پر چلنے کی مخلصانہ جدو جہد کریں اسی سے ان کو ایک نئی زندگی مل سکتی ہے۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهُ بِالْخَيْرِ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ آيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَٰهُ تَفْصِيلًا ﴿١٢﴾ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَٰهُ طَٰٓئِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ كِتَٰبًا يَلْقَىٰهُ مَنْشُورًا ﴿١٣﴾ اِقْرَأْ كِتَٰبَكَ ۖ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾ مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۵

انسان شر (برائی) کو اس طرح مانگتا ہے جیسے اسے خیر مانگنی چاہئے۔ انسان بہت جلد باز ہے ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے۔ ہم نے رات کی نشانی کو مٹا کر دن کی نشانی کو روشن کر دیا تا کہ تم اپنے رب کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ اور برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اور ہم نے ہر انسان کی قسمت کو اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے اور ہم اس کے اعمال نامے کو قیامت کے دن اس کے سامنے نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا (فرمایا جائے گا) اپنا نامہ اعمال پڑھ۔ آج تو خود اپنے اوپر اپنا حساب جانچنے کے لئے کافی ہے۔ جس نے ہدایت پائی اس نے صرف اپنے لئے ہدایت پائی۔ اور جو کوئی گمراہ ہوا اس کی گمراہی کا وبال اس کے سر پر ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں۔

لغات القرآن آیت ۱۱ تا ۱۵

یَدْعُ	دعا کرتا ہے۔ پکارتا ہے۔
عَجُوْلًا	بہت جلد باز۔
مَحَوْنَا	ہم نے مٹا دیا۔
مُبْصِرَةٌ	روشن۔ دکھانے والی
اَلسِّنِیْنَ (سِنٌّ)	سال۔ کئی سال۔
اَلْزَمْنَا	ہم نے لٹکا دیا۔ ہم چمٹا دیا۔
طَائِرَةٌ	پرندہ۔ اس کی قسمت۔ شگون۔
عُنُقٌ	گردن۔
مَنْشُوْرٌ	کھلا ہوا۔
حَسِیْبٌ	حساب دینے والا
وَازِرَةٌ	بوجھ
مُعَذِّبِیْنَ	عذاب دینے والے۔
حَتّٰی نَبْعَثَ	جب تک ہم بھیج نہ دیں۔
رَسُوْلٌ	پیغام بر۔ بھیجا ہوا۔

تشریح: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۵

اللہ جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے اس نے اپنی قدرت سے اس کے نظام کو اس طرح ترتیب دے رکھا ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ نہایت احسن طریقے پر چل رہی ہے۔ یہ نظام نہ تو کسی جلد بازی کا نتیجہ ہے نہ اس میں کوئی فیصلہ عجلت اور جلد بازی میں کیا جاتا

ہے بلکہ ہر چیز کے ہونے اور مکمل ہونے کا ایک وقت مقرر ہے جو آہستگی سے رواں دواں ہے۔ ہر روز سورج اپنے مقرر وقت پر نکلتا ہے۔ اپنی چمک دمک سے دن کو روشن کرتا چلا جاتا ہے۔ رات کی تاریکی میں چاند اپنی ٹھنڈی کرنوں کو بکھیرتا رہتا ہے۔ ستارے چمک کر رات کی تاریکی میں بھٹکنے والوں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ رات اور دن کے آنے جانے سے ماہ و سال بنتے چلے جاتے ہیں۔ دنیا میں طرح طرح کے انقلابات سے کوئی بن رہا ہے کوئی بگڑ رہا ہے، کوئی سنور رہا ہے کوئی مٹ رہا ہے لیکن کائنات کے نظام پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دنیا اسی طرح چل رہی ہے اور چلتی رہے گی قدرت جب چاہے گی اس کو مٹا کر ایک نیا جہاں بنا دے گی۔ جب تک یہ دنیا اور اس کا نظام قائم ہے انسان اس سے فائدے حاصل کرتا رہے گا۔ کیونکہ اللہ نے اس دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے بنائی ہے تا کہ وہ ایک وقت تک اس کو استعمال کر لے اور اپنے لئے کسی خیر یا شر کے راستے کو اختیار کر لے۔ لیکن انسان اس کائنات کے چند معمولی فائدے کو حاصل کر کے اپنے خالق و مالک کو بھول جاتا ہے اور وہ غیر اللہ کو اپنا معبود بنا لیتا ہے۔ ظلم و زیادتی، گناہ اور خطاؤں کی دلدل میں اس طرح دھنس جاتا ہے کہ اس چکر سے نکلنا اس کے لئے مشکل بن جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود قدرت اس کو سنبھلنے، سنورنے اور سدھرنے کے مواقع اور مہلتیں دیتی چلی جاتی ہے تا کہ یہ راستے سے بھٹکا ہوا انسان راہ ہدایت پر آجائے اور اپنی خطاؤں پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لے اس کے لئے وہ اپنے ایسے پاکیزہ نفس انسانوں کو بھیجتا ہے جو ان کو راہ ہدایت دکھاتے ہیں تا کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں لیکن اگر دنیا کی بدمستی میں وہ انبیاء کرام کو جھٹلاتے ہیں اور ان کی اطاعت نہیں کرتے تب ان پر اللہ کا فیصلہ آجاتا ہے اور وہ ان کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اگر اللہ کی ہر صفت پر اس کی صفت رحم و کرم، عفو و درگزر، اور حلم و برداشت غالب نہ ہوتی تو وہ ہر گناہ پر انسان کو فوراً ہی پکڑ لیا کرتا لیکن وہ انسان کو سنبھلنے کی مہلت دیتا رہتا ہے۔ اس کے برخلاف انسان اس قدر جلد باز ہے کہ وہ ہر چیز کے نتیجے کو فوری طور پر اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہے خواہ وہ اس کے حق میں بہتر ہو یا نہ ہو۔ انسان کی اس جلد بازی کی عادت کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ انسان کس قدر جلد باز ہے کہ وہ خیر مانگنے کے بجائے برائی (عذاب الٰہی) کی جلدی مچاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ اگر تو نے کسی عذاب کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر دیر کس بات کی ہے فیصلہ کر دے اور عذاب نازل کر دے تا کہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر اور بھلائی مانگنے کے بجائے برائی اور عذاب الٰہی کا مطالبہ کرنا یہ انسان کی جلد بازی کا مزاج ہے جس پر وہ غور کئے بغیر نتیجہ سے بے پرواہ ایک غلط چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔ حالانکہ وہ خیر اور بھلائی کا راستہ اختیار کر کے اپنی دنیا اور آخرت کی بہتری کا سامان بھی کر سکتا تھا۔

فرمایا کہ انسان اگر رات اور دن کے آنے جانے اور ماہ و سال کے نظام پر غور کر لے تو اس کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ اس نظام کائنات کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہا ہے وہ اس نظام کو چلانے میں جلد بازی نہیں کرتا اور وہ انسانوں کے ہر گناہ پر فوراً گرفت نہیں کرتا فرمایا کہ یہ سب اللہ کا فضل و کرم ہے کہ وہ لوگوں کی نافرمانیوں اور گناہوں پر فوری طور پر سزا دینے کی بجائے ان

کو مہلت پر مہلت دے رہا ہے۔ دنیاوی زندگی کی ہر سہولت دے رہا ہے تاکہ وہ شکر گذاروں کا راستہ اختیار کر سکیں لیکن اگر انہوں نے یہی روش قائم رکھی تو وہ وقت دور نہیں ہے جب ان کو اپنے کئے ہوئے اعمال پر نہ صرف شرمندہ ہونا پڑے گا بلکہ کڑی سے کڑی سزا بھی بھگتنا پڑے گی۔ اور کسی طرف سے ان کی مدد نہ کی جا سکے گی۔

فرمایا کہ انسان کو ناشکری کا راستہ چھوڑ کر فکر آخرت اختیار کرنا چاہئے کیونکہ اس دنیا کی زندگی تو نہایت مختصر وقت کے لیے ہے مگر آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ جس نے آخرت کی فکر اختیار کر لی وہی کامیاب و بامراد ہے وہی ہدایت پر ہے لیکن جس نے آخرت کی فکر نہ کی اور گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا تو اس کا نقصان خود اسی کو بھگتنا پڑے گا اور وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھا سکے گا بلکہ ہر انسان کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ

اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶ تا ۱۷

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم (فیصلہ) بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں۔ تب ان پر عذاب کا فیصلہ آ جاتا ہے۔ پھر ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں اور ہم نے نوحؑ کے بعد کتنی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور آپ ﷺ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶ تا ۱۷

نُهْلِكُ	ہم ہلاک کرتے ہیں۔
قَرْيَةٌ	بستی۔ شہر۔ (ملک)۔

مُتْرَفِیْنَ	خوشحال۔عیش پسند۔
دَمَّرْنَا	ہم نے برباد کر دیا۔ہم نے اکھاڑ دیا۔
اَلْقُرُوْنُ (قَرْنٌ)	جماعتیں۔قومیں۔
ذُنُوْبٌ(ذَنْبٌ)	گناہ۔خطائیں۔

تشریح: آیت نمبر ۱۶ تا ۱۷

اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے کہ وہ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک یا برباد نہیں کرتا جب تک وہاں کے رہنے والوں کی ہدایت کے لئے کسی رسول یا اصلاح کرنے والے کو نہیں بھیج دیتا۔ جو ان لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی طرف سے دی ہوئی مہلت اور ڈھیل کی پروا نہیں کرتے اور فسق فجور، دنیا طلبی، عیش پرستی اور آخرت سے غفلت کو اپنا شعار بنا کر قانون قدرت کو توڑتے چلے جاتے ہیں اور وہ مال و دولت میں مست ہو کر کفر و شرک کی انتہا کر دیتے ہیں، انبیاء کی مخالفت اور جھٹلانے میں آگے آگے ہوتے ہیں ایسے عیش پسند لوگوں کو توبہ کرنے کی بھی توفیق نصیب نہیں ہوتی وہ اللہ کے شدید عذاب کی گرفت میں آجاتے ہیں اور اللہ ان کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ ایسے لوگ چونکہ دنیاوی اعتبار سے معاشرہ کے معزز لوگ سمجھے جاتے ہیں اس لئے غریب و نادار طبقہ ان کی نقل کر کے بگاڑ کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ تب اللہ کا قانون متوجہ ہوتا ہے اور اس قوم کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر اللہ نے مثال کے طور پر حضرت نوحؑ اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت نوحؑ نے سیکڑوں سال تک اپنی قوم کے لوگوں کو برے انجام سے ڈرایا اور خاص طور پر ان عیش پسندوں کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی جو اپنی شرارتوں میں انتہا کو پہنچ چکے تھے لیکن وہ اپنی حرکتوں اور شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ آخر کار پوری قوم کو سزا دی گئی ان کی تہذیب، مال و دولت اور اونچی اونچی بلڈنگوں کو پانی کے طوفان میں ڈبو دیا گیا کہ ان کی زندگیاں دوسروں کے لئے مقام عبرت و نصیحت بن گئیں۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں برداری کی تھی اللہ نے ان کو اس طوفان بلاخیز سے نجات عطا فرمادی۔

چونکہ ان آیات کے سب سے پہلے مخاطب کفار مکہ تھے ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اب نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ تو ختم ہو گیا۔ اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ تشریف لا چکے ہیں اب آپ کے بعد کوئی اور نبی اور رسول نہ آئے گا اس لئے ہدایت حاصل کرنے کا آخری موقع ضائع نہ کیا جائے اور دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی اختیار کر کے اپنی نجات کا سامان کر لیا جائے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و محبت کا حق ادا کیا ان کو نہ صرف نجات عطا کی گئی بلکہ ان کو ساری دنیا پر غالب کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی کرم ہے کہ اس نے اس دین کو نازل کر کے اس کی حفاظت کا ذمہ خود اپنے اوپر ہی رکھا ہے وہ اس دین (قرآن حکیم) کی حفاظت جس طرح اور جس قوم سے چاہے لے لیتا ہے۔ لہٰذا یہی دین و شریعت قیامت تک رہیں گے۔ جب کسی نئے قانون اور شریعت کی ضرورت نہیں ہے تو کسی نئے نبی یا رسول کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

اس حقیقت کے باوجود اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آیا ہے تو وہ گویا اللہ پر یہ الزام لگاتا ہے کہ قرآن کریم اور اس کی تعلیمات محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ''لا نبی بعدی'' یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ پر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ آپ کی ''ختم نبوت'' پر ایمان اور اس کا اقرار بھی لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات کا قائل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی کوئی کسی قسم کا نبی آیا ہے یا آسکتا ہے تو وہ کائنات کا سب سے جھوٹا انسان ہے اور جس کا بھی یہ عقیدہ ہوگا وہ دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں گذشتہ قوموں کی نافرمانیوں اور گناہوں کے ہر انداز سے محفوظ فرمائے اور نبی کریم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت پر مکمل ایمان رکھنے کی توفیق سے محروم نہ فرمائے۔ آمین

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا
لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا
سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ
هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ
فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾
لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

۲/۱۲/۲

ترجمہ: آیت نمبر ۱۸ تا ۲۲

جو کوئی جلدی ملنے والی چیز (دنیا کا عیش و آرام) مانگے گا تو ہم اس کو جتنا دینا چاہیں گے دے دیں گے۔ پھر ہم نے ایسی جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ملامت زدہ اور رحمت سے محروم کر کے ڈالا جائے گا۔ اور جو شخص آخرت (انجام کامیابی) چاہے گا اور اس کے لئے وہ ہر طرح جدوجہد کرے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کی جدوجہد قبول کی جائے گی۔ (اے نبی ﷺ) ہم آپ کے پروردگار کی بخشش ان کو بھی اور ان کو بھی ہر ایک کو بہت کچھ دیا کرتے ہیں۔ اور آپ کے رب کی عطا و بخشش کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ دیکھئے ہم نے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دی ہوئی ہے۔ اور آخرت کے درجات تو اور بھی بلند اور سب سے بڑھ کر ہیں۔ (اے مخاطب) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بنا لینا ورنہ ملامت زدہ اور بے بس ہو کر رہ جاؤ گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۸ تا ۲۲

اَلْعَاجِلَةُ	جلد ملنے والی۔ (دنیا کا عیش و آرام)۔
يَصْلٰى	وہ ڈالے گا۔ داخل کریگا۔
مَذْمُوْمٌ	ملامت زدہ۔ بے حال۔
مَدْحُوْرٌ	رحمت سے دور۔ دھوکا دیا گیا۔
مَشْكُوْرٌ	مقبول۔ کامیاب۔
نُمِدُّ	ہم دیتے ہیں۔
مَحْظُوْرٌ	روکی گئی۔
اُنْظُرْ	دیکھو۔
فَضَّلْنَا	ہم نے بڑائی دی۔

تَفْضِیْلٌ بڑائی۔فضیلت۔

تَقْعُدُ تو بیٹھے گا۔

مَخْذُوْلٌ بے کس۔ذلیل۔

تشریح: آیت نمبر ۱۸ تا ۲۲

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے بنائی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔اس نے سورج کی چمک چاند کی ٹھنڈک، ہوائیں، فضائیں، شجر و حجر ہر چیز کو انسانی ضرورت کے لئے بنایا ہے اور ہر انسان اس سے فائدے حاصل کرتا ہے خواہ وہ اللہ کا فرماں بردار ہو یا نافرمان۔ جو شخص جتنی محنت کرتا ہے اسی قدر بہتر نتائج حاصل کرتا چلا جاتا ہے لیکن کامیاب کون ہے؟ اور ناکام کون ہے؟ انسان اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو وقتی فائدوں اور عیش و آرام کی طلب میں ساری زندگی محنت کرتے ہیں اور ہر چیز کے بہتر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاخیر کو پسند نہیں کرتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ حاصل کرنا ہے وہ جلد از جلد مل جائے۔ ایسے لوگ پرہیز گاری، نیکی اور آخرت کی بھی پروا نہیں کرتے ان کے پیش نظر بس دولت مند بننے کا خواب ہوتا ہے جسے وہ زندگی بھر پورا کرنے کی جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ہم بہت کچھ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں لیکن وہ آخرت کی ابدی راحتوں سے محروم رہیں گے اور دنیا میں سب کچھ حاصل کرنے کے باوجود وہ آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے۔ دنیا کی محبت میں ڈوب جانے والوں کو مرنے کے بعد آخرت کے دھکوں، ذلتوں اور بدحالیوں کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا استعمال کے لئے ہے محبت اور دل لگانے کے لئے نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہمیں آخرت ملے یا نہ ملے جو کچھ حاصل کرنا ہے وہ جلد از جلد اسی دنیا میں مل جائے تو ایسے لوگوں کو آخرت کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اور ان کو آخرت میں جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔

اس کے برخلاف وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ آخرت کی زندگی اور بہتر انجام کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور وہ اسی جدوجہد اور کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہماری آخرت درست ہو جائے خواہ دنیا میں کسی طرح کی تنگی اور پریشانی برداشت کرنا پڑے تو فرمایا کہ اللہ نے ان سے جو بھی وعدے کئے ہیں وہ ان کو پورا کر کے رہے گا۔ ایسے لوگوں کی ہر کوشش کو قبول کیا جائے گا اور آخرت میں راحت و آرام، سکون و اطمینان سے بھرپور زندگی عطا کی جائے گی۔ نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے

نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ جب کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو پھر ایسا کوئی نہیں ہے جو اس کی عطا و بخشش کو روک سکے۔ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ سامنے کی بات ہے کہ اس دنیا میں بعض لوگ خوب جدوجہد کرتے ہیں۔ حالات بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں اور وہ ڈھیروں دولت کما کر خوش حال بھی ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنی محنت میں تو کمی نہیں کرتے لیکن ساری زندگی بڑے نپے تلے انداز سے زندگی گذارتے ہیں اور انہیں خوش حالی نصیب نہیں ہوتی۔ ایک خوش حال اور دوسرا بدحال کہلاتا ہے۔ حالانکہ محنت دونوں کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کی راہوں میں محنت دونوں کرتے ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ جتنا ایک شخص کو ملا ہے اتنا ہی دوسرے کو مل جائے۔ فرمایا کہ آخرت کا معاملہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔

اگر کوئی شخص آخرت کے لئے تھوڑی سی محنت بھی کرے گا تو اس کو آخرت میں بہترین بدلہ اور حسن انجام ضرور ملے گا اور اس عطا و بخشش کو اس سے روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ وہ اللہ اس کو جتنا دینا چاہے دے گا اور اس کو سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال فرمادے گا لیکن دنیا اور اس کی دولت کمانے والوں کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس دنیا میں ان کو اطمینان و سکون نصیب ہو جائے اور اگر وہ ناکام ہو گئے تو آخرت کی ناکامی تو ان کے ہر سکون کو چھین لے گی اور ایسے لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔ فرمایا کہ اہل جنت کے مختلف درجات ہوں گے لیکن ایک چیز سب کو نصیب ہوگی اور وہ ہے دل کا سکون اور اطمینان کی دولت۔ فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنے وقتی فائدوں کے لئے اپنی آخرت کی ابدی زندگی کو داؤ پر نہ لگاؤ۔ وہ اللہ ایک ہے اس کی وحدانیت کا اقرار اور عمل صالح انسان کو ابدی راحتوں سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ یہ دنیا کی دولت اور عیش و آرام محض ایک وقتی دھوکہ ثابت ہوں گے۔ اللہ کو ایک مان کر اسی کی عبادت و بندگی کرنے والے آخرت کا عیش و آرام ضرور حاصل کرلیں گے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝۲۴ۭ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵

ترجمہ: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۵

(اے نبی ﷺ) آپ کے رب نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت و بندگی نہ کرو۔ اور ماں باپ سے حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ ہی انہیں جھڑکو۔ اور ان سے (نرمی اور) ادب سے بات کہو۔ اور ان کے لئے عاجزی اور مہربانی کے ساتھ کاندھے جھکائے رہو۔ اور کہو میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (شفقت و محبت سے) ہماری پرورش کی تھی۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک بن کر رہو گے تو بے شک (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والوں کو وہ بخشنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۳ تا ۲۵

قَضٰی	فیصلہ کر دیا۔ حکم دیا۔
اِیَّاہُ	اسی کا۔
اِحۡسَانٌ	نیکی۔ حسن سلوک۔
یَبۡلُغَنَّ	وہ پہنچ جائیں۔
اَلۡکِبَرُ	بڑھاپا۔
کِلَاھُمَا	وہ دونوں۔
لَاتَقُلۡ	تم مت کہو۔
لَا تَنۡھَرۡ	نہ ڈانٹو۔ نہ جھڑکو۔
اِخۡفِضۡ	جھکا دے۔
جَنَاحٌ	بازو۔

اَلذُّلُّ	عاجزی۔انکساری۔
رَبَّیٰنِیْ	مجھے پرورش کیا۔پالا۔
صَغِیْرٌ	چھوٹا پن۔بچپن۔
نُفُوْسٌ	دل۔جانیں۔
اَوَّابِیْنَ	لوٹنے والے۔رجوع کرنے والے۔
غَفُوْرٌ	بخشنے والا۔معاف کرنے والا۔

تشریح: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۵

اس سورت میں معراج النبی ﷺ، بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اوران پرعذاب الٰہی اور چند انتہائی ضروری بنیادی باتوں کے بعد آنے والے دورکوعوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ساتھ آدمی کے والدین، اعزاء واقرباء سے حسن سلوک اور معاشرہ کی بہتری کے وہ بنیادی اصول ارشاد فرمائے ہیں جن پرعمل کرنے سے ایک معاشرہ بہترین انسانی معاشرہ کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے دین ودنیا کی تمام بھلائیاں اورنیکیاں حاصل کرنے کی سعادت مل جاتی ہے۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پراللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد والدین کے ساتھ بہترین سلوک اور برتاؤ کا حکم دیا ہے جس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد بندوں کے حقوق کوادا کرنا ضروری ہے۔لیکن بندوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق یہ ہے کہ والدین کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کیا جائے۔خاص طور پر جب والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں توان سے ادب اور نرمی کا ایسا معاملہ کرنا چاہئے کہ ان کوغیر محسوس تکلیف بھی نہ پہنچنے پائے۔ان سے ہمیشہ اس طرح بات کی جائے جس سے ان کا دل خوش ہوجائے۔ان کی بعض بڑھاپے کی کمزوریوں کی وجہ سے انہیں ڈانٹنے یا اف تک کہنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ان کے لئے ایسا خیر خواہانہ جذبہ موجود ہونا چاہئے کہ ان کے سامنے خدمت کے لئے کاندھے جھکانے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے یہ دعا بھی کرتا رہے کہ الٰہی جس طرح انہوں نے ہمیں اس وقت پرورش کیا تھا جب ہم کمزور تھے الٰہی اب ہمارے ماں باپ کمزور ہیں ان کی خدمت کر کے ان کے بڑھاپے کا سہارا بننے کی توفیق عطا فرما۔فرمایا کہ اللہ کو یہ بات تو اچھی طرح معلوم ہے کہ کون کس جذبے سے والدین کی خدمت کرتا ہے لیکن اگر واقعی اللہ کی رضا وخوشنودی کے جذبے سے والدین کی خدمت کی جائے گی تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نہ صرف دین ودنیا کی بھلائیاں عطا کرے گا بلکہ ان کی مغفرت اور رحمت کا سامان بھی عطا کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کو بھی واضح طریقے پر ارشاد فرمادیا کہ اگر کسی کے والدین کافر و مشرک ہیں تب بھی ان کے ادب واحترام اور خدمت میں کوئی کمی نہ کی جائے البتہ اگر وہ اپنی اولاد کو اللہ کی نافرمانی یا کسی گناہ کا حکم دیں تو اس سے انکار کر دینا خلاف ادب نہیں ہے کیونکہ معصیت اور گناہ کے کسی کام میں کسی کی اطاعت وفرماں برداری کی اجازت نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی لاتعداد حدیثیں وہ ہیں جن میں نہ صرف والدین کی اطاعت وفرماں برداری اور ان سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے بلکہ یہاں تک فرمایا گیا کہ اگر والدین ظالم بھی ہوں تب بھی ان کی اطاعت کرنا فرض اور لازم ہے۔ یقیناً وہی لوگ جنت کے مستحق ہیں جو اپنے والدین کی خدمت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

۱۔ وہ شخص بڑا خوش قسمت ہے جس کو والدین کا بڑھاپا ملا اور وہ خدمت کر کے جنت کا مستحق بن گیا۔

۲۔ فرمایا کہ والدین کی خدمت میں اللہ کی رضا و خوشنودی ہے اور ان کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔

۳۔ آپ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا سب گناہوں کی سزا تو اللہ تعالیٰ اگر چاہیں گے تو قیامت تک موخر کر دیں گے۔ لیکن والدین کے حقوق میں کمی اور نافرمانی کرنے والے کو آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی سزا دیدی جائے گی۔

۴۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے ماں باپ کی اطاعت وفرماں برداری کرتا رہا تو اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور جس نے نافرمانی کی اس کے لئے جہنم کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر والدین میں سے کوئی ایک ہو تو اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ اور نافرمان کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ کسی صحابی رسولؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ جہنم کی وعید اس صورت میں بھی ہے جب کہ والدین نے اس پر ظلم کیا ہو؟ آپ نے تین دفعہ فرمایا کہ اگرچہ وہ دونوں ظلم بھی کرتے ہوں۔

ان مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر حال میں والدین کا احترام، ان کی خدمت اور ان کے ساتھ زبان سے اور ہاتھ پیر سے بہتر معاملہ کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اگر والدین مشرک بھی ہوں تو جائز امور میں ان کی اطاعت کرنا لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد بندوں میں سے والدین کی اطاعت کو ہر حال میں لازمی قرار دیا ہے۔ اس موقع پر میں یہ بات ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو جو احترام کا مقام عطا کیا ہے اس پر انہیں شکر ادا کرتے ہوئے اپنی اولاد کے بھی ہر جذبے کا خیال رکھنا چاہئے اور ایسے تمام راستوں کو بند کرنا بھی ضروری ہے جس سے ان میں نافرمانی کے جذبات پیدا ہونے کا امکان ہے۔

موجودہ دور میں یہ تجربات سب کے سامنے ہیں کہ والدین یہ تو چاہتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے ان کے ہر سپید و سیاہ کے فیصلے کو مانا جائے لیکن وہ اپنے اس فرض کو بھول جاتے ہیں کہ جوان اولاد کے اپنے بھی کچھ جذبات ہوتے ہیں اگر ان کو نظر

انداز کیا گیا تو یقیناً اس سے نافرمانی کے جذبات ابھریں گے اور اس کی اولاد جہنم کی مستحق بن جائے گی۔ دنیا میں کون ماں باپ یہ چاہیں گے کہ وہ خود تو جنت میں جائیں اور ان کی اولاد جہنم کا ایندھن بن جائے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ جس کو بڑائی عطا فرمائے اس کو بڑا بن کر ہی رہنا چاہیئے اس سے ان کا وقار بلند ہوتا ہے اور بچے بھی مارے باندھے خدمت نہیں کرتے بلکہ وہ دل کی خوشی سے خدمت کرنے کو فخر سمجھتے ہیں۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

ع ۳ ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۲۶ تا ۳۰

اور رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو۔ اور ہر طرح کی فضول خرچی سے بچو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر تم اپنے رب کی اس رحمت کی وجہ سے جس کی تم توقع رکھتے ہو ان سے اعراض کرنا چاہتے ہو تو بات نرمی سے کہو۔ نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ ہی اس کو پوری طرح کھلا چھوڑ دو کہ تم خود ہی ملامت زدہ اور تھکے ہارے بیٹھے رہ جاؤ۔ بے شک آپ کا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے اس کے رزق کو خوب کھول دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں تنگی پیدا کر دیتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۶ تا ۳۰

اٰتِ	دو۔ادا کرو۔
ذِی الْقُرْبٰی	رشتے دار۔
لَاتُبَذِّرْ	فضول خرچی نہ کرو۔
اِخْوَانٌ	بھائی۔
کَفُوْرٌ	ناشکرا۔ناقدرا۔
تُعْرِضَنَّ	تو منہ پھیرے گا۔
اِبْتِغَاءٌ	تلاش کرنے کو۔
تَرْجُوْا	تو امید رکھتا ہے۔
قَوْلٌ مَّیْسُوْرٌ	نرم اور آسان بات۔
مَغْلُوْلَةٌ	بندھا ہوا۔
عُنُقٌ	گردن۔
لَاتَبْسُطْ	نہ کھول۔
مَلُوْمٌ	ملامت زدہ۔
مَحْصُوْرٌ	تھکا ہارا۔
یَقْدِرُ	اندازے سے دیتا ہے۔تنگ کردیتا ہے۔
بَصِیْرٌ	دیکھنے والا۔

تشریح: آیت نمبر ۲۶ تا ۳۰

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار بنیادی اصول ارشاد فرمائے ہیں

۱۔ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرنا

۲۔ فضول خرچی سے بچنا کیونکہ فضول خرچی کرنے والا شخص اس شیطان کا بھائی ہے جو اللہ کا نافرمان اور ناشکرا ہے۔

۳۔ اگر سائل کو دینے کی استطاعت نہ ہو اور کسی کو یہ امید ہو کہ اگر اللہ نے رحمت فرمائی تو میں اپنے بھائی کی مدد کروں گا فرمایا کہ ایسے موقع پر ان سے نرمی سے بات کہہ دی جائے۔

۴۔ نہ تو اپنے ہاتھوں کو اپنی گردن سے باندھے اور نہ اس طرح کھلا چھوڑ دے کہ خود ہی دوسروں کا محتاج ہو کر رہ جائے فرمایا کہ راہ اعتدال سب سے بہتر راستہ ہے۔

۵۔ رزق کی تنگی اور رزق کی وسعت یہ سب کچھ اللہ کے نظام کا ایک حصہ ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات کو اچھی طرح جانتا اور دیکھتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے غریب، مسکین اور ضرورت مند رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک پر بہت زور دیا ہے جس کو ''صلہ رحمی'' کہا جاتا ہے اور فرمایا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والا اللہ کی ہزاروں نعمتوں کا حق دار بن جاتا ہے لہٰذا کوئی شخص مال دار ہو یا غریب دونوں کی یہ معاشرتی اور مذہبی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی کفالت اور مدد کا خاص خیال رکھے اور اسی طرح ان لوگوں کا بھی پوری طرح خیال رکھا جائے جو کسی وجہ سے دوسروں کی مدد کے محتاج ہو گئے ہیں اور ان کا بھی خیال رکھے جو اپنے گھر بار اور بچوں سے دور مسافرت کی حالت میں وقت گذار رہے ہیں اور وہ آپ کی طرف سے کسی طرح کی بھی امداد اور اعانت کے محتاج ہیں۔ مثلاً ان کی مہمان داری کی جائے، اجنبی شہر میں اگر ان کو کسی معلومات کی ضرورت ہو تو ان کو معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ اگر وہ کسی وجہ سے کسی مالی امداد کے محتاج ہو جائیں تو نہایت احسن طریقے سے ان کی مدد کی جائے۔ آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم بھی دیا ہے اور ضرورت مندوں اور مسافروں کا خاص خیال رکھنے کا حکم بھی دیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ دین اسلام ہمیں اپنی ذات سے آگے بڑھ کر دوسروں کے ساتھ بھی پوری طرح امداد و اعانت کے دائرے کو وسیع رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ دین اسلام ہمیں صرف اپنوں کی نہیں بلکہ غیروں کی امداد کی طرف بھی متوجہ فرماتا ہے یہی درس انسانیت ہے۔

دوسرا اصول یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اعتدال کا راستہ سب سے بہتر راستہ ہے۔ بعض لوگ دوسروں کے ساتھ ہمدردیاں بے اعتدالی کے ساتھ کرتے ہیں کہ مستقبل سے بے نیاز اپنا سب کچھ لٹا کر خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ اور اس قابل بھی نہیں رہتے کہ اپنا بوجھ خود اٹھا سکیں۔ گھر والوں اور دوسروں کے سامنے شرمندگی کے علاوہ زندگی کی راہوں میں تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اللہ نے اس کو فضول خرچی سے تعبیر فرمایا ہے اور فضول خرچی کو اس قدر ناپسندیدہ قرار دیا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو اس شیطان کے بھائی سے تشبیہ دی گئی ہے جو اللہ کا نافرمان اور ناشکرا ہے۔ فرمایا کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کی امداد و اعانت سے اپنے ہاتھ کو اس طرح کھینچ لیتے ہیں کہ اگر ایک ضرورت مند اپنے حالات میں تڑپ رہا ہے اور تباہی کے کنارے تک پہنچ گیا ہے تب بھی اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھے رہتے ہیں اور ان کو کسی کی

حالت پر رحم نہیں آتا فرمایا کہ جس طرح اللہ کے نزدیک فضول خرچ انسان ناپسندیدہ ہے اسی طرح وہ لوگ بھی اللہ کے نزدیک اچھے نہیں سمجھے جاتے جو دوسروں پر رحم و کرم نہیں کرتے اور اپنی ذات اور اپنی دولت مندی کے نشے میں مست اور مگن رہتے ہیں۔

ان آیات میں تیسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اگر حالات کی تنگی یا کسی الجھن کی وجہ سے سائل کے مانگنے کے وقت دینے کے لئے کچھ نہیں ہے اور اللہ کی ذات سے یہ امید ہے کہ آئندہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہوگا تو اس کی مدد کی جائے گی فرمایا کہ سائل سے ایسے نرم لہجے اور انداز میں بات کہہ دی جائے کہ اس کو برا بھی نہ لگے اور اللہ کی کچھ نعمت ہاتھ لگنے کے بعد اس کی مدد بھی کر دی جائے۔ ایسا انداز اور رویہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی کا دل ٹوٹ جائے اور کوئی شخص گناہ گار ہو جائے۔

چوتھی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے بے شک انسان کو وہی سب کچھ ملتا ہے جس کی وہ جدوجہد کرتا ہے لیکن رزق کی وسعت اور رزق کی تنگی یہ سب کچھ اللہ کے نظام کا ایک حصہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے ڈھیروں دولت اور کامیابیاں دیدیتا ہے اور نہ چاہے تو ساری محنتوں اور مشقتوں کے باوجود اس کو کچھ نہ دے اور اس کو تنگ حال کر دے۔ وہ اللہ اپنے بندوں کی ہر حالت کا نگہبان اور نگران ہے وہ جانتا ہے کہ کس کو کب کتنا دینا چاہیے لہذا ہر انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ ہی سے مدد مانگتا رہے اور یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ رزق کے دروازوں کو وہی کھولتا ہے اور وہی روزی کو تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اللہ ہر کام اور ہر چیز کی مصلحت کو اچھی طرح جانتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿٣٣﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــُٔــوْلًا ﴿٣٤﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٣٥﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۵

اپنی اولاد کو مفلسی (غربت، آسائش وآرام) کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان (بچوں کو) قتل کرنا گناہ عظیم ہے۔ اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی اور برائی کا راستہ ہے۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو مظلوم مارا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو ایک اختیار (قصاص کا حق) دیا ہے تو وہ قتل کے معاملہ میں حد سے نہ بڑھے۔ بے شک اس کی مدد کی جائے گی۔ اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر احسن طریقے سے جب تک وہ اپنی جوانی کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ اور عہد (معاہدہ) کو پورا کرو بے شک تمہیں اس کا (قیامت کے دن) جواب دینا ہے۔ اور تم ماپ تول کرو تو پیمانہ پورا کرو اور سیدھی ترازو سے وزن کرو۔ اسی میں بہتری اور اسی کا اچھا انجام ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۱ تا ۳۵

اِمْلَاقٌ	غربت۔ آرام وآسائش۔
خِطْأٌ كَبِيْرٌ	بڑی خطا۔ گناہ عظیم۔
لَا تَقْرَبُوْا	تم قریب نہ پھٹکو۔
وَلِیٌّ	سرپرست۔ وارث۔
سُلْطَانٌ	صاحب اختیار۔
لَا يُسْرِفْ	حد سے نہ بڑھو۔
مَنْصُوْرٌ	مدد کیا گیا۔
اَحْسَنُ	بہترین۔

اَشُدَّہٗ	اپنی طاقت۔اپنی جوانی۔
اَوۡفُوۡا	پورا کرو۔وفا کرو۔
اَلۡکَیۡلُ	تول
قِسۡطَاسٌ	ترازو۔
تَأۡوِیۡلٌ	انجام۔

تشریح: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۵

سورۃ الاسراء میں چھ بنیادی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے

۱۔ غربت وافلاس کے خوف سے اپنے بچوں کو قتل کرنا۔

۲۔ زنا اور بدکاری کے ذریعہ بدترین راستوں کو کھولنا۔

۳۔ ناحق کسی انسانی جان کو لینا اور قتل کرنا۔

۴۔ یتیم (بے باپ کے بچوں) کے مال کو ہڑپ کر جانا۔

۵۔ وعدہ خلافی کرنا۔

۶۔ ماپ تول میں کمی کرنا۔

فرمایا کہ یہ سب کے سب بدترین گناہ اور معاشرہ کی خرابیوں کے بنیادی اسباب ہیں۔ان سے ہر حال میں بچنا ایک مومن کی ذمہ داری ہے۔دنیا اور آخرت کی بھلائی اور کامیابی کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ ان میں سے ہر گناہ سے ہر حال میں بچا جائے۔اس سے انسانی معاشرہ اور زندگی کو سدھارنے میں بڑی مدد ملے گی۔چونکہ یہ سب باتیں نہایت اہم ہیں اس لئے ان میں سے ہر بات کی تفصیل اور وضاحت پیش خدمت ہے۔

۱۔ بچوں کو قتل کرنا

عرب کے بعض قبیلے اور خاندان اپنی اولاد کو یہ کہہ کر مار ڈالتے یا زندہ دفن کر دیا کرتے تھے کہ ہمارا گذارا ہی مشکل سے ہوتا ہے۔اگر اولاد زندہ رہی تو ہم ان کو کہاں سے کھلائیں گے؟ اسی طرح بعض قبائل اپنی لڑکیوں کو پیدائش کے بعد یہ کہہ کر قتل کر

دیتے یا زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے کہ یہ لڑکیاں اگر زندہ رہیں تو جوان ہو کر شادیاں کریں گی۔ اور گھر میں داماد آئے گا جس کے سامنے اپنی لڑکی کی وجہ سے جھکنا پڑے گا اور اس کی ہر زیادتی اور ظلم کو برداشت کرنا پڑے گا اس طرح اس کی توہین ہوگی جسے وہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے لہٰذا لڑکیوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسی غلط سوچ کی وجہ سے وہ قتل اولاد میں درندگی کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ اس کائنات میں جتنے بھی جان دار ہیں ان کے رزق کی ذمہ داری نہ تو افراد پر ہے نہ کسی حکومت پر بلکہ اللہ ہی سب کو رزق پہنچاتا ہے اور وہ کسی کو بھوکا نہیں سلاتا خواہ وہ انسان ہوں یا صحراؤں کے جانور، ہوا میں اڑنے والے پرندے ہوں یا جنگلوں کے درندے، سمندر کی مچھلیاں ہوں یا چیونٹی جیسے ننھے جانور۔ وہ ہر ایک کا رازق ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں قدم رکھنے والوں کا وہ خود ذمہ دار ہے تو اس کی صریح بھول اور غلطی ہے۔ فرمایا کہ ہم ان آنے والوں کے رزق کا پہلے سے انتظام کر دیتے ہیں۔ کوئی انسان اس دنیا میں قدم نہیں رکھتا جس کا پہلے سے اس کی ماں کے سینے میں رزق پیدا نہیں کر دیا جاتا۔ حقیقتاً اگر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ جب سے انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہوا ہے کہ رزق اور اس کے تمام وسائل پیدا کرنا اس کا اپنا کام ہے اس وقت سے انسان رزق اور اس کی برکتوں سے ہی محروم ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ذرائع پیداوار کے لئے محنت، مناسب تدابیر اور منصوبہ بندی کرنا کوئی گناہ ہے بلکہ قرآن کی روشنی میں ایسا کرنا لازمی اور ضروری ہے اس کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن اللہ کی شان رزاقیت کو نظر انداز کر کے یہ سمجھنا کہ انسانوں کے رازق ہم ہیں یہ تصور غلط ہے۔ قرآن کریم اس غلط تصور اور سوچ کی تردید کرتا ہے کہ کچھ لوگ محنت، ذرائع و وسائل اختیار کرنے کے بجائے ایک خاص منصوبہ بندی کرتے ہیں اور کہتے ہیں اپنے بچوں کو اس لئے ہم دنیا میں آنے سے روکتے ہیں کہ ہمارے پاس کھانے کے لئے نہیں ہے تو ہم نئے پیدا ہونے والوں کو کہاں سے کھلائیں گے؟ ان سے کہا جا رہا ہے کہ ایسے لوگ اپنی آسائشوں، سہولتوں اور غربت و افلاس کا نام لے کر جو بچوں کو قتل کر دیتے ہیں ان کو اس حرکت سے باز آ جانا چاہئے۔ چنانچہ موجودہ دور میں خاندانی منصوبہ بندی اور بچوں کو پیدا ہونے سے روکنے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کی تعداد اس قدر بھیانک انداز میں بڑھ رہی ہے کہ اگر یہ رفتار برقرار رہی تو تمام ذرائع ختم ہو جائیں گے اور پھر انسان انسان کو کھائے گا لہٰذا بچوں کو یا تو پیدا نہ کیا جائے۔ اگر وجود اختیار کر لیں تو ان کو ضائع کرا دیا جائے۔ میرے نزدیک کفار مکہ اور موجودہ دور کے لوگوں کی سوچ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بس فرق ہے تو اتنا کہ پہلے جہالت کے نام پر یہ سب کچھ کیا جاتا تھا اور موجودہ دور میں فیشن اور ترقی کے نام پر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسی زمین میں اتنے وسائل پیداوار رکھ دیئے ہیں کہ وہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے کافی ہیں کیونکہ اس رازق نے اس زمین پر انسانوں کے قدم آنے سے

پہلے ہی تمام وسائل جمع کر دیئے ہیں۔ وسائل کی جیسی ضرورت ہوتی ہے وہ زمین سے نکلتے آتے ہیں مثلاً آج سے ایک سو سال پہلے تیل اور گیس کا کوئی تصور موجود نہ تھا حالانکہ تیل اور گیس کروڑوں سال سے زمین کے اندر موجود تھا اور رہے گا۔ جب ضرورت ہوئی تو یہ وسائل خود بخود نکل آئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دو چار سو سال میں تیل اور گیس کے ذخائر ختم ہو گئے تو یقیناً اس کی جگہ قدرت نے دوسری کسی طاقت کو تیار کر رکھا ہے جب انسانی ضرورت ہوگی وہ ذرائع خود بخود زمین کی سطح پر آجائیں گے۔ اس لئے انسانوں کو اس دنیا میں آنے سے روکنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صبر و قناعت، عدل و انصاف اور محنت کے ذرائع بڑھانے کی ضرورت ہے اس ہوس کو ختم کرنے کی ضرورت ہے جس نے نوع انسانی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیئے ہیں اس عالمی عدل و انصاف کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ ہر شخص امن و سلامتی کے ساتھ زندگی گذار سکے۔ لیکن اس ہوس پرست دنیا میں یہ سب کچھ کب اور کس طرح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی فلاح و بہبود دین اسلام کے سچے اصولوں اور نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع و محبت میں پوشیدہ ہے۔ دنیا کو امن و سکون اور آخرت کی کامیابی صرف اتباع محمدی ﷺ کے ذریعہ مل سکتی ہے۔

۲۔ زنا اور بدکاری

زنا اور بدکاری اتنا بڑا جرم ہے اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی چیز ہے جس کے متعلق مومنوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم اس "فعل بد" کے قریب بھی نہ جانا کیونکہ یہ بے حیائی اور بدترین راستوں کو کھولنے کا ذریعہ ہے جس سے قومیں برباد ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس آیت کا دلچسپ انداز یہ ہے کہ زنا اور بدکاری کے ہر اس انداز کو چھوڑنے کا حکم ہے جس سے کوئی شخص اس گناہ عظیم کے قریب بھی پہنچ سکتا ہو، مثلاً چند باتیں ایسی ہیں جن کے اختیار کرنے سے آدمی زنا اور بدکاری سے بچ ہی نہیں سکتا ان میں تمام باتوں سے بڑھ کر رزق حرام، سود خوری، جوئے بازی، بے پردگی، بے حیائی اور بے شرمی کے وہ مناظر ہیں جن سے انسان زنا اور بدکاری کے قریب پہنچ سکتا ہے ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے زنا کرنے والا زنا کے وقت مومن نہیں ہوتا، چوری کرنے والا چوری کے وقت مومن نہیں ہوتا، شراب پینے والا شراب پیتے وقت مومن نہیں ہوتا (بخاری و مسلم)

مراد یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص صاحب ایمان بھی ہو اور وہ زنا، چوری اور شراب نوشی میں بھی مبتلا ہو یہ سب چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ جس وقت ایک مومن زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان اس کے اندر سے نکل جاتا ہے اور جب وہ اس فعل بد سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان دوبارہ اس کے جسم میں واپس آجاتا ہے (ابوداؤد)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، ساتوں آسمان اور زمین اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو بیوی رکھنے کے باوجود زنا اور بدکاری کرتا ہے۔ جہنم میں ایسے بدکاروں کی شرم گاہوں سے اس قدر شدید بدبو پھیلے گی کہ جہنم والے بھی اس سے سخت پریشان ہو جائیں گے۔ (رواہ البزاز)

خلاصہ یہ ہے کہ زنا اور بدکاری ہی سے نہیں بلکہ ان تمام باتوں کے قریب جانے کی بھی ممانعت کی گئی ہے جن سے ایک صاحب ایمان شخص بدکاری میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ زنا وہ بدترین فعل ہے جو آخر کار کسی بھی معاشرہ کو روحانی اور جسمانی اعتبار سے تباہی کے کنارے پہنچا دیتا ہے جو اللہ کے عذاب آنے کا سبب بن جاتا ہے۔ باہمی اعتماد اور رشتوں کا احترام اٹھ جاتا ہے اور یہ بے اعتمادی باہمی اختلافات اور جھگڑوں کی بنیاد بن جاتی ہے اسی لئے فرمایا کہ تم اس کے قریب بھی نہ جاؤ کیونکہ زنا صرف بے حیائی اور بے غیرتی ہی نہیں ہے بلکہ بہت سے برے راستوں کو کھولنے کا سبب اور بنیاد بھی ہے۔

۳۔ انسانی جان کا احترام

شرعی حق کے بغیر کسی انسان کی جان لینا یا اس کو قتل کرنا حرام ہے۔ اگر کسی کو ناحق قتل کر دیا جائے تو شریعت نے مقتول کے وارثوں کو اس بات کا حق دیا ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے ”قصاص“ لے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عقل و سمجھ رکھنے والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ” اے عقل والو! قصاص ہی میں (تمہارے معاشرہ کی) زندگی ہے۔ اگر قاتلوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا تو وہ معاشرہ جنگل کا معاشرہ بن جائے گا اور احترام انسانیت اٹھ جائے گا۔ دنیا کے قوانین سے الگ اللہ نے قصاص (برابری) کا طریقہ یہ رکھا ہے کہ مقتول کے وارث (1) یا تو جان کے بدلے جان کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ (2) یا خون بہا (جو آپس میں طے پا جائے) لے کر قاتل کو چھوڑ سکتے ہیں (3) یا چاہیں تو قاتل کو معاف کر سکتے ہیں۔ یہ ایک شرعی حق ہے جس میں کسی عدالت یا حکومت کو مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔ صرف مقتول کے وارثوں کو قصاص لینے یا معاف کر دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ کسی بھی عدالت یا حکومت کا کام صرف یہ ہے کہ وہ انصاف دلانے میں مقتول کے وارثوں کی مدد کرے تا کہ ایسا نہ ہو کہ مقتول کے وارث جوش انتقام میں کوئی ایسی زیادتی کر بیٹھیں جس سے وہ خود ہی ظالموں کی صف میں جا کھڑے ہوں مثلاً قاتل کے ساتھ یا اس کے متعلقین کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ کر بیٹھیں یا قاتل کے ناک کان اور دیگر اعضاء کو کاٹ ڈالیں۔ شریعت نے اس کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی ہے کیونکہ اگر اس طرح انتقام کا سلسلہ شروع ہو گیا تو وہ کسی حد پر جا کر ختم نہ ہوگا اور وہ معاشرہ تہذیب و قانون کی دھجیاں بکھیرنے والا بن جائے گا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت پورا عرب اسی جہالت و درندگی میں مبتلا تھا اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے قاتلوں سے جوش انتقام میں بے چین و بے قرار رہا کرتا تھا اور اپنے انتقام کی آگ بجھانے میں لگا ہوا تھا اور یہ سلسلہ برسوں اور صدیوں تک پھیل چکا تھا۔ اس معاشرہ میں کسی کی جان محفوظ نہ تھی قتل و غارت گری اور جنگ و جدال کا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔

قرآن کریم نے بالکل واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ ہر شخص قانون کے مطابق مقتول کا قصاص لے سکتا ہے مگر خود نہیں بلکہ کسی عدالت کے ذریعہ قاتل اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ انسانی جان کا احترام اور انصاف دلانے میں مدد کرنا ہر عدالت، حکومت اور معاشرہ کے افراد کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

اس موقع پر اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ دین اسلام صرف انسانی جان ہی کا احترام نہیں سکھاتا بلکہ بلا وجہ کسی بھی جان دار کی جان لینے یا اس پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ اگر کسی جان دار جانور سے جان جانے کا خطرہ اور اندیشہ ہو تب تو اس کی جان لی جاسکتی ہے لیکن بلا وجہ کسی جانور کی جان لینے یا ستانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ شریعت نے بعض حلال جانوروں کو ذبح کرنے کی اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ ان حلال جانوروں کو ذبح کرتے وقت ''اللہ کا نام لیا جائے'' اللہ کے نام کی بڑائی بیان کی جائے جو اس بات کی علامت اور ثبوت ہوگا کہ ہم جس جانور کی جان لے رہے ہیں اس کی اجازت ہمیں اللہ نے عطا کی ہے۔ اگر اللہ کی اجازت نہ ہوتی تو ہم اس جانور کی جان لینے کے بھی حق دار نہ تھے چونکہ اللہ نے اجازت دی ہے تو ہم اس جانور کو ذبح کر رہے ہیں۔

اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے کہ جس دین نے جانوروں کی جان لینے یا ان کو بلا وجہ ستانے کی بھی اجازت نہ دی ہو وہ شریعت بلا وجہ کسی انسان کو جان لینے کی کیسے اجازت دے سکتی ہے یا اس دین و شریعت کے ماننے والے بلا وجہ ناحق کسی انسان کی جان کیسے لے سکتے ہیں۔

۴۔ یتیم بچوں کے حقوق کی حفاظت

- بعثت نبوی ﷺ کے وقت عرب میں جنگ وجدال اور قتل و غارت گری کی وجہ سے جہاں بدامنی اور جہالت عام تھی وہیں ان جہالتوں کی وجہ سے ہر خاندان میں ایسے یتیم بچوں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی جو باپ کے سایہ محبت سے محروم اور معاشرہ کے ظلم وستم کا شکار ہو رہے تھے۔ یہ حال تھا کہ
- بچے اور بچیوں کو ماں باپ کی میراث سے محروم رکھتے تھے۔
- یتیم بچوں کو دھکے دے کر نکالنا اور ان کو ذلیل و رسوا کرنا ایک عام بات تھی۔
- بچیوں کی جائیداد اور مال و دولت پر قبضہ کرنے کے لئے نگراں خود ہی ان سے نکاح کر لیتے تھے تاکہ گھر کی جائیداد باہر نہ جائے۔
- خاندان کے لوگوں میں سے جو شخص یتیم بچوں کے مال کا نگران ہوتا تھا وہ یتیم کے مال و دولت کو فضول خرچیوں میں اس طرح اڑانے کی کوشش کرتا تھا کہ بچے جوان ہو کر ان سے مال و جائیداد کا حساب کتاب نہ پوچھ لیں۔
- وہ یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت کا قطعاً خیال نہ کرتے تھے۔
- اپنی اولاد کے مقابلے میں یتیم بچوں کے ساتھ طرز عمل میں سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

غرضیکہ بدسلوکی، بددیانتی، بداخلاقی، ذلیل و رسوا کرنے اور اچھے مال کو خراب مال میں تبدیل کرنے میں وہ یتیم بچوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے تھے۔

دنیا میں دین اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے بے باپ کے بچوں کے لئے ایسے اصول ارشاد فرمائے جس سے کسی یتیم پر ظلم وزیادتی نہ کی جاسکے۔ قرآن کریم کی سورۃ بقرہ، سورۃ النساء، سورۃ انفال اور سورۃ حشر میں بار بار یتیموں کی پرورش، دیکھ بھال، بہترین سلوک اور نیکی واحسان کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے اور عموماً قرآن کریم کے لاتعداد مقامات پر یتیموں کی دل داری اور ان کے ساتھ انصاف اور محبت کا معاملہ کرنے کا نہ صرف حکم دیا گیا ہے بلکہ یتیموں کے ساتھ نیکی کو معاشرہ کے تمام افراد کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت ہو تو صدقات وخیرات سے ان کی مدد کی جائے اور اگر ان بچوں کے ماں باپ نہ ہوں تو ان کے مال اور جائیداد کی پوری دیانت وامانت کے ساتھ حفاظت کی جائے نیز ان بچوں کو کسی طرح باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے محروم نہ کیا جائے۔

قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات نے ان لوگوں کی دنیا بدل کر رکھ دی تھی جو یتیموں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرتے تھے جن کے پتھر دل کبھی یتیموں کے لئے نرم گوشہ نہ رکھتے تھے وہ یتیموں پر بے انتہا مہربان ہوگئے۔ ہر یتیم کی پرورش، نگہبانی اور نرمی ومحبت کے لئے کئی کئی ہاتھ بڑھنے لگے اور ہر ایک دل کی یہ خواہش بن گئی کہ وہ کسی نہ کسی یتیم بچے کی پرورش کرسکے۔

○ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یتیموں کو ان کے وارثوں کا چھوڑا ہوا مال دے دو۔ ان کے اچھے مال کو خراب مال سے تبدیل نہ کرو۔ اور نہ اپنے مال کے ساتھ ملا کر ان (یتیموں کا) مال کھا جاؤ یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔ (سورۃ النساء)

○ فرمایا گیا کہ جو لوگ یتیموں کا مال ہضم کر جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں فرمایا کہ وہ لوگ یتیموں کے جوان ہو جانے کے خوف سے ان کے باپ کی چھوڑی ہوئی وراثت کو جلد از جلد کھا کر ہضم کرنے کے چکر میں لگے رہتے تھے اور ان کو بے عزت کرتے تھے۔ (سورۃ البلد)

○ فرمایا کہ وہ مال جس کو اللہ نے تمہارے کھڑا رہنے کا ذریعہ بنایا ہے اس مال کو نادانوں کے سپرد نہ کرو۔ ان (یتیم) بچوں کو کھلاؤ پہناؤ اور ان سے قاعدے طریقے کی بات کرو اور ان کو آزماتے رہو جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور پھر تم ان میں سمجھ اور شعور کو محسوس کرلو تو ان کا مال ان کے سپرد کردو۔ غرضیکہ یتیم کے مال کی حفاظت اور ان کے اخلاق کی نگرانی کو ہر مسلمان کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ نے بھی یتیموں کی خبر گیری کے احکامات ارشاد فرمائے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو کسی یتیم بچے کو اپنے گھر بلا کر اس کو کھلائے پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا بشرطیکہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو جو نا قابل معافی ہو۔ (ترغیب وترھیب)

فرمایا کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم بچے کے ساتھ محبت ومہربانی کا معاملہ کیا جارہا ہو اور سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جارہی ہو (ابن ماجہ)

قرآن کریم اور ارشاد نبویؐ کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے بھی یتیموں کے معاملے میں بہت احتیاط کی ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا یہ حال تھا کہ وہ اس وقت تک کھانا پسند نہ فرماتے تھے جب تک ان کے دستر خوان پر کوئی یتیم موجود نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ بے باپ کے بچے پورے معاشرے اور خاندان کے ہر فرد کی ذمہ داری ہیں کہ ان کی اور ان کے مال و جائیداد کی حفاظت کریں تا کہ وہ بڑے ہو کر اسلامی معاشرے کے مفید اور بہتر فرد بن سکیں اور الحمد اللہ اہل ایمان نے اس تقاضے کو ہر دور میں احسن طریقے پر پورا کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔

۵۔ وعدہ پورا کرنا

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو گم راہ اور فاسق قرار دیا ہے جو عہد و پیمان کرنے کے بعد ان کو توڑ دیتے ہیں۔ فرمایا کہ قرآن کریم پڑھنے کے باوجود وہ لوگ گم راہ ہو جاتے ہیں جو فاسق (گناہ گار نافرمان) ہیں۔ وہ لوگ جو عہد کو پختہ کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں (بقرہ)۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے وعدے کی پابندی کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے وہ عہد و پیمان بندوں نے بندوں سے کیا ہو یا بندوں نے اللہ سے کیا ہو۔ اپنے عہد اور وعدوں کو پورا کرنے والوں کو اللہ پسند فرماتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت گواہ ہے کہ آپ نے جنگ و امن اور عام زندگی میں ایفائے عہد کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ منافق کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ جب بھی وعدہ کرتا ہے تو اس کو پورا نہیں کرتا۔ قرآن کریم کی سورۃ المومنون میں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں کامیاب و بامراد ہونے والوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب وہ کسی سے وعدہ کرتے ہیں تو اس کو ہر حال میں پورا کرتے ہیں۔ کوئی حال بھی ہو وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہر اس معاہدہ کو جو شریعت کے احکامات کے مطابق ہو اس کی پابندی کو لازمی قرار دیا ہے۔

اصل میں وہ انسان ہمیشہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو اپنی زبان کا پابند ہو۔ تجارتی لین دین کا وقت ہو یا گھریلو یا خاندانی معاملات ہوں ان میں اسی شخص کو پسند کیا جاتا ہے جو زبان کا پکا ہو اور اس پر وہ عمل کرتا ہو خواہ اس کی وجہ سے اس کو کتنا بڑا نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ لیکن وہ شخص جو زبان کا پکا اور پابند نہ ہو اس کا اعتماد اور بھروسہ زندگی کے کسی معاملے میں بھی نہیں کیا جاتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ اے مومنو! تم اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو کیونکہ کل قیامت کے دن اس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن نہایت ذمہ دار شخص ہوتا ہے۔ وہ جس بات کا عہد کرتا ہے اس کو پورا کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتا۔

۶۔ ماپ تول میں کمی

جس معاشرہ میں تجارتی دیانت وامانت کا چلن ہوتا ہے وہ ایک کامیاب، بہترین، پر اعتماد اور خوش حال معاشرہ کہلاتا ہے۔اس کا ہر طرف ایک بھرم اور وقار ہوتا ہے۔اس کے برخلاف جس معاشرہ میں بد دیانتی، بدنیتی، دھوکہ، فریب عام ہو جائے جس میں لینے کے پیمانے اور دینے کے پیمانے الگ الگ ہو جائیں وہ معاشرہ نہ صرف بدنام ہو جاتا ہے بلکہ وہ اپنے ہی کرتوتوں میں ڈوب جاتا ہے اور اس کا نقصان ہر شخص کو بھگتنا پڑتا ہے۔ ماپ تول میں کمی کرنے کو تجارتی بد دیانتی کہا جاتا ہے اس بد دیانتی اور بد معاملگی کی شریعت نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔فرمایا گیا کہ لوگو! تم ہمیشہ سیدھی ترازو سے تولا کرو اس میں کمی نہ کرو، ڈنڈی نہ مارو (ورنہ تمہاری زندگی کی برکتیں اٹھ جائیں گی) جو لوگ دیانت وامانت کو رواج دیں گے بہترین انجام ان ہی لوگوں کا مقدر ہوگا لیکن اگر بد دیانتی عام ہوگئی تو نہ صرف دنیا کی نظروں میں بے وقعت اور بے وزن ہو جائیں گے بلکہ اس معاشرہ کا انجام بھی بڑا بھیانک ہوگا۔ ماپ تول میں کمی نہ کرنے والی قوموں کو باعزت مقام عطا کیا جاتا ہے اور ماپ تول میں بد دیانتی معاشرہ کو لے ڈوبتی ہے۔ماپ تول میں کمی کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ حضرت شعیبؑ کے واقعات زندگی سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ قوم جو تجارتی اور معاشرتی اعتبار سے نہایت مضبوط اور خوش حال تھی ہر طرف سے مال و دولت کی ریل پیل تھی، خوبصورت وحسین شہر، سرسبز و شاداب باغات، لہلہاتی کھیتیاں اور وہ بلند و بالا عمارتوں کے مالک تھے لیکن ان میں دنیا کی حرص، لالچ اور دولت پیدا کرنے کی تمنا اور لوٹ کھسوٹ اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ جائز و ناجائز کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ایک اللہ کو بھول کر انہوں نے اپنی تمناؤں کے سیکڑوں بت بنا رکھے تھے تجارتی بد دیانتی، لالچ، حرص اور کفر و شرک کی جب انتہاء ہوگئی تو اللہ نے اس قوم کی اصلاح کے لئے حضرت شعیبؑ کو بھیجا۔حضرت شعیبؑ نے اس قوم کو ہر طرح سمجھایا ہر اونچ نیچ سے آگاہ کیا مگر وہ قوم اپنی بدمستیوں، دنیا کے لالچ اور کفر و شرک میں اس طرح مگن تھی کہ انہوں نے حضرت شعیبؑ کی ایک بات بھی تسلیم نہ کی بالآخر وہ قوم اپنے انجام سے دوچار ہوئی اور پانی کے وہ بند جو ان کی زندگی کا سامان تھے ان کو اللہ نے اس طرح توڑ کر رکھ دیا کہ اسی پانی کے سیلاب میں ان کی دولت، گھربار، تہذیب و ترقیاں سب ڈوب گئیں اور اس قوم کا نام ونشان مٹ گیا۔

نبی کریم ﷺ نے جہاں تجارتی بد دیانتیوں کی سخت مذمت فرمائی ہے وہیں آپ نے ان تاجروں کی عظمت بھی بیان فرمائی ہے جو نہایت سچے، دیانت دار اور امانت دار ہو کر تجارت کرتے ہیں۔فرمایا کہ سچے اور دیانت وامانت کے پیکر ایک تاجر کا یہ مقام ہے کہ وہ قیامت کے دن جب اٹھے گا تو انبیاء کرام، صدیقین، صلحا اور نیک انسانوں کی صف میں کھڑا ہوگا (اور جنت کا ہر دروازہ اس کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے گا) اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو بھی ہر طرح کی بد دیانتی، لوٹ کھسوٹ، ظلم وزیادتی حرص، لالچ اور کفر وشرک سے محفوظ فرمائے۔آمین۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝۳۷ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝۳۸ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۳۹

ترجمہ: آیت نمبر ۳۶ تا ۳۹

اور اس کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم (معلومات) نہ ہو۔ بے شک کان، آنکھ، اور دل ان میں سے ہر ایک سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا۔ زمین پر اکڑ کر (اترا کر) مت چلو۔ بے شک نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکتے ہو۔ یہ تمام برائیاں تمہارے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ پر وحی کی ہیں۔ تم اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بناؤ ورنہ تم جہنم میں ملامت زدہ اور رحمت سے محروم کر کے جھونک دیئے جاؤ گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۶ تا ۳۹

لَاتَقْفُ — پیچھے نہ پڑو۔

لَيْسَ — نہیں ہے۔

اَلْفُؤَادُ — دل۔

لَاتَمْشِ — نہ چل۔

مَرَحٌ	اکڑنا۔اترانا۔
لَنْ تَخْرِقَ	تو ہرگز نہ پھاڑ دے گا۔
لَنْ تَبْلُغَ	تو ہرگز نہ پہنچے گا۔
اَلْجِبَالُ	پہاڑ۔(پہاڑوں)۔
طُوْلٌ	بلندی۔لمبائی۔
مَكْرُوْهٌ	ناپسندیدہ۔
تُلْقٰى	ڈالا جائے گا۔
مَدْحُوْرٌ	ہر رحمت سے محروم کیا ہوا۔

تشریح: آیت نمبر ٣٦ تا ٣٩

سورۃ الاسراء کے تیسرے اور چوتھے رکوع کی پندرہ آیات میں بہت سے نیک کام کرنے اور بہت سی برائیوں سے بچنے کے احکامات ارشاد فرمائے جارہے ہیں۔اسی سلسلہ میں چند اور بنیادی خرابیوں کی طرف متوجہ فرمایا جارہا ہے کہ ہر مومن کو بدگمانی، بدظنی، غرور وتکبر اور بے جا ضد سے بچنے کی ضرورت ہے۔کیونکہ یہ باتیں اللہ کو سخت ناپسند ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ذمہ دار مخلوق بنایا ہے۔اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ اور جملے کو بہت ذمہ دارانہ ہونا چاہیے محض سنی سنائی باتوں پر ایک تصور گھڑ لینا اور اسی کو حقیقت سمجھ کر اس پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے۔ہر بات جو وہ کان سے سنتا، آنکھوں سے دیکھتا اور دل سے سوچتا ہے اس کی ہر بنیاد پر غور کر کے فیصلہ کرنا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ جس بات کو سوچ رہا ہے وہ سرے سے غلط اور بے بنیاد ہو اور وہ بدظنی کر کے کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائے کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔فرمایا کہ ہر شخص کو یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ کل قیامت کے دن اس کے کانوں سے سنے گئے آنکھوں سے دیکھے گئے اور دلوں سے سوچے گئے ہر خیال کا اللہ کو جواب دینا ہے۔فرمایا گیا کہ اے مومنو! تمہیں جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ آنکھ، کان اور دل ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ اللہ کو عاجزی اور انکساری بہت پسند ہے جب کہ تکبر اور غرور کو وہ سخت ناپسند فرماتا ہے۔ زمین پر اکڑ کر چلنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اللہ کے بندے تو جب زمین پر چلتے ہیں اس میں ایک وقار، سنجیدگی اور متانت ہوتی ہے وہ اس طرح نہیں چلتے کہ جیسے وہ زمین کو پھاڑ ڈالیں گے اور گردنیں اکڑا کر پہاڑوں سے اونچے ہو جائیں گے بلکہ عاجزی، انکساری اور تواضع ان کا مزاج ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت کی ساری اخلاقی تعلیمات کو سورۃ الاسراء کی پندرہ آیات میں ارشاد فرما دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مومن پر لازمی ہے کہ وہ مندرجہ ذیل برائیوں سے بچتے ہوئے نیکیوں اور بھلائی کو قائم کرے کیونکہ یہ تمام برائیاں جن کو بیان کیا گیا ہے تمہارے رب کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہیں۔ بیان کئے گئے تمام اخلاقی اصولوں کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اللہ کے سوا کسی کی عبادت و بندگی نہ کرو۔ (۲) ماں باپ کی اطاعت و فرماں برداری کرو۔ (۳) رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرو۔ (۴) اگر کسی ضرورت مند کو فی الحال دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس سے ترشی اور سختی کے بجائے نرمی سے کہہ دو۔ (۵) مال کے خرچ کرنے میں نہ تو کنجوسی کرو اور نہ اس قدر فراخ دل بن جاؤ کہ خود ہی دوسروں کے محتاج بن کر رہ جاؤ، اعتدال کا راستہ سب سے اچھا راستہ ہے۔ (۶) اپنی اولاد کو غربت و افلاس اور ناداری کے خوف سے قتل نہ کرو۔ (۷) زنا اور بدکاری کے ہر راستہ سے بچو کیونکہ یہ بدترین راستوں کی طرف لے جاتا ہے۔ (۸) بے حیائی کے کاموں سے دور رہو۔ (۹) ناحق دوسروں کا خون نہ بہاؤ۔ (۱۰) یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کرو اور اس میں بے جا تصرف نہ کرو۔ (۱۱) عہد و پیمان کو پورا کرو۔ (۱۲) ماپ تول میں کمی نہ کرو۔ (۱۳) سنی سنائی بے تحقیق باتوں کے پیچھے نہ لگو۔ (۱۴) زمین پر اکڑ کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکتے ہو یعنی عاجزی و انکساری اختیار کرو۔

فرمایا کہ اے نبیؐ! یہ جتنی باتیں ہم نے وحی کی ہیں ان کی بنیاد حکمت و دانائی ہے تاکہ ان پر عمل کیا جائے اور زندگی کا صحیح راستہ تلاش کر کے اس پر چلا جائے۔ انسان کی سب سے بڑی عقل مندی اور سمجھ داری یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کو ماننے والا، شرک سے دور اور اسی کی عبادت و بندگی کرنے والا ہو جس نے اس کو پیدا کیا ہے کیونکہ اگر کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا جائے گا تو وہ بدعملی اس کو جہنم کے اس گڑھے میں لے جا کر پھینک دے گی جہاں اللہ اور اس کے فرشتوں کی صرف لعنت ہو گی اور وہ آخرت میں سوائے ذلت و رسوائی کے دھکوں کے اور کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ

وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ
لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ
وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا
تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

ع ۱۰ / ۴

ترجمہ: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۴

کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لئے چن لیا ہے اور اپنے لئے فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا ہے۔ بے شک تم نے نہایت بدترین بات کہی ہے۔ اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ مگر اس سے ان کی نفرت ہی بڑھتی ہے۔

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اس اللہ کے ساتھ اور کئی معبود ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ تو وہ عرش کے مالک کی طرف ضرور کوئی راستہ ڈھونڈھ نکالتے۔ اس کی ذات پاک ہے اور اس سے بہت بلند و برتر ہے جو وہ (اللہ کے لئے) کہتے ہیں۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتی ہے البتہ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے بے شک وہ بہت برداشت کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۰ تا ۴۴

اَصْفٰی — اس نے چن لیا۔ منتخب کرلیا۔

بَنِيْنَ — بیٹے۔

اِنَاثٌ	بیٹیاں۔
صَرَّفْنَا	ہم نے طرح طرح سے بیان کیا۔
نُفُوْرٌ	نفرت۔
عُلُوٌّ	بلندتر۔
لَاتَفْقَهُوْنَ	تم نہیں سمجھتے۔
تَسْبِيْحٌ	پاکیزگی۔تسبیح۔
حَلِيْمٌ	برداشت کرنے والا۔

تشریح: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۴

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو بار بار دھرایا ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف ایک اللہ ہے۔اگر زمین وآسمان میں ایک اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو نظام کائنات تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا۔وہ اللہ اس نظام کائنات کو چلانے میں نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔جس طرح دنیا کے بادشاہ اور حکم ران اپنی مملکت،حکمرانی اور وراثت کے لئے اپنی اولاد، بیوی اور مددگاروں کے محتاج ہوتے ہیں وہ اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔کفار و مشرکین کو جس بات نے گمراہی میں پھنسادیا تھا وہ ان کی یہی سوچ تھی کہ وہ اللہ کو بھی اپنے جیسا سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر رکھی تھیں چنانچہ جس طرح وہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنا کر پیش کرتے تھے ان کی گستاخی کی حد یہ تھی کہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گستاخانہ انداز کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اپنے لئے تو بیٹے تجویز کر لئے.اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے لیا۔حالانکہ اللہ بیٹے اور بیٹیوں سے بے نیاز ہے۔فرمایا جا رہا ہے کتنی عجیب بات ہے کہ جب ان کفار کے گھر میں کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے تو ان کے چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے گھر میں ایک لڑکی نہیں بلکہ مصیبت آ گئی ہے۔لڑکیوں کو نہایت برا سمجھتے ہیں اور جب کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا فرمایا کہ اپنے لئے تو انہوں نے بیٹے بنا رکھے ہیں اور اللہ کے لئے انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا کر پیش کیا ہے۔فرمایا کہ انہوں نے اللہ کی شان میں بڑی گستاخانہ بات کی ہے لیکن یہ ان کی سمجھ کا ایک پھیر ہے جس کو وہ خود بھی نہیں سمجھتے۔اگر ان کو سمجھایا جائے تو ان کی نفرت میں

اضافہ ہی ہوتا ہے وہ اپنی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ فرمایا کہ وہ اللہ ایک ہے اگر ایک معبود کے سوا دوسرے معبود ہوتے تو یہ لوگ تو وہاں بھی اپنی خواہشوں کی کمندیں پھینکنے سے باز نہ آتے۔ اس کے بعد اللہ نے ایک اصولی بات ارشاد فرمائی ہے کہ ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اگر اس کی حمد و ثنا نہ کریں تو وہ اس میں بھی بے نیاز ہے کیونکہ اس پوری کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد و ثنا کر رہا ہے۔ عام لوگ ان کی حمد و ثنا کو سمجھ نہیں سکتے لیکن زمین و آسمان، پہاڑ، دریا، سمندر، چرند، پرند، درند، اور شجر و حجر ہر وقت اس کی حمد و ثنا کرتے رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز ادراک و شعور رکھتی ہے اور ہر چیز اس کی تعریف میں لگی ہوئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی جن، انسان، درخت، پتھر اور مٹی کا ڈھیلا ایسا نہیں ہے جو موذن کی آواز سنتا ہو اور قیامت کے دن اس کے ایمان اور نیک ہونے کی شہادت و گواہی نہ دے گا۔ (مسند امام احمد۔ موطا امام مالک)

احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ میں چند کنکریاں تھیں جو اللہ کی تسبیح کر رہی تھیں اور صحابہ کرامؓ نے بھی ان کی تسبیح کو سنا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

یعنی ہم نے (داؤد کے لئے) پہاڑوں کو تابع کر دیا تھا اور وہ پہاڑ صبح و شام اس اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

یعنی یہ لوگ اللہ کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں (اور ان کے کلمہ کفر سے) پہاڑوں پر بھی خوف طاری ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ تکوینی طور پر ہر چیز اللہ کی حمد و ثنا کر رہی ہے۔ لہٰذا جس طرح وہ بیوی، بچوں کا محتاج نہیں ہے اسی طرح وہ کسی کی حمد و ثنا اور عبادت کا بھی محتاج نہیں ہے۔ وہ اللہ حی و قیوم ہے یعنی زندہ ہے اور پوری کائنات کو خود ہی سنبھال کر چلا رہا ہے اس میں وہ کسی کا محتاج نہیں اور نہ وہ اس کی حفاظت سے تھکتا ہے۔ اسی حقیقت کو ان آیات میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے

کیا اللہ نے تمہیں تو بیٹوں کے لئے چن لیا ہے اور اپنے لئے فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا ہے۔ یہ ایک نہایت بدترین بات ہے۔ حالانکہ ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں دے کر سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر وہ لوگ نصیحت حاصل کرنے کے بجائے نفرتوں کو اور بڑھا رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان نادانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر ایک اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے (جیسا وہ کہتے ہیں) تو وہ عرش کے مالک کی طرف ضرور کوئی راستہ ڈھونڈ نکال لیتے۔ فرمایا کہ اس کی ذات پاک بے عیب ہے اور اس سے اللہ بہت بلند و برتر ہے جو وہ اللہ کے لئے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ ساتوں آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس کی پاکیزگی اور حمد و ثنا کر رہی ہے یہ اور بات ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہ سمجھ سکو لیکن ہر چیز اس کی ثنا خواں ہے۔ فرمایا کہ یہ تو اللہ کا حلم و برداشت اور مغفرت و معافی کا غلبہ ہے ورنہ ان گستاخانہ باتوں پر کڑی سے کڑی سزا بھی دی جاسکتی تھی۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

الربع

ترجمہ: آیت نمبر ۴۵ تا ۴۸

(اے نبی ﷺ) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ اور ہم نے ان کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اور ہم ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب آپ یکتا پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ آپ کی باتوں کو کس غرض سے کان لگا کر سنتے ہیں اور (ہمیں معلوم ہے) جب وہ (چپکے چپکے) سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جب وہ ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک سحر زدہ شخص کے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ (اے نبی ﷺ) ذرا دیکھیے وہ آپ کے لئے کیسی مثالیں چسپاں کرتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ بھٹک گئے ہیں اور انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۵ تا ۴۸

قَرَأْتَ — تو نے پڑھا۔

حِجَابٌ — پردہ۔

مَسْتُوْرٌ	چھپا ہوا۔
اَکِنَّۃٌ	پردہ۔
وَقْرٌ	گرانی۔ ڈاٹ۔
وَحْدَہٗ	یکتا۔ ایک اللہ۔
وَلَّوْا	وہ پلٹ گئے۔ بھاگ گئے۔
اَدْبَارٌ (دُبُرٌ)	پیٹھ۔
یَسْتَمِعُوْنَ	وہ غور سے سنتے ہیں۔
نَجْوٰی	چپکے چپکے باتیں کرنا۔ سرگوشیاں۔
مَسْحُوْرٌ	جادو کیا گیا۔
ضَرَبُوْا	وہ مارتے ہیں۔ چسپاں کرتے ہیں (چسپاں کیا)۔
لَایَسْتَطِیْعُوْنَ	وہ طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

تشریح: آیت نمبر ۴۵ تا ۴۸

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان کی دولت اور نور بصیرت سے محروم ہوتے ہیں وہ اپنے دل کو تسلی اور نگاہوں پر فریب کے پردے ڈال کر ایسی بے بنیاد باتوں کو گھڑ لیتے ہیں جن کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں ہوتی اور انداز فکر کے زاویئے اتنے بدل جاتے ہیں کہ ان غلط باتوں کو صحیح سمجھ کر اپنی پوری زندگی گذار دیتے ہیں۔ یہی صورتحال اس وقت تھی جب نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت فرماتے تھے اور اس میں توحید و رسالت، فکر آخرت، اہل ایمان کی کامیابی اور کفار و منافقین کی ناکامی کی مثالیں بیان فرماتے تھے۔ کفار و منافقین کو یہ باتیں پسند نہ آتی تھیں اور وہ بہانے بنا کر آپ کی مجلس سے اٹھ جاتے اور پہلو بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر وہ کسی بات کو سنتے تو اس میں ان کی بدنیتی یہ ہوتی تھی کہ شاید کوئی ایسا پہلو یا بات مل جائے جس کو سامنے رکھ کر نبی کریم ﷺ اور تعلیمات قرآن کا مذاق اڑانے کا موقع ہاتھ آجائے۔ چنانچہ کفار و منافقین ہر سچائی کو موڑ توڑ کر پیش کرتے اور

چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے اور کہتے رہتے کہ ایک ایسے شخص کی بات کیا سننا جو (نعوذ باللہ) جادو کے زیر اثر ہے اور بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ وہ اسلام کی سچی تعلیمات سے دوری کو بدنصیبی سمجھنے کی بجائے اس پر فخر کرتے اور یہ بھی کہتے کہ یہ نبی کوئی بات بھی کہیں ہمارے دلوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے دلوں پر ایسے غلاف چڑھے ہوئے ہیں کہ ہمارے اوپر کسی کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ سورۃ حم السجدہ میں ایسے لوگوں کا یہ جملہ نقل کیا گیا ہے۔

یعنی اے محمدؐ! آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لئے ہمارے دل بند ہیں اور ہمارے کان بہرے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ حائل ہوگیا ہے۔ تو آپ اپنا کام کیجئے اور ہم اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع پر اس کا جواب عنایت فرمایا کہ جس بات پر یہ فخر کر رہے ہیں وہ ایک نحوست اور اللہ کی لعنت ہے جس کو یہ فخریہ بیان کر رہے ہیں۔ فرمایا

اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو غلاف میں ہیں (اللہ نے فرمایا نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی لعنت ہے (جو ان کے اعمال کے سبب ان پر مسلط کردی گئی ہے)

فرمایا کہ یہ فخر اور خوشی کی بات نہیں ہے بلکہ اپنی بدقسمتی پر ماتم کرنے کی چیز ہے۔ فرمایا کہ اے نبیؐ! جب آپ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک رکاوٹ ڈال دیتے ہیں اور ان کے دلوں پر ایسے غفلت کے پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ ایک سامنے کی چیز اور حقیقت کو سمجھنے سے بھی محروم رہتے ہیں، ان کے کانوں میں ایسی گرانی پیدا ہو جاتی ہے کہ جب ان کے سامنے یکتا پروردگار کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی طرف مائل ہونے کے بجائے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔

فرمایا کہ اگر وہ آپ کی مجلسوں میں آپ کی بات سنتے بھی ہیں تو ان کا مقصد اپنی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ سرگوشیوں میں اور اشاروں میں باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کی بات سن کر اس کی پیروی کرنا حماقت ہے جو خود کسی جادو کے زیر اثر بہکی بہکی باتیں کرتا ہے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبیؐ! یہ آپ کے متعلق کیسی بے حقیقت اور فضول مثالیں گھڑتے ہیں اور آپ کے خلوص کی قدر نہیں کرتے کیونکہ یہ ذہنی و فکری اعتبار سے اس قدر بھٹک چکے ہیں کہ انہیں اس گمراہی سے نکلنے کا راستہ بھی نہیں ملتا اور وہ اپنی گمراہی کے گڑھے میں گرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ آپ ان کی فکر نہ کیجئے۔ اللہ کا دین پہنچاتے رہیے جو سعادت مند اور خوش نصیب ہیں وہ دین کی سچائیوں پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت سدھار لیں گے اور زبردست کامیابیاں حاصل کرلیں گے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾

ع ۱۲ ۵

ترجمہ: آیت نمبر ۴۹ تا ۵۲

وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا پھر سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے خیال میں اس سے بھی سخت ہو (تب بھی وہ تمہیں دوبارہ زندہ کریگا)۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہمیں لوٹا کر کون لائے گا؟ آپ کہہ دیجئے کہ جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا (وہی دوبارہ پیدا کرے گا)۔ تو پھر وہ اپنے سر ہلا ہلا کر کہیں گے اچھا تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہہ دیجئے شاید (وہ وقت) بہت قریب ہے۔ جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے (قبروں سے نکل آؤ گے) اور تمہارا یہ گمان ہوگا کہ تم دنیا میں بہت تھوڑی مدت رہے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۹ تا ۵۲

عِظَامٌ — ہڈیاں۔

رُفَاتٌ — ریزہ ریزہ ہو جانا۔

كُوْنُوْا — ہو جاؤ۔

حِجَارَةً	پتھر۔
حَدِيْدٌ	لوہا۔
يَكْبُرُ	بڑا ہو۔
يُعِيْدُ	لوٹائے گا۔
فَطَرَكُمْ	جس نے تمہیں پیدا کیا۔
اَوَّلُ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ۔
سَيُنْغِضُوْنَ	ہلائیں گے۔
رُؤُسٌ (رَأْسٌ)	سر۔
مَتٰى هُوَ	وہ کب ہوگا؟۔
تَسْتَجِيْبُوْنَ	تم جواب دوگے۔
تَظُنُّوْنَ	تم گمان کروگے۔
اِنْ لَّبِثْتُمْ	تم نہیں ٹھہرے۔
قَلِيْلٌ	تھوڑا۔

تشریح: آیت نمبر ۴۹ تا ۵۲

کفار مکہ اور مشرکین اللہ کے سچے نبی حضرت محمد ﷺ کو لوگوں کی نگاہوں میں کم حیثیت ظاہر کرنے کے لئے طرح طرح کے سوالات اور آپ کی ذات کو نشانہ بنانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ کبھی کہتے کہ آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اسی جادو کے زیر اثر کر رہے ہیں۔ کبھی آپ کو جادوگر، شاعر، کاہن اور مجنوں تک کہہ دیتے تھے۔ کبھی کہتے کہ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ جب انسان مرنے کے بعد چورا چورا ہو جائے گا، اس کا وجود تک مٹ جائے گا وہ کس طرح دوبارہ زندہ

ہوگا۔ متعدد مقامات پر کفار کے اس سوال کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نقل کر کے ایک ہی جواب دیا ہے کہ اے نبیؐ! آپ ان سے صاف الفاظ میں کہہ دیجئے کہ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے جب انسان ذروں کی شکل میں بکھر جائے گا تو ان ذروں کو جمع کر کے پھر سے انسان کو اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ فرمایا کہ یہ تو انسانی وجود کے ذروں کے بکھرنے کی بات ہے اگر انسانی ذرے لوہا اور پتھر بھی بن جائیں گے تو اللہ ان ہی چیزوں کے ذرات سے انسان کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا کیونکہ یہ بات اس اللہ کے لئے ناممکن کیسے ہوسکتی ہے جس نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور مٹی کے ذرات کو جمع کر کے اس کو جیتا جاگتا انسان بنا دیا تھا۔ کسی چیز کو پہلی مرتبہ پیدا کرنا اور بنانا مشکل ہوتا ہے اسی کو دوبارہ بنانا مشکل اور ناممکن نہیں ہوتا۔

فرمایا کہ اے نبیؐ! یہ لوگ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لینے کے باوجود مذاق اڑانے کے لئے سر کو ہلا ہلا کر کہیں گے کہ اچھا ایسا کب ممکن ہے؟ اچھا تو اگر یہ ممکن ہے تو پھر یہ واقعہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ اس حقیقت پر سے پردہ اٹھائیں گے وہ وقت دور نہیں ہے جب سارے انسان اللہ کے کمالات اور شان و عظمت کے گن گاتے ہوئے اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے اور ان کی زبانوں پر یہ جملہ ہوگا کہ واقعی ہمیں دنیا میں جو مہلت اور وقت دیا گیا تھا وہ بہت ہی کم تھا کاش ہم اس وقت کا فائدہ اٹھا سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ کفار و مشرکین اسی طرح مذاق اڑاتے رہیں گے مگر آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے کیونکہ یہ حقیقت اور سچائی بہت جلد ظاہر ہو جائے گی اور ان میں سے ہر شخص اللہ کی حمد و ثنا، خوبیاں اور کمالات بیان کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۳ تا ۵۵

(اے نبی ﷺ) آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ (ہمیشہ) وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو۔ بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے۔ بلا شبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمادے یا اگر وہ چاہے تو عذاب دے دے۔ اور ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ اور یقینا ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۳ تا ۵۵

اَحْسَنُ بہترین۔

یَنْزَغُ فساد ڈالتا ہے۔

عَدُوٌّ دشمن۔

مُبِیْنٌ کھلا ہوا۔

اَعْلَمُ زیادہ جانتا ہے۔

یَرْحَمُ وہ رحم کرتا ہے۔

یُعَذِّبُ وہ عذاب دیتا ہے۔ عذاب دے گا۔

فَضَّلْنَا ہم نے فضیلت دی۔ بڑائی دی۔

تشریح: آیت نمبر ۵۳ تا ۵۵

شیطان جو انسان کا کھلا ازلی دشمن ہے اس کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ دو بھائی آپس میں محبت پیار اور میل ملاپ کے ساتھ نہ رہیں بلکہ اختلافات اور جھگڑوں میں الجھے رہیں تا کہ اس جگہ سے اللہ کی رحمتیں اٹھ جائیں۔ اختلافات کی ابتداء ہمیشہ

غیر سنجیدہ گفتگو سے ہوتی ہے جو بڑھتے بڑھتے اپنی انتہاؤں تک پہنچ جاتی ہے اور ایک دوسرے کو قتل تک کرنے سے باز نہیں آتے اور اس طرح اصلاح و تربیت کا جو بھی پروگرام ہوتا ہے وہ چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔

ان آیات میں اہل ایمان سے فرمایا جارہا ہے کہ وہ ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ سنجیدہ اور باوقار گفتگو کریں تاکہ شیطان ان کے درمیان اختلافات پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو۔

یہ آیات اس وقت میں نازل ہوئیں جب نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اللہ کا پیغام پہنچانے کی جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں شروع شروع تو محض مذاق اڑانے اور ذہنی اذیتیں پہنچانے کی حد تک بات رہی لیکن بعد میں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے جان نثاروں پر طرح طرح کے ظلم و ستم کی انتہا کر دی اور بدزبانی اور بد اخلاقی میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ چونکہ ایک بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کا معاملہ تھا۔ ممکن تھا کہ صحابہ کرام بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے اور اصلاح اور رشد و ہدایت کی جو تحریک چل رہی تھی اس میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی اس لئے یہ آیات نازل کی گئیں جن میں بتایا گیا کہ کسی کو ہدایت دینا، رحم کرنا یا عذاب دینا یہ اللہ کا کام ہے۔

اہل ایمان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی سی کوشش میں لگے رہیں اس کا طریقہ یہی رہا کہ اللہ کے نبی آتے رہے لوگوں کی اصلاح کرتے رہے ایک سے بڑھ کر ایک نبی آئے حضرت داؤد بھی زبور لے کر آئے سب کا مقصد ایک ہی تھا کہ وہ لوگ جو اللہ کی ہدایت و رہنمائی کی تعلیمات کو بھلا بیٹھے ہیں وہ اپنا بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد کر لیں اور اپنی آخرت کو سنوار لیں۔ فرمایا کہ اب یہی ذمہ داری آخری نبی اور آخری رسول کے امتیوں کی ہے کہ وہ شیطان کے ہر مکر و فریب سے بچتے ہوئے اپنی زبانوں پر قابو رکھیں اور ہمیشہ وہ بات کہیں جس میں سنجیدگی، وقار اور متانت ہو اور ہر اختلاف کی جگہ سے بچتے ہوئے اصلاح کے کام کو آگے بڑھائیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝٥٦ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝٥٧ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝٥٨

ترجمہ: آیت نمبر ٥٦ تا ٥٨

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ تم اگر ان کو پکارو گے جنہیں تم اللہ کے سوا (اپنا معبود) سمجھتے ہو تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کرنے، بدلنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ یہ جنہیں پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہوتا ہے۔ یہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک آپ کے رب کا عذاب ہی تو ڈرنے کی چیز ہے۔ کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم (نافرمانیوں کی وجہ سے) ہلاک نہ کر دیں یا اس کو عذاب نہ دیں۔ یہ سب کچھ کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٥٦ تا ٥٨

اُدۡعُوۡا پکارو۔

لَایَمۡلِکُوۡنَ وہ اختیار نہیں رکھتے۔

کَشۡفٌ کھولنا۔ دور کرنا۔

اَلضُّرُّ تکلیف۔ مصیبت۔

تَحۡوِیۡلٌ بدلنا۔

یَبۡتَغُوۡنَ وہ تلاش کرتے ہیں۔

اَلۡوَسِیۡلَۃُ ذریعہ۔

اَقۡرَبُ زیادہ قریب۔

مَحۡذُوۡرٌ ڈر کی چیز۔

مَسۡطُوۡرٌ لکھا ہوا۔

تشریح: آیت نمبر ۵۶ تا ۵۸

اللہ کے ساتھ اس کی ذات، صفات اور قدرت میں کسی اور کو شریک سمجھنا یا شریک کرنا اس قدر بدترین اور گھناؤنا جرم ہے جس کی کسی حالت میں معافی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں صاف صاف ارشاد فرما دیا کہ شرک ایک بہت بڑی بے انصافی اور ظلم ہے اسی لئے فرمایا کہ ''بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کر سکتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ وہ بہت کچھ معاف کر دے گا جس کے لئے چاہے'' وجہ یہ ہے کہ شرک درحقیقت اللہ کی ذات پر براہ راست حملہ ہے۔ جس طرح وہ بیٹا جس نے ہمیشہ اپنی ماں کی نافرمانی کی ہو اگر پچاس سال کے بعد بھی وہ ماں کے قدموں میں سر رکھ کر معافی مانگے گا تو ماں اپنے بیٹے کو گلے لگا کر یہی کہے گی کہ بیٹا میں تو ہمیشہ تجھے یاد کرتی تھی اور وہ بیٹے کی برسوں کی نافرمانی کو اس طرح بھول جائے گی جیسے اس نے کبھی نافرمانی نہ کی ہو۔ لیکن اگر وہی بیٹا ماں کی آبرو پر حملہ کر دے گا تو وہ اس کو کبھی معاف نہ کرے گی۔ بلا تشبیہ اسی طرح کوئی اللہ کا بندہ برسوں نافرمانی کرنے کے بعد ایک دن سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ اس کے سارے گناہوں کو معاف فرما دے گا لیکن شرک کرنا اللہ کی ذات پر حملہ کرنا ہے اس لئے وہ اس کو معاف نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اگر کوئی شخص کفر و شرک سے توبہ کر لے تو وہ اس کی توبہ کو ضرور قبول فرمالے گا کیونکہ اس نے اپنے بندوں پر رحم و کرم کرنے کو فرض قرار دے لیا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت کے لوگوں نے نہ صرف سارے عرب میں اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے بتوں کو معبود کا درجہ دے رکھا تھا بلکہ جنات اور فرشتوں کو بھی اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو نہ تو وہ تمہاری مشکلات کو دور کرنے والے ہیں اور نہ تمہارے حالات کو بدلنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ یہ تو خود اللہ کو پکارتے ہیں اور اس کا قرب تلاش کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ سے زیادہ سے زیادہ قربت حاصل کر لے اور وہ اس بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں ان سے کوئی نافرمانی نہ ہو جائے جس سے اللہ کا عذاب نازل ہو جائے۔

فرمایا کہ اس کائنات میں ساری قوت و طاقت صرف ایک اللہ کی ہے وہی سب کا مشکل کشا اور کارساز ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے جو تمہارے کسی کام آ سکے گا۔

فرمایا کہ وہ لوگ جو دنیا کی نعمتیں حاصل کرنے کے بعد یا بڑی بڑی بلڈنگیں اور شہر بنانے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمیشہ رہیں گی تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ یہ ساری بستیاں اور آبادیاں یا تو لوگوں کی نافرمانی اور گناہوں کی وجہ سے مٹا دی جائیں گی یا قانون قدرت کے تحت قیامت کے دن ان سب آبادیوں اور بستیوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ یہ چیزیں باقی رہنے والی نہیں ہیں اس کو اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے بلکہ باقی رہنے والی چیزیں صرف انسان کے اچھے یا برے اعمال ہیں جو اس کو جنت یا جہنم تک پہنچائیں گے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾

ع ۶

ترجمہ: آیت نمبر ۵۹ تا ۶۰

ہمیں نشانیاں (معجزات) بھیجنے سے جس چیز نے روکا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ان سے پہلے لوگوں نے (دیکھنے کے باوجود) ان کو جھٹلایا ہے (جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا ہے) ہم نے قوم ثمود کو ایک اونٹنی دی جوان کے لئے بصیرت کی چیز تھی مگر انہوں نے اس کے ساتھ زیادتی ہی کی۔ اور ہم نشانیاں اس لئے بھیجتے ہیں کہ لوگ اس سے ڈریں۔ اور (اے نبی ﷺ) یاد کیجئے جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ بے شک آپ کا پروردگار (کفار کو) گھیرے ہوئے ہے۔ اور جو کچھ ہم نے آپ کو دکھایا اس کو اور تھوہر کے اس درخت کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ایک آزمائش بنایا ہے۔ جب ہم ان کو ڈراتے ہیں تو ان کی سرکشی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۹ تا ۶۰

مَامَنَعَنَا — ہمیں نہیں روکا۔

نُرْسِلُ — ہم بھیجتے ہیں۔

مُبْصِرَةٌ — دیکھنے کو۔ ذریعہ بصیرت۔

تَخْوِيْفٌ — ڈرانے کو۔

اَحَاطَ	گھیرلیا۔قابو کرلیا۔
اَلرُّءْ یَا	خواب۔دِکھاوا۔
اَرَیْنَا	ہم نے دکھایا۔
اَلْمَلْعُوْنَةُ	لعنت کی گئی۔
طُغْیَانٌ	سرکشی۔نافرمانی۔

تشریح: آیت نمبر ۵۹ تا ۶۰

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ کفار مکہ طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے کبھی کہتے کوہ صفا کو سونے کا بنادیا جائے کبھی کہتے مکہ کے چاروں طرف جو پہاڑ ہیں ان کو ہٹا کر صاف اور کھلا ہوا میدان بنادیا جائے تا کہ کھیتی باڑی کی جاسکے، کبھی کہتے کہ ہمارے وہ رشتہ دار جو مرچکے ہیں ان کو زندہ کردیا جائے تا کہ ہم ان سے باتیں کریں اور آپ کی نبوت کی تصدیق کر کے ایمان لانے کی کوشش کریں وغیرہ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبیؐ! یہ لوگ جن معجزات کا مطالبہ کررہے ہیں ان کو دکھانے میں ہمارے لئے کوئی رکاوٹ یا مانع نہیں ہے۔ہم نے پہلے نبیوں کو معجزات دیئے ہیں آپ کو بھی دے سکتے ہیں لیکن اگر ان لوگوں نے ان معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان قبول نہ کیا تو پھر اللہ کے عذاب آنے میں کوئی بھی چیز رکاوٹ نہ بن سکے گی اور اس آخری امت کے لئے ایسا کرنا ہماری مصلحت کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کے واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ قوم ثمود نے اپنے نبی حضرت صالحؑ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ایک گابھن اونٹنی سامنے چٹان سے نکلے، بچہ دے اور ہم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔اللہ نے ان کا مطالبہ پورا کردیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے نہ صرف اس معجزہ کا انکار کردیا بلکہ اللہ کی اس نشانی کو قتل کردیا اور نافرمانی کی انتہا کردی۔آخر کار اللہ کا عذاب قوم ثمود پر ٹوٹ پڑا شدید زلزلے اور خوفناک گرج چمک نے ان کو صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹادیا جیسے اس بستی میں کوئی کبھی آباد ہی نہ تھا۔فرمایا کہ ایمان ویقین لانے والے تو کبھی کسی معجزہ کا مطالبہ نہیں کرتے اور نہ ان کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت ہوتی ہے بلکہ وہ نور بصیرت سے سچائی کو پہچان کر اس پر ایمان لاتے ہیں جس طرح فرعون کے بھرے دربار میں تمام جادوگروں کے سامنے سچائی آگئی تو انہوں نے فرعون کی دھمکیوں کے باوجود ایسے عزم ویقین کا اظہار کیا جس کو قرآن کریم نے

نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی حیدر کرارؓ، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت زیدؓ نے اور تمام صحابہ کرامؓ نے نہ کسی معجزہ کو دیکھا نہ مطالبہ کیا نہ ان کو ضرورت تھی کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی عظیم سیرت پاک قرآن کریم کی پر عظمت تعلیمات، معراج نبوی (ﷺ) کو اچھی طرح دیکھا تھا جو کسی معجزہ سے کم نہیں تھے مزید کسی معجزہ کا مطالبہ ایک بچکانہ فرمائش سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ تمام صحابہ کرامؓ تو ہر روز آپ کی ایک ایک صفت کو معجزہ ہی سمجھتے تھے۔ معراج النبیؐ کے موقع پر جب کفار مکہ نے آپ کا مذاق اڑایا اور بعض نئے نئے مسلمان ہونے والے بھی پیچھے ہٹ گئے تھے اس وقت ابوجہل نے یہ سمجھ کر کہ اگر حضرت ابوبکر بھی آپ سے پیچھے ہٹ جائیں تو یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی اور نبی کریم ﷺ کی تحریک کی جان نکل جائے گی۔ جب ابوجہل نے واقعہ معراج کا ذکر حضرت ابوبکر سے کیا تو ان کا جواب تھا کہ ہم تو ہر روز فرشتوں کی آمد و رفت اور وحی کی کیفیات کو دیکھتے رہتے ہیں اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ میں رات کو معراج پر گیا اور اسی رات سب کچھ دیکھ کر واپس آ گیا تو اس میں ہمارے لئے تعجب کی کوئی بات نہیں ہے آپ نے جیسا فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ کی اس تصدیق نے انہیں بارگاہ نبوی سے ''صدیق'' کا لقب دلا دیا۔ اس سے یہ اصلی حقیقت سامنے آگئی کہ جو لوگ نور بصیرت رکھتے ہیں انہیں باہر کی کسی روشنی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہی تمام صحابہ کرامؓ کا حال تھا کہ ان کو اللہ کے سچے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی بھی دلیل، برھان یا معجزہ دکھانے میں اگر کوئی رکاوٹ تھی تو وہ یہی تھی کہ اگر ان کے مطالبہ پر معجزہ دکھا دیا گیا اور پھر وہ لوگ ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب ضرور آئے گا اور اس قوم کو قوم ثمود کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ چونکہ آخری نبی کی یہ آخری امت ہے اس لئے ان کو ان کے مطالبہ پر معجزات نہیں دیئے گئے کیونکہ اب اسی امت کو قیامت تک تمام دنیائے انسانیت کی رہنمائی و رہبری کے فرائض انجام دینے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر اللہ سے مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کی بقا کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

الٰہی اگر تیرے ماننے والوں کی یہ مٹھی بھر جماعت مٹ گئی تو پھر (قیامت تک) تیرے دین کی ذمہ داری کون اٹھائے گا۔ اے اللہ اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آج کے بعد آپ کی عبادت نہ کی جائے۔

آپ اس قدر عاجزی اور محویت کے ساتھ دعا فرما رہے تھے کہ آپ کے کاندھے سے چادر بار بار پھسل جاتی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کی چادر کو آپ کے کاندھوں پر ڈالتے جاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت و رسالت کی طرح یہ امت بھی آخری امت ہے اب کسی نئے نبی یا رسول کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ اس لئے اللہ نے فرمایا کہ اے نبیؐ! جب تک آپ ان میں موجود ہیں ہماری یہ شان نہیں ہے کہ ہم ان پر عذاب کو نازل کریں۔ چونکہ نبی کریم ﷺ دنیاوی حیات کے بعد اپنی قبر مبارک میں آج بھی حیات ہیں اور قیامت تک آپ کی لائی تعلیمات اور فیض جاری رہے گا اسی لئے آپ کی امت پر وہ عذاب نہ آئیں گے جیسے عذاب گذشتہ قوموں پر آئے تھے (ﷺ)۔

یہاں ایک بنیادی بات کو سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی ان آیات کا سہارا لے کر منکرین حدیث نے ''معجزات نبوی'' کا انکار کر دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ آپ کو کوئی معجزہ عطا نہیں کیا گیا۔ میں یہ عرض کروں گا کہ منکرین حدیث نے ان آیات کے ظاہری پہلو کو سامنے رکھ کر اپنی بے عقلی اور جہالت کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ اگر وہ ذرا بھی غور کرتے تو ایسی بچکانہ اور احمقانہ بات کبھی نہ کرتے وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں اللہ نے معجزات کا انکار نہیں کیا بلکہ کفار کے مطالبہ کو بچکانہ قرار دیا ہے کیونکہ اگر ان کا مطالبہ مان لیا جاتا اور وہ یقیناً اس پر ایمان نہ لاتے تو اللہ کے عذاب آنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہتی اور یہ امت مٹا دی جاتی جب کہ اللہ کے فیصلے اور مصلحت کے تحت اس امت کو قیامت تک باقی رہنا تھا اور رہے گی انشا اللہ۔ رہے وہ معجزات جو نبی کریم ﷺ سے ظاہر ہوئے ہیں وہ ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں جن کی تفصیلات کے لئے معجزات نبوی پر امت کے علماء کرام کی سیکڑوں کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں جو معتبر ترین احادیث سے ثابت ہیں۔ ان کا انکار کرنا ممکن ہی نہیں ہے لیکن جنہوں نے اپنی آنکھوں پر انگریزوں کے چشمے لگا رکھے ہیں ان کو نظر نہ آنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ اپنے ان مصنوعی چشموں کو اپنی آنکھوں پر سے اتار کر دیکھیں گے تو نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو ان کو معجزہ نظر آئے گا جس کا انکار ممکن ہی نہیں ہے۔

ان آیات میں معراج النبیؐ اور شجر ملعونہ کو آزمائش قرار دیا گیا ہے اس کی کچھ تفصیل عرض ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے معراج کی صبح کو ارشاد فرمایا کہ آج رات میں مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ اور پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں، جنت و جہنم اور اللہ کی ذات و صفات کو دیکھ کر آیا ہوں تو کفار کو یقین نہ آیا اور وہ لوگ جنہوں نے بیت المقدس کو دیکھا تھا ان کو بلوایا گیا۔ اللہ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے کر دیا۔ کفار پوچھتے گئے اور آپ بیت المقدس کی ایک ایک بات تفصیل سے بتاتے گئے۔ اس سب کے باوجود انہوں نے ان واقعات اور حقائق کو مذاق میں اڑا دیا حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہ خود ایک معجزہ تھا مگر جو لوگ نور بصیرت اور سنجیدہ غور و فکر نہیں رکھتے ان کے لئے بڑی سے بڑی سچائی بھی ایک بے حقیقت چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک تو معراج النبیؐ ان کے لئے آزمائش تھی دوسرے ''شجر ملعونہ'' جس کو ''زقوم'' بھی فرمایا گیا ہے یہ بھی کفار کے لئے ایک آزمائش کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کیونکہ جن کو اللہ کی قدرت پر یقین کامل ہے ان کو یقین تھا کہ اللہ کی یہ قدرت ہے کہ وہ کسی درخت کو آگ میں پیدا کر سکتا ہے اور آگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی کیونکہ آگ اور درخت دونوں ہی اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو آگ سلامتی کے ساتھ حضرت ابراہیم پر گل و گلزار بن سکتی ہے پانی میں راستے اور صحرا میں چشمے جاری ہو سکتے ہیں تو آگ میں وہ درخت جو جہنمیوں کی غذا کے طور پر ان کو کھانے کے لئے دیا جائے گا وہ اللہ کی قدرت سے کیوں باقی نہیں

رہ سکتا۔ یہ درخت جو دوزخیوں کے لئے ہوگا اس تلخ، بدمزہ، قابل نفرت، کانٹے دار درخت ہوگا جس کو کھانے پر وہ مجبور ہوں گے۔ روایات میں آتا ہے کہ ''زقوم'' دوزخ کی تہہ میں پیدا ہوگا جب دوزخی بھوک کی شدت میں اس پر اپنا منہ ماریں گے تو وہ تڑپ کر رہ جائیں گے کیونکہ وہ ان کے پیٹ میں ایسی آگ لگا دے گا جیسے پانی ان کے پیٹ میں کھول رہا ہے۔

اس پر لعنت کی گئی ہے یعنی جس طرح جہنمی اللہ کی رحمت اور کرم سے دور ہوں گے اسی طرح یہ درخت یعنی دوزخیوں کی غذا بھی اللہ کی رحمت سے دور قابل لعنت ہوگی۔

جب قرآن کریم میں یہ بتایا گیا کہ دوزخیوں کو دوزخ میں کھانے کے لئے زقوم دیا جائے گا تو ابو جہل نے کہا ہمارے لئے مکھن اور کھجوریں لاؤ۔ جب یہ چیزیں آگئیں تو اس نے لوگوں کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی اور کہنے لگا ہمارا زقوم تو یہ ہے۔ یعنی اس نے معراج النبیؐ اور آگ میں درخت کا مذاق اڑایا اسی لئے قریش کہا کرتے تھے کہ ابو کبشہ کے لڑکے کو دیکھو وہ ہم سے عجیب باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جہنم کی آگ ایسی ہوگی جو پتھروں تک کو جلا ڈالے گی۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ اس میں ایسا درخت بھی ہو (اور آگ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے)

خلاصہ یہ ہے کہ جس کو ایمان لانا ہوتا ہے اس کو نبی کی بات ہی کافی ہوتی ہے لیکن جس کو ایمان نہیں لانا اس کے لئے سو بہانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کی ایک ایک بات پر ایمان و یقین لانے کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدمؑ کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب (فرشتوں) نے سجدہ کیا۔ کہنے لگا کہ کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ بھلا بتایئے کیا (یہ اس قابل تھا) کہ اس کو میرے اوپر فضیلت (عزت) دی جائے۔ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو سوائے کچھ لوگوں کے سب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ اللہ نے فرمایا کہ اچھا تو جا۔ ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تجھ سمیت سب کو جزا کے طور پر جہنم میں ڈالوں گا اور یہ ان کی بھرپور سزا ہوگی۔ تو ان میں سے جس جس پر تیرا بس چلتا ہے ان کو اپنی آواز سے پھسلا لے۔ اور تو ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا کر لے آ۔ ان کے مالوں اور جانوں میں شرکت کر لے۔ ان سے (خوشنما) وعدے کر لے۔ حالانکہ شیطان کے وعدے دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یقیناً میرے (مخلص) بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ اور بھروسہ کے لئے صرف تیرا رب ہی کافی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵

طِیْنٌ — مٹی۔

کَرَّمْتَ — تو نے عزت دی۔

اَحْتَنِکَنَّ — جڑیں اکھاڑ دوں گا۔

مَوْفُوْرٌ — بھرپور، پوری طرح۔

اِسْتَفْزِزْ — پھسلا لے، آمادہ کر لے۔

اَجْلِبْ — چڑھا کر لے آ۔

خَيْلٌ گھوڑے، سوار۔

رَجِلٌ پیادے، پاؤں

غُرُوْرٌ دھوکہ، فریب۔

تشریح: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زندگی کی سچائیوں کو کہانیوں اور قصوں کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ عبرت و نصیحت کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور عملی زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے واقعہ کے صرف اسی پہلو کو بیان کیا ہے جس کی اس موقع پر ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ اور شیطان کے واقعہ کو سورۃ بنی اسرائیل کے علاوہ چھ اور بڑی سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سورۃ البقرہ، سورۃ اعراف، سورۃ حجر، سورۃ کہف، سورۃ طٰہ اور سورۃ ص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے پہلے مخاطب مکہ مکرمہ کے لوگوں اور قیامت تک آنے والوں کو اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ شیطان انسان کا پہلے دن سے دشمن ہے۔ اس نے اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ شیطان انسان کا ازلی دشمن محض اپنے تکبر و غرور، ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں اور ان کے سردار شیطان سے یہ فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو اس نے نہایت غرور و تکبر کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا کہ میں انسان کے سامنے نہیں جھک سکتا کیونکہ میں اس سے کہیں برتر اور اعلیٰ ہوں۔ اور کہنے لگا کہ اگر مجھے قیامت تک کی مہلت دی جائے تو میں اس کو ثابت کر کے دکھا سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے کر قیامت تک کے لئے اپنی بارگاہ سے نکال دیا اور فرمادیا کہ اے شیطان تیرا قابو اور تیرے فریب کا جادو ان لوگوں پر نہ چل سکے گا جو میرے فرماں بردار اور نیک بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمادیا کہ تجھے مکمل آزادی ہے کہ جس پر بھی تیرا بس اور قابو چلتا ہے اس پر اپنے لشکروں کو چڑھا کر لے آ۔ لوگوں کے جان و مال میں شرک کے ہزاروں انگارے بھر دے لیکن تو دیکھے گا کہ میرے مخلص بندے تیرے جال سے صاف نکل جائیں گے اور ساری دنیا کو چھوڑ کر جب وہ میرے اوپر بھروسہ کریں گے تو میری رحمت ان گرتے ہوئے لوگوں کو سنبھال لے گی کیونکہ میرے علاوہ بھروسہ کرنے کے لئے کوئی دوسری ذات نہیں ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا کہ زندگی کے دو ہی راستے ہیں ایک تو حق وصداقت کی راہ میں چلنے کا اور اس میں ہمت وطاقت سے صبر وتحمل کا طریقہ اختیار کرنا اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ کرنا ہے اور دوسرا راستہ شیطان کا وہ راستہ ہے جس میں وہ جھوٹ اور فریب کے بہت خوش نما جال پھیلا کر انسانوں کو صراط مستقیم سے دور کر دیتا ہے۔ اللہ نے ایمان اور کفر کے دونوں راستے کھلے رکھ دیئے ہیں۔ اب یہ انسانوں پر ہے کہ وہ ان دونوں راستوں میں سے کس راستہ کو اختیار کر کے اپنے لئے جنت یا جہنم کو چنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ

ہم نے انسان کو راستے دکھا دیئے ہیں اب اگر وہ چاہے تو شکر (ایمان وعمل صالح) کا راستہ اختیار کرلے اور چاہے تو انکار (کفر وشرک اور گناہوں کا) کی راہ پر چل پڑے۔

لیکن دونوں راستوں کو دکھانے کے بعد دونوں کا انجام بھی بتادیا کہ جو لوگ ایمان وعمل صالح اور شکر واطاعت کے راستے پر چلیں گے ان کے لئے نہ صرف آخرت کی ہر طرح کی کامیابیاں ہیں بلکہ ان لوگوں کی دنیا بھی درست ہو جائے گی اور آخرت بھی۔ اس کے برخلاف جن لوگوں نے کفر وشرک اور گناہوں کے راستے کا انتخاب کرلیا وہ حق اور سچائی کے راستے سے اسی قدر دور ہو کر اپنے ہاتھوں اپنی آخرت اور دنیا دونوں کو ضائع کر بیٹھیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دنیا میں جدو جہد کر کے دنیا کے اسباب راحت کو اپنے آس پاس جمع کرلیں لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ اللہ کے بندوں کی دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہو جائیں۔ لیکن اللہ کا یہ بہت بڑا کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شیطان کے جال سے بچانے کے لئے اپنے نیک بندوں کو ان کی اصلاح کے لئے ہر زمانہ میں بھیجتا رہا ہے۔ اللہ نے پہلے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا پھر جب اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیج دیا تو اب آپ کے بعد کوئی اور نبی اور رسول نہیں آئے گا لیکن اللہ کی اطاعت وفرماں برداری پر چلانے کے لئے علماء امت کو امت کی اصلاح کے لئے اٹھاتا رہے گا۔ چونکہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی حفاظت کا اللہ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ قیامت تک خود ان کی نگرانی اور حفاظت فرمائے گا اس لئے اب کسی نئے نبی اور رسول کی ضرورت باقی نہیں رہی صرف وہ تعلیمات جن کو نبی مکرم ﷺ لے کر آئے ہیں ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے علماء امت اور بزرگان دین اپنی اپنی ہمت کے مطابق خدمات سرانجام دیتے رہیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ علماء امت نے ہر دور میں اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی طرف اٹھنے والے ہاتھوں کا مقابلہ کیا ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سربلندی کی یہ سعادت عطا فرمائے اور ہم سے دین کی عظمت کا کام لے لے۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ يُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿٦٦﴾ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿٦٨﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿٦٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٦٦ تا ٦٩

تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی (جہاز) چلاتا ہے تا کہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ بے شک وہ تمہارے اوپر نہایت مہربان ہے۔ اور جب سمندر میں تمہارے اوپر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ سب گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ پھر جب اللہ تمہیں بچالیتا ہے اور تم خشکی پر آجاتے ہو تو تم (اللہ سے) منہ پھیر لیتے ہو۔ اور انسان بہت ہی ناشکرا ہے۔

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی طرف لے جا کر زمین میں دھنسا دے یا تمہارے اوپر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے۔ پھر تم اپنے لئے کوئی بچانے والا نہ پاؤ گے۔ یا تم اس اندیشہ سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اسی سمندر میں لے جائے۔ پھر تم پر طوفانی ہوا کا تیز جھونکا بھیج دے۔ پھر تمہیں ناشکری کے بدلے میں غرق کر دے۔ پھر تم اپنے لئے نہ پاؤ جو ہم سے باز پرس کرنے والا ہو۔

لغات القرآن آیت ۶۶ تا ۶۹

يُزْجِیْ	وہ چلاتا ہے۔
اَلضُّرُّ	مصیبت۔نقصان۔
اَفَاَمِنْتُمْ	کیا پھر تم مطمئن ہو گئے؟۔
يَخْسِفُ	وہ دھنسا دیتا ہے۔
حَاصِبًا	پتھر برسانے والی آندھی۔
تَارَةً اُخْرٰی	دوبارہ۔
قَاصِفٌ	سخت طوفانی ہوا۔
يُغْرِقُ	وہ غرق کرتا ہے۔
لَاتَجِدُوْا	تم نہ پاؤ گے۔
تَبِيْعٌ	پیچھا کرنے والا۔

تشریح: آیت نمبر ۶۶ تا ۶۹

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے ”اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں (دی گئی نعمتوں میں) اور اضافہ کرتا چلا جاؤں گا۔ اس کے برخلاف اگر میری نعمتوں کی ناشکری کی گئی تو پھر میری گرفت اور پکڑ بہت سخت ہے۔ واقعتاً اگر غور کیا جائے تو انسانی وجود کی ابتداء سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک اللہ اتنی نعمتوں سے نوازتا ہے جن کو شمار کرنا مشکل ہے۔ سورۃ رحمٰن میں ان بے شمار نعمتوں کو گنوا کر اکتیس (31) مرتبہ اس آیت کو دھرایا گیا ہے کہ ”اے جن وانسان تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟“

سورۃ الاسراء کی ان آیات میں بھی چند نعمتوں کا ذکر کر کے اللہ نے یہی سوال کیا ہے کہ ایک زبردست سمندر جس میں بڑے بڑے جہازوں کی حیثیت تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی اس میں موافق ہوائیں چلا کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان

کشتیوں اور جہازوں کو کون چلاتا ہے؟ اگر اللہ کی طرف سے یہ سہولتیں نہ ہوتیں تو انسان سمندر کے ذریعہ سامان تجارت ادھر ادھر کیسے لے جاسکتا تھا اور وہ نفع اور فائدے کیسے حاصل کرسکتا تھا جس پر قوموں کی زندگی کا دارومدار ہے۔ فرمایا کہ انسان اگر اس پر ذرا بھی دیانت داری سے غور کرے تو اس کا دل پکار اٹھے گا کہ یہ سب کچھ اس اللہ کا کرم ہے جس کے ہاتھ میں کائنات کی ہر قوت و طاقت ہے۔ فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی سمندر کی بپھری ہوئی موجوں میں گھر جاتا ہے اور اس کو اس طوفان بلاخیز سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تب وہ اپنے بتوں کو بھول کر صرف اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ اور پھر اللہ ہی اس طوفان سے نجات عطا فرماتا ہے۔ لیکن جب وہی انسان خشکی پر آجاتا ہے تو اللہ کو بھول کر پھر ''غیر اللہ'' سے اپنی امیدیں باندھ لیتا ہے اور شرک کرنے لگتا ہے۔ فرمایا یاد رکھو خشکی ہو یا تری، فضا ہو یا ہوا ہر جگہ اسی ایک اللہ کی حکمرانی اور طاقت و قوت ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی کوئی قوت و طاقت نہیں ہے۔ فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو ناشکرے انسان کو بڑی سے بڑی سزا دے سکتا ہے۔ وہ زمین کے اندر دھنسا سکتا ہے۔ کوئی آفت بھیج سکتا ہے۔ ایسی آندھی اور تیز ہوائیں بھیج سکتا ہے جس سے کنکر اور پتھر برسنے شروع ہو جائیں۔ پانی کے طوفان، زلزلوں اور آفتوں سے انسان کے بنائے ہوئے پورے نظام کو درہم برہم کرسکتا ہے۔ اگر وہ کسی عذاب یا مصیبت کو بھیجنا چاہے تو اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ تو اس اللہ کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ہر بات پر اسی وقت گرفت نہیں کرتا بلکہ سنبھلنے، سوچنے اور صحیح فیصلہ کرنے کا موقع دیتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جب انسان اللہ کی نافرمانیوں اور ناشکریوں کی حد کر دیتا ہے تب اللہ کا قہر لمحوں میں سب کچھ تباہ و برباد کر دیتا ہے اور انسان کی ساری تدبیریں مٹی کا ڈھیر ثابت ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے ہزاروں نعمتوں سے نوازا ہے اس پر اسے اس اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ اگر اس نے ناشکری کی روش اختیار کی تو اللہ اس سے نعمتوں کو چھین کر اس پر طرح طرح کے عذاب بھیج سکتا ہے۔ انسان کو اس سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اللہ ایک مصیبت سے نکال کر دوسری مرتبہ اسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرسکتا۔ وہی سمندر جس میں ایک شخص اللہ سے دعائیں مانگ کر طوفان سے بچ کر خشکی پر آجاتا ہے وہ ان کی موجوں کو اس پر چڑھا کر یا اس کو سمندر میں دوبارہ لیجا کر اس کی ناشکری کی سزا دے سکتا ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں دوسروں کا محتاج نہیں ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے فیصلے کرتا ہے اور وہ اپنے فیصلوں کے لئے کسی کو جوابدہ بھی نہیں ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۰

اور البتہ یقیناً ہم نے آدمؑ کی اولاد کو عزت بخشی ہے اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کی ہیں۔ اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا ہے اور اپنی بہت سی مخلوق پر بڑی فضیلت عطا کی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۰

كَرَّمْنَا ہم نے عزت بخشی۔

حَمَلْنَا ہم نے سوار کیا۔

اَلْبَرُّ خشکی۔ زمین۔

اَلْبَحْرُ تری۔ سمندر۔

اَلطَّيِّبٰتُ پاکیزہ چیزیں۔

فَضَّلْنَا ہم نے فضیلت دی۔

تَفْضِيْلٌ بڑائی دینا۔ بڑائی۔ فضیلت۔

تشریح: آیت نمبر ۷۰

اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی چار عظمتوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) حضرت آدمؑ کی اولاد کو عزت عطا کی۔ (۲) خشکی اور تری میں سوار کیا۔ (۳) اس کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔ (۴) اور دنیا کی بہت سی مخلوقات پر اس کو فوقیت عطا فرمائی۔ اسی طرح قرآن کریم میں انسان کی تین اہم کمزوریوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (۱) انسان بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (۲) وہ جلد باز ہے اور ہر چیز کا نتیجہ فوری طور پر حاصل کرنے کے لئے بے چین رہتا ہے۔ (۳) نعمت مل جاتی ہے تو فخر و غرور کرنے لگتا ہے اور ذرا سے حالات ناموافق ہوتے ہیں تو مایوس ہو جاتا ہے۔

انسان کی ان خصوصیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے جہاں اس کو بہت سی عظمتیں نصیب فرمائی ہیں اور وہ خشکی اور تری کو روندنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہیں اس میں بہت کچھ بنیادی کمزوریاں بھی ہیں جن کے سامنے وہ ڈھیر ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ مایوس

ہو کر کفر و شرک تک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان دونوں طرح کی صلاحیتوں کا ذکر کرنے کے بعد اس کا علاج بھی بتا دیا ہے کہ انسان اگر اس کائنات میں اور آخرت میں عزت و عظمت کا اعلیٰ مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنی بنیادی کمزوریوں پر قابو پانا ہوگا۔ اگر اس نے اپنی جلد بازی میں اپنے آپ کو بے جا خواہشات کے نیچے دبا لیا تو وہ دنیا اور آخرت میں ناکام ہو جائے گا اور اگر اس نے "تزکیہ" کر لیا یعنی زندگی کی بری خواہشات سے اپنے دامن کو بچا کر اپنے نفس کی اصلاح کر لی تو پھر دنیا کی اور آخرت کی کامیابیاں اس کے قدم چومیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو عقل و شعور، فہم و فراست، رشد و ہدایت کی روشنی دی اس کے سر پر خلافت کا تاج رکھ کر اس پر بر و بحر اور اپنی بہت سی مخلوقات پر شرف و عظمت عطا فرمائی جو کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ انسان اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر خشکی اور تری میں دوڑتا پھرتا ہے۔ زمین کی گہرائیوں، سمندر کی پنہائیوں، پہاڑوں کی بلندیوں، فضاؤں اور ہواؤں کی طاقت کو اپنے تابع کر کے ان پر حکمرانی کرتا ہے اور علم و تحقیق، سائنس اور نئی نئی ٹیکنالوجی کے ذریعہ حیرت ناک چیزیں ایجاد کر رہا ہے۔ وہ ہزاروں تصورات اور خیالات جو آج سے سو دو سو سال پہلے قصے کہانیوں سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے ان کو حقیقت کا روپ دے کر دنیا کو حیرت و تعجب میں ڈال رہا ہے اور ناممکن چیزوں کو ممکن بنا رہا ہے۔ ٹیلیفون، ٹیلیویژن، ریڈیو، ہوائی جہاز، کاریں، ریلیں اور ہزاروں مشینیں ایجاد کر رہا ہے۔ اور اب موجودہ دور میں کمپیوٹر کی ایجاد نے تو ساری دنیا کے انداز فکر، علم و تحقیق اور معلومات کے ذریعہ دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے۔ دنیا کو اس قدر مختصر کر دیا ہے کہ ہزاروں میل پر بیٹھ کر نہ صرف ایک دوسرے کی آواز، صورت شکل اور حرکات و سکنات کو دیکھ سکتا ہے بلکہ اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ انسان علم و تحقیق کے ذریعہ ہر روز ایک نئی چیز ایجاد کر رہا ہے۔ نجانے بیس پچیس سال میں دنیا کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گی۔ اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ راحت و سکون کے ایسے ایسے اسباب اور وسائل ایجاد کر لئے گئے ہیں جن کا تصور آج سے پہلے ناممکن تھا دنیا میں روشنی اور چکا چوند اتنی بڑھ چکی ہے کہ اندھیروں کا تصور ماند پڑ رہا ہے۔ لیکن اتنی ترقیات اور روشنی کے باوجود انسان کا قلب بے نور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے دل میں بداخلاقی کے اندھیروں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ ترقیات نے انسان کو بہت سی سہولتیں دیدی ہیں مگر اس کے دل کا سکون لٹ گیا ہے۔ اس کا گھریلو ماحول اس سے چھن گیا ہے۔ اس دور کا انسان جتنا دکھی ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ بموں، میزائلوں کی ایجاد نے انسان کو بارود کے ڈھیر پر لا بٹھایا ہے۔ نجانے کب کون طاقت کے نشے میں چور ایک بٹن دبا کر اس بارود کے ڈھیر میں آگ لگا دے گا اور دنیا کی ساری ترقیات اور انسان راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جائیں گے۔

اس موقع پر قرآن حکیم نے ہماری پوری طرح رہنمائی فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ انسان کی کامیابی اور سکون قلب ان اسباب، ذرائع، وسائل اور ایجادات میں نہیں ہے بلکہ اللہ کی یاد اور ہر آن اسی ذات کا احترام انسان کو سکون کی دولت سے مالا مال کر سکتا ہے۔ محض یہ اسباب سکون نہیں دے سکتے۔ اگر موجودہ دور کا انسان ان ترقیات کے ساتھ اللہ کے بھیجے ہوئے دین اور رسول

اللہ ﷺ کو اپنا رہبر و رہنما بنالے تو یہ ترقیات انسانوں کے کام آئیں گی لیکن اگر اللہ کے دین کو نظر انداز کیا گیا تو پھر دنیا کبھی سکون نہ پا سکے گی۔ سائے تو بڑھ جائیں گے لیکن انسان گھٹتے چلے جائیں گے۔

تاریخ کے حوالے سے میں یہ بات عرض کروں گا کہ جب تک دنیا کی باگ ڈور اور علمی ترقیات مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہیں اس وقت تک انسان اس قدر ہوس اور دولت پرستی کی بیماری میں مبتلا نہ ہوا تھا لیکن اٹھارھویں صدی عیسوی میں جب دنیا میں ترقی کا آغاز انقلاب فرانس سے ہوا اور اقتدار اور قوت کی باگ ڈور عیسائیوں اور یہودیوں ہندوؤں کے ہاتھوں میں آئی ہے اس وقت سے دنیا ظلم سے بھر گئی ہے۔ اگر مسلمان غفلت میں مبتلا نہ ہوتے تو دنیا میں ظلم و جبر کا یہ نظام قائم نہ ہوتا، یہ ہماری غلطیوں اور غفلتوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ آج بھی اگر دنیا کو ترقیات کے ساتھ امن و سکون نصیب ہوگا تو وہ صرف دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ اہل ایمان کے ذریعہ ہوگا کیونکہ اب قیامت تک دنیا پر حکمرانی کا حق امت محمدی کا ہے۔ اگر اہل ایمان بیدار نہ ہوئے تو دنیا کی موجودہ ترقیات انسانوں کو نگل جائیں گی اور یہ دنیا تباہ و برباد ہوکر عبرت کا نشان بن جائے گی۔

يَوْمَ نَدْعُوْا

كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾

ع ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۷

یاد کرو جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے۔ پس جس کو اس کی کتاب (اعمال نامہ) اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گی تو وہ لوگ اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے اور ان پر دھاگے برابر ظلم نہ ہوگا۔ اور جو کوئی (اس دنیا میں) اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ اور بھی زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا۔ اور یہ لوگ آپ کو اس چیز سے جو ہم نے وحی کی ہے ہٹانے کی کوشش میں تھے۔ تا کہ آپ اس حکم کے سوا ہماری طرف غلط چیز کی نسبت کر دیں۔ ایسی حالت میں یہ آپ کو خالص دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف مائل ہو سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو اس دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں دوہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کسی کو (اپنا) مددگار نہ پاتے۔ اور یہ آپ کے قدم اکھاڑنا چاہتے ہیں تا کہ آپ کو (مکہ سے) باہر نکال دیں۔ اگر ایسا ہوا تو آپ کے بعد یہ بھی بہت عرصے تک نہ رہ سکیں گے۔ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے ہیں ان کے ساتھ ہماری یہی سنت (قانون) رہا ہے۔ اور آپ ہمارے قانون (سنت) میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۱ تا ۷۷

اُوْتِیَ — دیا گیا۔

یَمِیْنٌ — داھنا ہاتھ۔

فَتِیْلٌ — دھاگہ۔ ذرہ برابر۔

اَعْمٰی — اندھا۔ نابینا۔

ثَبَّتْنَا — ہم نے ثابت قدم رکھا۔

ضِعْفٌ — دوگنا۔ دوہرا

سُنَّةٌ — طریقہ۔ قانون الٰہی۔

تَحْوِیْلٌ — تحویل کا معنی صرف تبدیل ہے۔

تشریح: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۷

اصل میں جس شخص کو ایمان قبول کر کے راہ حق پر چلنا ہے اس کو نہ تو معجزات، کرامات اور ادھر ادھر کی باتوں سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ معمولی باتوں سے اس کے قدم ڈگمگاتے ہیں بلکہ اس نے جس سچائی کو قبول کر لیا ہے اس پر عمل کرنے کو سعادت سمجھتا ہے لیکن جس کو صرف باتیں بنانا ہیں اور اس کو آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوتی اس کو سوائے اعتراضات کرنے کے دوسرا کام نہیں ہوتا۔ چنانچہ کفار مکہ کبھی تو کہتے کہ اے محمدؐ! دراصل ہم آپ کے پاس آکر آپ کی بہت سی باتیں سننا چاہتے ہیں لیکن چند باتیں ایسی ہیں جو ہمارے قدموں کو روک لیتی ہیں مثلاً آپ کے پاس معاشرہ کے نچلے طبقے کے غریب و نادار لوگ یا غلام بیٹھے رہتے ہیں ہم ان کے برابر بیٹھنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے نکال دیں تو ہم آپ کے پاس آکر آپ کی باتیں سن سکتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ آپ جس قرآن کو پڑھتے ہیں اس میں ہمارے رسم و رواج اور ہمارے معبودوں کی برائی ہوتی ہے یا تو آپ ان کو قرآن سے نکال دیں یا ان کی اصلاح کر دیں یا جس طرح آپ حجر اسود کو ہاتھ لگاتے ہیں ہمارے بتوں کو بھی کبھی ہاتھ لگا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم مل جل کر اتحاد و اتفاق کی کوئی راہ نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبیؐ! یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے آپ کو ثابت قدم رکھا ورنہ ان کفار نے تو آپ کو راہ حق سے بھٹکانے کا پوری طرح انتظام کر لیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر آپ نے ان کی باتوں پر دھیان دیا ہوتا تو یہ آپ کی محبت کا دم بھرنے لگتے اور آپ کو اپنا پکا دوست بنا لیتے لیکن اس وقت آپ اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتے اور یہ ایک ایسا ناقابل معافی جرم بن جاتا کہ اس پر آپ کو دنیا اور آخرت میں دگنا عذاب دیا جا سکتا تھا لیکن اللہ نے ان کفار کے مقابلے میں آپ کو ثابت قدم رکھا اور اسی نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

ان کفار کی سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ہو سکتا ہے یہ کفار اس حد تک چلے جائیں کہ جب آپ ان کے مطالبات کو تسلیم نہ کریں تو آپ کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کی تدابیر کریں۔ اے نبیؐ! آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ شروع ہی سے اللہ کا یہ قانون رہا ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی کہ جب بھی کوئی قوم اللہ کے نبی کو نکال دیتی ہے تو وہ قوم بھی بہت عرصہ تک اپنی جگہ چین اور اطمینان سے نہیں رہ سکتی یعنی اس بستی پر اللہ کا عذاب آکر رہتا ہے۔ لہٰذا اگر کفار مکہ نے ایسا کیا تو یہ خود بھی بہت عرصہ تک اس سرزمین پر نہ رہ سکیں گے اور ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن جائے گی۔ فرمایا ان لوگوں کو اپنی آخرت کی فکر کرنا چاہیے جب ہر شخص اپنے نامہ اعمال کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوگا۔ کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ ہوگا۔ جس کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا وہ تو بہت خوش ہوگا اور دوسروں کو بھی دکھائے گا لیکن جس کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پہنچے گا وہ نہایت شرمندہ اور ذلیل و رسوا ہو کر رہ جائے گا۔

انسانوں کے نامہ اعمال کس طرح ان کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اس کی تفصیل معتبر احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ جب لوگوں کو میدان حشر میں جمع کرلیا جائے گا تو تمام لوگوں کے اعمال نامے عرش الٰہی کے نیچے جمع کئے جائیں گے۔ پھر ایک ایسی ہوا چلے گی کہ وہ اعمال نامے اڑاڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے یہ ایک محسوس علامت ہوگی کہ آئندہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے چنانچہ جو لوگ صاحب ایمان ہوں گے ان کے داہنے ہاتھ میں اور جو کفار ہوں گے ان کے بائیں ہاتھ میں ان کے اعمال نامے پہنچ جائیں گے۔

ان آیات سے چند اصولی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) جتنے بھی اولین و آخرین انسان ہیں وہ سب کے سب ایک ایسے میدان میں جمع ہوں گے جس کو میدان حشر یا انصاف کا دن قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اس دن کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا بلکہ اس نے جیسے اعمال کئے ہوں گے اس کو اچھی یا بری جزا دی جائے گی۔

(۲) جو حق وصداقت کی روشنی سے دنیا میں محروم رہا اور وہ حق دیکھتے ہوئے بھی اس سے اندھا بنا رہا قیامت میں بھی اندھا ہی رہے گا یعنی یہ شخص آخرت میں بھی ہر خیر اور بھلائی کے دیکھنے سے محروم رہے گا جو بڑی بدقسمتی ہوگی۔

(۳) فرمایا کہ اے نبیؐ! یہ لوگ آپ کو وحی الٰہی سے ہٹانے کی فکر میں تھے تا کہ آپ اس حکم کے سوا ہماری طرف بعض غلط چیزوں کو منسوب کردیں اور وہ آپ کو دوست بھی بنا لیتے۔ ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ مائل ہو جاتے اور غریبوں کو اپنی محفل سے نکال دیتے لیکن اللہ نے آپ کو ثابت قدم رکھا اور وہ کفار اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی وساطت سے ساری امت کو یہ بات بتادی کہ اگر وہ کفار کے جھانسے اور چال میں آ کر کوئی ایسا قدم اٹھائیں گے جس سے اللہ کے دین کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس پر اللہ کی طرف سے دوگنا عذاب اور دنیا و آخرت کی ذلت ورسوائی مسلط کردی جائے گی۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی اس سازش کو کھول کر اپنا قانون ارشاد فرما دیا۔ فرمایا کہ اے نبیؐ! وہ لوگ جو آپ کی دشمنی میں حد سے آگے بڑھ رہے ہیں اس بات کو یاد رکھیں کہ اللہ کا یہ قانون اور دستور ہے کہ جب بھی کسی بستی سے اللہ کے نبی کو نکالا گیا تو پھر اس بستی کے لوگ بھی زیادہ عرصہ تک اپنی جگہ نہ ٹھہر سکے۔

فرمایا کہ اگر مکہ والوں نے ایسا کیا تو پھر وہ خود بھی اس سرزمین پر نہ رہ سکیں گے اور اللہ کا وہ قانون نافذ ہو کر رہے گا جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی اور مکہ والوں کو ہر طرح کی ذلت ورسوائی سے واسطہ پڑ کر رہے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مکہ والے شدید مشکلات میں گرفتار ہو گئے۔ ان پر اتنا شدید قحط پڑا کہ وہ کتے، بلیاں اور پتے تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ پھر اللہ نے نبی کریم ﷺ کی دعا سے اس عذاب کو دور فرمایا۔

اس موقع پر یہ عرض کروں گا کہ کفار مکہ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ آپ اور آپ کے صحابہ مکہ سے نکل جائیں۔ ان کے لئے مکہ کی سرزمین کو تنگ کر دیا گیا تھا لیکن انہوں نے سازشوں کے باوجود آپ کو نکالا نہیں تھا بلکہ اللہ کے حکم سے آپ نے ہجرت فرمائی تھی اسی لئے ان پر وہ عذاب نہیں آیا جو پہلی قوموں پر آیا تھا لیکن قحط اور بلاؤں میں گرفتار ہونا یہ بھی ایک عذاب ہی تھا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ
الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ
مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ
رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ
اَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾
وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا
يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ
وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ
عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾

ع ۹ / ۷ / ۹

ترجمہ: آیت نمبر ۷۸ تا ۸۴

سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجئے۔ اور فجر کے قرآن کا اہتمام کیجئے بے شک صبح کا قرآن (پڑھنے میں) فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور رات کے کچھ حصہ میں تلاوت قرآن کے ساتھ بیدار رہیں یہ آپکے لئے زائد (عبادت) ہے قریب ہے کہ شاید آپ کا

پروردگار آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔ اور کہئے کہ میرے پروردگار مجھے جہاں بھی لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور مجھے جہاں سے بھی نکالے حق کے (ساتھ نکالئے گا) اور مجھے مدد دینے والا غلبہ عطا فرما۔ اور (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ حق آ گیا باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے کے لئے ہی ہے۔ ہم قرآن کو نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں سوائے خسارے کے کچھ بھی اضافہ (نہیں) ہوگا۔ اور جب ہم انسان کو نعمت دیتے ہیں تو وہ اپنے منہ کو اور پہلو کو پھیر لیتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک اپنے طریقے پر کام کرتا ہے۔ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح راستے پر ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۸ تا ۸۴

دُلُوۡکٌ	ڈھلنا۔ زوال۔
غَسَقٌ	اندھیرا۔
تَهَجَّدُ	بیدار رہے۔
زَهَقَ	مٹ گیا۔
اَنۡعَمۡنَا	ہم نے انعام کیا۔
اَعۡرَضَ	منہ پھیر لیا۔ اعراض کیا۔
نَاٰ	پہلو پھیر لیا۔
شَاكِلَةٌ	طریقہ۔
اَهۡدٰی	زیادہ صحیح راستہ۔

تشریح: آیت نمبر ۷۸ تا ۸۴

ان آیات میں جو مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں ان کو سمجھنے کے لئے اس اصول کو سامنے رکھنا ضروری ہے کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب زندگی ہے جس کے اصول، انوارات اور طریقے کامل و مکمل ہیں لیکن اللہ کی مراد اور انوارات اس وقت تک کھل کر سامنے نہیں آسکتے جب تک نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ یعنی احادیث رسول ﷺ کو سامنے نہ رکھا جائے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم ہمارے لئے کافی ہے ہم خود اس کو سمجھ لیں گے ہمیں احادیث رسول کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو اس سے زیادہ غلط اور نا مناسب بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ نہ تو ہم اہل زبان ہیں اور نہ ہمارے سامنے نبی کریم ﷺ کے ارشادات گرامی ہیں تو ہم محض لغت کو سامنے رکھ کر اس حقیقت تک کیسے پہنچ سکتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو بھیجا اور آپ نے تیئیس سال میں ہر آیت کی تشریح اور وضاحت کر کے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا حصہ بنا دیا تھا جس نے ان صحابہ کرامؓ کو آسمان نبوت کے جگمگاتے چاند، سورج اور ستارے بنا دیا تھا اگر یہ بات صحابہ کرامؓ کہتے تو یہ ان کا مقام بھی تھا کیونکہ عربی زبان ان کی مادری زبان تھی بلکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہ کر وہ سب کچھ سیکھ لیا تھا جو اللہ ان کو سکھانا چاہتا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور عمل کو دیکھنے والے لاکھوں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ تھے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی ایک ایک بات اور عمل کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ نیز یہ بات بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ عربی زبان دنیا کی سب سے وسیع ترین زبان ہے جس کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ اگر آج ہم نے لغت کے سہارے کسی ایک لفظ کے ایک معنی کر دیئے تو کل کوئی دوسرا شخص اٹھ کر دوسرے معنی کر دے گا اور اس طرح ایک ایسا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا کہ قرآن کریم کا مفہوم ہی کہیں سے کہیں تک پہنچ جائے گا۔

ایسا لگتا ہے کہ منکرین حدیث کا بنیادی مقصد نظام قرآن کو بتانا نہیں ہے بلکہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل نے جو ہمیں نظام زندگی دیا ہے اس کو نہایت چالاکی سے تباہ و برباد کر دینا چاہتے ہیں اور جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند باتیں عرض ہیں جن کو نہایت توجہ اور احتیاط سے سننے کی ضرورت ہے، اور وہ یہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت تعمیر کی گئی ہے لیکن قرآن کریم میں ان اصولوں کی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں نماز قائم کرنے کا حکم ایک جگہ نہیں بلکہ لاتعداد مقامات پر دیا گیا ہے۔ رکوع، سجدہ، تلاوت اور تسبیحات وغیرہ کا حکم ہے مگر کسی جگہ بھی یہ لفظ موجود نہیں ہے کہ نمازیں پانچ وقت پڑھی جائیں، ظہر، عصر، عشاء میں چار چار رکعات مغرب میں تین فجر

میں دو جمعہ میں دو وغیرہ یہ سب باتیں ہمیں نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل اور حکم سے سکھائی ہیں جس پر پوری امت کا مسلسل عمل موجود ہے جس کے ہر زمانے میں کروڑوں مسلمان گواہ رہے ہیں اور ہیں۔ اور ساری دنیا میں چند فقہی اختلافات کے باوجود بنیادی اختلافات کہیں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

ترجمہ: **اے نبیؐ! سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجئے اور فجر کے قرآن (نماز فجر) کا اہتمام کیجئے۔ کیونکہ فجر کے وقت (فرشتوں کی) حاضری کا وقت ہوتا ہے۔ "دلوک" کے معنی جھک جانا، مائل ہو جانا ہے جس سے مراد زوال آفتاب ہے کیونکہ اس وقت سورج زوال کی طرف جاتا اور ڈھل جاتا ہے۔ اسی طرح فجر کے قرآن یعنی نماز فجر کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے۔ امت کے تمام علماء، فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت میں پانچ وقت کی نمازوں کا حکم دیا گیا ہے، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر**

اسی بات کو سورۃ ہود میں اس طرح فرمایا گیا ہے

ترجمہ: **نماز قائم کیجئے دن کے دونوں کناروں پر (یعنی فجر اور مغرب) اور کچھ رات گذرنے پر (یعنی عشاء)**

اسی طرح فرمایا گیا

ترجمہ: **اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے (نماز فجر) اور غروب آفتاب سے پہلے (نماز عصر) اور رات کے اوقات میں پھر تسبیح کیجئے (نماز عشاء) اور ان کے دونوں سروں پر (فجر، ظہر، مغرب)**

اللہ تعالیٰ نے سورہ روم میں فرمایا ہے

ترجمہ: **اللہ کی تسبیح کیجئے جب کہ تم شام کرتے ہو (مغرب) اور جب صبح کرتے ہو (فجر) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد و ثنا ہے۔ اور دن کے آخری حصے میں (نماز عصر) اور جب تم دوپہر (ظہر) کرتے ہو (روم آیت نمبر 17، 18)**

ان آیات سے رات دن میں پانچ نمازوں کے احکامات ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تہجد کی نماز آپ پر فرض تھی لیکن امت کے لئے سنت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں پانچ نمازوں کا ذکر موجود ہے مگر ان کو کب، کیسے پڑھا جائے گا اس کو نبی کریم ﷺ ہی اللہ کے حکم سے متعین کر کے بتا سکتے تھے۔ کیونکہ ان نمازوں کی ترتیب اور اوقات اللہ نے حضرت جبرئیل کے واسطے سے نبی کریم ﷺ کو بتائے ہیں چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

جبرئیل نے مجھے دو مرتبہ بیت اللہ شریف کے قریب نماز پڑھائی (۱) ظہر کی نماز ایسے وقت میں پڑھائی جب کہ سورج ڈھل چکا تھا اور سایہ ایک جوتی کے تسمے سے زیادہ نہ تھا۔ (۲) پھر عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے اپنے قد کے برابر تھا۔ (۳) پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ (۴) پھر عشاء کی نماز شفق غائب ہوتے ہی پڑھائی۔ (۵) اور فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔

(١) دوسرے دن انہوں نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر تھا۔ (٢) اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد سے دوگنا ہو گیا۔ (٣) اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ (٤) اور عشاء کی نماز ایک تہائی رات گذر جانے پر۔ (٥) اور فجر کی نماز اچھی طرح روشنی پھیلنے پر پڑھائی۔ پھر جبرائیل نے پلٹ کر عرض کیا اے محمدؐ! یہی وہ اوقات ہیں جن پر انبیاء کرامؑ نے نمازیں پڑھی ہیں۔ اور نمازوں کے اوقات ان دونوں وقفوں کے درمیان میں ہیں (یعنی پہلے دن ہر نماز کا ابتدائی وقت اور دوسرے دن ان نمازوں کے انتہائی اوقات بتائے گئے ہیں)

قرآن کریم کے احکامات کی تشریح جس طرح حضور اکرم ﷺ کے عمل اور احادیث سے ثابت ہے اب قیامت تک ان پر ہی عمل کیا جائے گا۔ اس میں تبدیلی کا اختیار نہ کسی کو دیا ہے اور نہ کبھی کسی کو اس کا اختیار دیا جا سکتا ہے۔

جس طرح میں نے نماز کے متعلق تفصیل عرض کی ہے اسی طرح اسلام کے دوسرے ارکان کی تشریح بھی نبی کریم ﷺ نے جس طرح ارشاد فرمادی اس پر اسی طرح سے عمل کیا جائے گا۔

پانچوں نمازوں اور تہجد کا ذکر کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ کے شدید ترین حالات میں جہاں یہ بتا دیا گیا کہ اس تنگ اور مصیبت کے وقت میں اللہ کی عبادت و بندگی ہی سکون قلب کا ذریعہ ہے وہیں ہجرت مدینہ، باطل کے مٹ جانے، مقام محمود پر فائز کرنے کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ قرآن کریم جہاں اہل ایمان کے لئے شفا اور رحمت ہے وہیں کفار و منکرین کے ضد اور ہٹ دھرمی میں اضافے کا بھی سبب ہے۔ اس سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی اس پر مشکل وقت آپڑتا ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ یہ تو انسان کی فطرت ہے کہ جب اس پر انعام و کرم کی بارش کی جاتی ہے تو وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اس کو بدحالی سے خوش حالی نصیب فرمائی۔ اور وہ شکر ادا کرنے کے بجائے بے نیازی کے طریقے اپنا کر منہ پھیر کر چلتا ہے اور جب اسی پر مصائب اور مشکلات کا ہجوم ہوتا ہے تو وہ مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ اپنا مشن اور مقصد جاری رکھئے اللہ تعالیٰ آپ کو نہ صرف اس دنیا میں عزت و آبرو کا مقام عطا فرمائے گا اور باطل کو مٹا کر حق کو قائم کر دے گا بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقام محمود پر فائز فرمادے گا جہاں آپ اپنی پوری امت کی سفارش شفاعت فرمائیں گے۔ دنیا کی بھلائی اور خیر بھی آپ کی ہے اور آخرت کی عزت و عظمت بھی آپ ہی کی غلام ہے۔

روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو قیامت کے دن گیارہ چیزیں بطور خاص عطا فرمائیں گے۔

(١) سب سے پہلے نبی کریم ﷺ اپنے روضہ مبارک (قبر مبارک) سے بیدار ہوں گے۔

(٢) میدان حشر میں جہاں کوئی سوار نہ ہوگا اس دن نبی کریم ﷺ سواری پر سوار ہوں گے۔

(٣) آپ کے دست مبارک میں ''لواء حمد'' ہوگا جس جھنڈے کے نیچے سارے انبیاء اور رسول ہوں گے۔

(۴) آپ کو وہ حوض کوثر عطا فرمایا جائے گا (جس کا پانی پی کر پھر کسی کو پیاس نہ لگے گی)

(۵) مقام محمود پر آپ ساری امت کی شفاعت فرمائیں گے جس کو شفاعت کبریٰ کہا گیا ہے۔

(۶) ساری امتوں سے پہلے آپ کی امت کا فیصلہ ہوگا۔

(۷) پل صراط پر بھی آپ سب سے پہلے گذر جائیں گے اور اس کو طے فرمائیں گے۔

(۸) سب سے پہلے جنت میں نبی کریم ﷺ داخل ہوں گے۔

(۹) مقام وسیلہ جو اللہ کی خاص رحمتوں والی جنت ہے وہ آپ کو عطا کیا جائے گا۔

(۱۰) سب امتوں سے پہلے آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی۔

(۱۱) وہ اہل ایمان جن کے لئے جہنم کا فیصلہ کرلیا گیا ہوگا آپ کی سفارش وشفاعت پر ان کو جہنم سے نجات مل جائے گی (تفسیر ابن کثیر)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ
قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵

ترجمہ: آیت نمبر ۸۵

(اے نبی ﷺ) وہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح آپ کے رب کا ایک حکم ہے۔ اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۵

يَسْـَٔلُوْنَ وہ پوچھتے ہیں۔ سوال کرتے ہیں۔

اَمْرٌ حکم۔

مَآ اُوْتِيْتُمْ تمہیں نہیں دیا گیا۔

قَلِيْلٌ تھوڑا

تشریح: آیت نمبر ۸۵

قرآن کریم فلسفہ اور منطق کی کتاب نہیں ہے جس میں ذرا ذرا سی باتوں پر طویل بحثیں کی جائیں بلکہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب زندگی ہے جو انسان کو فلسفیانہ انداز فکر سے ہٹا کر عمل کی راہوں پر گامزن کرتی ہے۔ درحقیقت عمل ہی سے انسان کی زندگی جنت یا جہنم بنتی ہے۔ وہ لوگ جو پوری زندگی صرف اسی میں لگے رہتے ہیں کہ یہ کیا ہے وہ کیا ہے؟ روح کیا ہے؟ امر کیا ہے اور عمل پر آمادہ نہیں ہوتے ایسے لوگ فلسفے کے بیمار تو لگتے ہیں لیکن ان کی زندگیاں عمل سے دور رہتی ہیں اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے اور وہ سوچتے سوچتے ہی اس دنیا سے گذر جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر کے اپنی روح کی تابانی کو بڑھاتے رہتے ہیں وہ اس دنیا میں بھی کامیاب ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب و بامراد رہیں گے۔ ایسی بحثیں اور باتیں جن کا تعلق عمل سے نہ ہو قرآن کریم ان کو کھینچ کر پھر عمل کی طرف موڑ دیتا ہے جیسے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اے نبیؐ وہ لوگ آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں (یعنی وہ کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے) اے نبیؐ! آپ کہہ دیجئے کہ وہ (چاند) لوگوں کو وقت اور حج کے متعلق بتانے کا ذریعہ ہے۔ ملاحظہ کیجئے لوگوں نے چاند کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا ہے کبھی کھجور کی شاخ کی طرح باریک ہو جاتا ہے کبھی موٹا اور کبھی غائب ہو جاتا ہے اس میں حج یا ماہ و سال کا سوال نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا رخ عمل کی طرف موڑ کر فرمایا کہ وہ چاند کیسا ہے اس کی منزلیں کیا ہیں یہ ہر شخص کے غور کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ دیکھو کہ اللہ نے چاند کو کس مقصد کے لئے بنایا ہے۔ بنی اسرائیل جن کو اللہ نے اپنی لاتعداد نعمتوں سے نوازا تھا ان کی بے عملی اور بربادی کا سبب یہ بھی تھا کہ وہ بے تکے سوالات اور بحثوں میں الجھے رہتے تھے۔ طرح طرح کے سوالات کرنا، بات بات پر جھگڑنا ان کا مزاج بن چکا تھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ زندگی بھر سوالات ہی کرتے رہے اور جب عمل کا وقت آتا تو وہ بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے آپ کے فیض تربیت سے یہ بات سیکھ لی تھی کہ بے تکے سوالات کرنا اپنی زندگی کو برباد کرنا ہے چنانچہ تمام امتوں میں سب سے کم سوالات نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے نقل کئے گئے ہیں کیونکہ جو کام کرتا ہے عمل کرتا ہے اس کو سوال کرنے کی فرصت کہاں ہوتی ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت یہود و نصاریٰ نے آپ کی مخالفت اور دشمنی کی انتہا کر دی تھی اور ہر وقت اس سازش میں لگے رہتے تھے کہ کس طرح اہل ایمان کو بھی بے عملی کی راہوں پر ڈال دیں چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ تھا کچھ شریر قسم کے یہودیوں نے آپ کو روک کر پوچھا کہ اے محمدؐ! یہ روح کیا چیز ہے؟ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ اس پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی اس کیفیت کو محسوس کیا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے چنانچہ آپ نے ان یہودیوں کے سامنے اس آیت کو پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبیؐ! یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح امر رب ہے اور تمہیں بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ اس آیت میں ان

یہودیوں کی شرارت اور سوال کا رخ کس طرح دوسری طرف پھیر دیا کہ انسان کو بہت کم علم دیا گیا ہے یعنی وہ صرف اسی بات کو سمجھ سکتا ہے جو اس کے احاطہ علم میں آسکتا ہے لیکن جو اس کے بس سے باہر ہے وہ اس کو کیسے سمجھ سکتا ہے دوسرے یہ کہ ان بحثوں میں پڑنے سے کیا فائدہ جس کا تعلق عمل سے نہ ہو۔ اس گتھی کو سلجھانے میں پوری زندگی گذارنے سے بہتر ہے کہ اپنی کم علمی اور جہالت کا اعتراف کر کے حقیقت کو تسلیم کرلیا جائے۔

میں اس موقع پر اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی علم و تحقیق کا تعلق اس سے ہوتا کہ کسی گتھی کو سلجھانے میں غور وفکر کیا جائے کوئی عمل کی بہتر راہ میسر آسکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسی بحثیں چھیڑنا جو صرف کام ودھن کی لذت کے لئے ہوں وہ بری راہیں ہیں لیکن اگر علم و تحقیق کے لئے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا چاہئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آجکل کچھ لوگوں کا مشغلہ یہ ہے کہ ان کا زور خطابت صرف اس پر ختم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نور تھے یا بشر؟ عالم الغیب تھے یا نہیں؟ مردے ہماری بات اور فریاد کو سنتے ہیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ؟ غور کیجئے کیا حضور اکرم ﷺ اسی لئے تشریف لائے تھے کہ ان کی سیرت پاک ان کی مبارک زندگی جو ساری کائنات کے لئے قیامت تک کیلئے نمونہ عمل ہے اور نمونہ زندگی ہے اس کو تو نظر انداز کر دیا جائے اور صرف پوری زندگی اسی بحث میں گذار دی جائے کو وہ نور تھے یا بشر یہ تو یہود و نصاریٰ کا مزاج تھا جس پر چل کر وہ قوم تباہ و برباد ہوگئی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یہودیوں نے آپ سے روح کے متعلق سوال کیا تو اتنا فرمایا گیا کہ روح امر رب ہے یعنی اللہ کی مخلوق ہے لیکن عام مخلوق جیسی نہیں ہے بلکہ اس کے حکم "کن" کے نتیجہ میں یہ "امر رب" وجود میں آیا ہے چونکہ انسان کا علم بہت محدود اور قلیل ہے اس لئے صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ اللہ نے اس کو اپنے حکم سے پیدا کیا ہے اور وہی اس کی حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۶ تا ۸۹

(اے نبی ﷺ) اگر ہم چاہیں تو ہم نے آپ پر جتنی بھی وحی بھیجی ہے اس کو سلب کرلیں پھر ہمارے مقابلے میں آپ کسی کو حمایتی بھی نہ پائیں گے۔ سوائے اس کے کہ آپ کا رب (آپ پر) رحمت فرمادے۔ بے شک آپ کے اوپر اس کا بہت بڑا فضل وکرم ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات مل کر بھی اس قرآن جیسا لے کر آنا چاہیں تو وہ اس جیسا نہ لاسکیں گے۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔ یقینا ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی (مثالوں) سے سمجھایا ہے مگر اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۶ تا ۸۹

لَئِنْ — البتہ۔ اگر۔

شِئْنَا — ہم نے چاہا۔

لَنَذْهَبَنَّ — البتہ ہم چاہیں گے۔ (لے جائیں گے)۔

اَوْحَيْنَا — ہم نے وحی کی۔

كَبِيْرٌ — بڑا

اِجْتَمَعَتْ — جمع ہوگئی۔

اَنْ يَّاْتُوْا — یہ کہ وہ لے آئیں۔

لَايَاْتُوْنَ — وہ لا نہ سکیں گے۔

ظَهِيْرٌ — مددگار۔

اَبٰى — انکار کردیا۔

تشریح: آیت نمبر ٨٦ تا ٨٩

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے قرآن جیسی کتاب وحی کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر نازل فرمائی جس میں تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ موجود ہے۔ اس کتاب ہدایت پر عمل کرنے سے ایک نئی روحانی اور دنیاوی زندگی حاصل کرنا انسانی سعادت ہے۔ لیکن انسان کی یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے اس کے انکار پر جم کر بیٹھ جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ان دشمنان اسلام سے فرمایا جارہا ہے جنہوں نے قرآن کی ابدی تعلیمات سے منہ موڑ کر اور ناقدری کر کے اپنے آپ کو دنیاوی اور آخرت کی ہر بھلائی سے محروم کرلیا ہے۔ فرمایا کہ ان کی ناقدری کی وجہ سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ زندگی کی راہوں میں بھٹکنے اور کفر و شرک پر قائم رہنے والوں کو بھٹکنے کے لئے اسی طرح چھوڑ دیا جاتا اور اس قرآن کو سلب کرلیا جاتا لیکن نبی کریم ﷺ پر اللہ کا یہ خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے دنیا کو اس کتاب ہدایت سے محروم نہیں فرمایا بلکہ منکرین کی تمام تر حماقت و جہالت کے باوجود اللہ نے اس کی تعلیمات کو مکمل فرمایا۔ قرآن کریم ایک معجزہ ہے جس کے سامنے تمام دنیا کے انسان اور جنات تک اس قرآن جیسا لانے پر قدرت نہیں رکھتے۔ سامنے کی بات ہے کہ عرب کے کفار جو اپنی زبان دانی پر فخر و غرور میں ساری دنیا کو عجمی یعنی گونگا کہا کرتے تھے جب قرآن کریم نازل ہوا تو یہ سارے لوگ قرآن کے سامنے گونگے بن کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی پانچ سورتوں سورۃ بقرہ، سورۃ یونس، سورہ ہود، سورہ بنی اسرائیل اور سورہ طور میں اس بات کا چیلنج کیا ہے کہ اللہ کے سوا کائنات میں جتنے بھی لوگ ہیں یا جنات ہیں وہ سب مل کر بھی اس قرآن جیسا بنا کر نہیں لا سکتے۔ ایسی ہدایت کی قدر نہ کرنا اور ناشکری اور ناقدری کا طریقہ اختیار کرنا سوائے بدنصیبی کے اور کیا ہے۔

کفار مکہ طرح طرح کے سوالات کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ نے اس قرآن کو خود ہی گھڑ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی زبان پر ناز کرنے والے۔ جنات جن کو وہ غیبی طاقتوں کا پیکر سمجھتے تھے وہ سب مل کر بھی قرآن جیسی کتاب نہیں لا سکتے تو وہ نبی کریم ﷺ جنہوں نے ان کفار کے درمیان پوری زندگی گذاری ہے ہر شخص جانتا تھا کہ آپ نے کبھی کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ آپ "امی" لقب ہیں۔ پھر وہ کام جو ساری دنیا مل کر نہیں کر سکتی ایک نبی امی کیسے کر سکتے ہیں۔

حقیقتاً ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں کہ اتنی سی بات کو بھی نہیں سمجھتے اور اپنی ضد ہٹ دھرمی، فخر و غرور میں ایک سچائی کا انکار کر کے اللہ کی رحمت سے محروم ہو گئے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کی دو سب سے بڑی نعمتیں ہیں ایک تو قرآن کریم اور دوسری نعمت نبی مکرم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی۔ چونکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ فضل و کرم ہے کہ اس نے کفار و مشرکین کی مخالفت اور ناقدری کے باوجود اس قرآن کو آپ کے قلب مبارک پر جمع فرمایا اور اس کی وضاحت کے ذریعہ ساری انسانیت کو راہ ہدایت عطا فرمادی۔ اور بھٹکنے سے بچالیا۔

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ
حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝٩٠ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ
نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝٩١ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ
كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝٩٢
اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ
لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ
كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝٩٣

ع ۹ ۱۰

ترجمہ: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۳

وہ کہتے ہیں کہ (اے نبی ﷺ) ہم آپ کی بات کو اس وقت تک ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جب تک ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ جاری نہ کر دیں۔ یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک ایسا باغ ہو جس میں آپ نہریں بہا دیں۔ یا آپ اپنے گمان کے مطابق آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں۔ یا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آ جائیں۔ یا آپ کے لئے سونے کا بنا ہوا ایسا گھر ہو جس میں آپ چڑھ جائیں۔ اور ہم آپ پر اس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک ہمارے سامنے ایک ایسی کتاب نہ لے آئیں جسے ہم پڑھیں۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے میرا رب پاک بے عیب ہے۔ میں کون ہوں؟ سوائے ایک پیغام لانے والے بشر کے؟

لغات القرآن آیت نمبر ۹۰ تا ۹۳

تَفْجُرُ	تو بہادے۔ جاری کردے۔
یَنْبُوْعٌ	چشمہ۔
نَخِیْلٌ	کھجور کا درخت۔
عِنَبٌ	انگور۔
تُسْقِطُ	تو گراتا ہے۔
زَعَمْتَ	تو نے گمان کیا۔
کِسَفٌ	ٹکڑے ٹکڑے۔
قَبِیْلٌ	سامنے۔
بَیْتٌ	گھر۔
زُخْرُفٌ	سونا۔ سنہرا۔
تَرْقٰی	تو چڑھ گیا۔
رُقِیٌّ	چڑھنا۔
نَقْرَؤُهٗ	جس کو ہم پڑھیں گے۔
بَشَرٌ	انسان

تشریح: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۳

اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بے جا مطالبات اور معجزات کی فرمائش پر ہمیشہ یہ فرمایا ہے کہ اللہ کی طاقت وقدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے وہ چاہے تو ان کفار کی ہر فرمائش کو پورا کردے لیکن یہ باتیں اللہ کی مصلحت کے خلاف ہیں۔ ان آیات میں بھی کفار و

مشرکین کی ان ہی باتوں کو نقل کیا گیا ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ اے محمدؐ! ہم آپ کو اس وقت تک نبی ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جب تک آپ (۱) ہمارے سامنے زمین کو پھاڑ کر اس میں سے ابلتے پانی کا چشمہ جاری نہ کر دیں (۲) یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک ایسا باغ ہو جس میں آپ پانی بہا دیں۔ (۳) کبھی کہتے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مطابق آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی ہم پر گرا دو۔ (۴) ان کا مطالبہ ہوتا کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کر دو۔ (۵) تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے کوئی ایسی کتاب لکھی ہوئی لے آؤ جسے ہم پڑھ سکیں۔

جب ایک تسلسل کے ساتھ کفار مکہ یہ باتیں کہتے تو نبی کریم ﷺ رنجیدہ ہو جاتے اور وحی کا انتظار فرماتے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس طرح تمام نبی اللہ کے بندے اور بشر تھے ایسے ہی میں بھی ہوں کسی بشر کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جب چاہے معجزات دکھا دے۔ نہ یہ اس کی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے لوگوں کی ان بچکانہ فرمائشوں کی درخواست کرے۔ انبیاء کرام دنیا میں اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچا کر ان کی اصلاح کر دیں اور جس راستہ سے وہ بھٹک گئے ہیں ان کو صراط مستقیم پر چلا دیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے واضح الفاظ میں کہہ دیجئے کہ میں ایک بشر ہوں اور اللہ کے حکم سے اپنا فرض رسالت ادا کرتا رہوں گا۔ معجزات دکھانا یا نہ دکھانا یہ اللہ کی حکمت و مصلحت ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ رسول کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ اس دنیا میں آئے اور اللہ کا پیغام سنا کر واپس چلا جائے بلکہ پیغمبر کا کام ہے کہ پیغام الٰہی کے مطابق انسانی زندگی کی اصلاح کرے۔ وہ خود اپنی زندگی کو ایک مثال اور نمونہ بنا کر پیش کرے تا کہ اس کے مخاطب اور آنے والی نسلیں اس سے فائدہ حاصل کر سکیں اور اس کے مطابق عمل کر سکیں۔ اگر اللہ کے کلام کے ساتھ کسی نبی کی ضرورت نہ ہوتی تو اس کے لئے فرشتے ہی کافی تھے جو اس دنیا میں آتے اور نہایت دیانت داری سے اللہ کا پیغام پہنچا کر چلے جاتے۔ اس کے برخلاف چونکہ نبی بشر ہوتے ہیں اس لئے ان پر ایسی کیفیات طاری کی جاتی ہیں جو ان کی امت کے لئے نمونہ عمل بن جاتی ہیں۔ یہ کام فرشتے کرتے تو بات صرف پیغام پہنچانے کی حد تک رہتی ان کی زندگی پر نہ بشری کیفیات آتیں اور نہ ان کی زندگی انسانوں کے لئے کوئی اسوہ یا نمونہ بنتی۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۴ تا ۹۶

ہدایت کے آجانے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے سے اس چیز کے سوا کسی نے نہیں روکا کہ وہ کہتے ہیں کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے اگر زمین میں اطمینان اور سکون سے فرشتے چل پھر رہے ہوتے تو ہم آسمان سے کسی فرشتے کو پیغمبر بنا کر ضرور بھیجتے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان ایک اللہ کی گواہی کافی ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور دیکھنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۴ تا ۹۶

مَا مَنَعَ نہیں منع کیا۔ نہیں روکا۔

اَبَعَثَ کیا بھیجا ہے؟۔

يَمْشُوْنَ وہ چلتے ہیں۔

مُطْمَئِنِّیْنَ — اطمینان سے رہنے والے۔

مَلَکٌ — فرشتہ

کَفٰی — کافی ہے۔

شَہِیْدٌ — گواہ۔

تشریح: آیت نمبر ۹۴ تا ۹۶

گذشتہ آیات کے تسلسل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کفار مکہ کو جس بات نے ایمان عمل صالح اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے سے روک رکھا ہے ان کا یہ خیال ہے کہ اگر اللہ کو ہماری ہدایت کے لئے کسی کو بھیجنا تھا تو ایک بشر کو کیوں بھیجا کسی فرشتے کو کیوں نہ بھیج دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر روئے زمین پر فرشتے ہی ہوتے تو ممکن تھا ان کو اگر ہدایت کی ضرورت ہوتی تو وہ کسی فرشتے کو ان کی اصلاح کے لئے بھیجتا۔ جب اس روئے زمین پر انسان رہتے ہیں تو ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے اس میں نہ تو کسی تعجب اور حیرت کی ضرورت ہے اور نہ عقل سلیم ہی اس کی اجازت دیتی ہے۔ فرمایا گیا کہ اگر ہم انسانوں کی ہدایت کے لئے کسی فرشتے کو بھی بھیجتے تو وہ انسانی شکل ہی میں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ عمل کی راہوں سے بھاگتے ہیں ان کو باتیں بنانے کے لئے کسی موضوع کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ ان کفار و مشرکین کی عقل و سمجھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اس لئے وہ فضول باتیں کر کے اپنے آپ کو مطمئن کرتے رہتے تھے اور نبی کریم ﷺ پر اعتراض کر کے اپنی قابلیت کا سکہ اپنے آس پاس کے لوگوں پر جمانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کے اعتراضات اور سوالات کے جواب میں صرف اتنا کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان صرف اللہ ہی گواہی کے لئے کافی ہے جس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے وہ اپنے بندوں کی ہر ایک حالت کی پوری طرح خبر رکھتا ہے۔ اگر اس قدر واضح اور سچی بات کے بعد بھی وہ لوگ اپنی ضد، ہٹ دھرمی پر جمے رہتے ہیں تو یہ ان کی بدنصیبی ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾

النصف

ع ۱۱ / ۷ / ۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۹۷ تا ۱۰۰

جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے۔ اور جسے وہ گمراہ کر دے پس وہ اس (اللہ) کے سوا کسی کو مددگار نہ پائے گا۔ ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ کھینچ کر لے آئیں گے۔ اندھے، گونگے اور بہروں کی طرح ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی اس کی آگ بجھنے لگے گی تو ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔ یہ اس چیز کا بدلہ ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تب ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان جیسوں کو پیدا نہیں کر سکتا؟ اس نے ان کے حشر کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس میں شک نہیں ہے۔ پھر وہ ظلم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم میرے پروردگار کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ ہونے کے خوف سے

روک کر رکھ لیتے۔ واقعی انسان بہت تنگ دل واقع ہوا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۷ تا ۱۰۰

نَحْشُرُ	ہم جمع کریں گے۔
وُجُوْہٌ	چہرے۔
عُمْیٌ	اندھے۔
بُکْمٌ	گونگے۔
صُمٌّ	بہرے۔
خَبَتْ	بجھے گی (بجھ گئی)۔
سَعِیْرٌ	بھڑکانا۔

تشریح: آیت نمبر ۹۷ تا ۱۰۰

حقیقت یہ ہے کہ انسان کو نہ تو بھٹکتے دیر لگتی ہے اور نہ ہدایت حاصل کرنے میں۔ صرف اللہ کی توفیق اور دستگیری سے انسان راہ حق پر چل کر منزل مراد تک پہنچتا ہے۔ اللہ کا نظام یہ ہے کہ ہدایت صرف اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے لیکن جو شخص ایک دفعہ راہ ہدایت سے بھٹک جاتا ہے تو اگر اللہ اس کی دستگیری نہ فرمائیں تو پھر ہدایت پر آنے کے لئے کوئی اس کا مددگار نہیں بنتا اور نہ اس کے کام آتا ہے۔ فرمایا کہ ایسے لوگ جو راہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں وہ قیامت کے دن اندھے، بہرے اور گونگوں کی طرح سے آئیں گے جن کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا ایسی جہنم کہ اس کی آگ جب بھی بجھنے لگے گی اور اس کی تپش اور گرمی میں کمی آنے لگے گی تو اس کو پھر سے بھڑکا دیا جائے گا۔ اور اس جہنم سے وہ کسی طرح باہر نہ نکل سکیں گے۔ یہ درحقیقت ان کی سخت ترین سزا ہوگی کیونکہ ان کا ذہن اور عقیدہ یہ بن گیا تھا کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی اور ہم ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر بکھر جائیں گے تو ہمارے یہ جسمانی اجزاء دوبارہ کیسے آپس میں مل جائیں گے اور ہم دوبارہ کیسے پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین میں ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے جس نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہی اپنی قدرت کاملہ سے ان کو دوبارہ بھی پیدا کرے گا یہ اس کے لئے کوئی بھی مشکل یا ناممکن کام نہیں ہے۔ فرمایا کہ یہ انسان کا ناشکرا پن اور اس کے ذہن کی تنگی کی بات ہے کہ وہ اپنے وجود پر شکر کرنے کے بجائے طرح طرح کی بحثوں میں اپنا وقت ضائع کرتا ہے اور زندگی کے ہر معاملے میں تنگ دلی کا انداز اختیار کرتا ہے اور اس کے احسانات کو بھول جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس اللہ نے تمہاری ناشکریوں اور ناقدریوں کے باوجود ہر طرح کی نعمتوں سے تمہیں نواز رکھا ہے وہ تمہاری نافرمانیوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تم اس سے جو بھی مانگتے ہو وہ عطا کرتا ہے۔ وہ اس میں کبھی کمی نہیں کرتا وہ دونوں ہاتھوں سے لٹاتا ہے لیکن اگر یہ مال و دولت کے خزانے انسانوں کے ہاتھوں میں ہوتے تو وہ دوسروں کو بھوکا مار دیتے کیونکہ انسان بڑا ہی تنگ دل واقع ہوا ہے۔ جب وہ اپنی تنگ دلی پر رب کو قیاس کرنے لگتا ہے تو یہ اس کے بھٹکنے کی پہلی علامت ہوتی ہے۔ انسان تنگ دل، کنجوس اور خود غرض ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف تمام انسانوں کا پروردگار ہر انسان کو خواہ وہ شکر گذار ہے یا نافرمان ہر ایک کو رزق اور زندگی کی سہولتیں عطا کرتا رہتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾

السجدۃ

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۹

اور یقیناً ہم نے موسیٰؑ کو کھلی ہوئی واضح نو عدد نشانیاں (معجزات) عطا کی تھیں آپ ﷺ بنی اسرئیل سے پوچھئے کہ جب موسیٰؑ آئے تو فرعون نے کیا کہا تھا۔ (اس نے کہا تھا کہ) اے موسیٰؑ میرا گمان یہ ہے کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (موسیٰؑ نے) کہا تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ان نشانیوں کو بصیرت اور نصیحت کے لئے آسمانوں اور زمین کے رب نے نازل کیا ہے۔ اور اے فرعون میرا خیال یہ ہے کہ تو ہلاک و برباد ہو جانے والوں میں سے ہے۔ پھر جب فرعون نے ان کو زمین سے اکھاڑنے (مصر سے نکالنے) کا ارادہ کیا تو ہم نے اس کو (فرعون کو) اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ پھر اس کے بعد ہم نے بنی اسرئیل سے کہا کہ تم اس سرزمین میں رہو بسو لیکن جب آخرت کے وعدے کا وقت پورا ہو جائے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔ اس قرآن کو ہم نے حق اور سچائی کے ساتھ ہی نازل کیا ہے۔ اور ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ آپ خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے ہیں۔ اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ نازل کیا ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن لوگوں کو پہلے سے علم دیا گیا ہے انہیں جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک اور بے عیب ہے اس کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے گر پڑتے ہیں اور اسے سن کر ان میں عاجزی وانکساری اور بڑھ جاتی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۹

تِسْعٌ	نو۔
اِسْئَلْ	پوچھئے۔
مَسْحُوْرٌ	جادو کیا گیا۔ سحر زدہ۔
بَصَائِرُ	سمجھ بوجھ کی باتیں۔

مَثۡبُوۡرٌ	تباہ کیا جانے والا۔
اُسۡکُنُوۡا	آباد ہو جاؤ۔ رہو سہو۔
لَفِیۡفٌ	سمیٹ کر۔
فَرَقۡنَا	ہم نے جدا کیا۔
مُکۡثٌ	ٹھہر ٹھہر کر۔
تَنۡزِیۡلٌ	آہستہ آہستہ اتارنا۔
اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ	علم دیا گیا۔
یُتۡلٰی	پڑھا گیا۔
یَخِرُّوۡنَ	وہ گر پڑتے ہیں۔
اَذۡقَانٌ	تھوڑیاں۔
یَبۡکُوۡنَ	وہ روتے ہیں۔
خُشُوۡعٌ	خشوع۔ عاجزی وانکساری۔

تشریح: آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۹

انبیاء کرامؑ کو معجزات اس لئے دیئے جاتے ہیں تا کہ ان کو دیکھ کر کفار اپنے کفر سے توبہ کرلیں اور اسلام کی سچائیوں کو قبول کرلیں۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ایسے نو معجزات عطا کئے تھے جن کو دیکھ کر بنی اسرائیل اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ایمان قبول کر لینا چاہیئے تھا مگر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی ان معجزات کا انکار کیا اس کے برخلاف جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزات دیکھ کر ایمان قبول کر لیا تھا اللہ نے ان کو نجات عطا فرما دی۔ اور فرعون اور اس کے ساتھی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ان کو عبرت ناک سزا دی گئی۔ فرعون اور اس کے ماننے والوں کو پانی میں غرق کر دیا گیا۔

جب حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے دین کی طرف دعوت دی تو انہوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کو جادو قرار دے کر ملک کے تمام نامی گرامی جادوگروں کو حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں لا کر کھڑا کر دیا۔ لیکن وہی جادوگر جو انعام واکرام کے لالچ میں اپنے جادو کے کمالات دکھا رہے تھے جب انہوں نے عصائے موسیٰؑ کے معجزے کو دیکھا تو انہوں نے

فرعون کے بھرے دربار میں اپنے ایمان کا اعلان فرمادیا۔ جب فرعون نے اس نافرمانی کے انجام سے ڈرایا تو وہ ڈٹ گئے اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اے فرعون ہم نے اسلام قبول کرلیا اب اس کا انجام کچھ بھی ہو۔

حضرت موسیٰؑ نے بھرے دربار میں ایک مرتبہ پھر فرعون کو للکارا اور کہا کہ اگر تو نے ان معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان قبول نہ کیا تو تیرا انجام بہت ہی زیادہ خراب ہونے والا ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی اس دعوت کو ہنسی مذاق میں اڑا دیا اور پھر سے اپنی سازشوں میں لگ گیا اور حضرت موسیٰؑ کو شکست دینے کے طریقوں میں غرق ہوگیا۔ وہ نو معجزات جن کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ید بیضا ۔ (۲) عصا
(۳) طوفان ۔ (۴) ٹڈیوں کا عذاب
(۵) مینڈکوں کا عذاب ۔ (۶) جوؤں کا عذاب
(۷) خون کا عذاب ۔ (۸) ثمرات کی کمی
(۹) چچڑیوں کا پیدا ہونا (سورۃ اعراف)

ترمذی میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ یہود نے آپ سے پوچھا کہ وہ نو معجزات کیا تھے؟ فرمایا وہ نو احکامات ہیں

(۱) شرک نہ کرو ۔ (۲) چوری نہ کرو
(۳) زنا نہ کرو ۔ (۴) ناحق خون نہ بہاؤ
(۵) جادو نہ کرو ۔ (۶) سود مت کھاؤ
(۷) بے گناہ کو نہ پکڑواؤ کہ حاکم اس کو قتل کردے ۔ (۸) پاک دامن عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ
(۹) جہاد سے نہ بھاگو۔

فرمایا کہ یہ نو احکامات تھے لیکن یہودیوں کے لئے ایک مخصوص حکم تھا کہ تم ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھو۔ اہل یہود نے آپ کی اس بات کی تصدیق کی۔ قرآن کریم اور حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو نو نشانیاں دیں اور نو ہی احکامات بھی دیئے۔ جب فرعون اور آل فرعون نے مسلسل نافرمانی کی اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان نہ لائے تو اللہ نے فرعون کو غرق کردیا اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات دلا کر فرعونیوں کی بستیوں میں ان کو آباد کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے قوم بنی اسرائیل کو سمجھایا کہ وہ فرعون کی طرح نافرمانی اختیار نہ کریں کیونکہ اللہ کو نافرمانی کسی کی بھی پسند نہیں ہے۔ فرمایا کہ اگر تم نے بھی گذشتہ لوگوں کی طرح کفر وشرک اور نافرمانی کا طریقہ اختیار کیا تو پھر اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو اس سرزمین پر آباد کرکے نصیحت فرمائی کہ تم اس سرزمین پر رہو، کھاؤ، پیو، بسو لیکن جب آخرت کا فیصلہ آجائے گا تو اللہ اس پوری کائنات کو سمیٹ

کر رکھ دے گا۔

فرعون اور آل فرعون کی بات کرنے کے بعد کلام کا رخ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اوپر ایمان والوں کی طرف پھیر کر فرمایا کہ اللہ نے جس چیز کے کرنے اور جس چیز کے نہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کو اسی طرح کیا جائے اور فرمایا کہ اے نبی ﷺ اس کی تعلیمات سے آپ اپنی امت کو اچھی طرح آگاہ کر دیجئے۔ آپ کا کام خوش خبری دینا بھی ہے اور برائیوں کے برے انجام سے ڈرانا بھی ہے۔ فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ پر اس قرآن کو آہستہ آہستہ نازل کیا گیا ہے آپ بھی اس قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے اس کے آداب کا خیال رکھیئے اور اس کو آہستہ آہستہ تلاوت فرمایئے تاکہ یہ قرآن دلوں میں اترتا چلا جائے۔ فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ سب کو بتا دیجئے کہ جس اللہ نے یہ کلام نازل کیا ہے اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو تمہارے حق میں بہتر ہے لیکن اگر تم نے اس کی اطاعت نہ کی تو اس سچائی کی روشنی میں ذرا بھی کمی نہ آسکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ قوموں کے ایک اچھے طرز عمل کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا کلام تلاوت کیا جاتا تھا تو اللہ کے احکامات کی عظمت کے سامنے ان کی گردنیں جھک جایا کرتی تھیں اور ان کی زبان پر یہی بات آتی تھی کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی ذات پاک بے عیب ہے یقیناً آپ نے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اس طرح وہ اپنی ٹھوڑیاں جھکا کر نہایت ادب و احترام سے اللہ کی طرف روتے گڑگڑاتے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے تھے اور وہ اسلام کی سچائی کو دل سے قبول کرتے تھے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۰ تا ۱۱۱

(اے نبی ﷺ) ان سے کہیئے کہ تم اللہ (کہہ کر) پکارو یا رحمٰن (کہہ کر) جس نام سے بھی پکارو گے اس کے سب سے اچھے نام ہیں۔ اپنی نماز میں نہ تو بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ ہی بہت پست آواز سے بلکہ ان کے درمیان کا (اعتدال کا) راستہ تلاش کرو۔

آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور

نہ ہی اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے۔ نہ وہ اتنا عاجز ہے کہ اس کو کسی مددگار کی ضرورت ہو اس کی خوب اچھی طرح بڑائیاں (عظمتیں) بیان کرو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۰ تا ۱۱۱

اُدْعُوْا	پکارو۔ بلاؤ۔
اَيَّامٌ	دن۔
لَاتَجْهَرْ	نہ بلند کر۔
لَاتُخَافِتْ	نہ پست کر۔
اِبْتَغِ	تلاش کر۔
وَلِیٌّ	مددگار۔
اَلذُّلُّ	عاجزی۔ کمزوری۔
كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا	اس کی عظمت خوب بیان کرو۔

تشریح: آیت نمبر ۱۱۰ تا ۱۱۱

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء کے آخر میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر دونوں اللہ ہی کے نام ہیں اور اللہ کے جتنے بھی نام ہیں وہ سب کے سب بہترین نام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام تو صرف اللہ ہے باقی اس کے صفاتی نام ہیں، رحمٰن، رحیم، قادر، خالق، رازق وغیرہ یہ اللہ کے بہترین صفاتی نام ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا۔ (روایت حضرت ابوھریرہؓ)

کفار مکہ اللہ کے نام سے واقف تھے لیکن جب ''رحمٰن'' کا صفاتی نام بتایا گیا تو انہوں نے سوال کیا کہ یہ رحمٰن کون ہے کیا

ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سوال ہی کے جواب میں فرمایا کہ اللہ اور رحمٰن دونوں اللہ کے نام ہیں۔ یہود و نصاریٰ بھی اللہ کے لفظ سے واقف تھے اور اسی کو خالق سمجھتے تھے مگر یہودی حضرت عذیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو (نعوذ باللہ) اللہ کا بیٹا کہتے تھے جس کی قرآن کریم نے تردید کر کے بتایا ہے کہ یہ دونوں اللہ کے بندے اور رسول تھے یہ اللہ کے بیٹے نہ تھے کیونکہ اللہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے اس کو اپنی سلطنت چلانے کے لئے بیٹا، بیٹی اور بیوی کی ضرورت نہیں ہے نہ وہ کسی سہارے کا محتاج ہے وہ کائنات کی تمام عظمتوں کا مستحق ہے۔

دوسری بات نبی کریم ﷺ کو بتائی جارہی ہے کہ اے نبیؐ! آپ نہ تو اتنے آہستہ اللہ کا نام لیجئے کہ کسی کو سنائی ہی نہ دے اور نہ اتنی زور سے پکاریئے جو کہ دوسروں کے کان اس کو محض ایک شور سمجھیں بلکہ راہ اعتدال سب سے اچھی بات ہے۔

سورۃ الاسراء کی اس آخری آیت سے متعلق علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کی عظمت کو بیان فرماتے تھے اور گھر کے تمام چھوٹے بڑوں کو سکھاتے تھے آپ نے اس آیت کا نام ”آیت العزت“ یعنی عزت و عظمت والی آیت رکھا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس گھر میں یہ آیت پڑھی جائے گی اس گھر میں کبھی کوئی آفت یا چوری نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

الحمدللہ آج سورۃ الاسراء کا ترجمہ و تفسیر مکمل ہوا۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۵ تا ۱۶

• سبحٰن الذی • قال الم

سورة نمبر ۱۸

الکَھفُ

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورة الکھف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورة نمبر	18
رکوع	12
آیات	110
الفاظ وکلمات	1201
حروف	6620

کہف۔ وسیع، کشادہ پہاڑی نما غار کو کہتے ہیں۔
اس سورۃ میں دین کی سربلندی اور ایمان کی حفاظت کے لیے ان چند پرخلوص نوجوانوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جنہوں نے شہری زندگی کی ہر راحت اور آرام کے مقابلے میں پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لے لی تھی۔ اللہ نے ان پر ایک ایسی طویل نیند طاری کردی کہ وہ تین سونو (309) سال تک اسی جگہ پڑے سوتے رہے جب وہ اٹھے تو انہیں ایسا لگا جیسے وہ ایک دن یا آدھے دن پڑے سوتے رہے ہیں۔

کفار مکہ نے یہودیوں کے کہنے پر نبی کریم ﷺ سے چند ایسے واقعات کے متعلق پوچھا جس سے عام طور پر عرب کے لوگ ناواقف تھے۔ کفار مکہ اور یہودی یہ سمجھ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ ان سوالوں کا جواب نہ دے سکیں گے لہٰذا ہمیں ان کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے کا موقع مل جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام سوالوں کے ایسے بھرپور جوابات دیئے کہ دشمنان اسلام حیران و پریشان رہ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کفار مکہ کے ظلم وستم، بربریت اور معاشی بائیکاٹ کی انتہا ہوچکی تھی۔ کفار مکہ کے سوالات اور مکہ کے سنگین حالات میں سورۃ الکہف نازل کی گئی تاکہ کفار کے منہ بند ہوجائیں اور اہل ایمان کو تسلی اور تشفی مل جائے۔

اصحاب کہف کون تھے؟ کیا تھے؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ اور کن حالات میں یہ واقعات پیش آئے؟ اس کی تفصیل کو چھوڑ کر مختصر انداز میں اصحاب کہف کے جذبہ ایمانی اور ایثار وقربانی پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ چند ایسے مخلص نوجوان تھے جنہوں نے شہری زندگی، گھر کے راحت وآرام اور خود اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کے غاروں کو اپنا مسکن بنالیا تھا تاکہ ان کے ایمان کی حفاظت ہوسکے اور اللہ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوسکے۔ اللہ نے ان کے اس جذبے کو قبول فرماتے ہوئے انہیں عزت وسربلندی کے اس مقام تک پہنچا دیا جس پر انسانیت ناز کرسکتی ہے۔ ان کی صحبت کو اتنا عظیم قرار دیا کہ ان کے ساتھ لگ کر آنے والے کتے کو بھی شرف انسانیت سے نوازنے کا فیصلہ فرمایا گیا۔ یہی کتا جب کل قیامت میں اٹھایا جائے گا تو اس کو انسانی شرف سے نوازا جائے گا۔

قرآن کریم، احادیث اور تاریخی اعتبار سے اس واقعہ کی تفصیل جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ شہر افسوس میں رومی شہنشاہ دقیانوس نے اہل ایمان کو مٹانے کا طریقہ یہ اپنا رکھا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے زبردستی سجدہ کراتا

اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ اپنی اس کائنات کو اپنی مرضی سے چلا رہا ہے۔ ہر کام کی مصلحت کیا ہے؟ ضروری نہیں کہ ہر شخص اس کو سمجھ سکے۔ اسی لیے اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے تا کہ ہر شخص کو یقین ہو جائے کہ یہاں ہر بات کے پیچھے ایک مصلحت کام کر رہی ہے۔

کفار مکہ نے یہودیوں کے کہنے پر نبی کریم ﷺ سے چند سوالات کیے جس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ذوالقرنین کون تھے؟ اللہ نے فرمایا کہ وہ ایک نیک انسان تھے جو لوگوں کی خدمت کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور اتنے بڑے بادشاہ ہونے کے باوجود ان میں غرور و تکبر نہ تھا۔

تھا اگر کوئی اس سے انکار کرتا تو اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ اسی زمانے میں چند ایسے نوجوان یا نوجوان شہزادے جذبہ ایمانی کے پیکر بھی تھے جنہوں نے نہایت جرات و ہمت سے ظالم بادشاہ کے بتوں کے سامنے سجدہ کرنے سے بھرے دربار میں صاف انکار کر دیا۔ یہ اتنی بڑی گستاخی تھی کہ اس پر ان نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا لیکن نوجوان بچے سمجھ کر ان کو چند دنوں کی مہلت دے کر کہا گیا کہ وہ اچھی طرح غور کر لیں اور اپنے انجام کی فکر کر لیں مگر ان نوجوانوں نے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ نہیں کریں گے۔

یہ نوجوان ایک ایک کر کے پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ ان میں سے ایک شخص کے ساتھ ایک کتا بھی تھا یہ سب نوجوان جو ایک دوسرے سے ناواقف تھے جب کچھ دیر بعد آپس میں تعارف ہوا تو انہیں یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں یعنی سب کا ایک ہی ایمانی جذبہ ہے۔ سب نے مل کر طے کر لیا کہ وہ ان پہاڑوں میں بھوکے پیاسے مر جائیں گے لیکن بادشاہ کے گھڑے ہوئے بتوں اور اس کے ظلم و ستم کے آگے سر نہیں جھکائیں گے۔ ان سب نے اللہ کی بارگاہ میں راہ ہدایت پر قائم رہنے کی دعا بھی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کے جذبہ ایمانی کی قدر کرتے ہوئے ان کی حفاظت کا انتظام فرما دیا۔ ان سب پر ایک ایسی نیند طاری فرما دی کہ وہ تین سو نو سال تک پڑے سوتے رہے۔ جب آنکھ کھلی تو وہ آپس میں ذکر کرنے لگے کہ ہم کتنے سوئے ہوں گے؟ سب نے کہا کہ ہم دن بھر یا آدھے دن تک سوتے رہے ہیں۔ اللہ کی عظیم قدرت کو دیکھیے کہ وہ تین سو نو سال تک پڑے سوتے رہے نہ ان کو بھوک لگی نہ پیاس۔ بیدار ہوتے ہی ان کو بھوک نے ستانا شروع کر دیا طے پایا کہ ان میں سے کوئی ایک آدمی نہایت خاموشی اور احتیاط سے شہر چلا جائے اور کچھ کھانے پینے کا سامان لے آئے۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو اس طرح جانا کہ کسی کو شبہ بھی نہ ہو ورنہ وہ ظالم لوگ ہمیں یا تو قتل کر دیں گے یا اپنے راستے پر چلانے کی کوشش کریں گے۔ ادھر تین سو نو سال بعد ملک کے حالات بالکل تبدیل ہو چکے تھے دقیانوس ظالم بادشاہ کو مرے ہوئے برسوں گذر چکے تھے اور بت پرستوں کے بجائے حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں کی حکومت قائم تھی۔ چنانچہ اس نوجوان نے کسی جگہ سے کھانے پینے کا سامان خریدا اور اس کے عوض چند سکے دیئے۔ دوکاندار اس نوجوان کے حلیے اور صدیوں پرانے سکے دیکھ کر سوچنے لگا کہ یقیناً اس نوجوان کو کسی جگہ سے گڑا ہوا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے اور وہ اس کو لے کر بازار آ گیا ہے۔ اس

دوکاندار نے حاکم شہر سے کہا۔ حاکم شہر نے اس نوجوان کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا بادشاہ نے اس کو یقین دلایا کہ وہ بالکل محفوظ ہے اور کفر وشرک کی حکومت مٹ چکی ہے بادشاہ کے جذبہ ایمانی کو دیکھ کر نوجوان نے سب کچھ بتا دیا۔ بادشاہ جو حضرت عیسیٰؑ کے لائے ہوئے دین پر قائم تھا اسے تاریخی اعتبار سے یہ معلوم تھا کہ برسوں پہلے کچھ نوجوان اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے غائب ہو گئے تھے اور تلاش کرنے کے باوجود ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ یقیناً یہی وہ نوجوان ہیں جن کی داستانیں پرانے زمانے کے لوگ سنایا کرتے تھے۔ نیز اس زمانے میں یہ بحث بھی ہو رہی تھی کہ جب انسان مر جائے گا اس کے جسم کا ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو وہ جسم وجان کے ساتھ کس طرح دوبارہ پیدا ہوگا۔ اصحاب کہف کے اس واقعہ نے اس بحث کا خاتمہ بھی کر دیا۔ بادشاہ نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ ہمیں بقیہ نوجوانوں کی بھی زیارت کرنی چاہیے چنانچہ بادشاہ، اس کے اہل خانہ، وزراء، درباری، اور ہزاروں عام شہری پہاڑ کے اس غار کی طرف روانہ ہو گئے جہاں اصحاب کہف ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ غار کے قریب پہنچے تو اصحاب کہف یہ سمجھ کر کہ شاید بادشاہ کو معلوم ہو گیا ہے اور وہ لوگ ان کو پکڑنے آرہے ہیں دوبارہ غاروں میں چھپ گئے۔ وہ نوجوان جو کھانا لینے گیا تھا وہ تلاش کرنے نکلا تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ خود بھی کسی غار میں گم ہو گیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان سب پر اللہ نے موت کو دوبارہ طاری فرما دیا ہوگا۔ اس طرح اللہ نے اصحاب کہف پر دوبارہ نیند کا پردہ ڈال کر ایسا رعب اور وحشت طاری کر دی کہ پھر کوئی شخص وہاں رک نہ سکا۔

بادشاہ وقت اور لوگوں نے مشورے کے بعد ان غاروں کے پاس علامت کے طور پر ایک مسجد بنا دی۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام کفار اور مشرکین اور خاص طور پر کفار مکہ کو اس حقیقت پر متوجہ کیا ہے کہ یہ چند نوجوان جو پہاڑی غاروں میں ہجرت کرنے کی وجہ سے ”اصحاب کہف“ کہلاتے ہیں اللہ نے ان کے تذکرے کو کس قدر عزت وعظمت کا مقام عطا فرمایا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور آخرت کی ابدی راحتیں ان کو کتنا سکون پہنچائیں گی اس کا تصور بھی مشکل ہے اگر یہ نوجوان بھی دنیا کی زیب وزینت، راحت وآرام اور دنیاوی لذتوں میں گم ہو جاتے تو آج صدیوں کے بعد ان کا ذکر خیر نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے اس کی راہ میں جان ومال سے قربانیاں دینا، اپنے ایمان وعمل صالح پر قائم رہنا اور اللہ کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دینے کا جذبہ رکھنا حقیقی کامیابی ہے اور اسی میں دین ودنیا کی عظمتوں کا راز پوشیدہ ہے۔

سُورَةُ الكهف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ① قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَيُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ ② مّٰكِثِيۡنَ فِيۡهِ اَبَدًا ۙ ③ وَّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۚ ④ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ ؕ كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۵

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر اس کتاب کو نازل کیا ہے اور اس میں کوئی کمی یا ٹیڑھ پن نہیں ہے۔ ٹھیک ٹھیک اتاری ہے تاکہ اللہ کی طرف سے ایک سخت عذاب کا ڈر سنایا جائے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے ان کے لئے بہترین اور اچھا بدلہ ہے جو ان کو دیا جائے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور تاکہ ان لوگوں کو بھی ڈر سنا دیا جائے جنہوں نے اللہ کا بیٹا تجویز کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس یا ان کے باپ دادا کے پاس اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ وہ اپنے منہ سے ایک بڑی بات نکالتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں جھوٹ بکتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۵

لَمْ يَجْعَلْ نہیں بنایا۔

عِوَجٌ ٹیڑھ پن۔کجی۔

قَيِّمٌ بالکل درست۔صحیح۔

بَأْسٌ شَدِيْدٌ سخت عذاب۔

مَاكِثِيْنَ ٹھیرنے والے ۔جمنے والے۔

اَبَدًا ہمیشہ

كَبُرَتْ بڑی۔

كَلِمَةٌ بات۔کلمہ

اَفْوَاهٌ (فُوْهٌ) منہ

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۵

سورۃ الکہف کے ابتدائی تعارف میں آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے کہ بعض یہودیوں کے کہنے پر کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوالات کئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ عرب والے ان باتوں سے ناواقف ہیں جب ہم سوال کریں گے اوران کا جواب نہ مل سکے گا تو ہمیں نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم کا مذاق اڑانے اور یہ کہنے کا موقع ہاتھ آجائے گا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف کی ابتداء اس طرح فرمائی ہے کہ یہ کتاب الٰہی اللہ نے اپنے بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی ہے وہ اللہ جو اس کائنات میں ہر طرح کی خوبیوں اور قدرتوں کا مالک ہے۔ یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہے جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو سیدھی راہ عطا کردی جائے تاکہ وہ دین و دنیا کی تمام بھلائیاں اور کامیابیاں حاصل کرسکیں۔ لیکن وہ لوگ جو اس راہ مستقیم سے ہٹ کر چلنے والے ہیں ان کو بھی معلوم ہوجائے کہ ان کے لئے نہ تو دنیا کی عزتیں ہیں اور نہ آخرت کی ابدی راحتیں ہیں۔

فرمایا کہ اللہ نے ہر دور کے لوگوں کی ہدایت کے لئے اس قرآن کریم کو اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کیا ہے جو راہ ہدایت بتانے اور منزل تک پہنچانے میں اس قدر واضح، صاف اور آسان ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی الجھاؤ یا دشواری نہیں ہے۔ یہ کتاب الٰہی چند خصوصیات رکھتی ہے۔

(۱) اس کو سمجھنے اور عمل کرنے میں ذرا بھی ٹیڑھ پن، منطقی انداز فکر یا فلسفیانہ الجھاؤ نہیں ہے بلکہ یہ قرآن اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے نہایت صاف صاف اور واضح احکامات پر مشتمل ہے۔ یہ ان کتابوں کی طرح نہیں ہے جس میں فکر و تحقیق کی لا تعداد باتیں ہوتی ہیں مگر عملی زندگی میں ان کو ڈھالنا مشکل اور ناممکن ہوتا ہے چونکہ قرآن کریم دنیا اور آخرت کو سدھارنے کا ذریعہ ہے اسلئے اس کا ہر اصول آسان اور سہل ہے جس پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

(۲) اس کتاب الٰہی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ''قیم'' ہے اس قدر درست، صحیح، کامل اور مکمل ہے کہ اس کو پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے والا ''راہ مستقیم'' پر رہتا ہے یہ اس کتاب الٰہی کی خصوصیت ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے رنگ کے اندر رنگ لیتی ہے اور ہر شخص کو علم و عمل کا پیکر بنا دیتی ہے۔

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب الٰہی کو ماننے، سمجھنے اور عمل کرنے والے لوگوں کو نہ صرف اس دنیا کی کامیابیاں عطا کی جاتی ہیں بلکہ ایمان و عمل صالح اختیار کرنے والوں کے لئے ابدی راحتوں، کامیابیوں اور عزت و سربلندی کی ایسی خوش خبریاں بھی دی گئی ہیں جن راحتوں میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جو لوگ بدعمل، بدنیت، اور بدعقیدہ ہیں جنہوں نے اللہ کی عبادت و بندگی کے بجائے اللہ کے نبیوں کو اللہ کا بیٹا بنا دیا ہے اور وہ ان ہی کی عبادت و بندگی کرتے ہیں ان کے لئے سخت سزا ہے۔ جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو اور یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرمایا کہ یہ ایک ایسا سفید جھوٹ اور بے تحقیق بات ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ اللہ کی بارگاہ میں بڑی سخت گستاخی اور ناقابل معافی جرم ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے جہنم کی آگ تیار کی گئی ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸

ترجمہ: آیت نمبر ۶ تا ۸

(اے نبی ﷺ) پھر کہیں آپ ان کے پیچھے اس غم میں اپنی جان گھلا نہ ڈالیں کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔ جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو رونق بخشی ہے تا کہ ہم آزمائیں کہ ان میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے۔ ہم زمین کے اوپر سب چیزوں کو آخر کار ایک صاف اور چٹیل میدان بنادیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶ تا ۸

لَعَلَّ — شاید۔ توقع ہے۔

بَاخِعٌ — ہلاک کرنے والا۔

اٰثَارٌ — پیچھے چھوڑ جانے والی نشانی۔

اَلْحَدِیْثُ — بات چیت۔

اَسَفٌ — افسوس۔ کسی چیز کے نہ ہونے کا غم۔

زِیْنَةٌ — خوبصورتی۔ رونق

صَعِیْدٌ — صاف میدان۔ ریت۔ مٹی۔

جُرُزٌ — سرسبز زمین جو چٹیل میدان بن جائے۔

تشریح: آیت نمبر ۶ تا ۸

اعلان نبوت کے بعد نبی کریم ﷺ دن رات کفار و مشرکین کے سامنے دین اسلام کی سچائیوں اور آخرت کی ابدی زندگی کی راحتوں اور نہ ماننے والوں کے لئے شدید عذاب کی تبلیغ فرماتے تو وہ لوگ نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کی صداقت پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح سے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ کفر و شرک میں زندگی گذارنے والے ایمان اور عمل صالح کو اختیار کر کے اپنی آخرت کو سنوار لیں لیکن دنیا کی ظاہری چمک دمک اور زیب و زینت کو سب کچھ سمجھنے والے آپ کی

اطاعت قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان آیات میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئی فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے نبی کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو سچی راہ دکھادے اور اس پر چل کر اپنی زندگی کو دوسروں کے لئے ایک مثال بنادے۔ اس کے بعد خود انسان کی اپنی عقل و سمجھ اور سعادت ہے کہ وہ حق و صداقت کا راستہ اختیار کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوارتا ہے یا بے سمجھی اور بدنصیبی سے اپنی دنیا و آخرت کو برباد کرتا ہے۔

وہ لوگ جو دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور خوبصورتی کو دیکھ کر اس کے دیوانے ہو رہے ہیں ان میں سے ایک چیز بھی باقی رہنے والی نہیں ہے۔ یہ پہاڑ، درخت، سرسبزی و شادابی اسی وقت تک ہے جب تک قیامت برپا نہیں ہوتی لیکن جب قیامت آجائے گی تو اس زمین پر سے ہر چیز کو فنا کر دیا جائے گا اور یہ دنیا ایک صاف چٹیل میدان کی طرح بن کر رہ جائے گی۔ انسان صرف اپنے اچھے یا برے اعمال کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوگا۔ پھر فیصلہ کیا جائے گا کہ کون خوش نصیب ہے اور کون بدنصیب ہے۔

اس کے بعد اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اصحاب کہف بھی اگر دنیا کی زیب و زینت اور راحت و آرام میں لگے رہتے تو ان کو یہ عزت و سعادت نصیب نہ ہوتی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ وہ لوگ جوان چند نوجوانوں کو مٹانا چاہتے تھے خود اس طرح سے مٹ گئے کہ ان کا وجود بھی باقی نہیں ہے یا وہ لوگ جو دنیا کی وقتی راحتوں میں لگ کر اللہ کو بھول گئے تھے آج لوگ ان کو جانتے تک نہیں لیکن وہ چند مخلص صاحب ایمان لوگ جنہوں نے دنیا کی راحت و آرام کے مقابلے میں ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کیا اور اپنے دین کو بچانے کے لئے اپنے گھر بار تک کو چھوڑ دیا تھا ان کا تذکرہ قیامت تک زندہ جاوید رہے گا۔

کفار مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ ہمارے سچے نبی نے حق و صداقت کی ایک ایک بات کو پہنچا دیا ہے اب اگر وہ اصحاب کہف کی طرح اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں تو وہ آخرت کی راحتیں اور دنیا کا سکون حاصل کر سکیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے دین اسلام کی سچائیوں سے منہ پھیرا تو پھر دنیا و آخرت کی سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۞ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۞ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۞ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۞

ع ۱ / ۲ / ۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۹ تا ۱۲

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ غار اور کھوہ کے رہنے والے ہماری قدرتوں میں کوئی حیرت ناک چیز تھے۔ جب وہ غار کی کھوہ میں جا بیٹھے اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے ہر کام میں درستگی کا سامان عطا فرما دیجئے۔ پھر ہم نے ان کے کانوں پر برسوں نیند کا پردہ ڈالے رکھا۔ پھر ہم نے ان کو اٹھا کھڑا کیا تاکہ ہم جان لیں کہ ان گروہوں میں کس نے یاد رکھی جتنی مدت وہ رہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹ تا ۱۲

حَسِبْتَ تو نے گمان کیا۔

اَصْحٰبُ ساتھی۔

اَلْكَهْفُ لمبا چوڑا غار۔

اَلرَّقِيْمُ کوہ۔ غار کا دوسرا نام۔

اَوٰى ٹھکانہ بنایا۔

اَلْفِتْيَةُ (فَتًى) جوان۔ نوجوان۔ نوعمر۔

هَيِّئْ بنا دے۔ مہیا کر دے۔

رَشَدَ صحیح راستہ۔ نجات کا راستہ۔

ضَرَبْنَا ہم نے مارا۔ پردہ ڈال دیا۔

اٰذَانٌ (اُذُنٌ) کان۔

سِنِيْنَ (سَنَةٌ) سال۔ کئی برس۔

عَدَدٌ گنتی۔

اَلْحِزْبَیْنِ (حِزْبٌ)	دو جماعتیں۔ دو گروہ۔
اَحْصٰی	زیادہ واقف۔
لَبِثُوْا	وہ ٹھہرے۔ رکے رہے۔
اَمَدٌ	مدت۔

تشریح: آیت نمبر ۹ تا ۱۲

بعض یہودیوں کے کہنے پر کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے اصحاب کہف کے واقعہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہوئے پوچھا تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ ان کے اس سوال کا جواب نہ دے سکیں گے اور ہمیں ان کا مذاق اڑانے کا موقع مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک یہ کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس کو بیان نہ کیا جاسکے بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ کی نشانیاں اس کائنات میں موجود ہیں جن پر اگر غور وفکر کیا جائے تو بہت سی حقیقتیں سامنے آتی چلی جائیں گی۔

اصحاب کہف کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنے سے پہلے مختصر الفاظ میں بیان فرما دیا کہ یہ چند ایسے نوجوان تھے جو حضرت عیسیٰ کے پیروکار تھے۔ انہیں بت پرستی سے سخت نفرت تھی۔ ان کے زمانہ میں رومی شہنشاہ دقیانوس نے لوگوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ لوگ اس کی اور اس کے بنائے ہوئے بتوں کی عبادت و بندگی کریں۔ یہ چند نوجوان جن کو بتوں کے سامنے سجدہ کرنے پر مجبور کیا گیا تو انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لئے ایک غار کو جو وادی رقیم میں واقع تھا اس میں پناہ لے لی تھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی الٰہی! ہم پر اپنا رحم و کرم نازل فرما اور ان ظالموں کے ظلم سے نجات عطا فرما۔ اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرما کر ان پر ایک ایسی نیند کو طاری کر دیا جس سے وہ برسوں پڑے سوتے رہے۔ جب تین سو نو سال کے بعد وہ سو کر اٹھے تو اس وقت ملک روم کی سلطنت اور اس کا انداز بالکل بدل چکا تھا۔ اور بت پرستوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیلات اگلی آیات میں آرہی ہیں۔ یہاں بتایا یہ جا رہا ہے کہ اصحاب کہف اللہ کی نشانیوں کی طرح ایک نشانی ہیں جس میں اللہ کی قدرت کا اندازہ لگانا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصحاب کون تھے؟ کیا تھے؟ کتنے تھے؟ ان بحثوں میں الجھنے کے بجائے اصحاب کہف کے اس جذبہ کو پیش نظر رکھا جائے جس نے ان کو اپنے گھر بار اور اس کی راحتیں چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور وہ جذبہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور ایمان کی سلامتی تھا۔ اس جذبہ نے ان کو اللہ کی ایک ایسی نشانی بنا دیا تھا جو دوسروں کے لئے قیامت تک عبرت و نصیحت بن گئی۔

فرمایا کہ جب وہ نوجوان اس غار میں پہنچے تو اللہ نے ان کے کانوں پر تھپکی دی یعنی ان کو گہری نیند سلا دیا۔ پھر وہ اللہ کی نشانی بن کر اٹھے اور پھر سو گئے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ۖ وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۝۱۵ۭ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝۱۶

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۶

ہم ان کا قصہ آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تھے۔ اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی۔ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے۔ جب وہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ اور ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی اور معبود کی عبادت و بندگی نہیں کریں گے (اور اگر ایسا کریں گے) تو ہم یقیناً بڑی بے جا بات کریں گے۔ اور یہ ہماری قوم ہے جس نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں۔ یہ لوگ اپنے معبودوں کی حقیقت پر واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑتا ہے۔ پھر وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ جب تم ان لوگوں سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں ان سے بے تعلق ہو گئے ہو تو تم غار میں جا کر پناہ کیوں نہیں لیتے۔ تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمتیں بکھیرے گا۔ اور تمہارے کام کو درست کر دے گا۔

لغات القرآن   آیت نمبر ۱۳ تا ۱۶

نَقُصُّ	ہم بیان کرتے ہیں۔
نَبَأٌ	خبر۔حال۔
زِدْنَا	ہم نے بڑھا دیا۔
رَبَطْنَا	ہم نے باندھا۔مضبوط کر دیا۔
شَطَطٌ	عقل سے دور کوئی بات۔
سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ	کھلی اور واضح دلیل۔
اِعْتَزَلْتُمُوْهُمْ	تم ان سے الگ ہو گئے۔
فَأْوٗ	تم ٹھکانا بنا لو۔
يَنْشُرْ	وہ پھیلا دے گا۔
مِرْفَقٌ	آرام۔آسائش۔

تشریح: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۶

گذشتہ آیات میں اصحاب کہف کا مختصر واقعہ بیان کیا گیا تھا۔ان آیات میں اس واقعہ کے کچھ مزید پہلوؤں پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

فرمایا کہ کچھ نوجوان تھے جنہوں نے بادشاہ وقت (دقیانوس) کے غلط عقیدوں، بت پرستی، غرور و تکبر کے سامنے سر جھکانے اور بت پرستی کے بجائے بے پناہ جرات، ہمت اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے جان بتوں کے سامنے سجدہ کرنے سے اور غیر اللہ کی عبادت و بندگی کا صاف انکار کر دیا تھا اور نہایت دلیری سے اللہ پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا تھا۔اور بادشاہ وقت پر اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ انہوں نے ایمان کے جس راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو کسی جابر و ظالم کی دھمکی، ظلم و ستم اس راستے سے ہٹا نہیں سکتا۔انہوں نے بتا دیا کہ ہم نے جس پروردگار کی اطاعت کو قبول کر لیا ہے وہی ساری کائنات کا مالک، رازق اور خالق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے۔انہوں نے کہا کہ جو لوگ ایک اللہ کا انکار کرتے اور اپنے ہاتھوں

کے بنائے ہوئے پتھر کے بے جان بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں وہ ایک ایسے راستے پر چل رہے ہیں جس کی ان کے پاس کوئی واضح نشانی اور روشن دلیل نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کی دماغی کیفیت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم کو کیا ہو گیا ہے جو بے سند باتوں، توہمات اور جھوٹے معبودوں کو اپنا کارساز بنائے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر کسی انسان یا بتوں کے سامنے اپنا سر جھکائیں۔ یہ چند نوجوان جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شہزادے یا بادشاہ کے خادم تھے ان کی ان باتوں سے بت پرستوں کے ایوانوں میں زلزلے پڑ گئے۔ بادشاہ وقت نے جو مسلمانوں کا سخت دشمن اور ان کو جڑ و بنیاد سے کھود ڈالنے میں ہر طرح کے ظلم و ستم کے لئے مشہور تھا اس نے ان نوجوانوں کو اپنے پاس بلایا۔ ان کو اپنے اور اپنے بتوں کے سامنے سجدہ کرنے کے لئے کہا مگر انہوں نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ نے نوجوانوں کی جذباتی باتیں سمجھ کر ان سے کہا کہ وہ اس انکار کے نتیجے میں سخت سزاؤں اور بدترین انجام پر اچھی طرح غور و فکر کر لیں۔ جب ان نوجوانوں نے اس بات کو اچھی طرح بھانپ لیا کہ ظالم بادشاہ سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے تو وہ ایک ایک کر کے پہاڑوں کی طرف نکل گئے تا کہ اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔

یہ چند نوجوان جو ایک دوسرے سے ناواقف تھے حسن اتفاق کہ وہ ایک ہی پہاڑ پر جمع ہوتے گئے۔ جب تھوڑے عرصے کے بعد ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں لیکن اسلام اور ایمان کے جذبے میں یکساں نقطہ نظر رکھتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ساتھی بن گئے۔ ان میں سے ایک کے ساتھ ایک کتا بھی تھا جو ان کے ساتھ ساتھ لگا رہا۔ چونکہ ایک چوڑے غار کو ''کہف'' کہا جاتا ہے اور یہ اس جگہ تھا جس کو ''رقیم'' کہا جاتا تھا اس لئے قرآن کریم نے ان کو اصحاب کہف اور اصحاب رقیم فرمایا ہے۔

ان آیات اور واقعہ سے چند باتیں سامنے آتی ہیں جو قابل غور ہیں۔

(۱) اصل چیز ایمان اور اس کی طاقت ہے جو انسان کو ایک خاص جرات، ہمت اور ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص ایک اللہ سے ڈرتا ہے پھر وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ نبی کریم ﷺ کے جان نثاروں کی ایک طویل فہرست ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے کفر و شرک سے توبہ کر کے اپنے دلوں میں ایمان کی شمع کو روشن کر لیا تو وہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے ہر ظالم سے ٹکرا گئے اور آخر کار طوفانوں کے رخ کو موڑ کر رکھ دیا۔ ایمان ایک ایسی طاقت ہے کہ جب فرعون جیسے ظالم بادشاہ کے بھرے دربار میں بڑے بڑے جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ پر ایمان قبول کر لیا تب وہ فرعون کی طاقت و قوت اور اس کے ظالمانہ حربوں سے بے نیاز ہو گئے اور انہوں نے فرعون سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ہمیں کتنی ہی بڑی سے بڑی سزا دینے کا فیصلہ کر لے ہم اپنے ایمان سے نہ پھریں گے۔ چنانچہ جب فرعون نے اس بات کی دھمکی دی کہ وہ ان کو پھانسی پر چڑھا دے گا۔ مخالف سمتوں سے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے گا اور در بدر کی ٹھوکریں کھلا دے گا اس وقت ان تمام اہل

ایمان نے صرف یہی ایک جواب دیا کہ اے فرعون جو تو کر سکتا ہے کر لے ہم کسی مصلحت کی وجہ سے اپنا ایمان نہ چھوڑیں گے اور ہم غیر اللہ کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح طریقہ پر سامنے آجاتی ہے کہ جو لوگ ایمان رکھنے کے باوجود حکمرانوں اور طاقت وروں کے سامنے جھک جاتے ہیں اور بہت سی مصلحتوں کا سہارا لے لیتے ہیں وہ ایک کمزور ایمان کے مالک ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے نور سے ان کے دل پوری طرح روشن و منور نہیں ہوئے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ایمان صرف جرات و ہمت ہی کا نام نہیں ہے بلکہ دو اجنبیوں کو آپس میں جوڑنے والا اور ملانے کا ذریعہ بھی ہے بلکہ دو مختلف خاندانوں اور قبیلوں کو آپس میں شیر و شکر کرنے والی چیز ایمان ہی ہے۔ یہ ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جو دو اجنبیوں کو ایک کر دیتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے والے توہمات، بے سند باتوں، بے بنیاد خیالات اور بے دلیل جذبات کے بجائے حق و صداقت کے پیکر ہوتے ہیں۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص جھوٹے معبودوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے ایمان کی دولت کو گلے لگا لیتا ہے تو کائنات کی قوتیں اس کی مددگار بن جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہمیشہ ایمان اور عمل صالح پر قائم رکھے اور اپنے سوا ہر ایک کے خوف سے بے نیاز فرما دے۔ آمین

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

ع ۲ ۱۴ ۵

ترجمہ: آیت نمبر ۱۷ تا ۱۸

جب دھوپ نکلتی ہے تم اس کو دیکھو گے کہ ان کے غار سے داہنے جانب کو بچ جاتی ہے اور جب ڈھلتی ہے تو (غار کے) بائیں طرف کترا جاتی ہے۔ اور وہ ایک کشادہ غار میں تھے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے وہی راہ پاتا ہے۔ اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لئے کوئی مددگار یا راستہ پر لانے والا نہ پائیں گے۔ اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کو جاگتا ہوا سمجھیں گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ اور ہم ان کو کبھی داہنی کروٹ اور کبھی بائیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھلائے ہوئے بیٹھا ہے۔ اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور آپ کے اندر ان کی دہشت سما جائے گی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۷ تا ۱۸

طَلَعَتْ — نکلی ہے۔ نکلا ہے۔

تَزَاوَرُ — بچ جاتا ہے۔

ذَاتُ الْيَمِيْنِ — دائیں جانب۔

تَقْرِضُ — کترا جاتی ہے۔

ذَاتُ الشِّمَالِ — بائیں طرف۔

فَجْوَةٌ — کشادہ۔ کھلی جگہ۔

مُرْشِدٌ — راستہ پر لانے والا۔

اَيْقَاظٌ — جاگتا ہوا۔

رُقُوْدٌ	سوئے ہوئے۔
نُقَلِّبُ	ہم بدلتے ہیں۔
كَلْبٌ	کتا۔
بَاسِطٌ	پھیلانے والا۔
ذِرَاعَيْنِ	دونوں بازو۔
اَلْوَصِيْدُ	دہلیز۔ غار کا منہ
اِطَّلَعْتَ	تونے جھانکا۔
وَلَّيْتَ	تو مڑ جاتا ہے۔
فِرَارٌ	بھاگنا۔
مُلِئْتَ	بھر دیا گیا۔
رُعْبٌ	دہشت۔ رعب۔

تشریح: آیت نمبر ۱۷ تا ۱۸

اصحاب کہف اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں اس لئے اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کے لئے ایسا نظام فرما دیا کہ جس پر جتنا بھی غور کیا جائے گا علم و عقل رکھنے والے اس کو ایک نشانی ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔ دھوپ اور تازہ ہوا انسانی جسم کے لئے ضروری ہے اس لئے اللہ نے اس غار میں ایسا انتظام فرما دیا تا کہ سورج کی گرمی، تپش اور شدت انہیں محسوس نہ ہو اور تازہ ہوا برابر انہیں پہنچتی رہے۔ فرمایا کہ وہ غار ایک کھلی جگہ پر واقع ہے جب سورج نکلتا ہے تو وہ ان کے غار سے داہنی طرف سے بچ کر نکل جاتا ہے اور جب سورج ڈھلتا ہے تو وہ بائیں طرف سے کترا کر نکل جاتا ہے۔ اس طرح وہ غار ہر طرح کی گرمی اور شدت سے محفوظ رہتا ہے۔ فرمایا کہ یہ اللہ کی کھلی ہوئی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے یہ اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے جس کو ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی بہت سے لوگ ہدایت حاصل کرنے کے بجائے گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ جو دیکھتے بھالتے

راہ ہدایت سے منہ موڑ لیتے ہیں ان کو کوئی ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ اللہ کے ان ظاہری انتظامات سے اصحاب کہف نہایت آرام اور سکون سے بے خبر سو رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کو دیکھے تو اسے ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ جاگ رہے ہیں۔ اللہ ان کو ایک پہلو پر نہیں لٹاتا بلکہ ان کو ادھر ادھر کروٹیں دلاتا رہتا ہے۔ فرمایا کہ وہ شکاری کتا جو ان میں سے کسی کے ساتھ لگ کر آ گیا تھا وہ بھی غار کے دھانے پر اپنے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے۔ یعنی سارے ایسے انتظامات کر دیئے ہیں جس سے دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ کچھ لوگ ہیں جو ذرا دیر کے لئے آرام کرنے لیٹ گئے ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے ایک انتظام یہ بھی کر دیا ہے کہ اگر کوئی ان کو دیکھے تو اس پر ایک ایسا رعب و دہشت طاری ہو جائے کہ جس سے وہ الٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان نوجوانوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے گھر بار اور اس کی راحتوں کو چھوڑ کر ایمان کی سلامتی کے لئے پہاڑوں کا انتخاب کیا جہاں کسی طرح کا آرام و سکون ملنے کا بظاہر کوئی ذریعہ نہیں ہوتا لیکن جو لوگ اللہ کے لئے قربانیاں دیتے ہیں اللہ ان کے دلی جذبات کو قبول کر کے ان کے لئے راحت و آرام کا ہر سامان عطا فرما دیتے ہیں۔

کفار مکہ اور قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ بھی اللہ کے لئے قربانیاں دیں گے تو ان کی ہر جدوجہد کی اسی طرح قدر کی جائے گی۔

نیک لوگوں کی صحبت بھی اتنی بڑی چیز ہے کہ وہ شکاری کتا جو ان صاحبان ایمان نوجوانوں کے ساتھ لگ کر آ گیا تھا اور بھوکا پیاسا رہ کر بھی کسی دوسرے در پر نہیں گیا بلکہ ان نیک لوگوں کے ساتھ بھوکا پیاسا رہ کر بھی اسی در سے چمٹا رہا۔ اللہ نے اس کی اتنی قدر فرمائی کہ یہ کتا جب قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کو شرف انسانیت سے نوازا جائے گا۔ شیخ سعدیؒ نے اسی بات کو ایک شعر میں فرمایا کہ حضرت نوحؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کا بیٹا کنعان کفار و مشرکین کے طریقوں پر چلا اور ایمان کی دولت سے محروم رہا تو وہ جہنم کا مستحق بن گیا لیکن اصحاب کہف کا وہ کتا جس نے نیک لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑا اس کو شرف انسانیت سے نوازا جائے گا۔

اس جگہ کتے کا ذکر کتے کی شرافت اور عزت کے لئے نہیں کیا گیا جس سے اپنے گھروں میں کتے پالنے کے لئے دلیل لے لی جائے بلکہ ایک حقیقت کا اظہار ہے جو کہ بیان کر دیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کتے پالنے اور تصویریں لگانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس گھر میں کتا اور تصویر ہوتی ہے اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ ممکن ہے گذشتہ شریعتوں میں کتے پالنے کی گنجائش موجود ہو۔ لیکن شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ شریعت میں شکاری کتا پالنے کی تو اجازت دی گئی ہے لیکن اس کے لئے جو شرائط ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا ہوگا کیونکہ جو کتے شوقیہ پالے جاتے ہیں شریعت میں اس کی قطعاً گنجائش اور اجازت نہیں ہے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱

نصف القرآن بعد دالحروف الی حرف التاء من، کلمة و لیتلطف

ترجمہ: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۱

اسی طرح ہم نے ان کو جگا دیا تا کہ وہ آپس میں پوچھنے لگیں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کس قدر (سوتے) رہے ہوں گے۔ کہنے لگے کہ ایک دن یا ایک دن سے کم۔ کہنے لگے کہ تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ تم کتنی دیر تک (سوتے) رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو تا کہ وہ دیکھے کہ کون سا کھانا حلال اور پاکیزہ ہے تا کہ وہ اس میں سے تمہارے واسطے کھانا لے آئے۔ نہایت آہستگی (احتیاط) سے جائے اور کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اگر ان (کفار) کو پتہ چل گیا تو وہ تمہیں پتھروں سے مار ڈالیں گے یا تمہیں

اپنے مذہب میں لوٹانے کی کوشش کریں گے (اگر ایسا ہوا تو) پھر تمہیں کبھی فلاح وکامیابی نصیب نہ ہوگی۔ اوراس طرح ہم نے ان کے حال پر لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ وہ لوگ اس بات کو جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور قیامت (کے آنے میں) کوئی شک نہیں ہے۔ وہ لوگ آپس میں جھگڑتے رہے تھے کہ ان پر کوئی عمارت بنا دی جائے۔ اللہ ان کے مختلف حالات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ بہر حال جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے (حکام وقت) انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۹ تا ۲۱

لِیَتَسَاءَ لُوْا	تا کہ وہ آپس میں پوچھیں۔
اِبْعَثُوْا	بھیجو۔
وَرَقٌ	سکہ۔ روپیہ پیسہ۔
اَزْکٰی	حلال اور عمدہ۔
وَلْیَتَلَطَّفْ	اور دبے پاؤں جائے۔
لَا یُشْعِرَنَّ	خبر نہ دینا۔
اِنْ یَّظْهَرُوْا	یہ کہ انہوں نے خبر پائی۔
یَرْجُمُوْنَ	وہ پتھر ماریں گے۔ سنگسار کر دیں گے۔
یُعِیْدُوْنَ	وہ لوٹائیں گے۔
لَنْ تُفْلِحُوْا	تم ہرگز فلاح نہ پاؤ گے۔
اَبَدًا	ہمیشہ۔
اَعْثَرْنَا	ہم نے مطلع کر دیا۔
یَتَنَازَعُوْنَ	وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔
غَلَبُوْا	جو غالب ہو گئے۔

تشریح: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۱

اصحاب کہف عرصے تک پرسکون نیند سوتے رہے۔ پھر اللہ نے ان کو گہری نیند سے جگا دیا۔ جب وہ سوکر اٹھے تو انہیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ وہ تین سونو سال تک اتنی گہری نیند سوتے رہے ہیں کہ اس عرصہ میں ان کے ملک اور شہر کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ یہ نوجوان جن کو اصحاب کہف فرمایا گیا ہے دقیانوس بادشاہ کے ظلم وزیادتی سے تنگ آکر پہاڑوں کی طرف چلے گئے تھے جب وہ بیدار ہوئے اس وقت نہ صرف ان کے ملک کی حالت بدل گئی تھی بلکہ ایک مومن بادشاہ بیدوسیس کی حکومت آچکی تھی۔ ان کا وہ شہر جس کو تاریخ میں شہر افسوس لکھا گیا ہے اس کا نام بھی طرسوس ہوگیا تھا (تفسیر قرطبی)۔ انہوں نے جاگتے ہی آپس میں پوچھنا شروع کیا کہ ہم کتنی دیر تک سوتے رہے ہوں گے۔ کسی نے کہا دن بھر یا آدھے دن تک سوتے رہے ہیں۔ پھر خود ہی کہنے لگے کہ ان بحثوں کو چھوڑو بھوک لگ رہی ہے کسی کو شہر بھیج کر کھانا منگوایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص جس کا نام یملیخا تھا اس سے کہا کہ دیکھو پوری ہوشیاری اور احتیاط سے شہر میں داخل ہو کر کھانا لے آنا کسی کو معلوم نہ ہو کہ تم کون ہو اگر بادشاہ وقت یا اس کے لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ ہمیں پتھر مار کر ہلاک کردیں گے یا اپنے دین میں لوٹانے کی کوشش کریں گے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یقیناً ہماری دنیا اور آخرت برباد ہو کر رہ جائے گی اور ہمیں کوئی فلاح وکامیابی نصیب نہ ہوگی۔ یملیخا چند سکے لے کر نہایت احتیاط سے شہر پہنچ گیا۔ اسے شہر اور لوگوں کی بدلی ہوئی حالت پر حیرت تو ہوئی لیکن اس کو کھانا لے جانے کی جلدی تھی۔ اس نے کھانا لیا جب اس نے کھانے کے بدلے میں اپنا سکہ دینا چاہا تو اس دوکاندار نے بڑی حیرت سے اس سکہ کو دیکھا کچھ اور لوگوں کو بھی جمع کر لیا وہ سب یہ سمجھے کہ اس نوجوان کو پرانے زمانے کا کوئی خزانہ ہاتھ آگیا ہے۔ بات ہوتے ہوتے حکمرانوں اور پھر بادشاہ تک پہنچ گئی۔ بادشاہ جس کو یہ بات معلوم تھی کہ کئی سو سال پہلے کچھ نوجوان اچانک غائب ہوگئے تھے۔ جب حالات معلوم ہوئے تو اس کو یقین ہوگیا کہ یہی وہ نوجوان ہیں جو اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے شہر کو چھوڑ کر پہاڑوں میں گم ہوگئے تھے۔ بادشاہ نے یملیخا کا بہت احترام کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بقیہ ساتھیوں سے بھی ملنا چاہتا ہے۔ بادشاہ، اس کے وزیر اور شہر کے ہزاروں آدمی جن کو اصحاب کہف کے حالات کی اطلاع ہوگئی تھی وہ سب پہاڑوں کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب دور سے اصحاب کہف نے دیکھا کہ یملیخا کے ساتھ بادشاہ اور ہزاروں شہری ہیں وہ یہ سمجھے کہ شاید ظالم بادشاہ اور اس کے درباریوں کو ہمارے متعلق معلوم ہوگیا ہے اور وہ ہمیں پکڑنے آرہے ہیں وہ پہاڑوں کی طرف چلے گئے۔ جب بادشاہ اور اس کے ساتھی وہاں پہنچے اور وہ نہ ملے تو یملیخا نے کہا کہ میں ان کو تلاش کرتا ہوں آپ سب لوگ یہیں ٹھہریں۔ چنانچہ یملیخا چلا گیا اور اللہ نے ان سب اصحاب کہف پر پھر سے نیند کو غالب کردیا جب بادشاہ اور اس کے ساتھ آنے والے اصحاب کہف کو نہ پاسکے تب ارباب اقتدار نے فیصلہ کیا کہ یہاں یادگار کے طور پر مسجد بنادی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گمان کے مطابق اس جگہ ایک مسجد تعمیر کردی۔ اس واقعہ کے مزید پہلوؤں کا بیان تو آئندہ آیات میں آئے گا۔ یہاں ان آیتوں کی چند باتوں کو سمجھ لیا جائے۔

۱۔ اصحاب کہف پر طویل نیند طاری کی گئی تو وہ تین سو نو سال تک پڑے سوتے رہے اس عرصہ میں انہوں نے کسی غذا کو استعمال نہیں کیا لیکن جب وہ بیدار ہوئے تو نہایت چست اور تندرست تھے اور بیدار ہوتے ہی ان کو بھوک پیاس نے ستانا شروع کردیا یہ قدرت کی اتنی بڑی نشانی ہے جس پر غور کرنے سے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ موت فنا کا نام نہیں ہے بلکہ ایک طویل نیند کا نام ہے جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کی قیامت شروع ہوجاتی ہے کیونکہ اب اس کو ایک طویل نیند کے بعد اٹھ کر کھڑا ہوجانا ہے اور حشر کے دن اس کی آنکھ کھلے گی اور اس کو اپنی زندگی میں کیئے ہوئے ہر کام کا حساب پیش کرنا ہوگا۔ ایک طویل عرصے تک قبر میں سوتے رہنے کے باوجود اس کو جاگنے کے بعد ایسا محسوس ہوگا جیسے بس وہ ابھی سویا تھا اور وہ ایک نیند لے کر کھڑا ہوگیا ہے۔ البتہ کفار مشرکین اور فاسق جب بیدار ہوں گے تو ان کو یہ نیند بہت لمبی محسوس ہوگی۔

۳۔ جب یملیخا کھانا لینے جارہے تھے تو بقیہ ساتھیوں نے کہا کہ ''ازکی طعاماً'' یعنی حلال اور پاکیزہ کھانا لانا۔ انہوں نے یہ احتیاط اس لئے برتی کہ اس زمانہ میں اخلاقی و مذہبی بگاڑ اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ لوگ اپنے بتوں کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مومن کو ہر حال میں حلال اور پاکیزہ رزق کی فکر رہنی چاہیے۔

۴۔ یرجموکم۔ یعنی اگر بادشاہ وقت کو ہمارا پتہ چل گیا تو وہ ہمیں سنگسار کردے گا یعنی پتھر مار مار کو ہلاک کردے گا یا وہ زبردستی ہمیں بت پرستی پر مجبور کردے گا۔ انہوں نے کہا اگر ایسا ہوا تو ہمیں دنیا اور آخرت میں کوئی فلاح اور کامیابی نصیب نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی فلاح اور کامیابی صرف ایک اللہ کی عبادت و بندگی میں ہے غیر اللہ کی عبادت و بندگی انسان کو دنیا اور آخرت میں برباد کردینے والی چیز ہے۔

۵۔ بیدوسس بادشاہ اور اس کے درباریوں کو جب اصحاب کہف کا کچھ بھی پتہ نہ چلا تب انہوں نے اس جگہ ایک مسجد تعمیر کردی تاکہ یہ جگہ یادرہے لیکن اگر کچھ لوگ اس واقعہ سے مردوں کے قبے اور مقبرے بنانے کی دلیل لینا شروع کردیں تو ان کی عقلوں پر صرف افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اول تو اس دور کی بات ہے جب شریعت مصطفوی نہ تھی بلکہ عیسائیت کے قوانین رائج تھے ممکن ہے اس شریعت میں اس کی گنجائش ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے ٹھیک اسی جگہ مسجد نہیں بنائی تھی جہاں اصحاب کہف غائب ہوگئے تھے بلکہ کسی پہاڑ پر یادگار کے طور پر مسجد بنادی تھی۔ اس سے قبروں پر قبے اور مقبرے بنانے کی دلیل کیسے لی جاسکتی ہے۔

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جس شریعت کو لے کر تشریف لائے ہیں ہم اس کی اطاعت کے ذمے دار ہیں اور نبی کریم ﷺ کی شریعت میں قبروں پر قبے، مقبرے بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے

''ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ اگر ان میں سے کوئی نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنادیا کرتے تھے اور اس کی تصویریں بھی بنادیا کرتے تھے۔ قیامت کے دن وہ بدترین مخلوق میں سے ہوں گے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد)

اس موقع پر مزید تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس کے لئے بزرگان دین کی کتابوں سے رجوع کرلیا جائے تو انشا اللہ اس کی تفصیل بخوبی معلوم ہو سکے گی۔ اللہ ہمیں ہر طرح کی گمراہیوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيلٌ ۥ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

ع ۳ / ۱۵

ترجمہ: آیت نمبر ۲۲

عنقریب کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ لوگ اندازے سے باتیں کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کو ان کی گنتی (معلوم ہے) وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ بہت تھوڑے لوگوں کو (اس کی حقیقت) کا علم ہے۔ آپ اس معاملہ میں ان سے نہ جھگڑیں اور سرسری سی بحث کیجئے۔ اور ان میں سے کسی سے بھی حال معلوم نہ کیجئے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۲

سَيَقُولُونَ — وہ عنقریب کہیں گے۔

ثَلٰثَةٌ — تین۔

رَابِعٌ — چوتھا۔

کَلْبٌ	کتا۔
خَمْسَةٌ	پانچ۔
سَادِسٌ	چھٹا۔
رَجْمٌ	پتھر پھینکنا۔ اندازہ لگانا۔
بِالْغَيْبِ	بن دیکھے۔
سَبْعَةٌ	سات۔
ثَامِنٌ	آٹھواں۔
لَا تُمَارِ	بحث نہ کرو۔
لَا تَسْتَفْتِ	مت پوچھو۔
اَحَدٌ	کوئی ایک۔ کسی ایک سے۔

تشریح: آیت نمبر ۲۲

قرآن کریم میں علم و تحقیق سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ان بے کار بحثوں اور گفتگو سے منع کیا گیا ہے جن کا حاصل سوائے زبانی جمع جوڑ بحثوں اور بے معنی گفتگو کے اور کچھ نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کی سب سے بڑی کمزوری بلکہ ان کی بربادی کا بڑا سبب بے تکے سوالات اور بے کار بحثوں میں پڑنا تھا اصول کی بات یہ ہے کہ جو قوم اور اس کے افراد فضول اور بے کار کی بحثوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں ان کو کسی حسن عمل کی توفیق نہیں ملتی۔ قرآن کریم جس کے نازل کرنے کا بنیادی مقصد ایمان اور عمل صالح میں پختگی اور دنیا و آخرت میں صحیح طرز عمل اختیار کر کے ہر طرح کی فلاح حاصل کرنا ہے اس نے فضول بحثوں اور باتوں سے بچنے کی تاکید کی ہے تا کہ انسانی صلاحیتیں صرف فضول اور بے کار باتوں کی نظر نہ ہو جائیں۔ فرمایا کہ جب آپ ان لوگوں کو اصحاب کہف کا واقعہ سنائیں گے تو بے عمل لوگ آپ سے طرح طرح کے سوالات کریں گے۔ کوئی کہے گا کہ اصحاب کہف کی تعداد تین تھی اور چوتھا ان کا کتا تھا، کوئی کہے گا کہ نہیں بلکہ ان کی تعداد پانچ تھی اور چھٹا ان کا کتا تھا کوئی کہے گا کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اس

طرح وہ باتیں اور بحثیں کرنے کے بہانے تلاش کریں گے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ان کی باتوں میں نہ پڑیں اور نہ ان کے کہنے سے اپنے ذہن کو ادھر ادھر لے جائیں کیونکہ اس بات کا سب سے بہتر علم اللہ کے پاس ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی۔ آپ پیغام حق پہنچا دیجئے بقیہ ان کی باتوں کو سرسری طور پر سن کر نظر انداز کر دیجئے۔

علماء امت اور مفسرین نے بھی ان باتوں کی تحقیق میں اپنا وقت نہیں لگایا البتہ بعض صحابہ کرام نے اصحاب کہف کی تعداد کو بتایا ہے اس پر ہم ضرور غور کر سکتے ہیں۔

حضرت عبد اللہؓ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اصحاب کہف کی تعداد سات تھی کیونکہ آیت کی ابتداء میں اللہ کے ارشاد کا انداز اور تھا اور آخر میں بغیر واؤ عاطفہ کے اور ہے۔ بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تعداد سات تھی ان کا کتا اس تعداد کے علاوہ ہے۔

بہر حال اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اہل ایمان اس بات پر غور فرمائیں کہ اصحاب کہف کی تعداد جتنی بھی تھی ایک بات ان سب میں مشترک تھی اور وہ یہ تھی کہ ایمان کی حفاظت اور حسن عمل کا اتنا عظیم جذبہ تھا کہ انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کرنے میں مصلحتوں کا سہارا نہیں لیا۔ انہوں نے اپنے گھر بار کی راحتیں چھوڑنا گوارا کیا لیکن باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا انہوں نے حق و صداقت کے لئے دنیا کے اسباب پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا۔ اصحاب کہف کے اس عظیم جذبے کو آگے بڑھایا جائے محض ان بحثوں سے کیا فائدہ کہ ان کی تعداد کتنی تھی۔ ان کے کتے کا رنگ کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اس مسئلہ پر کوئی خاص گفتگو نہیں کی بلکہ سرسری طور پر کچھ اس کی تفصیل ارشاد فرمائی ہے۔

درحقیقت کفار مکہ سے اور قیامت تک آنے والے لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ وہ چند نوجوان جنہوں نے اللہ کی رضا کے لئے اپنی جوانی اور راحتوں کو قربان کر دیا تھا لیکن جھوٹے معبودوں اور ظالم بادشاہ کے ظلم کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا یہ ان کی سب سے بڑی عظمت ہے لیکن یہ کیسے لوگ ہیں جو ابراہیمی ہونے پر فخر تو کرتے ہیں لیکن حضرت ابراہیم اور اصحاب کہف جیسا جذبہ پیدا نہیں کرتے اللہ تو اپنے بندوں کے معمولی سے حسن عمل کو بھی بہت پسند کرتا ہے جو لوگ اپنی جوانیوں کو اور اپنی راحتوں کو اللہ کے لئے قربان کر دیتے ہیں اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں عظیم مقام عطا فرماتے ہیں۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

ترجمہ: آیت ۲۳ تا ۲۴

(اے نبی ﷺ) آپ کسی چیز کے بارے میں یہ ہرگز نہ کہا کریں کہ "میں یہ کام کل کر دوں گا ہاں اگر اللہ چاہے۔" اگر آپ بھول جائیں تو فوراً اپنے رب کو یاد کرلیا کیجئے اور یہ کہئے کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار اس معاملہ میں میری بہت جلد بہترین رہنمائی کرے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴

لَاتَقُوْلَنَّ	تو ہرگز مت کہنا۔
لِشَایْءٍ	کسی چیز کے لئے۔
فَاعِلٌ	کرنے والا۔
غَدًا	کل۔
اُذْکُرْ	یاد کر۔
نَسِیْتَ	تو بھول گیا۔
عَسیٰ	شاید۔توقع۔
یَھْدِیَنِ	وہ مجھے راہ دکھائے گا۔
اَقْرَبُ	زیادہ قریب۔
رَشَدٌ	سمجھنا۔رہنمائی۔

تشریح: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کو۔ زندگی کے ہر انداز اور معاملات زندگی کو ہر اس شخص کے لئے بہترین نمونہ عمل بنا دیا ہے جو اللہ کی رحمت کی امید، آخرت کی فکر اور خوب اللہ کا ذکر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو منصب نبوت عطا فرمایا ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ آپ لوگوں تک اللہ کا پیغام پوری دیانت سے

پہنچادیں اور اللہ کے احکامات پر عمل کرانے کے بعد ایک ایسی سوسائٹی یا معاشرہ بنادیں جو قیامت تک موجود اور آنے والی نسلوں کے لئے نشان منزل بن جائے۔ اور ہر شخص کو اس کا خوگر بنادیں کہ اس کائنات کا نظام اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو چلاتا ہے۔ وہ اس کے چلانے میں کسی طرح کسی کا محتاج نہیں ہے۔ ہر شخص کو اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ اس کائنات میں کیا چیز بہتر ہے اور کیا چیز بری اور بدترین ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں کام میں کرسکتا ہوں تو بے شک اللہ نے جو اس کو طاقت وقوت اور توانائی بخشی ہے اس سے وہ اس کام کو کرسکتا ہے لیکن خود انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جس کام کو کر رہا ہے اس میں خیر ہے یا نہیں ہے۔ اسی لئے اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ انسان جب بھی کسی کام کا ارادہ کرنا چاہے تو اللہ پر بھروسہ کرلیا کرے یعنی اس طرح کہہ دیا کرے کہ انشاء اللہ میں یہ کام کل کو کردوں گا۔ اگر اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کے باوجود وہ کام نہ ہویا اس میں تاخیر ہوجائے تو یقیناً اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔

اسی بات کو اس آیت میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی وساطت سے آپ کی امت کو تعلیم دی جارہی ہے کہ جب بھی آئندہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ ہو تو یہ ضرور کہہ لیا جائے انشاء اللہ یہ کام میں کل کردوں گا۔ یعنی اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ پر بھروسہ کرلیا جائے۔ سورۃ کہف کے نزول کے وقت جب کفار مکہ نے اصحاب کہف کے متعلق پوچھا تو آپ نے یہ سوچ کر کہ کل جبرئیل آئیں گے تو میں ان سے پوچھ کر بتادوں گا۔ آپ نے یہ کہہ دیا کہ ''میں یہ بات تمہیں کل بتادوں گا'' چونکہ آپ ﷺ کی ذات پاک امت کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے آپ کی امت کو سکھانے کے لئے چند روز تک وحی نازل نہیں ہوئی۔ جبرئیل امین نہیں آئے۔ کفار کو مذاق اڑانے اور جملے کسنے کا موقع مل گیا جس سے آپ کو خاصی پریشانی ہوگئی۔ چند روز کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کی زندگی موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ہے۔ لہٰذا آئندہ جب بھی مستقبل میں کئے جانے والا کام یا کوئی بات فرمائیں تو انشاء اللہ کہہ لیا کریں تاکہ اللہ پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے کام درست ہوجائیں اور ان کی رکاوٹیں دور ہوجائیں۔ اور ہر شخص یہ بات جان لے کہ اس کائنات میں ہر کام اللہ کی قدرت، اس کے حکم اور کسی مصلحت سے ہوتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ
ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا
لَبِثُوْا ۚ لَہٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِہٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا
لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۡ وَّلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۵ تا ۲۶

اور وہ (اصحاب کہف) اپنے غار میں تین سو سال اور ان کے اوپر چند سال (309) تک (تک سوتے) رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت وہاں رہے۔ آسمانوں اور زمین کے بھید وہی جانتا ہے۔ وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے۔ ان کے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا مددگار نہیں ہے۔ وہ اپنے حکم (فیصلے) میں کسی کو شریک نہیں کیا کرتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۵ تا ۲۶

لَبِثُوْا	وہ ٹھہر رہے۔ رکے رہے۔
ثَلٰثَ مِائَةٍ	تین سو۔ (سال)۔
اِزْدَادُوْا	انہوں نے بڑھایا۔
تِسْعًا	نو (۹)۔
اَعْلَمُ	زیادہ بہتر جانتا ہے۔
اَبْصِرْبِهٖ	اس کے ساتھ زیادہ دیکھنے کی طاقت۔
اَسْمِعْ بِهٖ	اس کے سننے کی زیادہ طاقت۔
اَحَدٌ	کوئی ایک۔ کسی کو۔

تشریح: آیت نمبر ۲۵ تا ۲۶

اللہ کو اس بات کا پوری طرح اور بہتر علم ہے کہ اللہ کے وہ نیک بندے جنہیں اصحاب کہف کہا جاتا ہے وہ تین سو نو سال تک اس غار میں سوتے رہے ہیں۔ وہ جتنی دیر بھی سوئے انہیں اٹھنے کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے وہ دن بھر یا آدھے دن تک سوتے رہے

ہیں۔ انہیں اس کا اندازہ ہی نہ تھا کہ ان پر صدیاں بیت گئیں۔ جس شہر میں وہ رہتے تھے اس شہر کا انداز، رہن سہن، سلطنت کا انداز، سکہ (کرنسی) سب بدل چکے تھے۔ اصحاب کہف کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کتنی طویل مدت تک سوتے رہے ہیں اس لئے انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تم چپکے سے پوری احتیاط کے ساتھ شہر جا کر ہم سب کے لئے کھانا لے آؤ۔ اس طرح جانا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو۔ چنانچہ اصحاب کہف میں سے ایک شخص جس کا نام مفسرین نے یملیخا بتایا ہے وہ شہر گیا اور اس طرح (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے) لوگوں پر ان کا حال کھل گیا۔ اس پورے واقعہ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کائنات میں ساری قدرتیں صرف اللہ کی ہیں غیب کا سارا علم صرف اللہ کو حاصل ہے۔ وہ اس میں سے جس کو چاہے جتنا چاہے غیب کا علم فرما دیتا ہے لیکن غیب کا علم جاننے سے کوئی شخص عالم الغیب نہیں بن جاتا صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے۔ چنانچہ اس واقعہ میں صاف ظاہر ہے کہ اصحاب کہف کو کچھ معلوم نہ تھا کہ صدیوں تک ان پر کیا گذری ہے۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ جو اللہ کے پیغمبر ہیں ان کا یہ حال ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کے حاسد بھائیوں نے ان کو کنویں میں پھینک دیا اور اس سے مطمئن ہو گئے کہ حضرت یوسف تڑپ تڑپ کر اس کنویں میں جان دے چکے ہوں گے تب انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو یہ جھوٹی خبر پہنچائی کہ حضرت یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کی بات پر صبر فرما لیا۔ اور ان کو یہ معلوم تک نہ ہو سکا کہ ان کا لخت جگر صرف کچھ فاصلے پر ایک کنویں میں پھینک دیا گیا ہے لیکن جب حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ بن گئے اور انہوں نے اپنے والد کے لئے اپنا قمیص بھیجا تا کہ وہ قمیص ان کے چہرے پر ڈال دیا جائے اور ان کی بینائی دوبارہ لوٹ آئے ادھر وہ قمیص مصر سے فلسطین کی طرف روانہ ہوا ہے (وہ فلسطین جو مصر سے ایک طویل فاصلے پر ہے) تو حضرت یعقوب نے فرمایا کہ مجھے یوسف کے پیراہن کی خوشبو آ رہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ وہی ہر غیب کا پوری طرح علم رکھتا ہے اور علم الغیب جتنا کسی کو دینا چاہے دیدیتا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس کائنات میں ساری قوتیں صرف اللہ کیلئے ہیں اس کو ہر چیز کا علم ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اس کائنات کے نظام کو چلاتا ہے۔ وہ اس کائنات کے چلانے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ یہ انسان کی سعادت ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لا کر عمل صالح اختیار کرتا ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ قف وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۷ تا ۲۹

(اے نبی ﷺ) آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب میں سے جو کچھ وحی کی گئی ہے اس کو سنا دیجئے۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور آپ اس سے بھاگ کر پناہ کی جگہ ہرگز نہ پا سکیں گے۔ اور اپنے آپ کو ایسے لوگوں کے ساتھ روکے رہیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں۔ دنیاوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان کی طرف سے ہرگز نہ بدلیں۔ اور ان کا کہنا نہ مانئے جن کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔ اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں حد سے گزر گئے ہیں۔ اور آپ کہہ دیجئے کہ سچائی آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ پس جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ ہم نے بہرحال ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں ان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اگر وہ پانی مانگنا چاہیں گے تو ان کی خاطر داری ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کے تلچھٹ کی طرح کھولتا ہوا ہوگا جو ان کے منہ کو بھون ڈالے گا۔ بدترین پینے کی چیز اور بری آرام گاہ ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٢٧ تا ٢٩

اُتْلُ پڑھیے۔سنایئے۔

مُلْتَحَدٌ پناہ کی جگہ۔

لَاتَعْدُ نہ پھریں۔

تُرِيْدُ تو چاہتا ہے۔

لَاتُطِعْ کہنا مت مان۔

هَوَاهُ اس کی خواہش۔

فُرُطًا حد سے آگے بڑھنے والے۔

اَحَاطَ گھیر لیا۔

سُرَادِقٌ پردہ کی دیوار۔قنات۔

يَسْتَغِيْثُوْا وہ مدد چاہیں گے۔

مُهْلٌ وہ چیز جو طبیعت پر ناگوار ہو۔

يَشْوِىْ بھون ڈالتی ہے۔

اَلشَّرَابُ پینے کی چیز۔

مُرْتَفَقٌ آرام کرنے کی جگہ۔

تشریح: آیت نمبر ٢٧ تا ٢٩

نبی کریم ﷺ کی شدید دلی خواہش تھی کہ اگر عرب کے سردار اور بااثر لوگ ایمان لے آئیں تو سارا عرب اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا اور کفر و شرک کی کمر ٹوٹ کر رہ جائے گی۔آپ اللہ کا دین پھیلانے کی جدو جہد میں رات دن کوششیں فرماتے

رہتے تھے۔ ایک طویل عرصے کی جدوجہد کے نتیجے میں اکابر صحابہؓ کے علاوہ اکثر ان چند لوگوں نے اسلام قبول کیا جو معاشرہ کے انتہائی غریب، بے کس اور غلام تھے۔ جب آپ کفار مکہ کو اسلام کی دعوت دیتے تو ان کا یہ عذر ہوتا تھا کہ اے محمد ﷺ! ہم آپ کے پاس آنا تو چاہتے ہیں مگر آپ کے پاس ایسے غریب نادار اور غلام بیٹھے رہتے ہیں جن کے پاس بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ پہلے آپ اپنی مجلس سے ایسے لوگوں کو نکال دیں تب ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی باتیں سن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے ان آیات کو نازل فرمایا جس میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کیجئے جس میں انسانی زندگی کی سچائیاں ہیں جو کبھی نہ تبدیل ہونے والی ہیں اور انسان کے لئے آخری پناہ گاہ اللہ ہی کی ذات ہے۔ فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑیئے جو اللہ پر ایمان کے سچے جذبے کے ساتھ آپ پر ایمان لائے ہیں جیسے حضرت عمارؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت و بندگی اور اس کی رضا و خوشنودی کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ ان سے کبھی منہ نہ پھیریئے اور جو لوگ زندگی کی سچائیوں سے منہ موڑ کر چلتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی بااثر کیوں نہ ہوں ان کی رفاقت اور قرب اختیار نہ کیجئے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے ایسے لوگ اپنی خواہشات نفس کے غلام بنے ہوئے ہیں اور وہ کسی حد پر جا کر رکنے والے نہیں ہیں۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ فرما دیجئے کہ یہ سچائی میرے رب کی طرف سے ہے۔ جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے وہ کفر کا راستہ اختیار کر لے۔ لیکن ایسے لوگ اس بات کو ضرور اپنے ذہن میں رکھ لیں کہ جس نے بھی کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا اس کے لئے ایسی جہنم تیار ہے جس کی لپٹیں ان کو گھیر لیں گی اور جب وہ اس آگ میں اپنی پیاس بجھانے کے لئے پانی مانگیں گے تو ان کو تیل کی تلچھٹ یا لہو پیپ دیا جائے گا جو ان کے منہ کو جلا کر راکھ کر دے گا اور اس وقت ان کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ جہنم کا کھانا اور ٹھکانا بدترین چیز ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

ع ۹ ۱۶ ۴

ترجمہ: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۱

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے بلاشبہ ہم ان کا اجر ضائع نہیں کریں گے جنہوں نے بہترین کام کئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہمیشہ رہنے کی جنتیں ہونگی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک ریشم اور دبیز ریشم کے سبز رنگ کا لباس پہنائے جائیں گے اور وہ مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ یہ بہترین صلہ ہے اور اعلیٰ ترین آرام گاہ۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۰ تا ۳۱

لَانُضِیْعُ	ہم ضائع نہیں کریں گے۔
اَحْسَنُ	زیادہ بہترین۔
یُحَلَّوْنَ	پہنائے جائیں گے۔
اَسَاوِرٌ (سِوَارٌ)	کنگن۔ کلائی کا زیور۔
ذَھَبٌ	سونا۔
یَلْبَسُوْنَ	وہ پہنیں گے۔
ثِیَابٌ (ثَوْبٌ)	کپڑے۔
خُضْرٌ	سبز رنگ۔
سُنْدُسٌ	باریک تاروالا ریشم۔
اِسْتَبْرَقٌ	موٹے تار سے بنا ریشم۔
مُتَّکِئِیْنَ	تکیہ لگانے والے۔
اَلْاَرَائِکُ (اَرِیْکَۃٌ)	مسہریاں۔ تخت۔
نِعْمَ الثَّوَابُ	بہترین بدلہ۔
حَسُنَتْ	نہایت عمدہ

تشریح: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۱

اس سے پہلی آیات میں کفار و مشرکین کے برے اعمال اور برے انجام کا ذکر تھا اب ان آیات میں اہل ایمان اور ان کے بہترین انجام کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

فرمایا کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح اختیار کرتے ہیں ان کی ہر نیکی چھوٹی ہو یا بڑی اس کو اللہ ضائع نہیں فرمائیں گے بلکہ اس کی قدر کرتے ہوئے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ اور انسان کی ہر نیکی اور حسن عمل اللہ کے ہاں پوری طرح محفوظ ہے۔ ایسے نیکو کاروں کو شاہانہ باغات اور حسین ترین محلات عطا کئے جائیں گے۔ ان کا لباس بھی انتہائی خوبصورت اور شاہانہ ہوگا۔ بادشاہوں کی طرح سونے کے کنگن اور باریک ریشم اور دبیر ریشم کے لباس پہنے ہوئے بڑی شان سے مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ یہ سب کچھ ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کا بہترین انجام ہوگا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ تو اپنے عیش و آرام، خوبصورت باغات، حسین محلات اور بہترین لباس کے لئے طرح طرح کے جتن کرتے ہیں کبھی کبھی تو ظلم و زیادتی یا انسانی کھوپڑیوں پر اپنے محلات تعمیر کرتے ہیں تب جا کر وہ سونے کے کنگن پہن کر فخر کرتے ہیں لیکن یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے والوں کو جنت میں ہمیشہ کی راحتیں عطا کی جائیں گی۔ دنیا کی بادشاہتیں اور عیش و آرام تو ایک وقت تک ہیں پھر موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں لیکن اہل جنت کو جو انعامات دیئے جائیں گے وہ ہمیشہ کے لئے ہوں گے۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ وہ عارضی طور پر اس دنیا کی راحتیں بھی عطا فرمادے اور بادشاہوں کے تاج و تخت اہل ایمان کے قدموں کی دھول بنادے۔ چنانچہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے جب ایمان اور عمل صالح اختیار کر کے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں تو قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت ان کے قدموں کی دھول بن گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے شاہانہ تاج و تخت ان کے وضو خانہ کے کمروں میں استنجے کے ڈھیلوں کے ساتھ پڑے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرامؓ کو قیامت میں جنت کی ابدی راحتیں عطا فرمائیں گے جس کا تصور تو اس دنیا میں کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا کیا نعمتیں دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایمان و صالح کا پیکر بنا کر جنت کی راحتوں کا حق دار بنادے۔ آمین۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۲ تا ۳۶

ان سے دو آدمیوں کا حال بیان کیجئے۔ ہم نے ان میں سے ایک کے لئے انگور کے دو باغ رکھے تھے ان کے چاروں طرف کھجوروں کی باڑھ اور ان کے درمیان کھیتی لگا رکھی تھی۔ دونوں باغ اپنا پھل خوب لا رہے تھے اور اس کی (پیداوار) میں کمی نہ تھی اور ہم نے ان دونوں کے درمیان نہر بہادی تھی جس سے اور بھی پیداوار تھی۔ باتیں کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میرے پاس تجھ سے زیادہ مال ہے اور میرے لوگ بھی تجھ سے بہت زیادہ ہیں اور وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہوا باغ میں داخل ہوا اور کہنے لگا کہ میرا خیال نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا۔ اور میرا خیال ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی اور اگر کبھی اپنے رب کے پاس پہنچا تو میں وہاں اس سے بھی بہتر حاصل کرلوں گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۲ تا ۳۶

اِضْرِبْ	بیان کر۔ مار۔
رَجُلَيْنِ (رَجُلٌ)	مردوں۔ دوآدمی۔
اَعْنَابٌ (عِنَبٌ)	انگور۔
حَفَفْنَا	ہم نے گھیر لیا۔ محفوظ کرلیا۔
نَخْلٌ	کھجور۔
زَرْعٌ	کھیتی۔
كِلْتَا	دونوں۔
اُكُلٌ	پھل۔
لَمْ تَظْلِمْ	کم نہیں کیا۔
فَجَّرْنَا	ہم نے بہادیا۔
يُحَاوِرُ	بات چیت کرتا ہے۔
اَعَزُّ	میں زیادہ عزت والا ہوں۔
نَفَرٌ	لوگ۔ جماعت۔
تَبِيْدَ	اجڑ جائے گا۔
اَلسَّاعَةُ	قیامت۔ گھڑی۔
رُدِدْتُّ	میں لوٹایا گیا۔
مُنْقَلَبٌ	(بہترین) جگہ لوٹنے کی۔

تشریح: آیت نمبر ۳۲ تا ۳۶

کفار مکہ کے اس مطالبہ کا ذکر گذشتہ آیات میں کیا گیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اے نبی ﷺ ہم آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کے پاس ہمارے معاشرہ کے وہ غریب اور بدحال لوگ بیٹھے ہیں جن کے پاس بیٹھنا ہماری توہین ہے تو ہم آپ کے پاس آنے سے رک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مغرور اور متکبر لوگوں کو سمجھانے کے لئے بطور مثال ایک واقعہ بیان کیا ہے دو آدمی تھے ان میں سے ایک تو اللہ کی بے انتہا نعمتوں کے باوجود ناشکرا پن اور تکبر کا اظہار کر کے اپنی بڑائی بیان کرتا تھا دوسرا شخص اللہ کا فرماں بردار اور عاجزی وانکساری کا پیکر تھا۔ یہ دونوں ہوسکتا ہے بنی اسرائیل کے دو آدمی ہوں یا اس واقعہ کو ایک مثال کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہو۔ بہر حال ان آیتوں میں سرداران مکہ اور قیامت تک آنے والے ہر متکبر اور مغرور شخص کو بتایا گیا ہے کہ اللہ کو کسی کا غرور اور تکبر قطعاً پسند نہیں ہے اسے عاجزی، انکساری اور اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ کرنے والے لوگ بے انتہا پسند ہیں۔

فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک شخص وہ تھا جسے پھلوں سے لدے ہوئے دو باغ دیئے گئے تھے جن میں انگور اور کھجوروں کی باڑھ تھی۔ سرسبز وشاداب کھیتیاں، پھل دار درخت اور بہتی ندی تھی جس سے ہر طرح کا نفع حاصل ہوتا تھا۔ مال و دولت کی ریل پیل، عزت وسربلندی، رشتہ داروں اور دوستوں کے ہجوم نے اس کو اتنا مغرور کر دیا تھا کہ ایک دن اپنے کسی غریب دوست یا رشتہ دار کو پھلوں اور پھولوں سے لدے پھندے باغات میں لے جا کر کہنے لگا کہ یہ میرے باغات ہیں، لہلاتی کھیتیاں، سرسبزی وشادابی، دنیا کا بے انتہا سامان، رشتہ داروں اور لوگوں کی بھیڑ میری عزت وسربلندی اتنی زیادہ ہے کہ اب مجھے نہ تو کوئی برباد کرسکتا ہے۔ اور یہ آخرت، قیامت سب کہنے کی باتیں ہیں پتہ نہیں قیامت آئے گی یا نہیں۔ میں تو اللہ کا محبوب بندہ ہوں کیونکہ اگر وہ اللہ مجھ سے ناراض ہوتا تو مجھے یہ سب کچھ کیوں دیتا۔ آخرت میں بھی میں راحت وآرام سے رہوں گا کیونکہ جب میں اللہ کا محبوب بندہ ہوں تو وہ مجھے وہاں آخرت کی نعمتوں سے کیوں محروم رکھے گا۔ اس کے یہ سب کچھ کہنے کا مقصد اس غریب آدمی کا مذاق اڑانا تھا جو اللہ اور آخرت پر ایمان ویقین رکھنے والا اور تقویٰ وپرہیزگاری کی زندگی گذارنے والا شخص تھا۔ اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تمہیں تمہاری نیکی اور پرہیزگاری نے کیا دیا؟ سوائے فقر وفاقہ اور غربت وافلاس کے تمہارے پاس کیا ہے؟ اس واقعہ کی تفصیل تو اس سے اگلی آیات میں آرہی ہے۔ ٹھیک اسی طرح کفار مکہ ان مومنوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے جو ایمان وعمل صالح کی وجہ سے فقر وفاقہ کی زندگی گذار رہے تھے۔ حالانکہ اللہ نے انجام کے اعتبار سے صحابہ کرام کو دین ودنیا کی تمام بھلائیاں عطا فرمائی تھیں۔ مگر یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی اس واقعہ کی باقی تفصیل اگلی آیات میں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ
اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝٣٧ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝٣٨
وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ
اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝٣٩ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ
يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاۗءِ
فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝٤٠ۙ اَوْ يُصْبِحَ مَاۗؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ
لَهٗ طَلَبًا ۝٤١ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰي مَآ
اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ
لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝٤٢ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝٤٣ۭ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ
لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝٤٤ۧ

ع ۵ ۱۳ ۱۷

ترجمہ: آیت نمبر ۳۷ تا ۴۴

دوسرے ساتھی نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر (ناشکری) کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر تجھے صحیح سالم آدمی بنا دیا۔ لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ جب تو اپنے باغ میں

پہنچا تھا تو نے یہ کیوں نہ کہا ماشاء اللہ ولاقوۃ الا باللہ (جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی قوت کے مقابلے میں کوئی قوت نہیں ہے) شاید تیرے باغ سے بہتر مجھے دے دیا جائے۔ اور تیرے باغ پر اچانک کوئی آسمانی آفت آپڑے اور پھر وہ صاف چٹیل میدان بن کر رہ جائے۔ یا اس سے اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے۔ پھر تو اسے دوبارہ لانے کی طاقت نہ رکھے۔ چنانچہ اس کا سارا پھل سمیٹ لیا گیا (تباہ کر دیا گیا)۔ اور اس پر جو اس نے مال لگایا تھا وہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔ اور وہ باغ اپنی چھتریوں پر گر پڑا تھا۔ کہنے لگا اے کاش کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کو نہ آسکی اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا۔ یہاں سارا اختیار اللہ ہی کا ہے جو سچا ہے۔ اور اسی کا انعام بہتر ہے اور اس کا دیا ہوا بدلہ ہی اچھا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۷ تا ۴۴

یُحَاوِرُ — وہ بات کرتا ہے۔

تُرَابٌ — مٹی۔

سَوّٰی — برابر کیا۔ مکمل کیا۔

اِنْ تَرَنِ — اگر تو مجھے دیکھتا ہے۔

اَنْ یُّؤْتِیَنِ — یہ کہ مجھے دیدے۔

یُرْسِلُ — وہ بھیجتا ہے۔

حُسْبَانٌ — آفت۔ مصیبت۔

صَعِیْدٌ — چٹیل میدان۔ نرم مٹی۔

زَلَقٌ	چکنی مٹی۔
غَوْرٌ	گہرائی میں اتر جانا۔
اُحِيْطَ	گھیر لیا گیا۔
يُقَلِّبُ	وہ الٹتا پلٹتا ہے۔
كَفَّيْهِ (كَفَّيْنِ)	اپنی دو ہتھیلیاں۔
اَنْفَقَ	اس نے خرچ کیا۔
خَاوِيَةٌ	اوندھی پڑی رہنے والی۔
عُرُوْشٌ (عَرْشٌ)	بلندی۔ چھتیں
فِئَةٌ	جماعت۔ گروہ۔
هُنَالِكَ	اسی جگہ۔
اَلْوَلَايَةُ	اختیار۔
عُقُبٌ	انجام۔ اجرت دینا۔

تشریح: آیت نمبر ۳۷ تا ۴۴

دنیا اور اس کی دولت کی خاصیت یہ ہے کہ اگر ایک شخص ایمان اور عمل صالح سے دور ہو تو وہ بے جا فخر و غرور اور ناشکری میں مبتلا ہو کر قارون بن جاتا ہے۔ وہ اپنے علاوہ ہر شخص کو کم تر اور بے عقل سمجھنے لگتا ہے۔ اسے اس بات پر انتہائی فخر ہوتا ہے کہ اس کو جو کچھ ملا ہے وہ صرف اس کے علم تجربے اور محنت کا ثمرہ ہے۔ حالانکہ علم، تجربے اور محنت ہی کو سب کچھ مان لیا جائے تو ایک مال دار شخص کے مقابلے میں انتہائی قابل، عالم، تجربہ کار اور محنتی شخص زندگی بھر مفلسی اور غربت میں گذارتا نظر آتا ہے اور ایک وہ شخص جو

صورت، شکل، علم، تجربے میں بہت کم ہے عیش و عشرت کے سامان اور مال و دولت کے ڈھیر رکھتا ہے وہ اسی میں مگن رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا ایک نظام ہے جس کے تحت ہر شخص کو کچھ نہ کچھ عطا کیا جاتا ہے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔ اس پر فخر و غرور اور تکبر کا انداز اختیار نہ کرے۔ اللہ کا نظام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے تو اللہ اس سے سب کچھ چھین کر اس کو بے بس اور مجبور بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی دو آدمیوں کے واقعہ کو بطور مثال ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ایک شخص مال دار اور دوسرا غریب و نادار تھا۔ مال دار رئیس آدمی کے انگوروں اور کھجوروں اور ہر طرح کے ثمرات سے بھرپور دو باغ تھے۔ ہر طرف سرسبزی و شادابی، خوش حالی، رشتہ داروں اور دوستوں کی بھیڑ اس کے گرد جمع رہتی تھی۔ ایک دن وہ مال دار شخص اپنے غریب اور مفلس شخص کو اپنے باغ میں لے گیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس دھن دولت کی کمی نہیں ہے۔ میں معاشرہ کا قابل ترین اور باعزت شخص ہوں ایک آدمی جن چیزوں کی تمنا کر سکتا ہے وہ سب کچھ مجھے حاصل ہیں۔ اب یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ کہنے لگا کہ یہ قیامت، آخرت وغیرہ سب کہنے کی باتیں ہیں مجھے تو یقین نہیں ہے کہ قیامت آئے گی بہر حال اگر قیامت برپا ہوئی اور حساب کتاب ہوا تو جس طرح میں دنیا میں عیش و آرام کے ساتھ زندگی گذار رہا ہوں آخرت میں بھی اسی طرح میں باعزت اور عیش و آرام کی زندگی گذاردوں گا۔ اس نے اپنے غریب بھائی سے کہا کہ مجھے تو اپنے علم اور تجربے سے سب کچھ مل گیا تم بتاؤ کہ تمہیں تمہاری نیکیوں، تقویٰ اور پرہیز گاری نے کیا دیا۔ تم تو یہاں بھی نقصان اور خسارے میں ہو۔ آخرت میں کیا ہوگا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ وہاں بھی تم اس حال میں رہو گے اور تمہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ جب وہ شخص اپنے غرور و تکبر کی باتیں کر چکا تو اس غریب و مفلس آدمی نے کہا کتنے افسوس کی بات ہے کہ تو ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے فخر و غرور کر رہا ہے۔ کبھی تو نے اس بات پر غور کرنے کی زحمت کی ہے کہ اللہ نے تجھے معمولی مٹی اور ناپاک خون کے ایک قطرے (نطفہ) سے پیدا کیا ہے اور تجھے صحیح سالم آدمی بنا یا دیا ہے۔ رہی میری بات تو میں عرض کروں گا کہ مجھے یقین کامل ہے کہ میرا رب صرف اللہ ہی ہے جو اپنی ذات میں یک و تنہا ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔

مفلس آدمی نے مال دار سے کہا کہ اگر تو بے جا فخر و غرور کے بجائے ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ کہتا ''ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ'' یعنی جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور (اس کائنات میں) ساری طاقت و قوت اللہ ہی کی ہے۔ اگر تو شکر کا انداز اختیار کرتا تو شاید تجھے اس سے بھی دوگنا عطا کر دیا جاتا۔ اللہ کی یہ قدرت و طاقت ہے کہ وہ آسمان سے کوئی آفت بھیج دے اور پھر تیرے یہ ہرے بھرے درخت سب کے سب تباہ ہو کر ایک چٹیل میدان بن جائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس پانی سے تیرے باغوں

کی یہ سرسبزی وشادابی ہے وہ پانی زمین کی گہرائیوں میں اتر جائے اور پھر ہزار کوشش کے باوجود اس پانی کو دوبارہ زمین کے اوپر نہ لایا جاسکے۔ کیونکہ جب اللہ کا فیصلہ آجائے گا تو پھر کس میں یہ طاقت اور قوت ہے کہ وہ اس کو اس کے عذاب سے بچاسکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک دن اس کے باغوں پر آسمانی آفت آئی اور اس کے درختوں کے پھل اور سرسبزی وشادابی ختم ہو کر رہ گئی۔ جب سب کچھ ختم ہو گیا تو وہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔ اس کا سارا باغ اس کی چھتریوں اور دیواروں پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ تب اس کو عقل آئی اور اس نے کہا کہ کاش میں فخر وغرور اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ اس کی مکمل تباہی کے بعد وہی دوست احباب اور رشتہ دار جو اس کی خوشامد میں لگے رہتے تھے ایک ایک کر کے اس سے غائب ہونا شروع ہو گئے۔ وہ سب کے سب مل کر بھی اس کے کام نہ آسکے۔ اور پھر اس کی جدوجہد اور کوشش بھی اس کے کام نہ آسکی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات میں ساری طاقت وقوت صرف اللہ ہی کی ہے جو سچا پروردگار ہے اسی کا سارا اختیار ہے۔ جو اس کی طاقت وقوت کے سامنے جھکتا ہے وہی انعام واکرام کا مستحق ہوتا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر انجام ہوتا ہے۔

اس واقعہ سے چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کو انسان کا فخر وغرور اور تکبر قطعاً ناپسند ہے۔ اگر اس کو کوئی چیز پسند ہے تو وہ انسان کی عاجزی وانکساری اور شکر گزاری کا جذبہ ہے۔ جو لوگ عاجزی وانکساری کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اللہ ان لوگوں کو اپنے انعام واکرام سے نوازتا ہے اور ان کا انجام بھی بہترین ہوتا ہے۔

۲۔ اس کے برخلاف جو لوگ بے جا فخر وغرور کرتے ہیں اور دنیا کے مال ودولت کو سب کچھ سمجھ کر آخرت تک کا انکار کر بیٹھتے ہیں وہ وقتی طور پر تو بہت ترقی کرتے نظر آتے ہیں لیکن بہت جلد اپنے غرور کے سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں جہاں نہ تو خود اپنی مدد کر سکتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا ان کو بچانے آسکتا ہے۔

۳۔ ان آیات اور مثال میں کفار مکہ کو بھی آگاہ کیا جا رہا ہے کہ وہ غریب اور مفلس مسلمانوں کا مذاق نہ اڑائیں اور اپنی دولت پر فخر وغرور نہ کریں کیونکہ وہ کفار برے انجام سے بہت قریب ہیں۔ اور صحابہ رسول ﷺ بہت جلد کامیاب اور بامراد ہونے والے ہیں۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام دنیا میں بھی کامیاب رہے اور آخرت میں ان کا کس قدر بلند مقام ہو گا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ

مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۫ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

ع ۶ ۱۸

ترجمہ: آیت نمبر ۴۵ تا ۴۹

(اے نبی ﷺ) دنیا کی زندگی کی ایک مثال بیان کر دیجیے۔ (مثال یہ ہے کہ) جیسے ہم نے بلندی سے پانی برسایا پھر زمین کی پیداوار خوب گھنی ہوگئی۔ پھر وہی (نباتات) چوراچورا ہو کر رہ گئی جس کو ہوا اڑائے پھرتی ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ مال اور اولاد محض

دنیاوی زندگی کی زیب وزینت ہیں۔ باقی رہنے والی نیکیوں کا بدلہ آپ کے رب کے نزدیک زیادہ بہتر ہے اوران کا انجام بھی بہتر ہے (کیسا ہیبت ناک دن ہوگا) جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے۔ اورتم زمین کو کھلا ہوا دیکھو گے۔ پھر ہم سب کواس طرح گھیر لائیں گے کہ کوئی چھوٹنے نہ پائے گا اور وہ سب کے سب پروردگار کے سامنے صفیں بنائے حاضر کئے جائیں گے۔ (اللہ فرمائیں گے) آخر کار تم آ پہنچے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ تمہارے لئے وعدے کا وقت مقرر نہیں ہے۔ اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ آپ ان مجرموں کو ڈرتے ہوئے دیکھیں گے۔اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے جس میں اس نے نہ چھوٹی بات کو چھوڑا ہے اور نہ بڑی بات کو جو اس میں نہ آ گئی ہو۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔ اور آپ کا پروردگار کسی پر (ذرہ برابر) ظلم نہیں کرتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۵ تا ۴۹

اِخْتَلَطَ — مل گیا۔

نَبَاتُ الْاَرْضِ — زمین کا سبزہ۔

اَصْبَحَ — ہوگیا۔

هَشِيْمٌ — چورہ چورہ۔

تَذْرُوْا — وہ اڑاتی ہے۔

اَلرِّيَاحُ (رِيْحٌ) — ہوائیں۔

مُقْتَدِرٌ — قدرت رکھنے والا۔

اَلْبَنُوْنَ (اِبْنٌ) — بیٹے۔

اَلْبٰقِيٰتُ — باقی رہنے والی۔

اَمَلٌ — توقع۔امید۔

نُسَيِّرُ	ہم چلائیں گے۔
بَارِزَةٌ	کھلی ہوئی۔
لَمْ نُغَادِرْ	ہم نے نہیں چھوڑا۔
عُرِضُوْا	پیش کیا گیا۔
صَفٌّ	قطار۔صف۔
اَوَّلُ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ۔
زَعَمْتُمْ	تم نے گھمنڈ کیا۔گمان کیا۔
وُضِعَ	رکھ دیا گیا۔
مُشْفِقِيْنَ	ڈرنے والے۔
اَحْصٰى	شمار کرلیا گیا۔
لَايَظْلِمُ	وہ ظلم نہیں کرتا۔

تشریح: آیت نمبر ۴۵ تا ۴۹

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چھوٹی چھوٹی مثالوں سے بڑی بڑی حقیقتوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور کمزوریوں کو ایک مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا اور اس کی چیزیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تا کہ ہر شخص ان کو استعمال کر کے اپنی زندگی کا سامان کر سکے۔ یہ دنیا نہ تو دل لگانے کی چیز ہے نہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ ہمیشہ رہنے والی چیز آخرت اور انسان کے نیک اعمال ہیں۔

فرمایا کہ جب زمین پر بارش برستی ہے تو مردہ زندگی میں ایک نئی زندگی اور سرسبزی و شادابی نظر آنے لگتی ہے۔ درخت، سبزہ، پھول، بوٹے اور لہلہاتے کھیت رونق دینے لگتے ہیں۔ لیکن پھر وہ موسم آتا ہے جس میں ہر چیز پر خزاں چھانے لگتی ہے۔ وہی درخت

اور پتے جو اپنی سرسبزی وشادابی سے دلوں کو گرما رہے تھے بے رونق ہو جاتے ہیں۔ درختوں کے پتے رنگ بدلتے بدلتے جھڑنا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ پتے ادھر ادھر بکھر کر ہواؤں کے رحم و کرم پر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک بچہ پیدا ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ بڑھ کر نو جوانی، جوانی میں قدم رکھتا ہے۔ اس وقت اس میں ایک خاص ہمت، ولولہ اور شوق ہوتا ہے وہ خوب محنت کرتا ہے اور پھر ادھیڑ عمری سے گذر کر بوڑھا ہو جاتا ہے اور وہ خزاں میں بکھرے ہوئے پتوں کی طرح ادھر ادھر ڈولتا پھرتا ہے اور پھر وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس دنیا پر نجانے کتنی مرتبہ بہاروں کے موسم آئے۔ یہ دنیا بھی ایک وقت تمام بہاروں سے گذر کر فنا ہو جائے گی اور صرف ایک اللہ کی حکمرانی رہ جائے گی۔ انسان دنیا میں اپنے چاروں طرف بہت سی چیزیں جمع کرتا ہے مال و دولت، گھربار، کاروبار، اونچے اونچے مکان، سواریاں اور اولاد لیکن جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی چیز اس کے ساتھ نہیں جاتی۔ یہ دنیا اور اس کی رونقیں یہیں رہ جاتی ہیں البتہ انسان کے وہ بہترین اعمال اور بلند کردار اس کے ساتھ جاتا ہے جو اس کی نجات کا ذریعہ ہے۔ انسان کے تمام اعمال کا ریکارڈ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اگر بہتر اعمال کئے ہیں تو اس کی آخرت کی نجات کا ذریعہ بن جائیں گے۔ برے اعمال ہوں گے تو وہ اس کے گلے کی مصیبت بن جائیں گے۔ جب آدمی دنیا اور اس کی رونقیں حاصل کرتا ہے تو وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں گی لیکن موت کی نیند کے ساتھ ہی یہ چیزیں اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ اس کے برخلاف اس کے نیک اعمال اس کی قبر سے لے کر میدان حشر تک اس کا ساتھ دیں گے اور اس کو آخرت کی زندگی اور اس کی راحتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عطا کی جائیں گے اسی لئے آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کے لئے محنت بھی زیادہ کرنا پڑتی ہے۔ درحقیقت اس دنیا سے تو ہر شخص کو ایک خاص مدت کے بعد جانا ہی ہے۔ خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو اس دنیا کی مختصر زندگی میں زیادہ سے زیادہ حسن عمل اور حسن کردار کی فکر میں لگے رہتے ہیں وہی ان کی دنیا اور آخرت میں عزت و سربلندی کا ذریعہ ہے۔

ہر شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو تو اس کا کردار دوسروں کے لئے بہترین مثال بن جائے۔ ہر شخص اس کو یاد کرنے والا، اس کے لئے کلمہ خیر کہنے والا، دعائیں کرنے والا ہو اور اس کے کردار کو ایک مثال بنا کر اس کے راستے پر چلنے والا ہو۔ اس کے برخلاف وہ شخص کتنا بدنصیب ہے کہ اس کے مرنے کے بعد نہ تو کوئی کلمہ خیر کہنے والا ہو، نہ اس کی زندگی دوسروں کے لئے کوئی مثال ہو اور نہ اس کے لئے کوئی ایصال ثواب کرنے والا ہو۔ فرمایا کہ آخرت کی خوش حالی اور دنیا کی نیک نامی ان لوگوں کو ملتی ہے جو حسن عمل کا پیکر ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے اس زندگی میں کسی کے ساتھ کوئی اچھا معاملہ کیا جو اس کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے تو یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہے اگر کسی کو عالم حافظ قاری بنا دیا، تعمیر مسجد و مدرسہ میں حصہ لیا تو یہ اس کے لئے انتہائی اعلیٰ صدقہ جاریہ ہے۔ انسان کا ایک بہت بڑا صدقہ جاریہ اس کی اپنی اولاد ہے جس کی صحیح تعلیم و تربیت سے وہ ان کو صحیح راستے

پر ڈال کر جانے والا ہوتو اولاد کا ہر نیک عمل اس کے والدین کے لئے ثواب جاریہ ہے۔ اس موقع پر میں یہ عرض کروں گا کہ صرف وہ اپنے بچوں کی ہی فکر نہ کرے بلکہ اپنی قوم کے غریب بچوں کی تعلیم وتربیت کی فکر بھی کرے تا کہ اس کے اجروثواب میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور یہ بھی اس کے لئے ثواب جاریہ بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے کاموں کا بہترین اجروثواب عطا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ ہر شخص کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ایک وقت اللہ اپنی قدرت وطاقت سے اس زمین کو ایک صاف اور چٹیل میدان بنا دے گا پھر قیامت قائم کی جائے گی اور انسان نے دنیا میں جو اعمال کئے ہیں ان کا حساب لیا جائے گا ان کے نامہ اعمال ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے جس میں ہر بات درج ہوگی وہ بات چھوٹی ہو یا بڑی۔ وہ وقت بھی عجیب ہوگا جب ہر شخص اپنے نامہ اعمال پڑھ کر یہ محسوس کرے گا کہ اس میں زندگی کے ہر معاملے کو نوٹ کر لیا گیا ہے اور کسی بات کو چھوڑا نہیں گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس دنیا میں کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا اسی طرح آخرت میں بھی ہر شخص کو انصاف ملے گا اور اس پر ذرہ برابر ظلم وزیادتی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِۦٓ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِى وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّۢ ۚ بِئْسَ لِلظَّٰلِمِينَ بَدَلًا ﴿٥٠﴾ مَّآ أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَآءِىَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَءَا الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوٓا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾

۷ ع ۱۹

ترجمہ: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدمؑ کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وہ قوم جنات میں سے تھا اور اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی تھی۔ تو کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے مقابلے میں اپنا رفیق بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے۔ میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت (مشورہ کے لئے بلایا تھا) اور نہ میں ایسا بے بس تھا کہ گمراہوں کو اپنا دست و بازو بناتا۔

یاد کرو اس دن جب (اللہ فرمائیں گے کہ) جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے ان کو پکارو۔ وہ ان کو پکاریں گے مگر وہ ان کو جواب نہ دیں گے تو ہم ان کے درمیان تباہی کا سامان کردیں گے۔ اور گناہ گار جہنم کو دیکھیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ اور وہ اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

فَسَقَ — نافرمانی کی۔

مَا اَشْهَدْتُّ — میں نے نہیں بلایا۔

مُتَّخِذُ — بنانے والا۔

اَلْمُضِلِّيْنَ — گمراہ کرنے والے۔

عَضُدٌ — مددگار۔ قوت و بازو۔

نَادُوْا — پکارو۔ آواز دو۔

لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا — انہوں نے جواب نہیں دیا۔

مَوْبِقٌ — تباہی و بربادی کا سامان۔ آڑ۔

مُوَاقِعُوْنَ — داخل ہونے والے۔

مَصْرِفٌ — پناہ کی جگہ

تشریح: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

ابلیس اور شیطان دونوں ایک ہی فرد کے نام ہیں جس کا تعلق جنات کی قوم سے تھا۔ اللہ نے آدمؑ کی پیدائش سے پہلے ہی اس کو تمام فرشتوں کا سردار بنایا ہوا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے سب کو یہ حکم دیا کہ وہ حضرت آدمؑ کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے سامنے سجدہ کریں یعنی جھک جائیں۔ تمام فرشتوں نے حکم کی تعمیل میں حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا لیکن شیطان نے اس تکبر کے ساتھ سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کہ میں تو آگ سے بنایا گیا ہوں اور حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور مجھے تو بظاہر ان میں کوئی ایسی عظمت والی بات نظر نہیں آتی کہ میں آدم کے سامنے جھک جاؤں۔ لہذا میں حضرت آدمؑ کو سجدہ نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کو تکبر کسی حال میں پسند نہیں ہے اس تکبر اور بڑائی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو حکم دیا کہ وہ اس عظمت کے مقام سے دور ہو جائے۔ شیطان نے اس حکم کے مقابلے میں تکبر سے کہا کہ اگر مجھے مہلت دیدی جائے تو میں اس بات کو ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہی صحیح ہے اور انسان اس عزت و عظمت کے لائق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو قیامت تک مہلت دیتے ہوئے فرمایا کہ جو میرے نیک اور لائق بندے ہوں گے وہ تیرے فریب کے جال میں کبھی نہ پھنسیں گے۔ البتہ وہ لوگ جو میرے نافرمان بندے ہوں گے ان پر تیرا قابو چل سکتا ہے۔ لیکن میرا بھی یہ وعدہ ہے کہ میں اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں کو جنت کی ابدی راحتیں عطا کروں گا اور نافرمانوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ چنانچہ یہیں سے خیر اور شر کا آغاز ہو گیا اور قیامت تک رہے گا۔

اس واقعہ کو قرآن کریم میں متعدد اور مختلف سورتوں میں بیان فرمایا گیا ہے جس سے ہر انسان کو اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ شیطان دراصل انسان کا ازلی اور پکا دشمن ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہتا کہ کوئی شخص بھلائی اور خیر کا راستہ اختیار کر کے جنت کا مستحق بن جائے وہ ہمیشہ گناہ اور نافرمانی کی طرف بلانے کے لئے طرح طرح کے جال پھیلاتا رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ جو اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں وہ خیر و شر کی ہر بات کو کھول کھول کر بیان کرنے تشریف لا چکے ہیں۔ اگر کسی نے اس کھلی ہوئی اور واضح حقیقت کو تسلیم نہیں کیا تو پھر ان کو کبھی راہ ہدایت نہ مل سکے گی وہ ان کے دامن محبت و اطاعت سے وابستہ ہو کر حق و صداقت کا راستہ اختیار کر لیں ورنہ ان کو کبھی فلاح اور رشد و ہدایت کا راستہ نصیب نہ ہو گا۔ یہ اللہ کے وہ محبوب نبی ہیں جن پر ایمان لانے والے اور عمل صالح کے ساتھ چلنے والے اس قدر بلند مقام تک پہنچ گئے ہیں کہ ساری دنیا کے تمام نیک انسان اگر مل جائیں اور ان کی نیکیاں جمع کر لی جائیں تو وہ سب مل کر ایک صحابی رسول کے قدموں میں لگی ہوئی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ اس سے بڑھ کر صحابہ کرامؓ کی عظمت اور کیا ہو گی کہ اللہ نے ان کے ایمان لانے کو معیار حق و صداقت بنا دیا ہے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ (کفار و مشرکین) اسی طرح ایمان لائیں گے جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پر ہیں۔ لیکن اگر وہ تمہاری طرح ایمان نہ لائے اور انہوں نے دوسرے راستے تلاش کئے تو ان سے زیادہ بدنصیب کوئی اور نہ ہو گا۔

آج ان صحابہ کرامؓ کی عظمت اور شان یہ ہے کہ ان کی طرف نسبت کرنے کو قابل فخر سمجھا جاتا ہے لیکن وہ لوگ جو اللہ ورسول کی نافرمانی پر اڑے رہے آج ان کی اولادیں بھی ان کی طرف نسبت کرنے کو پسند نہیں کرتیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تمام کفار ومشرکین اور نافرمانوں سے ایک ہی سوال کیا ہے۔ کیا تم اس شیطان کے راستے پر چلو گے۔ اس کی پیروی کرو گے جو انسان کا ازلی دشمن ہے یا اللہ اور اس کے رسول کا راستہ اختیار کرو گے جس میں قدم قدم پر کامیابیاں اور آخرت کا ابدی سکون ہے؟ فرمایا کہ شیطان کو یا اس کے چیلے چانٹوں کو اس زمین وآسمان کے بنانے میں ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ بلکہ شیطان کا کام بگاڑنا ہے بنانا نہیں۔ وہ لوگوں کو گمراہ تو کرسکتا ہے لیکن نہ تو سیدھے راستے پر چلا سکتا ہے اور نہ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ کوئی صراط مستقیم پر چل کر کامیاب وبامراد ہو۔

اس شیطان نے انسان کو بہکا کر کائنات کی ہر چیز پر سجدے کرادیئے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جیسے وہی چیزیں اس کائنات کی خالق ومالک ہیں۔ فرمایا کہ یہ انسان کی بہت بڑی بھول ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت وبندگی کرتا ہے جو اپنے پیدا ہونے میں بھی انسان کے محتاج ہیں۔ فرمایا کہ اسی لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ ذرا ان معبودوں کو آواز تو دینا جن پر تمہیں بڑا ناز تھا چنانچہ وہ گھبراہٹ میں اپنے معبودوں کو آوازیں دیں گے مگر ان کی طرف سے ایک مسلسل خاموشی ان کو شرمندہ کردے گی۔ اور وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے۔ فرمایا کہ ایسے معبودوں پر بھروسہ کرکے زندگی گذارنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ یہ وقت ہے جہاں سوچ کر جھوٹے معبودوں سے توبہ کرکے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قبول کرلی جائے اسی میں کامیابی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۴ تا ۵۶

بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے طرح طرح کی مثالیں بیان کی ہیں مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے۔ اور جب ان کے سامنے ہدایت آگئی تو اسے ماننے اور اللہ سے معافی مانگنے میں آخران کوکس چیز نے روک رکھا ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہو جو گذری ہوئی قوموں کے ساتھ ہوا ہے۔ یا یہ کہ وہ عذاب کو سامنے آتا ہوا دیکھ لیں۔

رسولوں کو بھیجنے کا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہوتے ہیں (لیکن ان کافروں کا یہ حال ہے کہ) وہ جھوٹے جھگڑوں کے ذریعے حق اور سچائی کو ٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور انہوں نے میری آیات اور جن چیزوں سے وہ ڈرائے گئے تھے مذاق بنا رکھا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۴ تا ۵۶

صَرَّفْنَا — ہم نے طرح طرح سے بیان کیا۔

جَدَلً — خواہ مخواہ کا جھگڑا۔

مَنَعَ — روکا۔

یَسْتَغْفِرُوْا — وہ معافی چاہتے ہیں۔

سُنَّۃٌ — طریقہ۔ رسم۔

قُبُلاً — سامنے۔

نُرْسِلُ — ہم بھیجتے ہیں۔

یُدْحِضُوْا — وہ ٹالتے ہیں۔

هُزُوًا — مذاق۔

تشریح: آیت نمبر ۵۴ تا ۵۶

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حق وصداقت، نیکی اور سچائی کی مثالوں کو بار بار بیان کیا ہے تا کہ ہر شخص سچائی کے راستے سے پوری طرح واقف ہو سکے۔اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے حسن عمل اور طرز زندگی یعنی سنت کے ذریعہ ہر اس بات کی پوری طرح وضاحت فرمادی ہے جس سے ایک انسان کو صراط مستقیم پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔جن لوگوں کو اللہ نے ایمان اور عمل صالح کی توفیق اور سعادت عطا فرمائی ہے انہوں نے نہ صرف اس پر ایمان لا کر بہترین عمل کیا بلکہ اس سچائی کو ساری دنیا تک پہنچانے میں اپنا سب کچھ قربان کر کے ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا جس سے ساری انسانیت کے اندھیرے دور ہو گئے۔انہیں کفر و شرک اور نافرمانیوں سے نجات مل گئی اور نور ہدایت کی روشنی میں انہوں نے دنیا اور آخرت کی تمام ابدی کامیابیاں حاصل کر لیں۔ اس کے برخلاف جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا طرز عمل اختیار کیا اور اپنے کفر و شرک پر جمے رہے وہ زندگی کے اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بتایا ہے۔ارشاد ہے کہ ہم نے اکثر مثالوں کو بار بار اس لئے بیان کیا ہے تا کہ ہر شخص ان کو اچھی طرح سمجھ کر ان پر عمل کر سکے اور اپنی نجات کا سامان کر سکے۔لیکن اکثر لوگ وہ ہیں جو پیغام ہدایت آنے کے باوجود اپنی ضد، ہٹ دھرمی، کج بحثی اور گناہوں کی زندگی پر اڑے ہوئے ہیں۔اور دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔حالانکہ اس پیغام حق اور ہدایت آجانے کے باوجود لوگ محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نافرمانیوں سے توبہ نہیں کرتے تو پھر ان لوگوں پر اللہ کا عذاب آ کر رہتا ہے جس سے بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔گھروں اور شہروں کی بربادی، تہذیب و تمدن کی تباہی، زلزلے، طوفان، وبائیں، ہوا کے سخت جھکڑ، باہمی اختلافات اور جھگڑے، طرح طرح کی تباہ کن مصیبتیں یہ سب اللہ کے عذاب کی مختلف شکلیں ہیں جو گذشتہ قوموں پر آتی رہی ہیں۔فرمایا کہ ہم اپنے پیغمبروں کو بھیجتے ہیں تا کہ وہ اللہ کے کلام کے ذریعہ اور اپنے طرز عمل سے اس بات کی وضاحت کر دیں کہ اگر انہوں نے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کیا تو ان کے لئے دنیا اور آخرت کی ابدی راحتیں ہیں لیکن اگر انہوں نے کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانی کا طریقہ اختیار کیا تو ان کا انجام گذشتہ قوموں سے مختلف نہ ہوگا۔ کفار مکہ کو خاص طور پر اور قیامت تک آنے والے ہر شخص سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی اور رسول بھیجے لیکن اب اللہ نے اپنے اس آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو بھیج دیا ہے جن کے دامن محبت میں سب کچھ ہے۔ اگر ان کی اطاعت و فرماں برداری کی گئی تو ان کو دنیا و آخرت کی ہر کامیابی نصیب ہوگی۔لیکن اگر ان کو اور اللہ کی آیات کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی گئی تو پھر ان کی زندگیاں خود ایک مذاق بن کر رہ جائیں گی اور اپنے برے انجام سے نہ بچ سکیں گے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ۧ

۸ ع ۲۰ ۶

ترجمہ: آیت نمبر ۵۷ تا ۵۹

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سمجھایا گیا تو اس نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اسے وہ بھول گیا۔ (درحقیقت) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں۔ ان کے کانوں میں ایک بوجھ ہے (حق سننے سے بہرے ہیں) اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں گے تو وہ آپ کے کہنے سے کبھی ہدایت پر نہیں آئیں گے۔

آپ کا پروردگار معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اگر وہ ان کے ہر عمل پر (فوراً گرفت کرتا) تو بہت جلد ان پر عذاب آسکتا تھا۔ لیکن ان کے لئے ایک مقرر وعدہ تھا کہ جس سے نکل بھاگنے کا وہ کوئی راستہ نہ پائیں گے۔ اور یہ بستیاں (جو تمہارے سامنے ہیں) جب یہاں کے لوگ ظالم ہوگئے تھے تو ہم نے ان کو تباہ و برباد کردیا تھا۔ اور ہم نے ان کی اس بربادی کا وعدہ کیا ہوا تھا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۷ تا ۵۹

ذُكِّرَ	یاد دلایا گیا۔
اَعْرَضَ	اس نے منہ پھیر لیا۔
نَسِيَ	وہ بھول گیا۔

قَدَّمَتْ	آگے بھیجا۔
اَكِنَّةً	پردہ۔
اَنْ يَّفْقَهُوْهُ	یہ کہ وہ اس کو سمجھے۔
اِذًا	اس وقت۔
كَسَبُوْا	انہوں نے کمایا۔
عَجَّلَ	اس نے جلدی کی۔
مَوْئِلٌ	بچنے کی جگہ۔
اَلْقُرٰى	بستیاں
مُهْلِكٌ	برباد ہونے۔
مَوْعِدٌ	وقت مقرر۔

تشریح: آیت نمبر ۵۷ تا ۵۹

واقعی اس سے بڑھ کر زیادتی اور ظلم کیا ہوگا کہ جب ایک خیر خواہ جس کی کوئی ذاتی غرض یا فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے اللہ کا کلام پورے خلوص سے پیش کر رہا ہے۔ اس کی بات نہ سنی جائے اور نہ اس پر توجہ کی جائے بلکہ اس سے منہ پھیر کر چلا جائے اور اس کو ایسا بے حقیقت سمجھا جائے کہ اس کو یاد کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیشہ سے اس کے نبی اور رسول حق و صداقت کا پیغام لے کر آتے رہے ہیں اور اب اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس سچے پیغام کو لے کر آگئے ہیں اس کے لئے جدوجہد ان کے خلوص کا مظہر ہے۔ وہ امت کی خیر خواہی کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں ان کی باتوں اور پیغام حق سے انکار یا منہ پھیرنا بہت بڑی زیادتی ہے۔

فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہے جو وہ کرتے رہے ہیں اور جو انہوں نے اپنے اعمال آگے بھیجے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے سچے اصولوں اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے دوری اللہ کی توفیق سے محرومی کی علامت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کے سبب ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے دلوں میں سمجھنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی ہے ورنہ ایسی کھلی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش ضرور کرتے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سمجھنے سے ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا ہے اور ان

کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اب ان کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ اگر ان کو راہ راست کی طرف بلایا بھی جائے تو یہ اس کی طرف کبھی نہیں آئیں گے کیونکہ جس سے اللہ تعالیٰ حسن عمل کی توفیق چھین لیتے ہیں تو پھر وہ ہر بھلائی سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ البتہ اگر اس نے سچے دل سے توبہ کر لی تو اس کو پھر سے توفیق مل سکتی ہے۔ اور اس پر مغفرت اور رحمت کے سائے ڈالے جا سکتے ہیں۔

فرمایا کہ یہ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ وہ ہر انسان کو اس کے ہر عمل پر فوراً ہی نہیں پکڑ لیتا بلکہ اس کو مہلت اور ڈھیل دی جاتی رہتی ہے۔ اگر اس نے فرصت سے فائدہ اٹھا کر توبہ کر لی تو اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ ایک خاص مدت کے بعد تباہ و برباد کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ تاریخ انسانی اس پر گواہ ہے کہ اللہ نے ہر قوم کو سوچنے اور سمجھنے کی کافی مدت عطا کی تھی لیکن جب انہوں نے اس مہلت اور ڈھیل سے فائدہ نہیں اٹھایا تو ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ ان کی دولت اور دنیا کی ترقیات ان کے کام نہ آسکیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۰ تا ۶۴

جب موسیٰؑ نے نوجوان سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک نہ پہنچ جاؤں اس وقت تک یا ایک طویل مدت تک چلتا ہی رہوں گا۔ پھر جب وہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہ اپنی مچھلی کو بھول گئے۔ پھر اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنا لیا۔ پھر جب وہ دونوں آگے بڑھے تو موسیٰؑ نے نوجوان سے کہا کہ ہمارے لئے ناشتہ لاؤ۔ کیونکہ ہم نے اس سفر میں کافی مشقت اٹھائی ہے۔ (نوجوان نے) کہا کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم ایک پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو میں

مچھلی کے (واقعہ کو بیان کرنا) بھول گیا تھا اور اس سے مجھے شیطان نے غافل کر دیا تھا اور میں آپ سے ذکر کرنا بھول گیا تھا کہ اس مچھلی نے تو (دریا میں) عجیب طریقے سے راستہ بنایا تھا۔ موسیٰؑ نے کہا وہی تو مقام ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر وہ دونوں اپنے نشانات قدم پر دیکھتے ہوئے لوٹے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۰ تا ۶۴

فَتٰی	نوجوان۔ شاگرد۔
لَآ اَبْرَحُ	میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔
حَتّٰی اَبْلُغَ	جب تک پہنچ نہ جاؤں۔
مَجْمَعُ الْبَحْرَیْنِ	دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ۔
حُقُبٌ (اَحْقَابٌ)	طویل مدت۔
بَلَغَا	وہ دونوں پہنچے۔
حُوْتٌ	مچھلی۔
جَاوَزَا	دونوں گذر گئے۔
اَلصَّخْرَۃُ	چٹان۔ پتھر
نَبْغِ	ہم تلاش کر رہے ہیں۔
اِرْتَدَّا	وہ دونوں لوٹے۔
اٰثَارٌ	نشان قدم۔
قَصَصٌ	ڈھونڈنا۔ تلاش کرنا۔

تشریح: آیت نمبر ۶۰ تا ۶۴

چونکہ نبی اور رسول اللہ کے بندے اور اللہ کے نمائندے ہوتے ہیں اس لئے ان کی تعلیم و تربیت اور معرفت براہ راست اللہ کی طرف سے کی جاتی ہے تاکہ ان کی زندگی کا ہر عمل دوسروں کے لئے مثال، نمونہ اور اسوہ بن جائے۔ اللہ کے تمام نبی اور رسول

گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو گناہ کرتے ہیں اور نہ گناہوں کی نسبت ان کی طرف کی جاسکتی ہے۔ اس لئے ان کے رتبوں کی بلندی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کی چھوٹی سے چھوٹی بات پر گرفت کی جاتی ہے اور پھر اللہ کی طرف سے ان کی مکمل رہنمائی بھی کی جاتی ہے۔ اس کے لئے بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اس موقع پر حضرت موسی علیہ السلام کے اس واقعہ کو بیان کیا جارہا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو انبیاء بنی اسرائیل میں افضل ترین رسول اور کلیم اللہ ہیں تقریر فرمارہے تھے۔ خطاب اس قدر دلنشین، پرتاثیر اور پرجوش تھا کہ کسی شخص نے عقیدت و محبت کے جوش میں حضرت موسیٰؑ سے یہ پوچھ لیا کہ اے موسیٰؑ کیا آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا ''نہیں'' یعنی مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اصول اعتبار سے یہ بات غلط نہ تھی کیونکہ اللہ کے رسول اپنے زمانہ میں نہ صرف صاحب کتاب ہوتے ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ان کو وہ علوم سکھائے جاتے ہیں جو کوئی بھی نہیں جانتا۔ لہٰذا اس اصول کی بنا پر تو رسول کے زمانے میں اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا اپنی جگہ درست تھا مگر حضرت موسیٰؑ کے رتبے اور مقام کا تقاضا یہ تھا کہ وہ صرف اتنا فرمادیتے کہ اللہ بہتر جانتا ہے میں نہیں جانتا۔ قرآن کریم کی ان آیات اور بخاری و مسلم کی معتبر ترین روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ اے موسیٰؑ آپ دو سمندروں کے بیچ میں زمین کا ایک تنگ ٹکڑا ہے وہاں جایئے آپ کو ہمارا ایک بندہ ملے گا جس کو ایسی باتوں کا علم دیا گیا ہے جن کی مصلحتوں تک کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ فرمایا گیا کہ تم اپنے ساتھ ایک مچھلی پکا کر لے جانا۔ جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے اس جگہ ہمارے اس بندے سے ملاقات ہوگی۔ بخاری و مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بندہ خصوصی کا نام ''خضر'' تھا۔ حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھ اپنے ان خادم خاص یوشعؑ کو لے گئے تھے۔ جن کو بعد میں نبوت عطا کی گئی اور حضرت موسیٰؑ کے وصال کے بعد ان کے قائم مقام بنائے گئے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشعؑ حضرت خضر کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ یہ دونوں تلاش کرتے کرتے تھک کر سو گئے۔ حضرت یوشعؑ کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے ناشتے دان کی مچھلی زندہ ہو کر سرنگ بناتی ہوئی سمندر میں اتر گئی۔ اس عجیب و غریب واقعہ پر حضرت یوشعؑ بڑے حیران ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ سو رہے تھے انہوں نے سوچا کہ حضرت موسیٰؑ بیدار ہو جائیں تو ان سے اس عجیب و غریب واقعہ کا ذکر کریں گے۔ مگر حضرت موسیٰؑ اٹھے اور فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حضرت یوشعؑ کو یہ واقعہ سنانے کا موقع نہ مل سکا۔ جب چلتے چلتے تھک گئے تو حضرت موسیٰؑ نے حضرت یوشعؑ سے کہا کہ اب ہم بہت تھک گئے ہیں بھوک لگ رہی ہے کھانا لاؤ۔ اس وقت حضرت یوشعؑ کو مچھلی کا عجیب طریقے پر سمندر میں اتر جانے کا خیال آیا۔ انہوں نے کہا شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا اصل میں وہ مچھلی تو عجیب طریقے پر سرنگ بناتے ہوئے سمندر میں اتر گئی تھی۔ یہ سن کر حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ ہمیں اسی جگہ کی تلاش تھی۔ فوراً وہیں واپس چلو جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا کیونکہ

اسی جگہ تو حضرت خضر سے ملاقات ہوگی۔ چنانچہ وہ دونوں اپنے پاؤں کے نشانوں پر چلتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں مچھلی غائب ہوئی تھی۔ کچھ تلاش کے بعد دیکھا کہ ایک شخص چادر اوڑھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے جا کر سلام کیا یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جنہیں اللہ نے کائنات کا خصوصی علم دیا تھا اور وہ اللہ کی طرف سے بہت سے کاموں کے کرنے پر مامور تھے۔ وہ اللہ کے حکم سے لوگوں کی آنے والی مصیبتوں میں ان کے کام آتے تھے۔

جب حضرت موسیٰؑ نے سلام کیا تو انہوں نے حیرت سے حضرت موسیٰؑ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا کون موسیٰؑ؟ کیا آپ بنی اسرائیل کے موسیٰؑ تو نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں بنی اسرائیل کا موسیٰؑ ہوں۔ پوچھا کیوں آئے ہو؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ کو جو خصوصی علوم عطا فرمائے ہیں۔ آپ کے پاس رہ کر ان علوم کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰؑ آپ جہاں سے آئے ہیں وہیں لوٹ جایئے۔ کیونکہ میں تو اللہ کے حکم سے ایسے ایسے کام کرتا ہوں جنہیں آپ برداشت نہ کرسکیں گے اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں گے حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میں صبر سے کام لوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میرے ساتھ چلنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ جب تک میں خود نہ بتادوں اس وقت تک تم مجھ سے یہ سوال مت کرنا کہ ایسا کیوں ہوا اور ایسا کیوں نہیں ہوا۔

حضرت موسیٰؑ نے اس کا وعدہ کرلیا۔ اور حضرت خضرؑ ان کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ اس واقعہ کی بقیہ تفصیل اگلے درس میں ملاحظہ فرمایئے گا۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾

ع ۹ / ۱۱ / ۲۱

ترجمہ: آیت نمبر ۶۵ تا ۷۰

پھر ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضرؑ) کو پایا جنہیں ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اسے ہم نے اپنے پاس سے علم سے نوازا تھا۔ (موسیٰؑ نے) کہا کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں تا کہ آپ مجھے (علم) سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ (خضرؑ نے) کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے اور آپ اس پر صبر کیسے کرسکتے ہیں جس کا سمجھنا آپ کے بس میں نہیں ہے۔ (موسیٰ نے) کہا کہ انشااللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ اور میں آپ کی کسی بات میں نافرمانی نہ کروں گا۔ (خضرؑ نے) کہا اگر آپ میرے ساتھ چلنا چاہتے ہیں تو مجھ سے اس وقت تک سوال نہ کیجئے گا جب تک میں آپ کو خود سے نہ بتادوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۵ تا ۷۰

وَجَدَا	دونوں نے پایا۔
عَلَّمْنَا	ہم نے سکھایا۔
عُلِّمْتَ	تجھے سکھایا گیا۔
رُشْدٌ	ہدایت۔
لَنْ تَسْتَطِيْعَ	تو ہرگز طاقت نہیں رکھتا۔
لَمْ تُحِطْ	گھیرتا نہیں ہے۔
لَا اَعْصِیْ	میں نافرمانی نہیں کروں گا۔
لَا تَسْئَلْنِیْ	مجھ سے نہ پوچھنا۔
حَتّٰی اُحْدِثَ	جب تک میں بیان نہ کردوں۔
ذِكْرٌ	ذکر۔ بات۔

تشریح: آیت نمبر ۶۵ تا ۷۰

جب حضرت موسیٰؑ اللہ کے حکم سے حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو ان کی ملاقات ایک سنگم پر حضرت خضر سے ہوگئی۔ اس موقع پر حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضر سے درخواست کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے آپ کو جو خصوصی علوم و معارف عطا کئے ہیں میں آپ کے پاس رہ کر انہیں سیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت خضرؑ نے کہا اے موسیٰؑ آپ جہاں سے آئے ہیں وہیں لوٹ جایئے کیونکہ میں تو اللہ کے حکم سے ایسے ایسے کام کرتا ہوں جنہیں دیکھ کر آپ صبر و برداشت نہ کر سکیں گے کیونکہ ایسی باتوں کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں جن کا سمجھنا آپ کے بس میں نہیں ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کی ہر بات میں اطاعت کروں گا۔ حضرت خضرؑ نے کہا میرے ساتھ چلنے کی شرط یہ ہے کہ جب تک میں کسی بات یا کام کی مصلحت خود نہ بتادوں اس وقت تک مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔ حضرت موسیٰؑ نے وعدہ کرلیا اور اس طرح وہ حضرت خضرؑ کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ اس واقعہ کی بقیہ تفصیلات تو اگلی آیات میں آجائیں گی۔ ان آیات میں چند باتوں کی وضاحت پیش ہے۔

حضرت موسیٰؑ نہ صرف کلیم اللہ ہیں، صاحب کتاب و شریعت ہیں بلکہ بنی اسرائیل کے عظیم پیغمبر ہیں اور قرآن کریم میں سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰؑ ہی کا ہے۔ لہذا ایسے جلیل القدر پیغمبر کو جب حضرت خضرؑ کے پاس بھیجا جا رہا ہے کہ وہ ان سے علم اور اس کی حکمتیں سیکھیں تو یقیناً حضرت خضرؑ کی بھی بڑی شان ہونا ظاہر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خضر کون ہیں؟ ان کے ذمے کیا کام ہیں؟ وہ زندہ ہیں یا نہیں؟ ذہن میں ابھرنے والے ان سوالات کے جوابات خود قرآن کریم نے دیئے ہیں۔ فرمایا کہ حضرت خضرؑ (۱) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے ہیں۔ (۲) انہیں خصوصی رحمتوں سے نوازا گیا تھا۔ (۳) ان کے پاس جو بھی علم تھا وہ صرف اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ (۴) وہ جو کچھ کرتے تھے اس میں ان کا اختیار نہیں تھا بلکہ وہ سب کچھ اللہ کے حکم سے کرتے تھے۔ ان چاروں خصوصیات سے حضرت خضرؑ کی عظمت سامنے آتی ہے یعنی جس طرح اللہ نے اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے بہت سے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو بھیجا تھا اسی طرح اللہ نے کائنات میں ان کو خصوصی کاموں پر مقرر کیا تھا۔ وہ اللہ کے حکم سے ایسے کام کرتے ہیں جن کے کرنے کا اللہ نے ان کو حکم دیا ہے اور وہ کام بھی ایسے ہیں کہ نظر کچھ آتے ہیں مگر ان کی مصلحت اس وقت تک سمجھ نہیں آسکتی جب تک اس کو بیان نہ کر دیا جائے۔ اسی لئے حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ میں تو ایسے کام کرتا ہوں جن کی مصلحت آپ کی سمجھ میں نہ آئے گی اور آپ اس پر صبر نہ کر سکیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات کا نظام اللہ کے حکم سے چل رہا ہے۔ کس کام میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ظالم و جابر ہے وہ اپنی حکومت اور طاقت کے گھمنڈ میں مظلوموں کو روندتا چلا جارہا ہے۔ وہ بربریت اور ظلم کی انتہاؤں پر ہونے کے باوجود کامیاب ہے۔ خوب پھل پھول رہا ہے۔ اس کے برخلاف نیک، پرہیزگار، متقی اور مظلوم تباہ و برباد ہوتے جارہے ہیں۔ اس وقت لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ اللہ کا کیسا نظام ہے جس میں نیکی کرنے اور حق و صداقت پر چلنے والا تو ذلیل و خوار ہو رہا ہے اور ظالم اور کمینہ شخص کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ رہا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ ظالم کی رسی کو اتنا دراز کیوں کیا جارہا ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ مظلوم ظالم کے ظلم کی بھینٹ چڑھتا رہا ہے لیکن اللہ نے ظالم و جابر لوگوں کو کس طرح تباہ و برباد کیا وہ بھی ایک داستان عبرت ہے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے جب وہ ظالموں سے انتقام لیتا ہے تو اس قدر بھیانک انتقام ہوتا ہے جس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ اللہ کے ہاں دیر ہوتی ہے مگر اندھیر نہیں ہے۔

ان آیات سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کائنات میں اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہی غیب اور شہادۃ یعنی غائب اور موجود کا جاننے والا ہے۔ وہ انسانوں کو جتنا علم دینا چاہتا ہے وہ دیتا ہے لیکن اللہ کے علم کے مقابلے میں انسان کا علم بہت محدود ہے۔ اسی لئے حضرت خضر نے اس چڑیا کو دیکھ کر جو سمندر سے پانی پی رہی تھی کہا تھا کہ اللہ کا علم اس سمندر جیسا ہے اور چڑیا کی چونچ میں جتنا پانی ہے وہ انسان کا علم ہے یعنی جو نسبت سمندر اور چڑیا کی چونچ میں پانی کی ہے وہی نسبت اللہ کے علم اور انسان کو دیئے گئے علم کی ہے۔ فرمایا کہ حضرت خضرؑ کا جو بھی علم تھا وہ ان کو اللہ نے عطا فرمایا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو جو علوم عطا فرمائے ہیں وہ ان کی ذات میں نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے علوم و معارف ہوا کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضرؑ اللہ کے ایک بندے ہیں جن پر اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہے اور اللہ نے ان کو اپنے پاس سے علوم عطا فرمائے تھے اور وہ اللہ کے حکم سے ایسے کام کرتے ہیں جن کی حکمت اور مصلحت کو سمجھنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔

اس موقع پر اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت خضرؑ زندہ ہیں یا نہیں؟ اللہ بہتر جانتا ہے ہمیں نہیں بتایا گیا اور قرآن و سنت میں بھی اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی ہے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۸

پھر وہ دونوں روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) اس میں سوراخ کر دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے سوراخ کر دیا کہ اس میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں آپ نے بڑی عجیب بات کی ہے۔ (خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے (موسیٰ نے) کہا آپ اس بھول پر میری گرفت نہ

کیجئے جسے میں بھول گیا تھا اور میرے معاملہ میں سختی سے کام نہ لیجئے۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکا ملا۔ (خضر نے) اس کو مار ڈالا۔ (موسیٰؑ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ کو (جان کے بدلے کے) بغیر قتل کر دیا۔ یہ تو آپ نے بڑی ناپسندیدہ بات کی ہے۔ (خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ بے شک آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ (موسیٰؑ نے) کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ بھی پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے۔ اب تو میری طرف سے آپ کو عذر مل گیا ہے۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ وہ ایک بستی میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا مگر ان لوگوں نے ان کی مہمان داری سے انکار کر دیا۔ وہاں ان دونوں نے ایک دیوار کو دیکھا جو گرنے کے قریب تھی (خضر نے) اس کو ٹھیک کر دیا۔ (موسیٰؑ نے) کہا۔ اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے سکتے تھے۔ (خضر نے) کہا کہ اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے۔ میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتا دیتا ہوں جس پر آپ نے صبر نہیں کیا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۱ تا ۷۸

اَلسَّفِيْنَةُ	کشتی۔ جہاز۔
خَرَقَ	سوراخ کر دیا۔
لِتُغْرِقَ	تا کہ تو غرق کر دے۔
اِمْرٌ	ناپسندیدہ بات۔ عجیب بات۔
نَسِيْتُ	میں بھول گیا۔
لَا تُرْهِقْنِىْ	نہ ڈال مجھ پر۔
عُسْرٌ	مشکل۔ تنگی۔
زَكِيَّةٌ	پاک۔ ستھری۔
نُكْرٌ	بے جا بات۔
لَا تُصَاحِبْنِىْ	مجھے ساتھ نہ رکھنا۔
بَلَغْتَ	تو پہنچ گیا۔

اِسْتَطْعَمَا	دونوں نے کھانا طلب کیا۔
اَبَوْا	انکار کردیا۔
يُضَيِّفُوْا	وہ مہمان بنائیں گے۔
جِدَارٌ	دیوار۔
يَنْقَضُّ	وہ ٹوٹ جائے گا۔
اَقَامَ	درست کردیا۔
فِرَاقٌ	جدائی۔
اُنَبِّئُ	میں بتاؤں گا۔
تَأْوِيْلٌ	حقیقت۔انجام

تشریح: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۸

ان آیات میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ نے یہ وعدہ کرلیا کہ وہ حضرت خضرؑ سے کسی کام یا بات پر سوال نہیں کریں گے تب وہ دونوں سفر پر روانہ ہوگئے۔ راستے میں ایک دریا آگیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لئے کشتی پر سوار ہوگئے۔ کشتی والا جانتا ہوگا یا ان کو نیک اور بزرگ سمجھ کر انتہائی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے کرایہ لینے سے انکار کردیا۔ یہ دونوں جب کنارے پر اترے تو حضرت موسیٰؑ نے دیکھا کہ حضرت خضر نے اترتے اترتے اس کشتی کو ادھر ادھر سے توڑ پھوڑ دیا یا اس کا کوئی تختہ وغیرہ نکال کر اس کشتی کو عیب دار بنا دیا۔ حضرت موسیٰؑ یہ دیکھ کر بے چین ہوگئے۔ کہنے لگے کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں اس کشتی والے نے تو ہمارے ساتھ احسان اور نیکی کا معاملہ کیا اور آپ نے اس کے احسان کا جواب یہ دیا کہ اس کشتی کا ستیاناس کردیا۔ حضرت خضر نے کہا موسیٰؑ! میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ برداشت نہیں کرسکتے۔ حضرت موسیٰؑ کو اپنا وعدہ یاد آیا اور وہ اس وعدے کے ساتھ کہ اب میں سوال نہ کروں گا دوبارہ روانہ ہوگئے۔ ایک جگہ کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان بچوں میں سے ایک کی ٹانگیں پکڑیں، زمین پر دے مارا جس سے وہ بچہ مرگیا۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ بے حال ہوگئے اور تڑپ کر پوچھا کہ آپ نے ایک بے گناہ کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کردیا یہ تو آپ نے بڑی ہی ناپسندیدہ بات کی ہے۔ حضرت خضرؑ نے کہا موسیٰؑ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ

آپ ان باتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰ کو اپنا وعدہ یاد آگیا کہنے لگے کہ اس کے بعد اگر میں آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ مت رکھیۓ گا کیونکہ اب تو میری طرف سے آپ کو عذر مل گیا ہے۔ پھر وہ دونوں چلے۔ وہ ایک ایسی بستی میں پہنچے جہاں کے لوگوں نے اجنبیوں کو دیکھنے کے باوجود مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ بھوک سے برا حال تھا۔ حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ ایک دیوار گرنے والی ہے حضرت خضرؑ نے کاندھا لگا کر اس کو سیدھا کر دیا بس اب حضرت موسیٰؑ سے صبر نہ ہو سکا۔ کہنے لگے کہ اگر آپ اس محنت مزدوری پر کچھ اجرت لے لیتے تو کم از کم ان بے مروت لوگوں کے شہر میں کھانے کو تو مل جاتا اور کہنے لگے کہ یہ لوگ تو کسی رعایت کے مستحق بھی نہ تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ! میں تو اللہ کے حکم سے ایسے ہی کام کرتا رہتا ہوں لہذا اب آپ اپنی دنیا کی طرف لوٹ جایئے۔ جس میں شریعت کے مطابق فیصلے کیۓ جاتے ہیں اور اب حسب وعدہ ہمارے اور آپ کے درمیان جدائی ہو چکی ہے۔ لیکن وہ تمام باتیں جن پر آپ صبر نہ کر سکے ان کی مصلحتیں ضرور بیان کروں گا۔ چنانچہ اگلی آیات میں حضرت خضرؑ نے ان تمام باتوں کی پوری طرح وضاحت فرما دی ہے کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے یہ کام کیوں کیۓ تھے ان میں حکمت اور مصلحت کیا تھی؟

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوۓ فرمایا کیا اچھا ہوتا کہ حضرت موسیٰؑ کچھ تھوڑا سا اور صبر کر لیتے تا کہ اللہ کی بہت سی وہ حکمتیں ظاہر ہو جاتیں جو اللہ کے حکم سے ہوتی رہتی ہیں۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٧٩ تا ٨٢

بہر حال وہ کشتی چند غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں۔ رہا وہ لڑکا (جس کو مار ڈالا تھا) اس کے والدین مومن تھے تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان کو (والدین کو) سرکشی اور کفر میں عاجز نہ کردے۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان دونوں (والدین) کو ان کا رب بدلہ دے جو اس (بچے) سے بہتر اور شفقت سے زیادہ قریب ہو۔ دیوار کو (صحیح کرنے کا مسئلہ یہ ہے) کہ وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے مال گڑا ہوا تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ تو تمہارے رب نے چاہا کہ وہ جوان ہوں اور وہ دونوں (یتیم بچے) آپ کے رب کی رحمت سے گڑا ہوا مال نکال لیں۔ اور یہ سب کچھ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا (بلکہ اللہ کے حکم سے کیا) یہ ہے (ان واقعات کی) حقیقت جس پر آپ صبر نہ کرسکے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٧٩ تا ٨٢

اَلسَّفِیْنَۃُ کشتی۔ جہاز۔

یَعْمَلُوْنَ وہ محنت مزدوری کرتے ہیں۔

اَرَدْتُّ میں نے چاہا۔

اَعِیْبُ عیب دار کردوں۔

وَرَآءٌ پیچھے۔

غَصْبٌ زبردستی۔

یُرْھِقُ ڈھانپ لیتا ہے۔

زَکٰوۃٌ پاکیزگی۔

کَنْزٌ خزانہ۔ مال گڑا ہوا۔

اَمْرِیْ میرا اختیار۔

تشریح: آیت نمبر ۷۹ تا ۸۲

یہ کائنات اور اس کا نظام کیا ہے؟ وہ کس طرح چل رہا ہے کبھی یہ سوچتے ہوئے ذہن الجھ سا جاتا ہے کبھی ہم سوچتے ہیں کہ اگر ایسا ہو جاتا تو اچھا تھا لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ ہر کام کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور اس کام میں جو حکمت و مصلحت پوشیدہ تھی اس کے کھلنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اچھا ہوا فلاں کام نہ ہوا ورنہ اس سے مجھے بہت نقصان پہنچ جاتا۔ یہی صورتحال اس وقت پیش آئی جب حضرت موسیٰؑ کی موجودگی میں حضرت خضرؑ نے بعض وہ کام کئے جن کی مصلحت اور حکمت سمجھ سے بالاتر تھی لیکن جب حضرت خضرؑ نے وضاحت فرمائی تب پوری بات سمجھ میں آسکی۔

حضرت خضرؑ نے بتایا کہ

(۱) وہ کشتی جس میں انہوں نے عیب پیدا کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ دریا کے دوسرے کنارے پر ایک ظالم و جابر بادشاہ کے لوگ ہر اس کشتی کو چھین رہے تھے جو بالکل نئی ہو۔ میں نے اللہ کے حکم سے اس نیک شخص کی نیکی کی وجہ سے اس کشتی میں ایسی تبدیلی کر دی جس سے وہ کشتی بالکل نئی معلوم نہ ہو اور دور سے عیب دار نظر آئے۔

(۲) فرمایا کہ اللہ کے حکم سے میں نے جس لڑکے کو مار ڈالا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس بچے کے والدین بہت ہی نیک اور صالح تھے۔ اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اسی کی عبادت و بندگی کرتے تھے۔ ان کا یہ لڑکا فطرت اور مزاج کے اعتبار سے ایسا اٹھ رہا تھا کہ آئندہ زندگی میں وہ اپنے ماں باپ کے لئے عذاب اور مصیبت بن جاتا۔ لہذا اللہ کے فیصلے کے مطابق اس کا مر جانا اس کے زندہ رہنے سے بہتر تھا۔ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس لڑکے کی جگہ ایک نیک اور پارسا لڑکی عطا فرمائی جس سے ایک نبی پیدا ہوئے اور اس طرح اللہ نے والدین کی نیکی کا یہ صلہ ان کو عطا فرمایا۔

(۳) تیسرے واقعہ کی مصلحت بتاتے ہوئے فرمایا کہ بغیر کسی معاوضے اور اجرت کے جس گرتی ہوئی دیوار کو درست کیا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دیوار کے نیچے نیک والدین کی محنت سے کمایا ہوا خزانہ چھپا ہوا تھا۔ اگر وہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو یتیم بچوں کے وارث اس کے مالک بن بیٹھتے اور یہ بچے محروم رہ جاتے اس لئے اللہ نے چاہا کہ دیوار اس وقت تک نہ گرے جب تک یتیم بچے اپنے شعور اور سمجھ کی عمر تک نہ پہنچ جائیں اور ان کے والدین کی جو خواہش تھی وہ پوری نہ ہو جائے۔

حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے کاموں کی مصلحت بتاتے ہوئے اس بات کو واضح کر دیا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اس میں میرا اختیار اور مرضی شامل نہیں ہوتی بلکہ یہ سارے کام میں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾
اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَاَتْبَعَ

سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِىۡ عَيۡنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ؕ قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ﴿٨٧﴾ وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا ؕ ﴿٨٨﴾ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰى قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلْ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ۙ ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَيۡهِ خُبۡرًا ﴿٩١﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٨٣ تا ٩١

(اے نبی ﷺ) وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ان کا حال بتاتا ہوں۔ ہم نے اس کو روئے زمین پر اقتدار و قوت عطا کیا تھا اور ہر طرح کے وسائل دیئے تھے۔ وہ ایک راستے پر ہو لئے یہاں تک کہ وہ غروب آفتاب کی حد تک پہنچ گئے۔ انہوں نے سورج کو کالے پانی میں ڈوبتا محسوس کیا۔ وہاں انہیں ایک قوم ملی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین تمہیں اختیار ہے کہ ان کو سزا دو یا ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ جو ان میں سے ظالم ہوگا ہم اس کو سزا دیں گے۔ پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور وہ اس کو اس سے بھی سخت سزا دے گا۔ اور جو ان میں سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کے لئے اچھا بدلہ ہوگا اور اس سے ہم نرم برتاؤ کریں گے۔ پھر انہوں نے دوسری مہم کی تیاری شروع کر دی یہاں تک کہ وہ طلوع آفتاب کی حد تک پہنچ گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لئے ہم نے دھوپ سے بچنے کا سامان نہیں کیا ہے۔ یہ حال تھا ان کا۔ اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا اسے ہم خوب جانتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۳ تا ۹۱

يَسْئَلُوْنَ وہ سوال کرتے ہیں۔

ذُوالْقَرْنَيْنِ بہت طاقتور۔

سَأَتْلُوْا بہت جلد میں بتاؤں گا۔

مَكَّنَّا ہم نے جمایا۔اقتدار دیا تھا۔

سَبَبٌ سامان۔

اَتْبَعَ وہ پیچھے گیا۔اس نے تیاری کی۔

حَمِئَةٌ دلدل۔کیچڑ۔سیاہ۔

يُرَدُّ لوٹایا جائے گا۔

اَلْحُسْنٰى بہترین۔بھلا۔

يُسْرٌ آسان۔

سِتْرٌ پردہ۔رکاوٹ۔

اَحَطْنَا ہم نے گھیر لیا۔

لَدَيْهِ اس کے پاس۔

خُبْرٌ علم۔خبر۔

تشریح: آیت نمبر ۸۳ تا ۹۱

تاریخ انسانی کے ہر دور میں اچھے اور برے کردار کے لوگ گذرتے رہتے ہیں۔بہترین کردار کے لوگوں کی زندگی دوسروں کے لئے مشعل راہ، نمونہ عمل اور نشان راہ ہوتی ہے۔جب کہ برے اور بد کردار لوگ کسی عزت کے مستحق نہیں ہوتے۔یوں تو ہر قوم اور اس کے افراد کا اپنا ایک کردار ہوتا ہے جس کو ادا کرنے کے بعد وہ اس دنیا سے گذر جاتے ہیں۔لیکن انسان کے اچھے یا

برے کردار کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے ہاتھ میں ہر طرح کی طاقت وقوت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنی طاقت وقوت، حکومت وسلطنت اور مال ودولت کو مجبوروں بے کسوں اور مظلوموں کو تباہ و برباد کرنے پر لگاتا ہے تو اس کا شمار فرعون، نمرود، شداد اور قارون جیسے ظالموں اور فخر وغرور کے پیکروں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اگر وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو مظلوموں کی ہمدردی، ان کی امداد واعانت اور فریاد رسی پر صرف کرتا ہے تو اس سے نہ صرف انسانیت کو آبرو ملتی ہے بلکہ ہر شخص ان کے ادب واحترام میں اپنی گردن جھکا دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ذوالقرنین بھی اللہ کے ان نیک اور برگذیدہ بندوں میں سے تھے جنہوں نے مشرق ومغرب کے فاتح اور ایک عظیم سلطنت میں خود مختار ہونے کے باوجود ظلم، زیادتی اور بے انصافی کے بجائے عدل وانصاف اور امن ومحبت کا ایک ایسا نظام قائم کیا اور مظلوموں، بے کسوں اور مجبوروں کے ساتھ ایسی ہمدردی کا رویہ اختیار کیا جو تاریخ انسانی میں ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ایک بہترین نمونہ عمل بن گیا۔

قریش مکہ کو یہودیوں نے یہ سکھا دیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی صداقت کا امتحان لینے کے لئے تین سوالات کریں۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کون تھے؟ ذوالقرنین کا واقعہ اور خصوصیات کیا تھیں؟ یہودی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ عرب کے لوگ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات اور روح کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ سے سوال کیا جائے گا تو وہ اس کا جواب نہ دے سکیں گے اور ہمیں مذاق اڑانے کا ایک اور موقع مل جائے گا۔ کیونکہ نعوذ باللہ ان کا گمان یہ تھا کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ حضرت محمد ﷺ اپنی طرف سے خود ہی گھڑ کر اور بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اصحاب کہف اور روح کے متعلق تفصیل سے ارشاد فرما کر اب ذوالقرنین کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کا واقعہ سنا کر قریش مکہ کو شرم دلائی ہے کہ ذوالقرنین کے پاس سب کچھ تھا لیکن انہوں نے غرور اور تکبر کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے غریبوں محتاجوں اور مجبوروں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کر کے اپنی عظمت کو چار چاند لگا دیئے تھے اور قریش مکہ معمولی سی سرداریوں اور مال ودولت پر اس قدر اترا رہے ہیں کہ اللہ کا نام لینے والے کمزور اور بے بس مسلمانوں پر ایسے ایسے ظلم وستم ڈھا رہے ہیں جن سے انسانیت بھی شرما جاتی ہے۔

فرمایا کہ ذوالقرنین ایک نیک دل اور انصاف پسند حکمران تھے جو ایک عظیم سلطنت اور صاحب اقتدار ہونے کے باوجود ہر شخص کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کو سب سے بڑی نیکی تصور کرتے تھے۔

فرمایا کہ ذوالقرنین جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے تھے انہوں نے پوری زندگی دنیا کے کونے کونے کا سفر کیا اور جس کو بھی ضرورت مند سمجھا اس کی پوری مدد فرمائی۔ اور کسی کے ساتھ زیادتی اور ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے مغرب، مشرق اور شمال وجنوب کے متعدد سفر کئے اور فتح کے جھنڈے گاڑتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ انہیں اللہ نے تمام مادی وسائل، ذرائع اور مال واسباب عطا فرما رکھے تھے۔ وہ تمام تر وسائل کے ساتھ سب سے پہلے مغرب کی سمت روانہ ہوئے۔ وہ چلتے چلتے اس مقام تک پہنچ گئے

جہاں حد نظر تک دلدل تھی۔ نہ تو آگے جانے کا پیدل راستہ تھا اور نہ کوئی انسان وہاں تک پہنچ سکتا تھا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں ٹھہر گئے سورج غروب ہوتے ہوئے ایسا لگا جیسے وہ سیاہ پانی میں ڈوب رہا ہے۔ وہاں ذوالقرنین نے ایک ایسی قوم کو دیکھا جو بالکل الگ تھلگ ایک بستی میں رہتی تھی۔ ایک فاتح بادشاہ اور حکمران کے اعتبار سے اس زمانہ کے رواج کے مطابق ان کے لئے دو راستے کھلے ہوئے تھے کہ وہ ایک ظالم فاتح کی طرح ان کا مال واسباب لوٹ کر ان کو اپنا غلام بنالے یا ایک عادل بادشاہ کی طرح ان کے ساتھ بھلائی، ہمدردی اور عدل وانصاف کا معاملہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اگر اللہ کسی کو اقتدار، طاقت اور قوت عطا کرتا ہے تو اس کو کمزوروں کے ساتھ بہترین معاملہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ ذوالقرنین نے عدل وانصاف اور امن وسلامتی کے راستے کا انتخاب کرتے ہوئے اعلان عام کردیا کہ وہ ہر شخص کے ساتھ بہترین معاملہ کرے گا۔ البتہ اگر کوئی اپنی حدوں سے آگے بڑھنے اور زیادتی کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔

مغرب کا سفر کرنے کے بعد ذوالقرنین نے مشرقی سمت کا رخ کیا۔ راستے میں چلتے ہوئے کچھ ایسے لوگوں کی آبادی پر نظر پڑی جو حیوانوں جیسی جنگلی زندگی گذار رہے تھے۔ نہ ان کے پاس رہنے کے گھر تھے۔ نہ دھوپ سے بچنے کا سامان تھا۔ نہ ایسا ڈھنگ کا لباس تھا جس سے وہ اپنے بدن کو پوری طرح ڈھانپ سکیں۔ سورج اور دھوپ کی شدت نے ان کے بدن جھلسا کر رکھ دیئے تھے۔ ذوالقرنین نے حکم دیا کہ ان کی ہر ممکن مدد کی جائے۔ بہترین سلوک اور احسان وکرم کا معاملہ کیا جائے۔

ذوالقرنین کے یہ دو سفر مشرق ومغرب کی طرف کئے گئے تھے۔ انہوں نے ہر جگہ ایسا عدل وانصاف قائم کیا جس سے پوری دنیا میں خیر وبھلائی پھیل گئی۔

قرن کے معنی زمانہ، صدی، سینگ وقوت کے آتے ہیں۔ چونکہ ذوالقرنین نے مشرق ومغرب کے ملکوں کو کھنگال ڈالا تھا شاید اسی لئے ان کو ذوالقرنین کہا جانے لگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین نہ صرف دنیا بھر کے فاتح تھے بلکہ انہوں نے عدل وانصاف کا ایک ایسا بہترین کردار پیش کیا تھا جو ساری دنیا کے لئے ایک بہترین مثال ہے۔ ذوالقرنین چونکہ اللہ کو ایک ماننے والے، اس کے فرماں بردار اور اطاعت گذار تھے لہٰذا ان کے متعلق یہ کہنا کہ ذوالقرنین اور سکندر اعظم ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں اس لئے غلط ہو جاتا ہے کہ سکندر اعظم توحید پرست نہ تھا جب کہ ذوالقرنین توحید خالص کے ماننے والے اور اللہ کے شکر گذار بندے تھے۔ بعض حضرات نے تو ان کی نیکیوں اور توحید کی بنا پر یہاں تک فرمادیا کہ وہ نبی تھے۔ بہر حال ذوالقرنین کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر مومن صالح ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اس پر قرآن کی آیات بھی گواہ ہیں۔

مشرق ومغرب کے اس فاتحانہ سفر کے بعد ذوالقرنین نے تیسرا سفر بھی کیا جس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ
وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا
یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ
نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا
مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ
رَدْمًا ۙ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ
انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ﴿۹۶﴾
فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا
رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ
رَبِّیْ حَقًّا ؕ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ
فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ
عَرْضَا ۙ﴿۱۰۰﴾ الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا
لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ ع

۱۱ ع ۱۹ ۲

ترجمہ: آیت نمبر ۹۲ تا ۱۰۱

پھر وہ ایک راہ پر چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہوں
نے ایک ایسی قوم کو پایا جو بات کو مشکل سے سمجھتی تھی۔ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یا جوج اور

ماجوج نے (چاروں طرف) تباہی مچا رکھی ہے۔ تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ رقم مہیا کر دیں تا کہ آپ ان کے اور ہمارے درمیان مضبوط دیوار بنا دیں۔ ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے جو مال میرے اختیار میں دیا ہے وہ بہت ہے۔ اگر تم محنت (ہاتھ پاؤں) سے میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار قائم کر سکتا ہوں۔ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب (دونوں پہاڑوں) کے سرے برابر ہو جائیں تو اس وقت تم آگ دہکاؤ تا کہ وہ لوہا لال انگارا بن جائے۔ جب وہ آگ بن گیا تو کہا کہ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور اس پر انڈیل دو۔ یاجوج ماجوج نہ تو اس پر چڑھ کر آسکیں گے اور نہ سوراخ کر سکیں گے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ سب میرے پروردگار کی رحمت ہے۔ پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ آ جائے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔ (اللہ نے فرمایا) ہم اس دن ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں رل مل جائیں گے۔ پھر صور پھونکا جائے گا۔ پھر ہم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔ اور اس دن جہنم کو ان کافروں کے سامنے لایا جائے گا جن کی آنکھوں پر ہماری یاد سے (غفلت کے) پردے پڑے ہوئے تھے اور وہ (حق بات) سن نہ سکے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۲ تا ۱۰۱

اَلسَّدَّيْنِ	دو دیواریں۔ دو پہاڑ۔
لَايَكَادُوْنَ	قریب نہ تھے۔
يَفْقَهُوْنَ	وہ سمجھتے ہیں۔
خَرْجٌ	کچھ مال۔
سَدٌّ	دیوار۔
مَكَّنِّىْ	مجھے اختیار دیا۔
اَعِيْنُوْا	مدد کرو۔

رَدْمًا	آڑ۔رکاوٹ۔
زُبَرَالْحَدِيْدِ	لوہے کے تختے۔
سَاوٰى	برابر کردیا۔
صَدَفَيْنِ	دونوں پہاڑ۔
اُنْفُخُوْا	دھونکو۔پھونکو۔
اُفْرِغْ	ڈال دو۔
قِطْرٌ	پگھلا ہوا تانبہ۔
اَنْ يَّظْهَرُوْا	یہ کہ وہ چڑھیں۔
نَقْبٌ	سوراخ۔
دَكَّآءً	برابر کیا۔
عَرْضٌ	سامنے۔
غِطَاءٌ	پردہ۔
سَمْعٌ	سننا

تشریح: آیت نمبر ۹۲ تا ۱۰۱

مشرق ومغرب کے سفروں کے بعد ذوالقرنین نے تیسری سمت بھی سفر کیا۔ اکثر مفسرین اور مورخین کے ارشاد کے مطابق یہ سفر شمال کی طرف تھا۔ چلتے چلتے ذوالقرنین ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں کے لوگ نہ تو تہذیب وتمدن سے آشنا تھے اور نہ اپنی مقامی زبان کے علاوہ کسی اور زبان سے واقف تھے۔ ذوالقرنین نے ان کے ساتھ بھی نہایت احسان اور کرم کا معاملہ کیا۔ جب انہوں نے ایسے عادل ومنصف بادشاہ کو دیکھا تو کسی ترجمان کے ذریعہ انہوں نے ذوالقرنین کو اپنی سب سے بڑی مشکل اور مصیبت بتائی انہوں نے کہا کہ ان کے اور پہاڑوں کے درمیان دوسری طرف ایک ایسی قوم رہتی ہے جن کو یاجوج ماجوج کہا جاتا ہے وہ پہاڑی

درے سے نکل کران کی بستیوں میں آ جاتے ہیں اوران کے تمام مال واسباب کولوٹ کرلے جاتے ہیں۔ ہم اونچے اونچے پہاڑوں اور یاجوج ماجوج کی طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ انہوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ اگروہ یاجوج ماجوج اوران کے درمیان اس درہ پر کوئی زبردست دیوار کھڑی کردیں جہاں سے یاجوج ماجوج آتے ہیں تو ہم نہ صرف ان کے ظلم وستم سے بچ جائیں گے بلکہ ہم احسان مند بھی ہوں گے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کام کے لئے اگر کسی رقم کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ دینے کو تیار ہیں۔ ذوالقرنین نے ان کی فریاد سنی اوران کی بے بسی پر بڑا ترس آیا۔ ذوالقرنین نے دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنانے کا وعدہ کرلیا اور کہا مجھے تمہارے مال ودولت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ نے مجھے سب کچھ دیا ہے۔ البتہ تم سب مل کر ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو۔ یہ سن کر وہ پوری قوم محنت مزدوری کے لئے تیار ہوگئی۔ ذوالقرنین نے حکم دیا کہ لوہے کے بڑے بڑے تختے منگوائے جائیں اوران کو دونوں پہاڑوں کے درمیان تہہ در تہہ بچھا دیا جائے۔ چنانچہ کام شروع کردیا گیا۔ جب اس دیوار کی اونچائی دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گئی تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ لوہے یا تانبے کے نیچے بہت تیز آگ جلائی جائے جب لوہا یا تانبا پگھل جائے تو اس کو لوہے کے تختوں کے اوپر سے اس کی درزوں میں ڈالا جائے تاکہ وہ دیوار انتہائی مضبوط اور لوہے کی طرح بن جائے۔ جب یہ دیوار تیار ہوگئی تو وہ پوری قوم یاجوج ماجوج کے ظلم وستم سے محفوظ ہوگئی۔ ذوالقرنین کا یہ اتنا بڑا اور عظیم کارنامہ تھا کہ ذوالقرنین اس پر فخر کرسکتے تھے لیکن انہوں نے فخر وغرور کرنے کے بجائے یہ کہا کہ یہ جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا فضل کرم ہے جو ایک خاص مدت تک اسی طرح باقی رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذوالقرنین محض ایک بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کے نیک اور پارسا بندوں میں سے تھے۔

اس تمام واقعہ سے اور علماء مفسرین کی وضاحتوں سے چند حقائق سامنے آتے ہیں۔

(۱) علماء نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں گذرے ہیں اور حضرت خضرؑ ان کے وزیر تھے۔ وہ نہایت ذہین، نیک دل، صاحب تدبیر، رعب اور دبدبے کے آدمی تھے۔ وہ اللہ کو ایک مانتے تھے اور مشرک ہرگز نہ تھے۔ اللہ نے ان کو دنیا کے تمام مال واسباب عطا فرمائے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے مشرق ومغرب اور شمال کے ملکوں کے سفر کئے اور حیرت انگیز طریقے پر تمام ملکوں کو فتح کرتے چلے گئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ان کو یہ سب کچھ بیت اللہ شریف اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی دعا سے نصیب ہوا تھا۔

جب کہ ذوالقرنین پیدل چل کر حرم کعبہ کی زیارت کے لئے آئے۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے مکہ مکرمہ سے باہر نکل کران کا استقبال کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو دعائیں بھی دیں اور کچھ نصیحتیں بھی فرمائیں (البدایہ ص ۱۰۸ ج ۲) ذوالقرنین نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ طواف کیا اور قربانی بھی دی (ابن کثیر)

(۲) ذوالقرنین نے جس دیوار کو تعمیر کیا تھا وہ کہاں ہے اور کس حالت میں ہے اس کا صحیح علم کسی کو بھی نہیں ہے البتہ بعض حضرات نے اس سلسلہ میں مختلف علاقوں کی نشان دہی کی ہے جو تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ البتہ کفار مکہ نے یہودیوں کے کہنے پر ذوالقرنین کے متعلق پوچھا تھا تو اللہ نے اس کا جوب دے کر کفار کو بتادیا تھا کہ تم اپنی معمولی سرداریوں، مال ودولت پر جس طرح اترا رہے ہو وہ ذوالقرنین کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جب کہ انہوں نے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کیا ایسے لوگ جو جنگلیوں جیسی زندگی گذار رہے تھے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا۔ کفار مکہ سے فرمایا جارہا ہے تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے ہی بھائی بندوں پر طرح طرح کے ظلم وستم کررہے ہو اور اس ظلم وزیادتی پر شرمندہ بھی نہیں ہوتے ہو۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ اگر اس دیوار کے بنانے کی بات کو اسی حد تک رہنے دیا جائے کہ اللہ کو معلوم ہے تو بہتر ہوگا کیونکہ جب کسی کو معلوم ہی نہیں ہے اور اس سلسلہ میں ایک رائے بھی نہیں ہے تو اس کو تاریخ کا ایک حصہ سمجھ کر چھوڑ دینا چاہیے اور اس مضمون کی روح کو سامنے رکھنا چاہیے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا
عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾
قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ؕ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا
نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا
وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ١٠٢ تا ١٠٨

کیا ان کافروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں گے۔ بے شک ہم نے ان کافروں کی مہمان داری کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم تمہیں بتائیں گے کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے کون زیادہ نقصان اٹھانے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا کی زندگی میں ان کی کوششیں برباد ہوگئیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت اچھا کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا ہے۔ (اس لئے) ان کے سارے اعمال غارت ہوگئے۔ پس ہم ان کے اعمال کو قیامت کے دن کوئی وزن نہ دیں گے (اہمیت نہ دیں گے)۔ ان کے کفر کی وجہ سے ان کا یہ بدلہ ہے اور وہ کہ انہوں نے ہماری آیات کا اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا (یہ بدلہ ہے)۔

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے تو ان کی مہمان داری کے لئے بہشت کے باغ ہوں گے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور کبھی وہ ان سے نکلنا نہ چاہیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ١٠٢ تا ١٠٨

اَوْلِيَاءُ دوست۔ کام بنانے والے۔

نُزُلٌ مہمان داری۔

سَعْیٌ کوشش۔ جدوجہد۔

صُنْعٌ کام۔

حَبِطَتْ ضائع ہوگئی۔

لَانُقِيْمُ ہم قائم نہ کریں گے۔

هُزُوٌ	مذاق۔
اَلْفِرْدَوْسُ	جنت۔ بہشت۔
لَا يَبْغُوْنَ	وہ نہ چاہیں گے۔
حِوَلٌ	تبدیل کرنا۔

تشریح: آیت نمبر ۱۰۲ تا ۱۰۸

اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں اصحاب کہف، حضرت موسیٰ خضرؑ اور ذوالقرنین کے واقعات سنانے کے بعد فرمایا ہے کہ اتنا کچھ بتانے اور سنانے کے باوجود کیا اس بات کی ذرا بھی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر دوسری بے حقیقت چیزوں کو اپنا حمایتی، مددگار اور رب بنالیا جائے۔ فرمایا کہ یہ بات بنیادی طور پر غلط سوچ کا نتیجہ ہے کہ قیامت کے ہولناک دن یہ جھوٹے معبودان کا سہارا بن سکیں گے یا ان کے کام آسکیں گے۔ فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ وہاں اللہ کی مدد اور حمایت کے بغیر کسی کا کام نہ چل سکے گا۔ طنز کے طور پر فرمایا کہ ایسے لوگوں کی مہمان نوازی بھڑکتی آگ اور جہنم کے شعلوں سے کی جائے گی۔

نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ ان کو صاف صاف بتا دیجیے کہ جس طرح تمہارے جھوٹے معبود تمہارے کسی کام نہ آسکیں گے اسی طرح دنیاوی مال و دولت اور عیش و عشرت میں پڑے ہوئے لوگوں کے ان کی دولت اور دنیاداری کام نہ آسکے گی۔ کیونکہ یہ دنیا بڑی بے وفا ہے۔ یہ اس دنیا میں اور اس کے بعد بھی وفا نہیں کرتی۔ ادھر آنکھ بند ہوئی اور ادھر تمام چیزوں سے تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن جو صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ بالکل صحیح اور درست راستے پر چل رہا ہے۔ اس کا یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہی صحیح راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا حالانکہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی آیات کو دیکھ کر بھی اس کا انکار کیا ہے اور وہ اس سے قطعاً بے خبر ہیں کہ بہت جلد آخرت میں ان کی ملاقات اس اللہ رب العالمین سے ہوگی جو ہر بات سے بخوبی واقف ہے۔ یہ وہ بدنصیب لوگ ہیں جنہوں نے سب کچھ کر کے بھی کئے کرائے پر پانی پھیر دیا ہے۔

قیامت کے دن اس وقت ان کی حسرتوں کی انتہا ہو جائے گی جب ان کے اعمال بے وزن ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ

انہوں نے دنیا میں نہ صرف اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا تھا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو مذاق سمجھ رکھا تھا۔ اس کے بر خلاف وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کی روش اختیار کی ان کے لئے جنت الفردوس کی ابدی راحتیں، اللہ کی طرف سے مہمان داری اور محبت سے استقبال، یہ ان کا سرمایہ ہوگا۔ وہ ہمیشہ جنت کی راحتوں میں رہیں گے وہ ایک ایسی عیش و عشرت ہوگی جس میں سے نہ کوئی نکلنا پسند کرے گا اور نہ اس کو نکالا جائے گا۔ فرمایا کہ وہاں حالات کی یکسانیت بھی نہ ہوگی جس سے وہ اکتا جائیں بلکہ وہاں کا ہر دن ایک نئی خوشی، راحت اور آرام کا پیغام لے کر آئے گا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿١١٠﴾

١٢ ع ٩ ٢

ترجمہ: آیت نمبر ١٠٩ تا ١١٠

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات (لکھنے کے لئے) ایک سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے وہ سمندر (کا پانی) ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ ہم اس جیسا (ایک سمندر) اور لے آئیں۔

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں۔ (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم سب کا پروردگار ایک ہی ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ عمل صالح کرے اور عبادت و بندگی میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

لغات القرآن آیت نمبر۱۰۹تا۱۱۰

مِدَادٌ روشنائی۔لکھنے کی سیاہی۔

نَفِدَ ختم ہو گیا۔

یُوحٰی وحی کی جاتی ہے۔

یَرْجُوْا امید رکھتے ہیں۔

لِقَآءٌ ملاقات۔ملنا۔

لَاتُشْرِکْ شرک نہ کرے۔

عِبَادَةٌ عبادت۔بندگی۔

تشریح: آیت نمبر۱۰۹تا۱۱۰

کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے یہودیوں کے بہکاوے میں آکر روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق پوچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ قریش مکہ کے ہر سوال کا جواب عنایت فرما کر ثابت کر دیا کہ اللہ کے علم و حکمت کی باتیں اس قدر زیادہ ہیں جن کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ایک محسوس مثال کے ذریعہ سے بتایا گیا ہے کہ اگر سارے سمندر بلکہ ان جیسے اور بہت سے سمندروں کا پانی سیاہی بن جائے اور پھر اس سے اللہ تعالیٰ کے کلمات، باتوں اور حکمتوں کو لکھا جائے تو وہ سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اس کی باتیں اور حکمتیں ختم نہ ہوں گی۔ اللہ کا علم ایک گہرے سمندر کی طرح ہے جس کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کے برخلاف انسان کو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اللہ نے انسان کو جتنا علم بھی عطا کیا ہے اس پر پوری طرح عمل کیا جائے۔وہ عمل ہی علم کے راستوں کو کھولتا چلا جائے گا اور اللہ کی طرف سے علوم ملتے چلے جائیں گے۔

توحید کے اس بیان کے بعد رسالت کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ صاف اور واضح الفاظ میں اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ میں ایک بشر ہوں۔ میں تمہیں جتنے علوم کی باتیں بتاتا ہوں وہ مجھے اللہ وحی کے ذریعے بتاتا ہے اور میں ہر بات کو تم

تک پہنچادیتا ہوں۔اس کا سب سے بڑا پیغام یہ ہے کہ اللہ ہی تمہارا معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی شروع ہوگی جس کو آخرت کہا جاتا ہے وہاں پہنچ کر تم سب کو اللہ کے حضور اپنی زندگی کے ایک ایک عمل کا حساب پیش کرنا ہے۔جو شخص بھی اس بات پر یقین کامل رکھتے ہوئے عمل صالح کرے گا اور اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا تو اس بات کی پوری امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے کامیاب و بامراد ہوگا۔اس کی یہ دنیا اور آخرت پرسکون ہو جائے گی۔لیکن جس نے توحید ورسالت کے اس راستے کو چھوڑا وہ دنیا وآخرت میں ناکام ونامراد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید ورسالت کے اس پیغام پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری دنیا وآخرت کو بہتر فرمادے۔آمین

الحمدللہ سورۃ الکہف کا ترجمہ وتشریح مکمل ہوگئی۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ١٦

قال الم

سورۃ نمبر ١٩

مَرْيَم

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۂ مریم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ نمبر	19
آیات	98
رکوع	6
الفاظ وکلمات	762
حروف	3986
مقام نزول	مکہ مکرمہ

اس سورۃ میں دس انبیاء کرامؑ کے نام اور چند انبیاء کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔
حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ، حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ، حضرت اسرائیل (یعقوبؑ)، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت عیسیٰؑ۔

سورۂ مریم مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب کفار ومشرکین مکہ کا ظلم وستم اس قدر بڑھ چکا تھا کہ صبر وتحمل کے پیکر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اپنے جاں نثاروں پر اس ظلم وزیادتی کو برداشت نہ کر سکے اور آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ:

''تم مکہ مکرمہ سے نکل کر ملک حبشہ کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کی موجودگی میں کسی پر ظلم نہیں ہو سکتا۔ تمہارے لیے بھلائی کی زمین ہے جب تک اللہ تعالیٰ تمہاری اس مصیبت کو دور کرنے کی کوئی سبیل پیدا نہ کر دیں اس وقت تک تم وہیں ٹھہرنا۔''

چنانچہ ارشاد نبوی کے مطابق رجب ۵ھ نبوی میں سب سے پہلے گیارہ (11) مسلمان مردوں اور چار (4) خواتین نے بیت اللہ کی سرزمین کو چھوڑ کر قریبی ملک حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ کچھ اور صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ نے مکہ سے ملک حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اس طرح چند مہینوں میں تراسی (83) مرد اور گیارہ (11) خواتین جن میں سات (7) غیر قریشی مسلمان بھی تھے حبشہ کی سرزمین پر جمع ہو گئے۔ اور نبی کریم ﷺ کے پاس صرف چالیس صحابہ کرامؓ رہ گئے۔ چونکہ مکہ مکرمہ کے تمام قبیلوں میں سے کسی نہ کسی قبیلے کے ایک یا دو افراد اس ہجرت میں شامل تھے اس سے تمام قبیلوں میں ایک کہرام مچ گیا وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو نہ صرف سیکڑوں لوگ مکہ چھوڑ جائیں گے بلکہ وہ مسلمان حبشہ میں ایک قوت بن جائیں گے اور قریش کے رعب اور دبدبہ کو سخت نقصان پہنچے گا۔ نیز مکہ والے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ساری دنیا میں ان کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ کفار مکہ اس توہین کو برداشت نہ کر سکے اور چند نہایت سمجھدار افراد پر مشتمل ایک وفد ترتیب دے کر ملک حبشہ میں شاہ نجاشی کے پاس بھیجا گیا اور بادشاہ کے لیے کچھ تحفے ساتھ کر دیئے گئے۔ اس وفد کے ارکان نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے یہ کہا کہ ہمارے کچھ غلام بھاگ کر آپ کے ملک میں آ گئے ہیں براہ کرم ان کو واپس بھیج دیجیے۔ نجاشی بادشاہ نے کہا کہ جب تک میں ان لوگوں سے نہ مل لوں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ نجاشی نے مکہ سے آنے والوں کو بلا بھیجا۔ تمام صحابہ کرامؓ بادشاہ کے پاس پہنچ گئے۔

یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل کی گئی جب نبی کریم ﷺ کے جا نثار صحابہ کرامؓ کو اتنا زیادہ ستایا گیا اور تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ وہ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوگئی اور حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے عظیم پیغمبر اور بیت المقدس کے متولی (نگران) تھے۔ جب ان کی نسبتی بہن کے گھر حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں تو حضرت مریمؑ کی والدہ کی منت کی وجہ سے حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کے نگران بنائے گئے۔

بادشاہ کے پوچھنے پر حضرت جعفر طیارؓ آگے بڑھے اور انہوں نے کہا کہ اے نجاشی! ہم گم راہ تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہمیں راہ ہدایت نصیب ہوئی۔ اس ہدایت پر چلنے کی وجہ سے مکہ کی سرزمین میں ہم پر اتنے ظلم وستم کیے گئے کہ ہم اپنے گھربار کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اس موثر تقریر کے بعد حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت بھی فرمائی۔ آیات کی تلاوت سن کر نجاشی بادشاہ اس قدر رویا کہ آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ تلاوت کے بعد نجاشی نے کہا یقیناً یہ کلام اور جو کچھ حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے وہ ایک ہی سر چشمے سے نکلے ہیں۔ نجاشی نے کفار مکہ کے وفد سے کہا کہ اللہ کی قسم میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے مکہ والوں کے تحفے بھی واپس کر دیئے۔ خلاف توقع مکہ کے لوگوں کو اس قدر ناکامی اور ذلت نصیب ہوئی کہ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی سر توڑ کوششوں کے باوجود مسلمانوں کو حبشہ میں عزت وسربلندی سے نوازا۔ بادشاہ نے تمام مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دی۔

یہ وہ حالات تھے جن میں سورۂ مریم نازل کی گئی اور اللہ کے کلام کی حقانیت ثابت ہو کر رہی۔ اس سورۃ کا نام سورۂ مریم ہے۔ مریمؑ کے معنی کنواری اور پاکیزہ کے آتے ہیں۔ اس سورت میں حضرت مریمؑ کی شان اور عظمت کو بھی بیان فرمایا گیا ہے اور کچھ پیغمبروں کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سورۃ کی ابتداء حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کے ذکر سے فرمائی گئی ہے۔

حضرت زکریا بنی اسرئیل کے بڑے جلیل القدر اور عظیم پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہیں۔ آپ اس زمانہ میں بنی اسرئیل کے پیشوا، رہنما، اور بیت المقدس کے متولی بھی تھے۔ حضرت زکریاؑ اپنے ہاتھ سے روزی کماتے تھے اور بڑھئی کے کاموں سے جو کچھ ملتا اس پر گزارہ کرتے تھے۔ جب ان کی عمر مبارک 120 سال کی ہوگئی تو ان کی نسبتی بہن کے گھر حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں۔ حضرت مریمؑ کی والدہ نے ان کی پیدائش سے پہلے یہ منت مان لی تھی کہ جو بھی اولاد پیدا ہوگی اسے میں بیت المقدس کے لیے وقف کردوں گی۔ حضرت مریمؑ کی پیدائش کے بعد منت کے مطابق ان کو بیت المقدس کے متولی حضرت زکریاؑ جو حضرت مریمؑ کے سگے خالو تھے ان کے حوالے کر دی گئیں۔ جب وہ جوان ہوئیں تو ان کے لیے بیت المقدس میں ایک حجرے کا انتظام کر دیا گیا جس میں وہ عبادت کرتی تھیں۔ حضرت مریمؑ نہایت پاکیزہ صفت اور عبادت گذار خاتون تھیں۔ ایک دن حضرت زکریاؑ ان کے حجرے میں گئے تو ان کے سامنے بے موسم کے پھل دیکھے۔ ان سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ انہوں نے نہایت معصومیت کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم۔ یہ میرے اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ حضرت زکریاؑ سوچنے لگے کہ جب اس جگہ

جہاں کسی کے آنے کے امکانات نہیں ہیں بے موسم کے پھل آسکتے ہیں تو میری زندگی کا اگرچہ موسم نکل گیا ہے کہ میرے گھر اولاد ہو مگر اللہ کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے۔اس جگہ حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔الٰہی! میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری ہڈیاں تک سوکھ گئی ہیں۔سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی ہے۔میری بیوی بانجھ ہے۔اے رب! آپ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے کبھی مایوس اور محروم نہیں کیا۔میرے رشتہ داروں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس دین کا وارث بن سکے جو آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔آپ مجھے اپنی رحمت خاص سے ایک ایسا بیٹا عطا فرما دیجیے جو میرا اور آل یعقوب کی دینی عظمتوں کا وارث ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور حضرت یحییٰؑ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔اللہ نے بتا دیا کہ وہ اللہ تمام قدرتوں کا مالک ہے وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے وہ جب اور جس طرح چاہے اپنی قدرت کا اظہار فرما دیتا ہے۔

سورۂ مریم کی آیات اور حضرت زکریاؑ کے اس واقعہ سے اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ جس اللہ پر تم ایمان لائے ہو وہ اتنی قدرت وطاقت والا ہے کہ ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے اور اسباب کا محتاج نہیں ہے۔لہٰذا مستقبل اہل ایمان کا ہے۔مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اللہ کی قدرت وطاقت پر بھروسہ رکھا جائے اور عمل صالح اختیار کیا جائے۔اسی میں سب سے بڑی کامیابی ہے۔

سورۃ مریم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۱۰

کاف۔ ھا۔ یا۔ عین۔ صاد۔ (اے نبی ﷺ) یہ آپ کے رب کی رحمت کا تذکرہ ہے۔ اس کے بندے زکریاؑ پر۔ جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ سے پکارا اور عرض کیا اے میرے رب! (بڑھاپے کی وجہ سے) میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ میرا سر سفید بالوں کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے اور میرے پروردگار میں آپ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ اور یقیناً میں اپنے بعد اپنے

رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں۔ میری بیوی بانجھ ہے۔ مجھے اپنی رحمت سے ایک وارث عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بن جائے۔ اور میرے رب اس کو میرے لئے پسندیدہ بنا دیجئے گا۔ (اللہ نے فرمایا) اے زکریاؑ۔ بے شک ہم تمہیں ایک ایسے بیٹے کی خوش خبری دے رہے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کو نہیں دیا۔ (زکریاؑ نے) عرض کیا اے میرے رب میرے (گھر) لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہائی (عمر) تک پہنچ گیا ہوں۔ اللہ نے فرمایا اسی طرح ہوگا۔ اللہ نے فرمایا یہ بات مجھ پر آسان ہے۔ اور اس سے پہلے میں نے تمہیں پیدا کیا تھا جب کہ تمہارا وجود ہی نہ تھا۔ عرض کیا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔ فرمایا اس کی نشانی یہ ہوگی کہ تم مسلسل تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔

لغات القرآن   آیت نمبر ۱ تا ۱۰

ذِکْرٌ — یاد۔ تذکرہ۔

وَھْنٌ — کمزوری۔ بیماری۔ خرابی۔

اَلْعَضُمُ — ہڈی۔ ہڈیاں۔

اِشْتَعَلَ — پھیل گیا۔ یا بھڑک اٹھا۔

شَیْبٌ — سفید بال۔ بڑھاپا۔

شَقِیٌّ — محروم۔ نامراد۔

اَلْمَوَالِیُ — رشتہ دار۔

عَاقِرٌ — بانجھ۔ (اولاد سے مایوس)۔

سَمِیٌّ — نام۔ رکھنا

عِتِیٌّ — انتہائی بڑھاپا۔

ھَیِّنٌ — آسان۔ سہل۔

سَوِیٌّ — ٹھیک ہونا۔ برابر ہونا۔

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۱۰

اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم کا آغاز حروف مقطعات سے کیا ہے جن کے معنی کا علم اللہ کو ہے۔ پھر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کے تذکرہ سے کیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام تمام قوم بنی اسرائیل کے پیشوا، رہنما اور بیت المقدس کے متولی اور نگران تھے۔ حضرت زکریا حضرت مریم کے سگے خالو تھے۔ جب حضرت زکریا کی عمر مبارک ۱۲۰ سال کی ہوگئی اس وقت اللہ نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ جیسا عظیم بیٹا عطا فرمایا جن کا نام بھی اللہ نے رکھا اور ان کو نبوت کی بہت سی اعلیٰ صفات عطا فرمائی گئیں۔ اہل ایمان کو حضرت زکریا کا واقعہ سنا کر بتایا جا رہا ہے کہ اللہ نے ان کو بڑھاپے کی انتہاؤں پر بیٹا عطا کیا جو بظاہر ناممکن تھا لیکن اللہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اس میں ان کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اس کائنات میں تصرف فرماتا ہے اسی کی قدرت ہے جس نے بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام کو اور بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے۔ جو بھی اس کی بارگاہ میں جھک کر اور عاجزی اور انکساری سے مانگتا ہے وہ ضرور عطا کرتا ہے اور کوئی شخص اس کی رحمت اور اس کے کرم سے محروم نہیں رہتا۔

گویا جان نثاران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے اصحاب رسول! تم انبیاء کے راستے پر چل رہے ہو اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کر رہے ہو تو یہ مت سمجھنا کہ اللہ تمہاری قربانیوں اور ایثار سے بے خبر ہے بلکہ اس کو تمہاری ہر کیفیت کا علم ہے اور وہ تمہیں بہت جلد عظمت کی بلندیوں تک پہنچائے گا۔ مگر اس کے لئے وقت کا انتظار اور ایثار و قربانی سے کام لے کر صبر و تحمل سے حالات کو برداشت کرنا ہوگا۔ پھر یہی لوگ تمہارے قدموں پر جھکنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔

قرآن کریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کی تفصیل یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت مریم کی والدہ نے حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے یہ منت مان لی تھی کہ اے اللہ میرے گھر میں جو بھی اولاد پیدا ہوگی اس کو میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو پیدا کیا تو حضرت مریم کی والدہ بہت پریشان ہوگئیں کہ لڑکی کو میں بیت المقدس کے لئے کیسے وقف کر دوں۔ حسن اتفاق کہ اس وقت بیت المقدس کے متولی اور نگران حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے سگے خالو تھے۔ چنانچہ ان کو حضرت زکریا علیہ السلام کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ حضرت مریم انتہائی نیک اور پارسا تھیں وہ دن رات اپنے حجرے میں اللہ کی عبادت و بندگی کرتی رہتی تھیں۔ حضرت زکریا اکثر حضرت مریم کے حجرے میں خیریت معلوم کرنے جاتے رہتے

تھے۔ان دن انہوں نے دیکھا کہ حضرت مریم کے پاس بے موسم کے پھل رکھے ہوئے ہیں۔انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت مریم نے کہا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے آئے ہیں حضرت زکریا علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے سمجھ گئے کہ حضرت مریم پر اللہ کا خاص فضل وکرم ہے اور بے موسم کے پھل دیکھ کر اللہ کے سامنے جھک گئے اور کچھ اس طرح دعا کی الٰہی! (اگر آپ مریم کو بے موسم پھل دے سکتے ہیں تو) بے شک میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرے سر کے بال بھی انتہائی سفید ہو گئے ہیں، میری بیوی بانجھ ہے جس کے ہاں اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن آپ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ مجھے ایک وارث عطا فرما دیجئے جو میرے مقصد اور مشن کو آگے لے کر چلے اور وہ ان علوم کا صحیح وارث بن سکے جو آپ نے مجھے عطا فرمائے ہیں کیونکہ مجھے قوم بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی اس کا اہل نظر نہیں آتا جو اس علم کی میراث کو لے کر چل سکے۔ ظاہر ہے اس دعا میں آپ اپنا وارث مال و دولت کے لئے نہیں مانگ رہے تھے کیونکہ انبیاء کرام اللہ کے علوم کے وارث ہوتے ہیں وہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں درہم ودینار نہیں چھوڑتے۔انہیں اپنے مشن اور مقصد سے پیار ہوتا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی زندگی میں اور بعد کی زندگی میں راہ مستقیم کو نہ چھوڑیں۔حضرت زکریا علیہ السلام نے اس مشن اور مقصد کے لئے اللہ سے دعا فرمائی۔حضرت زکریا علیہ السلام جو پوری عاجزی وانکساری سے دعا فرما رہے تھے۔اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ اللہ نے ان کی دعا ضرور قبول کر لی ہوگی کیونکہ اس دعا کا مقصد صرف دنیا کی غرض اور سکون نہیں تھا بلکہ بنی اسرائیل کے لئے رشد وہدایت کی درخواست تھی۔ چنانچہ ایک دن حضرت زکریاؑ عبادت میں مشغول تھے کہ اللہ کے فرشتے نے ان کو دعا کی قبولیت کی خوش خبری سنائی اور کہا کہ اللہ نے آپ کی دعا قبول کر لی ہے اور ایک ایسا بیٹا عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ یہ سنا تو حیرت، تعجب اور شوق سے پوچھا کہ کیا میرے گھر ایک ایسا بیٹا ہوگا جس کا نام بھی اللہ خود ہی نے رکھ دیا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہوگا؟ کیونکہ میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میری بیوی بانجھ ہے۔فرشتے نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں البتہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ یہ کام اسی طرح ہو کر رہے گا اور ایسا کرنا اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے بلکہ اللہ کے لئے آسان ہے۔فرمایا کہ تم خود اپنے وجود پر غور کر لو کہ تم کچھ بھی نہ تھے لیکن آج تم ایک انسانی شکل میں موجود ہو۔

جب حضرت زکریا کو پورا اطمینان ہو گیا تو عرض کیا الٰہی! اس کی علامت کیا ہوگی؟ اللہ نے فرمایا کہ اس کی ایک نشانی یہ ہوگی کہ تم تین راتوں تک سوائے اشاروں کے کسی سے بات نہ کر سکو گے۔اس طرح اللہ نے تمام اہل ایمان کو بتا دیا کہ اللہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو دنیا کے لوگوں کی طرح اسباب اور وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے ہونے کا حکم دیتا ہے اور وہ چیز وجود اختیار کر لیتی ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ⑪ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ⑬ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮

ع ١٥

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۵

پھر وہ (زکریاؑ) عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے۔ انہوں نے اشارہ سے بتایا کہ تم صبح و شام اللہ کی پاکیز گی بیان کرو۔ اے یحیی اس کتاب (توریت) کو پوری قوت سے سنبھال لو۔ ہم نے ان کو اپنے پاس سے بچپن ہی سے دین کی سمجھ، شفقت و محبت، پاکیز گی عطا کی تھی اور وہ پرہیز گار تھے۔ وہ اپنے والدین سے اچھا سلوک کرتے اور سرکش و نافرمان نہ تھے۔ جس دن وہ پیدا ہوئے۔ جب ان کو موت آئے گی اور جس دن وہ (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلامتی ہی سلامتی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱ تا ۱۵

اَلْمِحْرَابُ — عبادت کرنے کی جگہ۔

اَوْحٰى — اس نے اشارہ کیا۔

سَبِّحُوْا — تسبیح کرو۔ عبادت کرو۔

بُكْرَةً	صبح۔
عَشِيٌّ	شام۔
خُذْ	لے لو۔ پکڑو۔
اَلْحُكْمُ	حکمت ودانائی۔
صَبِيٌّ	بچپن۔
حَنَانٌ	شفقت ومحبت۔
بَرًّا	نیکی کرنا۔
جَبَّارٌ	سرکشی کرنے والا۔
عَصِيٌّ	نافرمان۔
وُلِدَ	پیدا کیا گیا۔
يُبْعَثُ	دوبارہ اٹھائے گا۔

تشریح: آیت نمبر ١١ تا ١٥

جب حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال کے قریب ہوئی اس وقت آپ نے عاجزی وانکساری سے اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ مجھے ایک بیٹا عطا فرما دیجئے تا کہ وہ توریت کی تعلیمات کو عام کر سکے اور میرے اسلامی مقصد اور مشن کے لئے میرا صحیح جانشین اور وارث بن سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت جب کہ وہ بڑھاپے کی انتہائی عمر تک پہنچ چکے تھے۔ ان کی بیوی بانجھ تھیں یعنی ظاہری اسباب میں اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ اس عمر میں ان کے گھر کوئی اولاد پیدا ہو۔ مگر اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے جب اولاد کی خوشخبری سنائی تو اس خبر پر انہیں خوشی

کے ساتھ تعجب بھی ہوا۔ انہوں نے عرض کیا الٰہی! میرے لئے کوئی ایسی نشانی مقرر کر دیجئے جس سے مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے گھر ولادت ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی علامت اور نشانی یہ ہوگی کہ تم تین راتوں تک تندرست ہونے کے باوجود کسی سے بات نہ کر سکو گے۔ جب ایسا ہو سمجھ لینا کہ حمل قرار پا گیا ہے۔ یہ واقعہ جہاں حضرت زکریا علیہ السلام کیلئے انتہائی خوشی اور مسرت کا تھا وہیں پوری قوم بنی اسرائیل کے لئے بھی نہایت سکون، خوشی اور مسرت کا پیغام تھا چنانچہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے یہ وقت آیا اور بات چیت سے زبان رک گئی تو آپ نے اپنی عبادت گاہ سے نکل کر قوم بنی اسرائیل کو اشاروں سے بتایا کہ وہ بھی صبح وشام اللہ کی حمد وثناء کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری عطا فرمائی جن کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی تجویز کر کے ارشاد فرمایا کہ اس سے پہلے یحییٰ کسی کا بھی نام نہ تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے بچپن ہی سے نبوت کی بہت سی خصوصیات کے حامل تھے چنانچہ قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بچپن ہی سے نہایت ذہین وذکی سمجھدار دانا وبینا تھے۔ بچپن کی عمر میں بچے کھیل کود میں لگے رہتے ہیں لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کھیل کود میں دل نہ لگتا تھا انہیں فضول اور غلط باتوں سے سخت نفرت تھی اور جس بات میں سنجیدگی اور وقار نہ ہوتا وہ اس بات کے قریب بھی نہ جاتے تھے انکا دل پیدائشی طور پر اللہ کے خوف سے بھرا ہوا تھا وہ ہر بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ وہ توریت کے ہر حکم پر پوری طرح عمل فرماتے تھے۔ جن باتوں سے پرہیز کرنے کے لئے کہا گیا تھا اس سے پرہیز کرتے تھے۔ نہایت متین، سنجیدہ اور باوقار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں اور موت کے بعد بھی سلامتی عطا فرمائی اور قیامت میں بھی ان کو سلامتی عطا کی جائیگی۔ وہ مشکل وقت میں صحیح رائے قائم کرتے اور ہر معاملہ میں صحیح فیصلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔

وقف لازم

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا
مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا
إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ
بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ ق

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶ تا ۲۱

(اے نبی ﷺ) کتاب (قرآن) میں مریم کا حال بیان کیجئے۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوکر ایک مشرقی مکان میں گئیں۔ اوران لوگوں کی طرف سے ایک پردہ ڈال لیا۔ پھر ہم نے ان کے پاس ایک فرشتے کو بھیجا۔ وہ ان کے سامنے ایک مکمل آدمی کی شکل میں آیا۔ (مریم نے) کہا میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تیرے (دل میں اللہ کا) خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جا) (فرشتے نے) کہا میں تمہارے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں تا کہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکے کی خوشخبری دوں۔ (مریم نے) کہا کہ میرے بیٹا کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اور نہ میں بدکار ہوں۔ (فرشتے نے) کہا اسی طرح ہوگا۔ (جیسے اللہ چاہے گا) جو تمہارے رب کے لئے نہایت آسان ہے (تمہارا رب کہتا ہے) تا کہ ہم اس کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیں۔ اوراپنی طرف سے رحمت عطا کردیں اور یہ کام ہوکر رہنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶ تا ۲۱

اِنْتَبَذَتْ — الگ ہوگئی۔

حِجَابٌ — پردہ۔

تَمَثَّلَ — ڈھل گیا۔

سَوِیٌّ	ٹھیک ٹھیک۔
تَقِیٌّ	پرہیز گار۔
اَھَبُ	میں دوں گا۔
زَکِیٌّ	پاک باز۔ پاکیزہ۔
لَمْ یَمْسَسْنِیْ	مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔
بَغِیٌّ	بدکردار۔ بدکار۔
اَمْرٌ	معاملہ۔ کام
مَقْضِیٌّ	فیصلہ کیا گیا۔ طے شدہ۔

تشریح: آیت نمبر ١٦ تا ٢١

گذشتہ آیات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق ارشاد فرمایا گیا تھا کہ ان کی زندگی قدرت کی کھلی ہوئی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ایک سو بیس سال کی عمر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا جب کہ ان کی بیوی بانجھ تھیں اور اس بڑھاپے میں اولاد ہونے کا دور دور تک امکان نہ تھا لیکن اللہ نے جو اس کائنات کے ذرے ذرے کا مالک ہے اور ہر طرح کی قدرتیں رکھتا ہے اس نے حضرت زکریا کی دعا کو قبول کرتے ہوئے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ اسی طرح اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اللہ نے ان کی زندگی کو ایک نشانی بنا کر ساری دنیا کو بتا دیا کہ وہ اللہ انسانوں کی طرح ظاہری اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو بغیر ماں باپ کے حضرت آدم اور حضرت حوا کو پیدا کر سکتا ہے اور بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر سکتا ہے قرآن کریم اور احادیث میں اس کی تفصیل یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے خاندان میں عمران نام کے ایک شخص تھے جو نہایت عابد و زاہد نیک پرہیز گار تھے۔ اور ان کی بیوی جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی حقیقی خالہ تھیں جن کا نام حنہ آتا ہے۔ عمران کی اور ان کی بیوی کی خواہش

تھی کہ ان کے ہاں کوئی اولاد پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ابھی تک وہ اولاد کی دولت سے محروم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حنہ نے یہ منت مان لی کہ اگر ان کے گھر کوئی اولاد ہوگی تو وہ اس کو بیت المقدس کے لئے وقف کر دیں گی۔ اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا اور ان کے گھر میں حضرت مریم پیدا ہوئیں حضرت حنہ اس تصور سے سخت پریشان ہوگئیں کہ ان کے گھر لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ اس کو بیت المقدس کے لئے کیسے وقف کرینگی چونکہ منت مان لی گئی تھی اور اس زمانے میں دستور کے مطابق اس کو ہر حال میں بیت المقدس کے لئے وقف کرنا لازمی اور ایک بہت بڑی نیکی اور بھلائی سمجھا جاتا تھا۔ حسن اتفاق کہ اس وقت بیت المقدس کے متولی اور نگران حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے سگے خالو تھے۔ بعض لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ حضرت مریم جیسی بچی کو اپنی پرورش میں لے کر نیکی اور سعادت حاصل کریں۔ اختلاف ہونے کی صورت میں قرعہ ڈالا گیا۔ طریقہ یہ تھا کہ ہر شخص پانی کے بہاؤ پر اپنے لکھنے کا قلم ڈالتا تھا۔ جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے خلاف جاتا وہ کامیاب سمجھا جاتا۔ چنانچہ سب نے اپنے اپنے قلم پانی میں ڈالدیئے حضرت زکریا کے علاوہ سب کے قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ گئے اور کئی مرتبہ قرعہ اندازی میں کامیابی کے بعد حضرت مریم کو حضرت زکریا علیہ السلام کی پرورش میں دے دیا گیا۔ بیت المقدس میں ایک کمرہ حضرت مریم کے لئے وقف کر دیا گیا تھا دن بھر وہ اس کمرے میں عبادت کرتیں اور رات کو حضرت زکریا ان کو لے کر گھر چلے جاتے تھے۔ جب حضرت مریم کی عمر مبارک بارہ تیرہ سال کی ہوئی تو وہ ہر وقت اللہ کی عبادت اور بندگی میں لگی رہتی تھیں۔ حضرت مریم بچپن ہی سے نہایت پاکیزہ صفت اور نیک تھی اور اللہ کی عبادت اور بندگی کے سوا ان کو کوئی اور کام نہ تھا۔ ایک دن جب کہ حضرت مریم اپنے حجرے میں تھیں یا بعض روایات کے مطابق وہ غسل کر چکی تھیں۔ حضرت جبرئیل خوبصورت انسانی شکل میں ان کے پاس آئے حضرت مریم ایک اجنبی مرد کو دیکھ کر گھبرا گئیں اور اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے کہنے لگیں کہ اگر تمہارے دل میں ذرا بھی خوف الٰہی ہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت مریم کی گھبراہٹ دیکھتے ہوئے حضرت جبرائیل نے اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ تم مت گھبراؤ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ میں تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ حضرت مریم نے بے ساختہ کہا کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا جبکہ آج تک مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ نہ تو میرا نکاح ہوا ہے اور نہ میں برے کردار والی ہوں۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا یہ پیغام لیکر آیا ہوں جس میں اللہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اسی طرح ہو کر رہے گا۔ اللہ کا یہ فیصلہ اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے۔ وہ تمہیں اور تمہارے بیٹے کو اپنی قدرت کا نمونہ بنا کر پیش کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اور اس فیصلے پر عمل کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے کوئی چیز اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ اس واقعے کی بقیہ تفصیلات اس سے آگے کی آیات میں آرہی ہیں۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾
فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ
قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ
اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّيْٓ
اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾
فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ
فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾
فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾
يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾
فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۖ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾
قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَّجَعَلَنِيْ
مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ
حَيًّا ﴿٣١﴾ وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلٰمُ
عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذٰلِكَ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ
لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٣٥﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۲ تا ۳۶

پھر (مریم کو) حمل رہ گیا اور وہ اسے لے کر ایک دور کی مشرقی جگہ پر چلی گئیں۔ پھر ان کو زچگی کا درد ہوا تو وہ ان کو کھجور کے درخت کی جڑ کی طرف لے آیا۔ کہنے لگیں اے کاش میں (اس وقت کو دیکھنے سے) پہلے ہی مر جاتی یا میرا نام ونشان مٹ جاتا۔ (فرشتے نے ان کو) نیچے سے آواز دی کہ تمہارے رب نے تمہارے نیچے (پانی کا) ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ کھجور کے تنے کو ہلاؤ تاکہ تر و تازہ کھجوریں جھڑ کر گر پڑیں۔ تم ان کو کھاؤ اور پیو اور آنکھوں کو ٹھنڈا رکھو۔ پھر اگر کوئی آدمی تمہیں دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ کی منت مان رکھی ہے۔ آج میں کسی سے بات نہ کروں گی۔

پھر وہ (مریم) اسے اٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئیں (قوم کے لوگ) کہنے لگے کہ اے مریم تم تو ایک بڑے گناہ کی چیز لے کر آئی ہو۔ اے ہارون کی بہن نہ تمہارے والد برے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں۔ (مریم نے) اس بچے کی طرف اشارہ کر دیا (کہ اس سے پوچھ لو) کہنے لگے کہ جو بچہ اپنے گہوارہ میں ہمک رہا ہے اس سے کس طرح ہم بات کر سکتے ہیں (حضرت عیسیٰؑ نے کہنا شروع کیا) بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں بھی رہوں گا بابرکت رہوں گا۔ اور اللہ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اس نے مجھے سرکش اور بدنصیب نہیں بنایا۔ اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا۔ جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ کر کے دوبارہ اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰؑ ابن مریم۔ یہ لوگ ایک سچی بات میں شک کر رہے ہیں۔ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ ذات تو ہر طرح کے عیب سے پاک ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا" اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اور بے شک میرا رب اور تمہارا رب ایک اللہ ہی ہے تم اسی کی عبادت و بندگی کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٢٢ تا ٣٦

اِنْتَبَذَتْ (اِنْتِبَاذٌ)	الگ ہوگئی۔ جدا ہوگئی۔
قَصِيٌّ	دور کا فاصلہ۔
اَلْمَخَاضُ	زچگی کا درد۔ دردزہ۔
جَزْعٌ	جڑ۔
نَسْيًا مَّنْسِيًّا	بھولی بسری چیز۔ بے نام ونشان ہوجانا۔
سَرِيٌّ	پانی کا چشمہ۔
هُزِّيْ	ہلالی۔ جھکادے۔
تُسَاقِطْ	گرائی گی۔
رُطَبٌ	تروتازہ۔
جَنِيٌّ	پکا ہوا پھل۔
قَرِّيْ عَيْنًا	آنکھیں ٹھنڈی رکھ۔
تَرَيِنَّ	تو دیکھے۔
نَذَرْتُ	میں نے منت مان رکھی ہے۔
تَحْمِلُهٗ	وہ اس کو اٹھالائے۔
فَرِيٌّ (اِفْتِرَاءٌ)	عجیب اور نرالی بات۔
اَلْمَهْدُ	گود۔
صَبِيٌّ	بچہ۔
اَوْصٰنِيْ	مجھے حکم دیا۔
مَادُمْتُ حَيًّا	جب تک میں زندہ ہوں۔
شَقِيٌّ	بدنصیب۔ بدقسمت۔
يَمْتَرُوْنَ	وہ شک کرتے ہیں۔

تشریح: آیت نمبر ۲۲ تا ۳۶

حضرت مریم نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اس وقت سے وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتیں اور پاکیزگی، عفت و عصمت کی ایک مکمل تصویر تھیں ۔ وہ لوگوں سے الگ ہو کر عبادت الٰہی کی خاطر ایک مکان میں بیٹھ گئیں۔ اس دوران حضرت جبرئیل اللہ کے حکم سے ایک مکمل انسان کی شکل میں حضرت مریم کے سامنے آگئے۔ اس اکیلے مکان میں ایک اجنبی آدمی کو دیکھ کر حضرت مریم گھبرا گئیں۔ شرم و حیا سے سمٹ کر کہہ اٹھیں اگر تمہارے دل میں ذرہ برابر بھی خوف الٰہی ہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت جبرئیل نے حضرت مریم کی گھبراہٹ کو دیکھ کر اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ تمہیں ایک بیٹے کی اطلاع اور خوشخبری سناؤں۔ حضرت مریم نے حیرت اور تعجب سے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے جب کہ مجھے آج تک کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں۔ فرشتے نے کہا ''کذالک'' یعنی ایسے ہی ہوگا۔ آپ نے گذشتہ آیات میں پڑھ لیا ہے۔ کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا تھا کہ اس بڑھاپے میں ہمارے ہاں بیٹا کیسے ہوگا۔ اس پر فرشتے نے کہا تھا۔ ''کذالک'' اسی طرح ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''کذالک'' کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تمام قدرتوں اور طاقتوں کا مالک ہے۔ جب وہ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ انسانوں کی طرح ہر کام میں اسباب اور وسائل کا محتاج نہیں ہے۔ اس جگہ یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مریم اس میں تعجب کی کیا بات ہے وہ اولاد کے پیدا کرنے میں اس اصول کا پابند نہیں ہے کہ ہر بچہ ماں اور باپ کے ملاپ سے پیدا ہو بلکہ وہ چاہے تو بغیر ماں باپ کے حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کو پیدا کر دے۔ اور بغیر باپ کے تمہیں بیٹا عطا فرما دے۔ اس اللہ کی اتنی زبردست قوت ہے کہ وہ اپنے فیصلوں اور کام میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اللہ نے اس کام کے کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے۔ تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو ایک معجزہ اور نشانی بنا دیا جائے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ مقام جہاں حضرت مریم چلی گئی تھیں وہ بیت اللحم ہے جو بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔

جب زچگی کا درد محسوس ہوا تو حضرت مریم بے تابانہ جنگل کی طرف نکل گئیں اور ایک کھجور کا درخت جو کسی قدر اونچائی پر واقع تھا اس کے سہارے بیٹھ گئیں ان کے منہ سے نکل گیا کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی یا اس رسوائی سے پہلے مٹ گئی ہوتی آپ اس کشمکش میں تھیں کہ ٹیلے کے نیچے سے حضرت جبرئیل کی آواز آئی کہ گھبراؤ نہیں اللہ نے آپ کے لئے راحت و آرام کے تمام اسباب کا انتظام فرما دیا ہے۔ آپ سے قریب ہی صاف و شفاف پانی کا چشمہ بہا دیا گیا ہے اور تازہ کھجوروں کا یہ درخت جس کے

نیچے آپ ہیں اس کو ہلایئے تو تازہ اور لذیذ کھجوریں گر پڑیں گی یہ اللہ نے آپ کے کھانے پینے کا انتظام کیا ہے۔آپ اس کو کھایئے اور پیجئے اور اولاد سے آنکھیں ٹھنڈی رکھئے اللہ نے یہ بھی فرمادیا کہ اگر کوئی ادھر نکل آئے تو اس سے اشارے سے بتا دینا کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے اس شریعت میں روزہ رکھنے کا یہی طریقہ تھا کہ روزے کی حالت میں کسی سے بات نہ کی جاتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جب حضرت مریم اپنے بچے کو لیکر واقف کاروں میں پہنچیں تو انہوں نے تعجب حیرت اور افسوس سے کہا کہ اے مریم تم نے یہ کیا غضب کیا ہم سب جانتے ہیں کہ تمہارے والد تو نہایت پاکیزہ صفت صالح اور نیک آدمی تھے تمہاری والدہ بھی نہایت شریف پاک دامن اور پارسا خاتون تھیں تم جیسی نیک خاندان کی لڑکی سے اس طرح کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی اس طرح لوگوں نے طرح طرح کے طعنے دینے شروع کردیئے جب سب لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کیں تو حضرت مریم نے اللہ کے حکم سے اس بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تمہیں میری پاکدامنی پر شبہ ہے تو تم خود اس بچے ہی سے پوچھ لو حضرت مریم جیسی سنجیدہ اور باوقار خاتون سے یہ جملہ سن کر سب کی زبان سے نکلا کہ بھلا وہ بچہ جو اپنے گہوارے میں ہمک رہا ہے وہ ہم سے کیسے بات کرے گا اور ہم اس سے کیسے پوچھیں گے۔ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بولنے کی قوت اور طاقت عطا فرمائی اور انہوں نے کہنا شروع کیا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے نبی بنا کر کتاب دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس نے مجھے اس قدر خوش نصیب بنایا ہے کہ میں جہاں بھی رہوں گا وہیں خیر و برکت میرے ساتھ ساتھ رہے گی اس اللہ نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں اور اس نے مجھے اپنی والدہ کیساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔اور مجھے ہر طرح کی سرکشی اور بدنصیبی سے دور رکھا ہے۔اس نے مجھے خوش خلق اور ہمدرد بنایا ہے اور فرمایا کہ اللہ کا مجھ پر کتنا کرم ہے کہ دنیا کی زندگی اور موت اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک میرے اوپر سلامتی ہی سلامتی رہے گی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان آٹھ صفات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ہیں وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار اور انسانیت کا سچا خادم بتایا ہے۔فرمایا کہ تم جس عیسیٰ کی بات کرتے ہو وہ تمہارے ذہن کا گھڑا ہوا جھوٹا تصور ہے بلکہ اصل عیسیٰ ابن مریم وہ ہیں جو اللہ کے فرماں بردار اور اطاعت گذار بندے ہیں وہ اللہ کے بیٹے نہیں تھے جیسے کہ تم کہتے ہو فرمایا کہ اس اللہ کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا، بیٹی یا بیوی بنائے کیونکہ وہ دنیا کے تمام اسباب سے بے نیاز ہے وہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ صرف "کن" (ہوجا) کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے حکم دیا کہ لوگوں تم اسی کی عبادت اور بندگی کرو اور انسانوں کو معبود کا درجہ نہ دو کیونکہ اس صراط مستقیم سے ہٹ کر جو راستہ بھی تلاش کیا جائے گا وہ منزل تک نہیں پہنچا سکتا وہ منزل سے دور کردے گا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٧﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾

وقف لازم

ع ۲ ۵

ترجمہ: آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰

پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے آپس میں اختلاف شروع کردیا۔ قیامت کا دن جو بڑا عظیم دن ہے اس دن کی حاضری کے وقت وہ کیا کچھ نہ سنیں گے اور کیا کچھ نہ دیکھیں گے۔ جس دن وہ ہمارے سامنے آئیں گے تو ظالم اپنے آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھیں گے۔ (اے نبی ﷺ) آپ ان کو اس حسرت والے دن سے ڈرائیں جب کام کا فیصلہ (جنت اور جہنم کا فیصلہ) کردیا جائے گا۔ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ بے شک اس زمین میں اور جو کچھ اس پر ہے اس سب کے وارث ہم ہی ہونگے۔ اور ان سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰

اَلْاَحْزَابُ (حِزْبٌ) جماعتیں۔ گروہ۔

وَيْلٌ خرابی۔ بربادی۔

مَشْهَدٌ حاضر ہونے کی جگہ۔

اَسۡمِعۡ بِهِمۡ	کیا کچھ سنیں گے۔
اَبۡصِرۡ بِهِمۡ	کیا کچھ دیکھیں گے۔
يَوۡمُ الۡحَسۡرَةِ	حسرت وافسوس کا دن۔
نَرِثُ	ہم مالک ہوں گے۔ ہم وارث ہوں گے۔

تشریح: آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ ان کے متعلق نصاریٰ کا یہ گمان کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں عقیدہ کی زبردست غلطی ہے جس کا انجام قیامت کے دن نظر آئے گا جس پر وہ پچھتائیں گے۔ لیکن اس دن سوائے حسرت اور افسوس کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ فرمایا کہ عقیدے کی اس گندگی میں مبتلا یہ نصاریٰ اور یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف گروہ بن گئے ہیں ان میں سے کسی کا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ان کی پیدائش جائز نہ تھی (نعوذ باللہ) ایسے لوگ قیامت کے دن نہ جانے کیا کیا سنیں گے اور آنکھوں سے نہ جانے کیا کیا دیکھیں گے۔ یہ ان کے لئے ہولناک دن ہوگا اس دن ان کو احساس ہوگا کہ انہوں نے دنیا کی زندگی میں سوائے ظلم اور زیادتی اور غلط سوچ کے اور کچھ بھی نہیں کمایا۔ جب ان کے عقیدے کی وجہ سے جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ کیا جائے گا تو اس وقت ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔ فرمایا کہ یہ لوگ آج جو ذرا ذرا سی ملکیتوں پر اور مال اور دولت کی وجہ سے مفادات کی جنگ لڑ رہے ہیں یہ سب کا سب انہیں اسی دنیا میں چھوڑ کر جانا ہے۔ اس کائنات کا اور اس کے ذرے ذرے کا مالک صرف ایک اللہ ہی ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اپنے نظام کو چلاتا ہے اگر انہوں نے صحیح عقیدے اور عمل کے ساتھ زندگی نہ گذاری تو یہ ساری چیزیں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکیں گی۔ آج وہ جس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں جب اس سے انہیں ہوش آئے گا تب ان کو اندازہ ہو سکے گا کہ انہوں نے سوائے حسرت وافسوس اور نقصان کے کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور وہ دنیا سے خالی ہاتھ آئے ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کے پیدائش کو اس قدر وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شک کرتا ہے یا یہودیوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناجائز اولاد کہتا ہے یا قادیانیوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قائل ہے درحقیقت وہ ایک کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہے جس کا انجام بہت جلد ان سب کے سامنے آجائے گا۔ قرآن کریم کا ہر شخص کے لئے یہی پیغام ہے کہ جو شخص سیدھی راہ پر چل کر جنت کا مستحق بننا چاہتا ہے وہ صرف ایک اللہ کی عبادت و بندگی کرے اور اس کا کسی کو کسی طرح شریک نہ بنائے۔ لوگ اپنے وقتی مفادات کی وجہ سے صراط مستقیم کو خود بھی چھوڑ دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر کے سیدھے راستے سے بھٹکا دیتے ہیں۔ فرمایا کہ ان تمام باتوں کا

اور مختلف فرقوں نے جن اختلافات پر جھگڑوں کو رواج دے رکھا ہے ان کے فیصلے کا وقت قریب ہے اور وہ سب اختلافات قیامت کے دن ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ جب اس نظام کائنات کو توڑ دیا جائے گا اور قیامت قائم ہو جائیگی تو ہر انسان کے سامنے ساری حقیقت کھل کر آجائے گی۔ اور جن چیزوں اور رشتہ داریوں پر یہ ناز کیا کرتا تھا اور سچائی کے راستے سے دور بھاگ رہا تھا وہ سب رشتے ناطے اسی دنیا میں رہ جائیں گے اور ان تمام چیزوں کا وارث اور مالک صرف اللہ ہوگا۔ فرمایا کہ اگر ان لوگوں نے قرآن کریم کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو اس دنیا میں تسلیم کرلیا تو وہ قیامت کے دن ہر طرح کی حسرت، افسوس اور پچھتاوے سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن اگر سب کچھ جاننے کے باوجود اس کا انکار کیا گیا تو پھر قیامت کے دن پچھتانے اور شرمندہ ہونے سے کوئی بچا نہ سکے گا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۱ تا ۵۰

(اے نبی ﷺ) آپ اس کتاب (قرآن) میں ابراہیمؑ کا ذکر کیجئے۔ بے شک وہ سچے نبی تھے۔ جب انہوں نے اپنے والد سے کہا۔ اے میرے ابا جان! آپ اس کی بندگی کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کام آئے گا۔ اے ابا جان! میرے پاس وہ علم (وحی) آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ میری بات مان لیجئے۔ میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ اے ابّا جان آپ شیطان کی عبادت نہ کریں کیونکہ شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے اے میرے ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ رحمٰن کا عذاب آپ کو نہ آ پکڑے اور پھر آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔

والد نے کہا اے ابراہیمؑ تو میرے معبودوں سے منہ پھیرتا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار کر ہلاک کر دوں گا۔ اور تو مجھ سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جا۔ ابراہیمؑ نے کہا آپ پر سلامتی ہو میں بہت جلد (اپنے رب سے) آپ کی بخشش کی دعا مانگوں گا۔ بے شک وہ اللہ مجھ پر مہربان ہے اور میں آپ سے اور ان سے جنہیں آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں کنارا کرتا ہوں۔ اور میں (ہمیشہ) اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میرا پروردگار میری پکار کو سنے گا اور مجھے (اپنی رحمتوں سے) محروم نہ کرے گا۔ پھر جب وہ (ابراہیمؑ) ان سے اور ان کے ان معبودوں سے کنارہ کر گئے جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے تھے تو ہم نے ان کو اسحاقؑ و یعقوبؑ عطا کئے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کو بہت کچھ عطا کیا۔ اور ہم نے ان کا ذکر جمیل بہت بلند کر دیا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۱ تا ۵۰

یٰاَبَتِ	اے میرے ابا جان۔
سَوِیٌّ	سیدھا۔ برابر۔
عِصِیٌّ	نافرمان۔
اَنْ یَّمَسَّکَ	یہ کہ تجھے پہنچے۔ یہ کہ تجھے پکڑے۔

اَرَاغِبٌ	کیا تو منہ پھیرتا ہے۔(کیا تو رغبت رکھتا ہے)۔
لَمْ تَنْتَهِ	تو باز نہ آیا۔
اَرْجُمَنَّ	میں ضرور پتھر ماروں گا۔
اُهْجُرْنِیْ	مجھے تنہا چھوڑ دے۔
مَلِيٌّ	ایک وقت۔مدت۔
اَسْتَغْفِرُ	میں دعائے مغفرت کروں گا۔
حَفِيٌّ	مہربان۔
اَعْتَزِلُ	میں الگ ہوتا ہوں۔میں چھوڑتا ہوں۔
اَدْعُوْا	میں پکاروں گا۔
شَقِيٌّ	محروم۔
وَهَبْنَا	ہم نے عطا کیا۔
لِسَانُ صِدْقٍ	سچی زبان۔ذکر جمیل۔
عَلِيٌّ	نہایت بلند۔اللہ تعالیٰ کی صفت

تشریح: آیت نمبر ۴۱ تا ۵۰

سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا جارہا ہے حضرت ابراہیم جو خلیل اللہ اور ابوالانبیا کا شرف رکھتے ہیں انہوں نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جہاں دنیاوی عزت وعظمت مال ودولت اور ہر طرح کا عیش اور آرام تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد جن کا نام آذر تھا وہ اپنے ہاتھ سے مٹی اور پتھر کے خوبصورت بت بنایا کرتے تھے۔ان کے اس کمال فن کی وجہ سے نمرود بادشاہ کے دربار میں وہ ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کے سامنے خود بھی سجدے کرتے اور دوسروں کو بھی اس گمراہی کے راستے پر ڈالتے تھے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ بچپن ہی سے یہ دیکھتے آرہے تھے کہ آذر اور اس زمانے کے لوگ صرف پتھر یا مٹی کے بت ہی نہیں بلکہ چاندسورج اور ستاروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان لوگوں کو چاند سورج ستاروں اور بتوں کی عبادت و بندگی کرتے دیکھتے تو یہی سوچتے تھے کہ یہ چیزیں کیا ہمارا معبود ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں؟ کیونکہ چاند سورج اور ستارے تو روزانہ نکلتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں غائب ہو جاتے ہیں یقیناً یہ کسی اور کے تابع ہیں چنانچہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کہہ اٹھے کہ یہ سب چیزیں میرے معبود نہیں ہو سکتے میں اس ایک رب کی طرف اپنا رخ پھیرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین چاند، سورج اور ستاروں کو پیدا کیا ہے۔ جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں ہر طرف سے منہ پھیر کر صرف ایک اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں یہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ سچی فطرت تھی جس نے ان کو یہ سب کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے حضرت ابراہیم کی رہنمائی فرمائی۔ ایک دن آپ نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے والد سے اس طرح گفتگو فرمائی جس میں اپنے والد کو برا بھلا کہنے کے بجائے ان معبودوں اور عقیدوں کی برائی بیان کی جن کی وہ عبادت بندگی کرتے تھے چار مرتبہ "یا ابت" (اے میرے ابا جان) فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ والدین اگر چہ کافر ہی کیوں نہ ہوں ان کے ادب و احترام کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آذر سے کہا اے ابا جان آپ جن بتوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں یہ تو اندھے بہرے گونگے ہیں ان کو چھوڑ دیئے اور اللہ نے مجھے جو کچھ علم عطا فرمایا ہے اس کی پیروی کیجئے اسی سے نجات ہوگی فرمایا کہ یہ چاند سورج اور ستارے ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں ہے جن کو معبود بنایا جا سکے اے ابا جان میری بات مانئے اگر آپ نے اس گمراہی کے راستے کو چھوڑ کر میری بات کو مان لیا تو اس سے نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی نجات نصیب ہو جائیگی اور ہر طرح کی بھلائیاں آپ کو عطا کی جائیں گی۔ حضرت ابراہیم نے کھل کر کہا کہ ان بتوں اور غیر اللہ کی عبادت درحقیقت شیطان کی پیروی ہے وہ شیطان جو اللہ کا سخت نافرمان ہے مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ آپ کی گرفت نہ کرلیں اور آپ کسی کام کے نہ رہیں اور کھلم کھلا شیطان کے ساتھی اور رفیق بن جائیں۔ یہ تمام باتیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نہایت ادب و احترام اور نرمی سے کہی تھیں کیونکہ انبیاء کرام کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ کسی کو دھمکی اور دھونس میں لانے کے لئے سخت لہجہ اختیار نہیں کرتے بلکہ نرمی اور محبت سے دین کی سچائی اور صداقت کی طرف دعوت دیتے ہیں اس کے برخلاف جو لوگ دنیا داری اور جھوٹے معبودوں کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں وہ ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے اور دھمکیوں پر اتر آتے ہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دوٹوک باتوں کے جواب میں آذر نے جاہلانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا اے ابراہیم کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دوں گا۔ ڈانتے ہوئے کہا کہ اگر تم ان باتوں سے باز نہ آئے تو میں تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر ڈالوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ اتنی سخت اور دھمکی آمیز لہجے کے باوجود حضرت ابراہیم نے اپنے ادب اور احترام کے لہجے میں فرق نہ آنے دیا بلکہ یہ کہا کہ میں اپنے پروردگار سے آپ کے گناہوں کی معافی کے لئے درخواست کروں گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں

کو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ مجھ پر اس کی نظر کرم ہے شاید وہ اللہ میری دعاؤں کو آپ کے حق میں قبول کر لے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت فرما گئے اور کہنے لگے کہ میں تمہیں اور تمہارے معبودوں (جن سے میں بیزار ہوں) کو چھوڑ کر جاتا ہوں۔ فلسطین پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اٹھارہ سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق جیسا بیٹا عطا فرمایا حضرت اسحٰق علیہ السلام کے گھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو پیدا کیا جن کا لقب اسرائیل تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ نے بارہ بیٹے عطا فرمائے جن کو بنی اسرائیل (یعقوب علیہ السلام کی اولاد) کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق جیسے بیٹے عطا کئے بلکہ ان کے پوتے حضرت یعقوب اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ وہ باپ کتنے خوش نصیب تھے جن کی اولاد کو ان کی زندگی میں شان نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور سلسلہ نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر مکمل ہوا۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سینکڑوں نبی اور رسول آئے ہیں۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے چوبیس ہزار پیغمبر صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوئے ہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) والدین خواہ مسلم ہوں یا کافر ان کا ہر حال میں ادب واحترام کرنا لازم ہے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے والد سے جو صرف کفر ہی نہ کرتے تھے بلکہ دوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے بتوں کی طرف مائل کرنے میں اپنی صلاحیتوں کو لگائے ہوئے تھے ان سے سخت لہجے یا بے ادبی کے انداز میں گفتگو اور تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ ان کے ادب کا بھی پوری طرح خیال فرمایا۔ پوری گفتگو میں آخرت سے ڈرایا گیا لیکن کہیں بھی دھمکی یا جارحانہ انداز گفتگو کو نہیں اپنایا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو پورے قرآن کریم میں سارے نبیوں کا اور رسولوں کا انداز مشفقانہ ہوا کرتا ہے اس میں دھمکی کا کوئی انداز نہیں ہوتا وہ صبر تحمل اور برداشت سے کام لیتے ہیں جب کہ مشرکین کفار اور فساق اور فجار کی گفتگو میں زبردستی دھاندلی دھونس اور دھمکی کا انداز نمایاں ہوا کرتا ہے جیسے نمرود، فرعون اور آذر وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا بلکہ اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ سے آپ کے گناہوں کی معافی کی درخواست ضرور کروں گا شاید میرا اللہ میری دعاؤں کو سن لے یہاں اس بات کو ذہن میں رکھ لیجیے کہ کافر والدین کا ادب واحترام تو لازم ہے لیکن ان کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ والد سے رخصت ہو رہے تھے لیکن بعد میں جب اللہ کا فیصلہ آ گیا کہ کفار کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت نہیں ہے تو آپ نے ان کے لئے دعائے مغفرت نہیں فرمائی۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حقیقی علم وہی ہے جو اللہ نے حضرات انبیاء کرام کے ذریعے سے انسانوں کو عطا کیا ہے یہی راہ ہدایت اور راستے کی روشنی ہے۔ لیکن شیطان کا راستہ گمراہی اور ضلالت کا راستہ ہے۔ جس میں کسی طرح کی نجات نہیں ہے۔

(۳) دین اسلام کی تبلیغ کا بہترین طریقہ حلم و تحمل صبر و برداشت اور دین کی سچائیوں کو پہنچانے کی مسلسل جدوجہد

کرنا ہے۔ بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے طریقے اختیار نہ کیئے جائیں جن سے لوگوں کے ذہن دین اسلام کی طرف آنے کے بجائے اکھڑ جائیں۔ نرمی اور شفقت تبلیغ دین کی بنیاد ہے۔ جاہلانہ اور جارحانہ انداز گفتگو سے کبھی مفید نتائج نہیں نکلتے اسی لئے انبیاء کرام حلم وتحمل کے ذریعے دین کی سچائیوں کو دلوں میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۴) جب اللہ کے دین کے لئے قربانیاں دی جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اولاد صالح اور ہر طرح کی خیر و برکت سے نواز دیا کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم کو ہر طرح کی خیر و برکت سے نواز کر حضرت ابراہیم کو دنیا کے تمام اہل مذہب کا پیشوا اور رہنما بنا دیا ہے اور آج ساری دنیا کے مذاہب اپنے اپنے انداز پر حضرت ابراہیم کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو اپنا رہنما مانتے ہیں۔ عرب کے سارے قبائل کو اس بات پر ناز تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کو بھلا دیا تھا اسی لئے قرآن کریم کے ذریعے ان کی رہنمائی فرمائی گئی اور ان کو دین ابراہیمی کی طرف راغب فرمایا گیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾

السجدة ٥

ترجمہ: آیت نمبر ۵۱ تا ۵۸

(اے نبی ﷺ) آپ اس کتاب (قرآن) میں موسیٰؑ کا ذکر کیجئے۔ بے شک وہ منتخب بندے اور اللہ کے رسول اور نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو کوہ طور کی داہنی جانب سے پکارا اور ہم نے انہیں راز بتانے کے لئے قریب کیا۔ اور ہم نے اپنی رحمت سے موسیٰؑ کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا دیا۔
اور اس کتاب میں اسماعیلؑ کا ذکر کیجئے بے شک وہ وعدے کے سچے، اور رسول اور نبی تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ شخص تھے۔
اور اس کتاب میں ادریسؑ کا ذکر کیجئے جو بے شک سچے نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو ایک بلند مقام پر اٹھایا تھا۔ آدمؑ کی اولاد میں سے یہ وہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ نے انعام و کرم کیا اور ان کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی (جہاز) پر سوار کرایا تھا۔ اور ابراہیم اور یعقوبؑ کی نسل سے ہیں۔ یہ تمام انبیاء ان لوگوں میں سے تھے جنہیں ہم نے ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم نے منتخب کیا تھا۔ اور ان کا حال یہ تھا کہ جب ان کو رحمٰن کی آیات سنائی جاتی تھیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۱ تا ۵۸

مُخْلَصًا منتخب کیا ہوا۔ چنا ہوا۔

نَادَيْنَا ہم نے آواز دی۔

اَلْاَيْمَنُ داہنی جانب۔

نَجِیٌّ خاموشی سے راز بتانا۔

صَادِقُ الْوَعْدِ سچا وعدہ کرنے والا۔

مَرْضِیٌّ پسندیدہ۔

رَفَعْنَا ہم نے بلند کیا۔

اَنْعَمَ	اس نے انعام کیا۔ کرم کیا۔
اِسْرَائِیْلُ	حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔
اِجْتَبَیْنَا	ہم نے منتخب کیا۔
خَرُّوْا	وہ گر پڑے۔
بُکِیًّا (بُکِیٌّ)	روتے ہوئے۔

تشریح: آیت نمبر ۵۱ تا ۵۸

سورہ مریم کی ان آیات میں حضرت موسیٰؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ادریس علیہ السلام کی کچھ اہم خصوصیات کا ذکر کر کے فرمایا گیا کہ جب اہل ایمان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور ان میں اللہ کے سامنے جھک جانے کا حکم آتا ہے تو وہ نہایت عاجزی و انکساری سے اللہ کے سامنے سجدہ میں جھک جاتے ہیں۔ ان انبیاء کا اور اس سے پہلے حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ اور خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حق و صداقت، ہدایت و رہنمائی اور رسالت و نبوت کے منصب پر فائز کیا تھا لیکن یہ سب اللہ کے فرماں بردار اور نیک بندے ہیں اور اعلیٰ ترین مقام پر ہونے کے باوجود وہ سب کے سب اللہ کی عبادت و بندگی میں کامل مقام رکھتے تھے۔ ان کا یہ حال تھا کہ جب وہ اللہ کا کلام سنتے تھے تو وہ کلام اللہ سن کر خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے تھے۔

ان آیات میں سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے عظیم پیغمبر اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ ایک منتخب نبی اور رسول ہیں۔ اللہ نے ان کو کوہ طور کی داہنی جانب سے پکارا، اپنی قربت عطا کی، آپ سے کلام فرمایا اور صاحب کتاب بنایا، توریت جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو جو خود بھی اللہ کی طرف سے نبی تھے ان کا معاون و مددگار بنایا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں اللہ کے حکم سے فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس کی بڑائی کو چیلنج کیا کہ وہ اپنی سرکشی، تکبر اور غرور سے باز آجائے اور بنی اسرائیل پر ہر طرح کے ظلم و ستم کو بند کر دے تاکہ بنی اسرائیل ملک مصر سے فلسطین عافیت کے ساتھ پہنچ جائیں۔ لیکن فرعون نے اپنے ظلم و زیادتی کا سلسلہ بند نہیں کیا بلکہ اس میں ایسی شدت آگئی تھی جس سے اہل ایمان کا اس سرزمین پر رہنا مشکل ہو گیا تھا آخر کار اللہ نے فرعون اور اس کے اس کے تمام حمایتیوں کو پانی میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو ایک بہت بڑے ظالم سے نجات دلا دی۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے ہیں جن کا لقب ذبیح اللہ ہے ان کے بعد حضرت ابراہیم کے گھر اٹھارہ سال بعد حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاقؑ کے گھر حضرت یعقوبؑ پیدا ہوئے جن کو اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد ان کو بارہ بیٹوں کی دولت سے مالا مال فرمایا گیا جن کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ اس قدر عزم و ہمت اور حق و صداقت کا پیکر تھے جنہوں نے دین اسلام کی سربلندی کیلئے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔ ان کے صبر و استقلال کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لگاتار تین روز تک ایک ہی خواب دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ جب ان کو اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ خواب نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے حکم ہے تو انہوں نے نہایت ضبط و تحمل کے ساتھ اس بات کا ذکر حضرت اسماعیلؑ سے کر دیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے عرض کیا ابا جان! آپ وہ کیجئے جس کے کرنے کا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے۔ آپ مجھے انتہائی صابر پائیں گے۔ اس طرح انہوں نے اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کو منیٰ کی طرف لے کر چلے۔ شیطان نے بہکانے کی کوششیں کیں مگر حضرت اسماعیلؑ نے ہر مرتبہ شیطان کے جال میں پھنسنے کے بجائے اس پر کنکر برسائے اور لعنت بھیجی۔ ادھر جب حضرت براہیم نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے حضرت اسماعیلؑ کی جگہ ایک مینڈھا بھیج کر فرمایا کہ اے ابراہیمؑ ہم آپ کے بیٹے کو ذبح کرانا نہیں چاہتے تھے آپ کے عزم و ہمت کا امتحان لینا چاہتے تھے جس میں آپ کامیاب ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کی قربانی کو قبول کرتے ہوئے اس کو ایک یادگار بنا دیا اور اب قیامت تک ہر صاحب نصاب مسلمان پر دس ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ کی عصر تک ایک جانور ذبح کرنے کی سنت کو جاری فرمایا تاکہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی یہ قربانی کا جذبہ قیامت تک یاد رکھا جا سکے۔

حضرت اسماعیلؑ جن کی اولاد میں سے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت اسماعیلؑ کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ (1) حضرت اسماعیلؑ بہترین اخلاق کے مالک تھے (2) وہ جس سے جو وعدہ کر لیتے اس کو ہمیشہ پورا کیا کرتے تھے (3) ایسے عزم و ہمت کے پیکر تھے کہ اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کے کہنے سے اللہ کے حکم پر ذبح ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ (4) آپ ہمیشہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے (5) آپ اللہ کے پسندیدہ نبی تھے۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا ذکر کرنے کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے ارشاد ہے کہ وہ ایک نیک اور سچے انسان تھے اور اللہ کی طرف سے نبوت کے منصب پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخصوص علوم اور فنون میں ایک خاص مقام عطا فرمایا تھا۔ ان کا دنیا میں بھی رتبہ بلند ہے اور آخرت میں بھی ان کی ایک خاص شان ہوگی۔ کہتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیانی زمانہ میں تشریف لائے اور گمراہ انسانوں کو راہ ہدایت دکھانے

میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔ قرآن کریم میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے ایک تو زیر مطالعہ آیات میں اور دوسری مرتبہ سورۂ انبیاء میں۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم وحکمت، علم حساب، علم کتابت یعنی قلم سے لکھنا، کپڑوں کو سینا، ماپ تول کے پیمانے اور بعض اسلحہ بنانے کے طریقے حضرت ادریس علیہ السلام نے سکھائے ہیں۔

بہر حال یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام وہ تھے جو اپنی تمام تر عظمت اور شان کے اللہ کی عبادت و بندگی اور اللہ کے بندوں کی ہدایت کے لئے دن رات کوششیں کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین اسلام کی خدمت کرنے اور عبادت و بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ جب ان کو اللہ کے سامنے جھک جانے کا حکم ہوتا تو وہ پورے ادب واحترام سے سجدے میں گر پڑتے تھے۔ سورۂ مریم کی اس آیت پر پہنچنے کے بعد ہر سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ اگر اس وقت سجدہ نہ کر سکے تو جلد از جلد اس سجدے کو ادا کرے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰمًا ۚ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

ع ٤ ١٥ ٧

ترجمہ: آیت نمبر ۵۹ تا ۶۵

پھر ان کے بعد چند ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشات نفس کے پیچھے لگ گئے۔ بہت جلد ان کو گمراہی کی سزا ملے گی۔ مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لا کر نیک اعمال کئے۔ وہی لوگ ہوں گے جو جنت میں ہوں گے اور ان کا ذرہ برابر بھی نقصان نہ کیا جائے گا۔ وہ ہمیشہ رہنے والی ان جنتوں میں رہیں گے جن کا رحمٰن نے ان سے وعدہ کیا ہے حالانکہ انہوں نے اس کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہے۔ (وہ ان جنتوں میں) سلام کے سوا کوئی بے ہودہ بات نہ سنیں گے۔ اور ان کو صبح و شام رزق دیا جائے گا۔ یہ وہ جنت ہوگی جس کا ان بندوں کو وارث بنائیں گے جو پرہیزگار ہوں گے۔ (ملائکہ نے کہا) اور ہم فرشتے آپ ﷺ کے پروردگار کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے وہ اس کا پروردگار ہے آپ اسی کی عبادت و بندگی کیجئے اور اس پر ثابت قدم رہئے۔ کیا کوئی ہستی آپ کے علم میں اس کے برابر ہے؟

لغات القرآن آیت نمبر ۵۹ تا ۶۵

خَلَفَ	قائم مقام ہوا۔
خَلْفٌ	نالائق۔ ناخلف۔
اَضَاعُوْا	انہوں نے برباد کیا۔ ضائع کر دیا۔
اِتَّبَعُوْا	پیچھے لگ گئے۔ انہوں نے پیروی کی۔
یَلْقَوْنَ	وہ ڈالیں گے۔
غَیٌّ	گمراہی۔
عَدْنٌ	ہمیشہ رہنے کی جگہ۔ ایک بہشت کا نام۔

مَاْتِيٌّ	آنے والا۔ آنے کی جگہ۔
لَغْوٌ	بے ہودہ۔ فضول۔
مَانَتَنَزَّلُ	ہم نہیں اترتے۔
نَسِیٌّ	بھول جانا۔
اِصْطَبِرْ	ثابت قدم رہو۔
سَمِیٌّ	ہم نام۔ ہم پلہ

تشریح: آیت نمبر ۵۹ تا ۶۵

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام اوران کی امتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کے بعد آنے والوں نے نیک لوگوں کا راستہ چھوڑ کران کے قائم مقام ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی خواہشات نفس اور دنیا کے وقتی فائدوں کے پیچھے چل کر نماز جیسی عبادت کو ضائع کر دیا۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں کوان کی گم راہی پر معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے اعمال کے مطابق ان کو سخت سزا دی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز اللہ کی عبادت کا سب سے اہم اور احسن طریقہ ہے جو گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا جو دین اسلام کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نماز سے امتوں کو مرکزیت ملتی رہی ہے۔ جن لوگوں نے اس فریضہ سے غفلت اختیار کی اس کے آداب کا خیال نہیں رکھا اور اس کو ضائع کر دیا ان کو دنیا اور آخرت میں رسوائی اور ذلت نصیب ہوئی اوران کواس بدعملی پر سخت سزا دی گئی۔

گزشتہ امتوں کی طرح نبی کریم ﷺ کی امت پر بھی نماز کو فرض کیا گیا ہے اگر نماز جیسی عبادت سے غفلت اور کوتاہی اختیار کی گئی تو گزشتہ قوموں سے ان کا انجام مختلف نہ ہوگا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے نماز کو سب سے اہم عبادت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان نماز ہی سب سے بڑا فرق ہے۔ نماز کو چھوڑنا یا اس سے غفلت اختیار کرنا امت کے زوال کا سب سے اہم سبب ہے۔ نماز درحقیقت اللہ اور بندہ کے درمیان وہ مضبوط رشتہ ہے جو اس کو اللہ کی رحمتوں سے جوڑے رکھتا ہے۔ جس نے اس رشتہ اور تعلق کو توڑ دیا وہ حق وصداقت سے کٹ کر ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے نماز کا اہتمام نہیں کیا اس کے لئے قیامت کے دن نہ تو نور ہوگا نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ اس کی نجات کا کوئی اور ذریعہ ہوگا۔ اس کا حشر فرعون، ہامان اور (منافق) ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔

خاتم الانبیاء ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے اور بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دین بغیر نماز کے کچھ بھی نہیں ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے موذن کی آواز سنی اور نماز کے لئے نہیں گیا اس نے سراسر ظلم کیا۔ اس نے کفر اور نفاق کا عمل کیا۔

نماز پڑھنے کے لئے احادیث میں بہت تاکید آئی ہے لیکن وہ لوگ جو بلا کسی عذر کے مسجدوں کے بجائے گھروں پر نماز پڑھتے ہیں در حقیقت وہ بھی نماز کا حق ادا نہیں کرتے اور رحمت دو عالم ﷺ نے اس کو انتہائی ناپسند فرمایا ہے۔ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند نوجوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن جمع کر کے لائیں اور پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بلا کسی عذر کے گھروں پر نماز پڑھتے ہیں اور میں جا کر ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے چھوٹے بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز میں مشغول ہوتا اور خادموں کو حکم دیتا کہ گھروں پر نماز پڑھنے والوں کو ان کے مال واسباب سمیت آگ لگا دیں۔

نماز کی اس تاکید کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور بزرگان دینؒ نے فرمایا ہے کہ نمازوں کا اہتمام نہ کرنے والے دین کے بقیہ تمام احکامات کو ضائع کر دینے والے ہیں۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور حکومت میں اپنے عمال حکومت کو ایک ہدایت نامہ بھجوایا تھا کہ وہ کس طرح حکومت کے کاموں کو سرانجام دیں مگر ساتھ ہی ساتھ یہ تحریر فرمایا کہ

''میرے نزدیک تمہارے سب کاموں سے زیادہ اہم کام نماز ہے۔ تو جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے وہ دوسرے تمام احکام دین کو بھی ضائع کرے گا (موطا امام مالک)

ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز تو پڑھ رہا ہے لیکن رکوع، سجود اور قیام میں کوتاہی کر رہا ہے آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کب سے اس طرح نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا چالیس سال سے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس طرح نمازیں پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے تو یاد رکھو تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (کے طریقے کے) خلاف مرتے۔ حضرت حذیفہؓ کا یہ ارشاد اس حدیث کے مطابق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز میں اعتدال اختیار نہیں کرتا اس کی نماز نہیں ہوتی اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص رکوع اور دونوں سجدوں کے درمیان یا کھڑے ہونے یا صحیح بیٹھنے کا اہتمام نہیں کرتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ترمذی)

ان ہی ارشادات کی روشنی میں علماء نے فرمایا ہے کہ ''اضاعت صلوٰۃ'' یعنی نماز کو ضائع کرنا یہ ہے کہ
نماز کو اس کے وقت سے موخر کر کے پڑھنا۔ (جمہور مفسرین)
بغیر کسی شدید عذر کے مسجدوں کے بجائے گھروں پر نماز پڑھنا۔ کوتاہی کرنا، غفلت برتنا۔
نماز کے آداب و شرائط میں کوتاہی کرنا۔
نماز کے تمام ارکان میں تعدیل اور توازن قائم نہ رکھنا۔
نمازوں کو چھوڑ کر زندگی کے کاروبار کو اہمیت دینا۔

بے جا خواہشات اور تمناؤں میں الجھ کر نمازوں سے غفلت اختیار کرنا یہ درحقیقت نمازوں کو ضائع کرنا ہے۔ اسی بات کو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء کرامؑ اور ان کی امتوں کے بعد آنے والوں نے نالائقی کا ثبوت پیش کیا اور نماز جیسی اہم عبادت کو ضائع کر کے اپنی خواہشات اور شہوات کے پیچھے لگ گئے۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں نے اگر توبہ کر کے ایمان اور عمل صالح کا طریقہ اختیار نہ کیا تو ان کو ''غی'' میں جھونک دیا جائے گا۔

''غی'' کے معنی خرابی، بربادی اور نقصان کے آتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جہنم کے اندر ''غی'' ایک ایسی وادی کا نام ہے جو بہت گہری اور خون اور پیپ سے بھری ہوئی ہے۔ یعنی ایک ایسی وادی اور گھاٹی کا نام ہے جو بدترین جگہ ہے۔ جہاں نفس پرستوں اور خواہشات کے پیچھے چلنے والوں کو جھونک دیا جائے گا یہ ان کی سخت ترین سزا ہوگی۔ البتہ اگر انہوں نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی یعنی ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کر لیا تو ان کے پروردگار کا ان سے یہ پکا وعدہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے جنت کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور اس دنیا میں اس کی راحت و آرام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن تقویٰ اور پرہیز گاری اور اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے والوں کو ہمیشہ کے لئے ان جنتوں کا وارث و مالک بنا دیا جائے گا۔ وہ جنتیں ایسی ہوں گی کہ جہاں غلط، لغو، فضول اور بے ہودہ باتوں کے بجائے ہر طرف پاکیزگی، ستھرائی اور سلامتی ہی سلامتی کی آوازیں صدائیں ہوں گی جہاں صبح و شام ان کی خواہش کے مطابق ہر طرح کی نعمتیں عطا کی جائیں گی۔

آگے کی آیات میں فرشتوں کی اطاعت و فرماں برداری کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ فرمایا کہ ایک طرف تو انسان ہے جو نافرمانیوں اور خواہشات نفس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے پیغام کو بھول کر گناہ کے کاموں میں لگا رہتا ہے۔ اس کے برخلاف فرشتوں کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتے۔ ان کو اللہ کا کام دے کر بھیجا جاتا ہے تو وہ اس کو پوری دیانتداری سے اللہ کے نبیوں تک پہنچا دیتے ہیں اور اس میں وہ ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے۔ وہ اللہ بھی ایسا پروردگار ہے جو موجودہ، آئندہ اور ماضی کے تمام احوال سے واقف ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے وہ حکم دے کر اس کو بھول نہیں جاتا یا جو اس کا وعدہ ہے وہ اس کو بھولتا نہیں ہے۔ بلکہ وہ علیم و بصیر ہے اور اپنے بندوں کے تمام احوال سے اچھی طرح واقف ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ جبرئیل امین روزانہ وحی لے کر آتے تھے۔ وحی الٰہی سے آپ کو جو روحانی سکون اور سرور نصیب ہوتا تھا آپ کی خواہش تھی کہ جبرئیل جتنا بھی آتے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ آئیں۔ اس سلسلے میں دوسری روایت یہ ہے کہ کچھ دنوں تک حضرت جبرئیل امین تشریف نہیں لائے تو آپ نے حضرت جبرئیل سے اس کیفیت کو بیان فرمایا اس پر حضرت جبرئیل نے کہا کہ ہم تو اس وقت ہی آتے ہیں جب ہمیں اللہ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے۔ اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں آتے۔ اب وہ اللہ جو علیم وبصیر ہے۔ وہ ہر طرح کی کیفیات سے اچھی طرح واقف ہے۔ نہ اس کا جیسا کسی کا نام ہے نہ اس کے جیسا کسی کا حکم ہے۔ لہٰذا ہم تو اللہ کے حکم کے تابع ہیں جیسا حکم دیا جاتا ہے ہم ویسا ہی کرتے ہیں۔

اس مقام پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ شیطان کا کام نافرمانی، تکبر اور غرور ہے جب کہ فرشتوں کا کام مکمل اطاعت وفرماں برداری ہے۔ فرمایا جارہا ہے کہ ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو شیطان کے راستے پر چل کر نافرمانی کررہے ہیں اور اگر ان کے پاس کچھ مال و دولت آجاتا ہے تو وہ تکبر اور غرور کرنے لگتے ہیں اور دوسری طرف فرشتے ہیں جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ اللہ نے تمام لوگوں کے سامنے یہ دونوں مثالیں رکھ دی ہیں۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ شیطان کی طرح نافرمان بننا چاہتا ہے یا فرشتوں کی طرح اطاعت گزار اور فرماں بردار۔ دونوں راستوں کا انجام بالکل واضح ہے۔ ہر انسان اپنے اچھے اور برے انجام پر اس دنیا میں غور کرلے کیونکہ آخرت کی زندگی عمل کرنے کی نہیں بلکہ ہر بات کا نتیجہ نکالنے کے لئے ہے۔ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہ زندگی اور اس کا عمل اس کھیتی کا موسم ہے لیکن جب کھیتی کو کاٹنے کا موسم آئے گا تو اس وقت انسان کی محنت کا نتیجہ اس کے سامنے ہوگا کھیتی باڑی کرنے کا موسم نہ ہوگا۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٦٦ تا ٧٢

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو پھر کیا میں زندہ کیا جاؤں گا؟ (اللہ نے فرمایا) کیا وہ انسان اس بات پر دھیان نہیں دیتا کہ جب ہم نے اس کو اس سے پہلے بنایا تھا جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ (اے نبی ﷺ) آپ کے رب کی قسم ہم ان کو اور ان کے شیطانوں کو گھیر کر لائیں گے اس طرح کہ وہ دوزخ کے اردگرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ پھر ہم ہر ایک فرقے میں سے اس کو جدا کرلیں گے جو رحمٰن سے سخت اکڑ رکھتا تھا۔

پھر ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس میں داخل ہونے کے قابل کون کون ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ کے پروردگار کا یہ پکا وعدہ ہے کہ اس پر ہر شخص پہنچ کر رہے گا۔ پھر ہم ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے ان کو نجات دیدیں گے اور گناہ گاروں کو اوندھے منہ پڑا رہنے دیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٦ تا ٧٢

مِتُّ — میں مرگیا۔

نَحْشُرَنَّ — ہم ضرور جمع کریں گے۔

نُحْضِرَنَّ — ہم ضرور حاضر کریں گے۔

حَوْلٌ — اردگرد۔

جِثِيٌّ — گھٹنوں کے بل۔

نَنْزِعَنَّ — ہم ضرور نکالیں گے۔

شِيْعَةٌ — فرقہ۔ گروہ۔

عِتِيٌّ — سرکش۔ نافرمان۔

صِلِيٌّ	اندر داخل ہونا۔
وَارِدٌ	آنے والا۔
مَقْضِيٌّ	مقرر کیا ہوا۔
نَذَرُ	ہم چھوڑ دیں گے۔

تشریح: آیت نمبر ٦٦ تا ٧٢

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر کفار و مشرکین کے متعلق بیان کیا گیا ہے جس میں انہوں نے قرآن کریم کی آیات کو سن کر بڑے تعجب اور حیرت سے یہ سوال کیا ہے کہ جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے۔ ہماری ہڈیاں چورہ چورہ ہو کر ہمارا وجود کائنات میں بکھر جائے گا تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ ہمارے وجود کے اجزاء جمع ہو سکیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اس قول کا نہایت سادہ اور باوقار جواب دیا ہے کہ انسان کو یہ سوال کرنے سے پہلے اس بات پر غور کر لینا چاہئے کہ جب انسان کا وجود ہی نہ تھا بلکہ وہ قابل ذکر شے ہی نہ تھا جب اس وقت اللہ نے اس کو وجود عطا کیا۔ زندگی کے مختلف مرحلوں سے گزار کر، ماں باپ کی شفقت کے سائے میں اس کو جوان بنایا۔ اس کے لئے وہ تمام اسباب پیدا کئے جس سے وہ زندگی کو مناسب طریقہ پر گزار سکے تو کیا اس اللہ کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ اس انسان کے بلکہ کائنات کے تمام انسانوں کے اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ جیتا جاگتا انسان بنا دے۔ کسی چیز کو پہلی مرتبہ پیدا کرنا اور بنانا بظاہر مشکل نظر آتا ہے لیکن اس کو اسی جیسا دوسرا وجود عطا کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس بات کو ارشاد فرمایا ہے کہ انسان یہ کہتا ہے کہ جب ہم مر جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ پیدا کئے جائیں گے۔ اللہ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم صرف ان کو ہی زندہ کر کے نہیں بلکہ ان شیطانوں کو بھی جہنم کے گرد جمع کریں گے جو ان کو بہکایا کرتے تھے۔ جب دوزخ ان کے سامنے ہوگی تو وہ دہشت اور خوف سے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور ان سرکش اور نافرمانوں کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جن کے دل میں اللہ کا خوف اور تقویٰ موجود ہوگا ان کو جنت کی ابدی راحتوں اور آرام سے ہم کنار کرایا جائے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر شخص کو جہنم کے پاس سے گزرنا ہوگا۔ یہاں تک کہ اہل ایمان کو بھی اسی راستے سے جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہنم کے اوپر ایک پل بنایا جائے گا (جس کو ”پل صراط“ کہتے

ہیں) اس پر ہر ایک کو گذرنا ہوگا جو اہل ایمان و اہل تقویٰ ہیں وہ تو اپنے اعمال کے حساب سے صحیح سلامت گزر جائیں گے۔ فرمایا کہ پل صراط سے گزرنے والے بعض تو وہ ہوں گے جو نہایت تیز رفتاری اور بجلی کی طرح اس سے گزر جائیں گے۔ بعض ہوا کی طرح، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح اور بعض لوگ تیز رفتار پیدل چلنے والے کی طرح اس پل سے گزر جائیں گے۔ یہاں تک کہ سب سے آخر میں جو شخص اس پل صراط سے گزرے گا وہ ہوگا جس کے صرف پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا۔ وہ گرتا پڑتا نجات پا جائے گا۔ اس کے برخلاف جو کفار اور مشرکین ہیں وہ الجھ کر جہنم میں گر جائیں گے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اہل ایمان اپنے اپنے اعمال کے مطابق اور بعض انبیاء اور صالحین کی شفاعت سے نجات پائیں گے جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا ان کو بھی ان کے گناہوں کی سزا دے کر اللہ تعالیٰ اپنا رحم و کرم فرمائیں گے اور ان سزا یافتہ گناہ گار مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جہنم کا منہ بند کر دیا جائے گا۔

اس جگہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم چند روز جہنم میں جلیں گے اس کے بعد جنت کی ابدی راحتیں ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔ علماء مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہودیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ اول تو ہم جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر ہم میں سے کسی کو جہنم میں جانا پڑا تو زیادہ سے زیادہ تین دن آگ میں جل کر تکلیف اٹھا کر پھر جنت کی ساری راحتیں ہمیں عطا کر دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدے کی جگہ جگہ تردید فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ نے کسی کے لئے جنت کو اس کی میراث نہیں بنایا ہے۔ بلکہ انسان کا ایمان اور حسن عمل اس کو جنت کا مستحق بنا سکتا ہے۔ یہودیوں کا خیال ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ کرنا چاہیں کرتے رہیں آخرت کی راحتیں انہیں تشتری میں سجا کر دیدی جائیں گی۔ لہٰذا یہ دنیا اور وہ دنیا صرف ہمارے لئے ہے۔

اہل ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صالح مومن کی نجات فرمائیں گے۔ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے وہ اپنی سزا بھگت کر آخر کار جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ہمارا اس بات پر بھی یقین ہے کہ نبی کریم ﷺ اور گزشتہ انبیاء اور صالحین اللہ کے ہاں سفارش فرمائیں گے اور ان کی شفاعت پر اللہ کا کرم بھی ہوگا لیکن اگر ان حقائق کی موجودگی میں ہمارا انداز فکر یہودیوں جیسا ہو جائے کہ ہم اس دنیا میں جو چاہیں کرتے رہیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ آخرت تو ہمارے لئے ہے ہمارے بزرگ ہمیں جہنم سے نکال لے جائیں گے۔ بے شک شفاعت پر ہمارا ایمان ہے لیکن اس کے لئے ایمان کی بھی شرط ہے خواہ وہ ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ہمارے پاس ایسا کوئی آلہ نہیں ہے جس سے ہمیں یقین ہو جائے کہ واقعی ہمارا ایمان بھی سلامت ہے یا نہیں۔ اگر ایمان سلامت ہے تو انشاء اللہ اس ایمان کی برکت سے ضرور نجات ہوگی لیکن اگر ہم نے بدعات و خرافات میں مبتلا ہو کر اپنا ایمان کھو دیا ہو تو پھر ہماری نجات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم جیسے ہر شخص کو ایمان اور عمل صالح کی ہر وقت فکر کرنا چاہئے ورنہ ہمارے درمیان اور یہودیوں کی خوش فہمیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهُ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۳ تا ۸۰

اور جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کافر ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں کہ ہم دونوں جماعتوں میں سے کون بہتر ہے اور کس کی مجلس شان والی ہے؟ حالانکہ ہم اس سے پہلے ایسی کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے زیادہ سروسامان رکھتے تھے۔

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ اس کو ڈھیل دیتا چلا

جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ شخص اس چیز کو دیکھ لیتا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا خواہ وہ اللہ کا عذاب ہو یا قیامت کی گھڑی تب اسے معلوم ہو جائے گا کہ کون بدترین مقام پر ہے اور کس کا لشکر کمزور ہے۔ اور جن لوگوں نے ہدایت حاصل کی اللہ ان کو ترقی عطا فرماتا ہے۔ اور تمہارے پروردگار کے نزدیک وہی نیکیاں سب سے بہتر ہیں جو باقی رہنے والی ہیں اور ان کا انجام ہی بہتر ہے۔

کیا پھر آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو مال اور اولاد حاصل ہی رہے گی۔ (اللہ نے فرمایا کہ) کیا اسے غیب کی باتوں کا پتہ چل گیا ہے؟ یا اس نے اللہ رحمٰن سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ شخص جو کہتا ہے اس کو ہم لکھ لیں گے اور اس کی سزا میں اور اضافہ کرتے چلے جائیں گے۔ اور یہ جن چیزوں کے متعلق کہتا ہے ہم ہی اس کے مالک ہوں گے۔ اور وہ ہمارے پاس اکیلا ہی آئے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۳ تا ۸۰

تُتْلٰی	تلاوت کی گئی۔
اَیُّ	کون۔
اَحْسَنُ نَدِیًّا	بہترین مجلس۔
قَرْنٌ	گروہ۔ جماعت
اَثَاثٌ	سامان۔
رِءْیٌ	نمود ونمائش۔ سروسامان۔
یَمْدُدُ	وہ بڑھائے گا۔
اَضْعَفُ	کمزورترین۔

جُنَّةٌ	لشکر۔ مددگار۔
مَرَدٌّ	انجام۔ آخری ٹھکانا۔
اُوْتِيَنَّ	مجھے ضرور دیا جائے گا۔
فَرْدٌ	تنہا۔ اکیلا۔

تشریح: آیت نمبر ۷۳ تا ۸۰

انسان دنیا کی ظاہری زیب و زینت، چمک دمک اور عارضی رونقوں کو دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ دنیا کی یہ رونقیں ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں گی۔ اولاد کی کثرت اور دولت کی ریل پیل سے آدمی دھوکا کھا جاتا ہے اور اپنے مقابلے میں دوسروں کو ذلیل و خوار اور کم تر سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ نزول قرآن کے وقت جب اہل ایمان کو کامیاب اور سچا اور کافروں کو ناکام اور جھوٹا ثابت کر کے اہل ایمان کے لئے جنت کی دائمی نعمتوں اور رحمتوں کا ذکر سنتے تو کفار مکہ اہل ایمان کا مذاق اڑانے کے لئے کہتے تھے کہ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو صاحب ایمان کہتے ہیں دنیا اور آخرت میں کیسے کامیاب ہوں گے جب کہ دنیا میں تو ان کا یہ حال ہے کہ پھٹے ہوئے کپڑے، فاقہ زدہ چہرے، غلاموں، غریبوں اور مفلسوں کی بھیڑ اور بے رونق محفلیں ہیں اور دوسری طرف ہمارے مال و دولت، طاقت و قوت، محفلوں کی رنگینیاں، عمارتوں کی بلندیاں، بہترین سواریاں اور چاروں طرف پھیلے ہوئے ہمارے مددگار ہیں۔ ہم دنیا کے کامیاب ترین لوگ ہیں اور ہم اس کی توقع کر سکتے ہیں کہ آخرت میں بھی ہماری یہی شان و شوکت ہوگی۔ دنیا اور آخرت میں ہم ہی کامیاب و بامراد ہوں گے۔ ان ایمان کے دعوے داروں کو نہ دنیا میں کچھ ملا ہے اور نہ آخرت میں ملنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ کفار کی ان باتوں اور طعنوں سے اہل ایمان ناگواری محسوس کرتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تسلی اور دلی سکون کے لئے ان آیات کو نازل فرمایا۔ ارشاد ہے کہ یہ کفار بڑے نادان اور تاریخ انسانی سے ناواقف ہیں۔ اگر تاریخی اعتبار سے دیکھتے تو ان کو پوری طرح یقین ہو جاتا کہ اللہ نے ہمیشہ اہل حق کو سر بلند فرمایا ہے اور وہ لوگ جن کو اپنی طاقت و قوت پر ناز تھا جن کے سجے ہوئے مکانات، پر رونق محفلیں اور شاندار عمارتیں تھیں جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مسلسل نافرمانیاں اور گناہ کئے تو اللہ نے ان کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور کفار و مشرکین کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور ان اہل ایمان کو جو دنیاوی اعتبار سے بے بس اور کمزور تھے ان کو طاقت وروں پر غالب اور مسلط کر دیا اور ان

کفار کی بلند و بالا عمارتیں اور محلات ایسے بے رونق کھنڈرات میں تبدیل ہوگئے کہ لوگ ان کے قریب دن کی روشنی میں بھی جاتے ہوئے گھبراتے ہیں اور خوف محسوس کرتے ہیں۔ اللہ کا یہ نظام ہے کہ وہ ظالموں، نافرمانوں اور گناہ گاروں کو مہلت اور ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے جس سے نافرمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں نہ کوئی شخص عزت و آبرو والا ہے اور نہ ان کے مال و دولت اور قوت و طاقت کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ کا فیصلہ آ جاتا ہے تو پھر مال و دولت، اولاد، رشتہ دار اور ان کے مددگار جن پر انہیں ناز ہوتا ہے وہ سب کے سب ان کے اردگرد سے بھاگ جاتے اور دور ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ جس دھوکے میں مبتلا تھے فریب کے پردے ان کی آنکھوں سے اتر جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف وہ لوگ جو راہ راست اور صراط مستقیم پر چل کر اپنی زندگی گزارتے ہیں اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے بلکہ ان کے تمام نیک اعمال کو قبول فرما کر ان کے لئے دنیا کی بہترین کامیابیاں اور آخرت میں اپنے انعامات سے نوازتا ہے اور ان کو کامیاب و بامراد کر دیتا ہے فرمایا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج جو دولت و ثروت ان کو حاصل ہے وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی بلکہ آخرت کی راحتیں بھی ان کا مقدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے سوال کیا ہے کہ ان کو آگے کی زندگی کے متعلق کیا علم غیب حاصل ہو گیا ہے؟ یا اللہ نے ان سے کوئی معاہدہ کر لیا ہے؟ کہ یہ مال و دولت ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گا۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو اپنی غلط فہمی دور کر لینی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ اس دنیا میں رہ جائے گا اور اگر انہوں نے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار نہ کیا تو آخرت میں بھی یہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے اور وہاں کوئی ان کے کام نہ آ سکے گا۔ ایسے لوگ تن تنہا اللہ کے پاس پہنچیں گے تب ان کو پوری طرح اندازہ ہوگا کہ دنیا اور آخرت دونوں انہوں نے برباد کر ڈالیں۔

فرمایا کہ اللہ کا اہل ایمان سے یہ وعدہ ہے کہ ان کی دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت میں دائمی رحمتیں اور نعمتیں ان کی منتظر ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ

ع ٧
١٨

إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

وقف لازم وقف لازم

ترجمہ: آیت نمبر ۸۱ تا ۸۷

اوران لوگوں نے ایک اللہ کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ وہ ان کے لئے عزت کا سبب ہوں۔ (اللہ نے فرمایا) ہرگز نہیں۔ وہ (جھوٹے معبود) تو خود ان کی عبادت کا انکار کردیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کفار پر (آزمائش کے لئے) چھوڑ رکھا ہے تا کہ وہ ان کو ابھارتے رہیں۔ تو آپ ان کے لئے (عذاب کی) جلدی نہ کیجئے۔ ہم ان کی باتوں کو شمار کر رہے ہیں۔ جس دن ہم تقویٰ والوں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔ اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ وہاں کسی کی سفارش کا اختیار نہ ہوگا سوائے ان لوگوں کے جنہیں رحمٰن کی طرف سے اجازت دیدی جائے گی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۱ تا ۸۷

تَؤُزُّ وہ ابھارتا ہے۔

اَزٌّ ابھارنا۔ ہلانا۔

نَعُدُّ ہم گن رہے ہیں۔

عَدٌّ گنتی۔

وَفْدٌ مہمان بنانا۔

نَسُوْقُ ہم چلائیں گے۔

وِرْدٌ پیاسا۔

عَهْدٌ عہد۔ وعدہ۔

تشریح: آیت نمبر ۸۱ تا ۸۷

ان آیات میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور بہت سے معبود گھڑ رکھے ہیں تا کہ وہ قیامت کے دن ان کی سفارش کر کے ان کو عزت و سر بلندی کے مقام پر بٹھائیں گے ان کی حمایت کریں گے، کوئی مصیبت پڑی تو وہ ان کو بچالیں گے فرمایا کہ یہ جھوٹے معبود تمہاری عزت و سر بلندی کا ذریعہ نہیں بلکہ تمہاری ذلت، رسوائی اور محرومی کا سبب بنیں گے کیونکہ وہ قیامت کے دن صاف انکار کر دیں گے اور کہہ دیں گے کہ اے پروردگار ہمیں کیا معلوم کہ وہ ہماری عبادت و بندگی کیوں کرتے تھے۔ ہم نے تو ان سے نہیں کہا تھا کہ وہ ہمارے سامنے جھکیں اور ہماری عبادت و بندگی کریں۔ فرمایا کہ یہ معبود تمہارے دوست نہیں بلکہ دشمن ثابت ہوں گے۔

(2) دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ کو اپنا معبود نہیں مانتے ہم ان پر شیطانوں کو مسلط کر دیتے ہیں جو ان کو ہر وقت نافرمانیوں، غلط کاموں اور گناہوں پر اکساتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ نتیجہ سے بے پرواہ ہر طرح کے غلط کاموں میں لگے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ہر حرکت کو دیکھنے والا یا اس پر گرفت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت دی جاتی ہے تا کہ وہ سنبھل کر اور توبہ کر کے ایمان اور عمل صالح کی طرف آجائیں۔ اس عرصہ میں اللہ ایسے لوگوں کے ایک ایک لمحے اور ہر سانس کو گنتا رہتا ہے اور ان کے نامہ اعمال میں لکھتا چلا جاتا ہے قیامت میں جب اللہ ان کے نامہ اعمال اور حرکتوں کے ریکارڈ کو ان کے سامنے رکھے گا تب ان کو اس بات کا صحیح اندازہ ہوگا کہ انہوں نے غیر اللہ کی اور شیطان کی پیروی کر کے اپنی آخرت کو برباد کر ڈالا ہے۔ لہٰذا اے نبی ﷺ! آپ ان کے بارے میں کسی فیصلے کے لئے جلدی نہ کیجئے وہ بہت جلد اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے ہمارے پاس ہی آئیں گے۔ فرمایا کہ جب ہم ان مجرموں کو جہنم کی طرف دھکیل دیں گے۔ جب بھوک پیاس سے نڈھال یہ لوگ جہنم کے گھاٹ کی طرف دوڑیں گے تا کہ وہاں سے اپنی پیاس کو بجھالیں تو ان کو یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوگی کہ وہاں ان کی ضیافت اور مہمان داری کے لئے سوائے گندے پانی کے کچھ بھی نہ ہوگا۔ فرمایا کہ یہ تو اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں میں سے کچھ لوگوں کو سفارش کی اجازت عطا فرما دیں گے لیکن جو ایمان سے محروم

ہیں ان کے لئے تو کسی کو زبان ہلانے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

اس کے برخلاف وہ لوگ جنہوں نے اللہ کا تقویٰ اور خوف الٰہی کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی ان کی مہمان نوازی اللہ کی طرف سے کی جائے گی اور ان کو جنت کی ابدی راحتوں اور آسائشوں سے ہم کنار کیا جائے گا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

النصف ع ٦

ترجمہ: آیت نمبر ۸۸ تا ۹۸

وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا بنا رکھا ہے۔ بلاشبہ تم (یہ کہہ کر) ایک سخت اور بھاری چیز میں پھنس گئے ہو۔ قریب ہے کہ تمہاری اس بات سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں اس وجہ سے کہ یہ لوگ رحمٰن کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں۔ حالانکہ رحمٰن کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ اور آسمانوں اور زمین میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے

جو (قیامت کے دن) اس کا بندہ بن کر حاضر نہ ہو۔ وہ سب پر چھایا ہوا ہے اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔ اور ہر ایک قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلا اور تنہا آئے گا۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں اور وہ عمل صالح کرتے ہیں بہت جلد رحمٰن ان کے دلوں میں محبت عطا فرمائے گا۔

(اے نبی ﷺ) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی میں) اس لئے نازل کیا ہے تا کہ آپ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈرائیں۔ ان سے پہلے ہم (نافرمان) قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا یہ ان کی آہٹ بھی سنتے ہیں؟

لغات القرآن آیت نمبر ۸۸ تا ۹۸

اِدٌّ	سخت۔ بھاری چیز۔
تَکَادُ	قریب ہے۔
یَتَفَطَّرْنَ	پھٹ پڑیں گے۔
تَنْشَقُّ	ٹکڑے ہو جائیں گے۔
تَخِرُّ	ڈھے پڑیں۔ گر جائیں۔
هَدٌّ	دھڑام سے گرنا۔
مَایَنْبَغِیْ	شایان شان نہیں ہے۔
اَحْصٰی	اس نے شمار کر رکھا ہے۔
عَدٌّ	گنتی۔
وُدٌّ	محبت

لُدٌّ	جھگڑالو آدمی۔
رِکْزٌ	آہٹ۔سرسراہٹ۔

تشریح: آیت نمبر ۸۸ تا ۹۸

سورۂ مریم کی آیات کو نصاریٰ کے اس قول اور عقیدے پر ختم کیا گیا ہے جس میں انہوں نے نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں) اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کی مجرمانہ کوشش کی ہے۔ حالانکہ اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے ہی میں اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے رکھا تھا اسی طرح یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے رکھا تھا نیز مشرکین مکہ نے تو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تجویز کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان گمراہوں کے اس تصور کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہ قول اس قدر بے ہودہ، گستاخانہ اور احمقانہ ہے کہ اگر اللہ نے اپنی ہر صفت پر صفت حلم و تحمل اور صفت رحمت کو غالب نہ کر رکھا ہوتا تو اس گستاخی پر زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی، آسمان پھٹ پڑتے اور پہاڑ ریت کے ذروں کی طرح بکھر جاتے۔ یہ تو اللہ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت ہے کہ آج تک وہ اللہ کے غضب سے بچے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ کا غضب بھڑک اٹھتا تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی۔ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا، بیٹی یا بیوی بنائے۔ سب اس کے بندے اور غلام ہیں۔ قیامت میں ہر ایک کو اس کا بندہ بن کر اس کے سامنے پیش ہونا ہے وہ سب کا پروردگار، خالق و مالک ہے اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس نے انسان کے ایک ایک لمحے کا حساب محفوظ کر رکھا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ اس کی قدرت و طاقت اور علم سے باہر ہے۔ گستاخیاں کرنے والے ہوں یا اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنے والے اس نے سب کو شمار کر رکھا ہے۔

فرمایا کہ ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنی حاجتوں کے لئے اپنے ہزاروں معبود بنا رکھے ہیں اور اس گستاخی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا یا بیٹی بنا رکھا ہے ان کا انجام تو بہت برا ہے۔ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو وہ اللہ کے غصہ اور غضب کا شکار ہو کر رہیں گے۔ لیکن ان کے برخلاف وہ لوگ جنہوں نے ایمان، عمل صالح اور تقویٰ کی زندگی اختیار کر رکھی ہے اللہ ان کے درمیان ایسی محبت و الفت پیدا کر دے گا کہ فرشتے بھی ان سے محبت کرنے لگیں گے اور اللہ اپنی قدرت سے تمام لوگوں کے

دلوں میں ان کی محبت پیدا کردے گا۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ اے نبی ﷺ! ہم نے اس قرآن حکیم کو آپ کی زبان میں نازل کیا اور اس کو اس قدر آسان بنادیا کہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنا، ایمان، عمل صالح اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا نہایت سہل ہے۔ جو لوگ ایسی زندگی اختیار کریں گے ان کا انجام بھی بہتر ہے اور ان کے لئے جنت کی ابدی نعمتوں کی خوش خبریاں ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اتنی آسان، سہل اور سادہ تعلیمات کے باوجود کفر وشرک میں مبتلا اور غلط عقیدوں کی ہٹ دھرمی اور گندگیوں میں ملوث ہوں گے جن کا مزاج ہی جھگڑالو اور فسادی ہے ان کا بہت برا انجام ہوگا۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ اہل تقویٰ کو خوش خبریاں اور باطل پرستوں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے بتادیجئے کہ تمہیں گزشتہ قوموں کے واقعات کو یاد رکھنا چاہئے جنہوں نے دین کا اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑایا۔ اسلام کی سچی تعلیمات کی پرواہ نہیں کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زبردست ترقیات اور قوت وطاقت کے باوجود ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کو تہس نہس کردیا گیا۔ دنیا کی چیزیں ان کے قطعاً کام نہ آسکیں اور آخر کار اپنے ہر عمل کی سزا پا کر اس طرح دنیا میں تباہ و برباد ہو کر رہے کہ آج ان کی آہٹ بھی سنائی نہیں دیتی۔ ایسی قوموں کے کھنڈرات اور ویران بستیاں نشان عبرت بن چکی ہیں۔ اللہ اپنے طریقوں کو اور سنت کو تبدیل نہیں کرتا۔ اگر موجودہ نسل نے بھی وہی کیا جو گذشتہ قوموں نے کیا تھا تو ان کا انجام بھی گزشتہ قوموں سے مختلف نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمارا انجام نیک اور پرہیز گار لوگوں کے ساتھ فرمائے اور ہمیں برے انجام سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

الحمد اللہ سورۂ مریم کی آیات کا ترجمہ اور تشریح مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ١٦

قال الم

سورۃ نمبر ٢٠

طٰہٰ

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۂ طٰہٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ نمبر	20
کل رکوع	8
آیات	135
الفاظ وکلمات	1251
حروف	5466
مقام نزول	مکہ مکرمہ

نبی کریم ﷺ دن رات اللہ کا دین پہنچانے کی جدوجہد فرماتے اور آپ ﷺ کی یہ دلی تمنا تھی کہ ہر شخص دین اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ اس کے لیے آپ اتنی مشقت برداشت فرماتے جس کا تصور ممکن نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''اے نبی ﷺ آپ تو اس غم میں اپنی جان گھلا ڈالیں گے کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے؟'' آپ ﷺ جدوجہد کے ساتھ ساتھ دعا بھی فرماتے تھے۔

ایک دن آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی: الٰہی! ابوالحکم بن ہاشم (ابوجہل) اور عمر بن خطابؓ میں سے کسی ایک کو اسلام کا حامی بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور حضرت عمر ابن خطابؓ دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔

> سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ کے نزول کا زمانہ قریب قریب ہی لگتا ہے سورۂ طٰہٰ ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے ہی نازل ہوئی تھی یا ہجرت حبشہ کے وقت۔ بہرحال حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام سے پہلے ہی یہ سورت نازل ہو چکی تھی جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہے۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے اسباب یہ پیدا ہوئے کہ کفار مکہ جب ہر طرح کے لالچ اور دھمکیوں سے نبی کریم ﷺ کو راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوئے تو ایک دن اس مشورہ پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کو قتل کر دیا جائے لیکن یہ کون کرے گا۔ اس کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

حضرت عمرؓ جو نہایت بہادر اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے، کہنے لگے کہ یہ کام میں کروں گا۔ اسی وقت اٹھے اور ننگی تلوار گلے میں لٹکائے نہایت جوش اور غصہ سے حضور ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک شخص نے پوچھا کہ عمر کہاں کے ارادے ہیں؟ کہنے لگے کہ میں محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمہارے بہنوئی اور چچا زاد بھائی سعید بن زید اور تمہاری بہن فاطمہ بنت خطاب نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ خبر حضرت عمرؓ پر بجلی بن کر گری۔ وہ فوراً اپنی بہن کے گھر کی طرف پلٹ گئے اس وقت حضرت خباب بن الارتؓ قرآن کریم کی سورت طٰہٰ جو کسی چیز پر لکھی ہوئی تھی حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو پڑھا رہے تھے۔

قرآن کریم کے نازل کیے جانے کا ایک مقصد یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو اور ان کے دل نرم ہوں تو اس قرآن کے روحانی فیوض اور برکات سے محروم نہ رہیں گے لیکن جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور ہر طرح کی نعمتوں سے وہ پہلو بچاتے، کتراتے گریزاں رہتے ہیں وہ قرآن کریم کی تعلیمات اور سعادت سے محروم ہی رہیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

جب حضرت عمرؓ دروازے پر پہنچے تو ان کو کلام پاک کی آواز سنائی دی حضرت عمرؓ نے جیسے ہی اندر داخل ہونے کے لیے آواز دی جس میں غصہ جھلک رہا تھا تو حضرت خبابؓ گھر کے کسی کونے میں چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی نہایت غصے اور خفگی کے ساتھ اپنے بہنوئی سے پوچھا کہ کیا میں نے صحیح سنا ہے کہ تم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ انہوں نے صاف صاف بتادیا کہ ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قبول کرلیا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ کا غصہ اتنا شدید ہوگیا کہ انہوں نے اپنے چچازاد بھائی اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو مارنا شروع کردیا۔ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب نے اپنے شوہر کی حمایت میں ان کو بچانے کی کوشش کی تو حضرت فاطمہؓ بھی زخمی ہوگئیں اور ان کے بدن سے خون رسنے لگا۔ بہن کا خون دیکھ کر حضرت عمرؓ مارنے سے رک گئے اور حیران ہو کر کہا کہ فاطمہ مجھے دکھاؤ وہ کونسا کلام ہے جس نے تمہارے دل کو موم بنادیا اور تم ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرنے کے لیے تیار ہو۔ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب نے کہا کہ بھائی اس قرآن کے صفحے کو ہاتھ لگانے کے لیے پاک ہونا ضروری ہے۔ آپ پہلے غسل کر لیجیے۔

حضرت عمرؓ غسل کرنے چلے گئے تو حضرت خباب بن الارتؓ بھی باہر نکل آئے جب وہ غسل کر کے واپس آ گئے تو ان کو سورۂ طٰہٰ کی آیات دی گئیں جنہیں حضرت عمر فاروقؓ نے غور سے پڑھا اور اس سچے کلام پر ایمان لانے کا ارادہ کیا حضرت خباب ابن الارتؓ حضرت عمرؓ کو اسی حالت میں نبی کریم ﷺ کے پاس اس مقام پر لے گئے۔ جہاں آپ عبادت و بندگی میں مشغول تھے۔

حضرت عمرؓ کو آتا دیکھ کر صحابہ کرامؓ گھبرا گئے مگر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عمر کو آنے دو اگر آج اس نے اسلام قبول نہ کیا تو اس کی تلوار سے اس کی گردن اتار دی جائے گی لیکن یہاں تو رنگ ہی بدل چکا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے آتے ہی اسلام لانے کا ارادہ ظاہر فرمایا جس سے نبی کریم ﷺ خوش ہوگئے اور اس وقت موجود مسلمانوں نے اس قدر زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ پورے مکے میں ان کی آواز گونج اٹھی۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ جب یہ سچا دین ہے تو ہم چھپ کر عبادت کیوں کریں؟ ہم کیوں نہ بیت اللہ میں جا کر نماز ادا کریں۔ آپ نے اجازت دے دی اور اس طرح حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر پہلی نماز بیت اللہ میں جا کر ادا کی حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں میں جوش و جذبہ اور بھی بڑھ گیا اور کفار مکہ کے گھروں میں کہرام مچ گیا اور صف ماتم بچھ گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ ہم نے اس قرآن کو اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ اور آپ کے ماننے والوں کو کسی مشقت، مصیبت اور مشکل میں ڈال دیں اور نہ آپ اس کے ذمہ دار ہیں کہ جو لوگ ایمان لانے سے کترا رہے ہیں اور بے دینی پر جمے بیٹھے ہیں ان کو زبردستی اسلام میں داخل کر دیں۔ بلکہ آپ اللہ کا دین پہنچاتے رہیے جن کے نصیب میں دین اسلام کی سعادت ہے وہ ضرور اسلام قبول کر لیں گے۔

اس میں جلدی یا بے صبری کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جس کے دل میں خوف الٰہی ہوگا وہ اس راہِ حق سے محروم نہ رہے گا۔

سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ کے واقعہ کو ایک مرتبہ پھر ایک نئے انداز سے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اہل ایمان کو اس بات پر تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بغیر ظاہری اسباب کے اتنے زبردست اور طاقتور شخص فرعون اور اس کے اقتدار سے ٹکرا گئے۔ فرعون کی ساری سازشوں اور کوششوں کے باوجود جس طرح اللہ نے بنی اسرائیل کو عزت اور سربلندی سے نوازا تھا۔

اسی طرح اگر ایمان والوں نے صبر و تحمل اور برداشت سے کام لیتے ہوئے اللہ کے دین کو نہایت فہم و فراست کے ساتھ کفار اور مشرکین تک پہنچایا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں یا مسلمان کامیاب نہ ہوں۔

حضرت آدمؑ کے واقعہ کو بیان کر کے اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ سے ایک غلطی ہوئی مگر جب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں معافی مانگی اور ندامت کا اظہار کیا۔ تب اللہ نے ان کو معاف کر دیا کیونکہ اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے اور وہ گناہوں کو معاف کر دینے والا ہے۔

فرمایا جا رہا ہے کہ آج کفار مکہ اگر اپنے گناہوں اور غیر اللہ کی پرستش سے توبہ کر کے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت قبول کر لیں تو نہ صرف اللہ ان کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا بلکہ ان کو دین و دنیا کی تمام بھلائیاں عطا فرمائے گا۔

اس سورۃ میں نبی کریم ﷺ اور ان کے جانثار صحابہؓ کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے دین کو پہنچانے کی امکانی جدوجہد کرتے رہیں لیکن اس میں کسی جلدی یا بے صبری کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ مجرموں کو فوراً ہی سزا نہیں دیتا بلکہ وہ گناہ گاروں کو سنبھلنے اور سمجھنے کا موقع عنایت فرماتا رہتا ہے اگر ان منکرین نے پھر بھی اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور اپنے کفر و شرک ضد اور ہٹ دھرمی پر جمے بیٹھے رہے تو اللہ کی قدرت و طاقت یہ ہے کہ وہ ان کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے گا اور اہل ایمان کو سربلند فرما دے گا۔

سُوْرَةُ طٰهٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ۞ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۞ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۞ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۞ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۞ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۞

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۸

طا۔ ھا۔ (حروف مقطعات معنی کا علم اللہ کو ہے) (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں یہ تو ہر اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو اللہ کا خوف رکھتا ہے یہ (قرآن) اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین اور بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا ہے وہ رحمٰن جو عرش پر قائم ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان اور گیلی مٹی کے نیچے جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی ملکیت ہے اگر تم اپنی بات کو پکار کر کہو تو (یاد رکھو) وہ اللہ تو چپکے سے کہی ہوئی اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ بات کو جانتا (اور سنتا) ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے سارے بہترین نام اسی کے لئے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۸

تَشْقٰی	تو مشقت اٹھاتا ہے۔
تَذْكِرَةٌ	دھیان اور توجہ دینے کی چیز۔
يَخْشٰى	وہ ڈرتا ہے۔
اَلْعُلٰى	بلند وبالا۔
اِسْتَوٰى	وہ برابر ہوا۔ قائم ہوا۔
اَلثَّرٰى	گیلی مٹی۔
اَلسِّرُّ	بھید۔ دل میں چھپی بات۔
اَخْفٰى	بہت زیادہ پوشیدہ۔ چھپا ہوا۔
اَسْمَاءُ الْحُسْنٰى	بہترین نام۔

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۸

اس سورت کو بھی ''حروف مقطعات'' سے شروع کیا گیا ہے۔ جن حروف کے معنی کا علم اور اس کا بھید اللہ کو معلوم ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل کیا ہے تا کہ اس کے وہ بندے جو محتاط، خوف الٰہی سے سرشار اور زندگی کے ہر معاملے میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں ان کو صحیح راستہ دکھایا جا سکے اور وہ اپنی حقیقی منزل تک پہنچ سکیں۔ یہ اس اللہ کا کلام ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور اسے انتہائی نظم وضبط سے اپنی مصلحت کے مطابق چلا رہا ہے۔ اس نے یہ زمین جس پر انسان چلتا پھرتا، رہتا بستا اور ہر طرح کے بے انتہا فائدے حاصل کرتا ہے اور وہ بلند وبالا آسمان جو ایک سائبان کی طرح تان دیا گیا ہے اس کی قدرت کے نمونے ہیں وہ کائنات کو پیدا کر کے خاموش یا لاتعلق ہو کر نہیں بیٹھ گیا بلکہ وہ اپنی شان کے مطابق عرش پر موجود ہے اور جس طرح چاہتا ہے نظام کائنات کو چلا رہا ہے جو کچھ آسمانوں زمین بلکہ تحت الثریٰ تک میں موجود ہے وہ ذرہ ذرہ کا مالک ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے نہ وہ کسی کی شرکت کا محتاج ہے وہ کھلی چھپی

اور راز کی تمام باتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ ہر ایک کی سنتا ہے۔ اللہ کو زور سے پکارا جائے یا آہستہ سے وہ انسانی جذبات اور خیالات کا پوری طرح علم رکھتا ہے۔ وہ ہر راز اور بھید کو جاننے والا معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے۔ فرمایا کہ اے نبیؐ! اللہ نے جس کائنات کو پیدا کر کے اس ہدایت کے لئے اپنی کتاب قرآن کریم کو نازل کیا ہے آپ اس قرآن کریم کی تعلیمات کو ساری دنیا میں پہنچانے کی جدو جہد کیجئے اور اپنی جدو جہد اور کوشش میں کمی نہ کیجئے ہم نے یہ قرآن ہدایت کے لئے نازل کیا ہے آپ کو کسی مشقت یا مصیبت میں ڈالنے کے لئے نازل نہیں کیا ہے۔ یہ قرآن انسانی ذہنوں کی تسکین اور سکون کے لئے بھیجا گیا ہے۔ یہ ایک روشنی ہے جو آہستہ آہستہ پھیل کر رہے گی اور وہ لوگ جو اس قرآن کے ذریعے اپنے دلوں میں خوف الٰہی کی قندیلیں روشن کر لیں گے۔ ان کو زندگی کا سچا راستہ ضرور نصیب ہو جائے گا۔

ارشاد ہے کہ انسان اپنے مالک اور اس کی مہربانیوں کو پہچان لے کیونکہ آسمان سے لیکر زمین اور اس کی تہہ تک کی ساری چیزیں اس کی ہیں وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کی ہستی اس لائق ہے کہ اس کے سامنے جھکا جائے اس کی عبادت اور بندگی کی جائے۔ اس کائنات میں سب سے بہتر اور لائق تعظیم اس کے نام ہیں، اس کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں ہے جس کو ایسے حسین اور خوبصورت نام نصیب ہوں۔

وَهَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ مُوسٰى ۝٩ إِذْ رَأٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝١٠ فَلَمَّا أَتٰهَا نُودِيَ يٰمُوسٰى ۝١١ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٢ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى ۝١٣ إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ۝١٤ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۝١٥ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرْدٰى ۝١٦

وقف لازم

ترجمہ: آیت نمبر ۹ تا ۱۶

اور کیا آپ کے پاس موسیٰ کی بات پہنچی ہے۔ جب انہوں نے ایک آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا۔ ذرا ٹھہرو۔ بے شک میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید میں تمہارے پاس اس سے ایک انگارہ لے آؤں یا آگ پر پہنچ کر راستے (کا پتہ) معلوم کر لوں۔ پھر جب (موسیٰ علیہ السلام) وہاں پہنچے تو آواز آئی اے موسیٰ بے شک میں تمہارا رب ہوں۔ اپنے جوتے اتار لو کیونکہ تم پاک اور مقدس مقام طویٰ پر ہو۔ میں نے تمہیں چن لیا ہے۔ جو بھی وحی کی جائے اس کو غور سے سنو بے شک میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی بندگی کرو۔ اور میری بندگی کے لئے نماز قائم کرو بے شک قیامت آنے والی ہے میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ مل جائے۔ جو شخص اس (دن) پر یقین نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے لگا ہوا ہے وہ تمہیں اس سے نہ روک دے۔ پھر تم ہلاکت میں پڑ جاؤ۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹ تا ۱۶

حَدِيْثٌ — بات چیت۔ خبر۔

اَهْلٌ — گھر والے۔ بیوی۔

اُمْكُثُوْا — تم ٹھہر جاؤ۔ رک جاؤ۔

اٰنَسْتُ — میں نے دیکھا ہے۔

لَعَلِّیْ — شاید کہ میں۔

قَبَسٌ — سلگتی لکڑی۔ انگارہ۔

نُوْدِیَ — آواز دی گئی۔

اِخْلَعْ — اتار دے۔

نَعْلَيْكَ (نَعْلَيْنِ) — دونوں جوتے۔

اَلْوَادُ	میدان۔
اَلْمُقَدَّسُ	پاک صاف۔مقدس۔
طُوًی	میدان۔
اِخْتَرْتُکَ	میں نے تجھے چن لیا۔پسند کرلیا۔
اِسْتَمِعْ	غور سے سنو۔
اَلسَّاعَةُ	گھڑی۔قیامت۔
اَکَادُ	میں قریب ہوا۔
اُخْفِیْ	میں چھپا کر رکھوں۔
تَسْعٰی	دوڑتا ہے۔
لَا تَصُدَّنَّ	نہ روک دے۔
تَرْدٰی	ہلاک ہوجائے۔

تشریح: آیت نمبر ٩ تا ١٦

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کو مار ڈالنے کے الزام اور فرعون کے ظلم وستم اور بے انصافی کے خوف سے مصر سے مدین تشریف لے گئے تھے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوگیا۔ حضرت شعیبؑ کی شرط کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام چند سال مدین میں رہ کر اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر کے لئے روانہ ہوگئے۔

ان آیات میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک اندھیری رات تھی۔ سردی شباب پر تھی، بکریوں کا گلہ ساتھ میں تھا اس حالت میں راستہ بھول گئے۔ بکریاں ادھر ادھر ہوگئیں، اور ان کی اہلیہ کو زچگی کا درد شروع ہوگیا۔ اندھیرے کی وجہ سے سخت پریشانی تھی جسم کو تاپنے اور سینکنے کے لئے آگ بھی موجود نہ تھی۔ اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دور ایک آگ نظر آئی۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو، میں جا کر آگ کا ایک انگارہ یا شعلہ لے کر آجاتا ہوں۔ ممکن ہے کوئی ایسا شخص بھی مل جائے جس سے راستہ کا پتہ معلوم کرلوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب میدان میں پہنچے تو دیکھا ایک درخت سے آگ کے شعلے بھڑک رہے

ہیں۔انہوں نے ایک عجیب بات دیکھی کہ آگ جتنی زور سے بھڑکتی ہے وہ آگ والا درخت اتنا ہی خوبصورت اور سرسبز وشاداب ہوجاتا ہے۔وہ درخت سے قریب ہوتے گئے تاکہ اگر کوئی شاخ جل کر گرے تو اس کو اٹھالیں۔لیکن وہ آگ سے جتنا قریب ہوتے ،آگ دور ہوتی جاتی پیچھے ہٹتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ آگ ان کا پیچھا کررہی ہے۔حضرت موسی اس آگ سے ایک نامعلوم ساخوف محسوس کرنے لگے۔اچانک اس درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسی یہ میں ہوں تیرا پروردگار۔امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ جب انہوں نے یا موسی!سنا تو کئی مرتبہ چاروں طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے''لبیک'' کہا اور عرض کیا،میں آپ کی آواز تو سن رہا ہوں مجھے کچھ آہٹ سی محسوس ہورہی ہے۔مگر آپ کہاں ہیں؟ مجھے آپ نظر نہیں آرہے ہیں۔آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں،تیرے ساتھ ہوں،تیرے سامنے ہوں،تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ قریب ہوں۔کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت موسی علیہ السلام روئیں روئیں سے اللہ کا کلام سن کر ایک عجیب لذت اور کیف محسوس کررہے تھے۔(معارف القرآن) جب حضرت موسی علیہ السلام اس آگ سے قریب ہوئے تو درخت سے آواز آئی۔اے موسیٰؑ! یہ آگ نہیں ہے، بلکہ میں تمہارا پروردگار ہوں،اس وقت ایک پاکیزہ اور مقدس وادی طوی میں کھڑے ہو،اس مقام کے تقدس کا تقاضا ہے کہ اپنے دونوں جوتے اتاردو،میں نے تمہیں اپنا رسول منتخب کیا ہے۔اس لئے جو کچھ کہا جائے اس کو سنو اور اس کے مطابق عمل کرو،فرمایا (1) بے شک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت وبندگی کے لائق نہیں ہے۔(2) میری عبادت وبندگی کرو۔(3) نماز قائم کرو کیونکہ مجھے یاد کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہی ہے۔(4) یہ دنیا مستقل رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ ایک دن فنا ہوجانے والی ہے۔پھر وہ وقت آنے والا ہے جب دنیا ختم ہوجائے گی اور قیامت آجائے گی۔ (5) ہم نے قیامت کے دن کو اس لئے پوشیدہ رکھا ہے تاکہ ہر شخص اس کے انتظار میں حسن عمل کرتا رہے۔(6) قیامت کا واقع ہونا ایک ایسا اٹل فیصلہ ہے جس میں شک وشبہ تک کی گنجائش نہیں ہے لیکن لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس دن کو بھولے ہوئے ہیں جو بہت جلد آنے والا ہے۔(7) آپ ان لوگوں کی پروانہ کیجئے جو اس پر یقین نہیں رکھتے وہ اپنی بربادی کا خود سامان کررہے ہیں۔(8) آپ اس ہلاکت میں نہ پڑیں۔

اس کے بعد کی آیات میں حضرت موسی علیہ السلام کا بقیہ واقعہ اور اس کی تفصیلات آرہی ہیں جو آیات آپ نے اس وقت پڑھی ہیں اور اس کی تشریح ملاحظہ کی ہے ان میں چند باتیں ایسی ہیں جن کی تفصیل عرض کی جارہی ہے۔

(1) حضرت موسی علیہ السلام نے جان بوجھ کر قبطی شخص کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ وہ ایک اسرائیلی کو بچانے کے لئے آگے بڑھے تھے اور اچانک ایک مکے کی چوٹ سے اس قبطی کی موت واقع ہوگئی تھی جس پر خود حضرت موسی علیہ السلام کو بھی افسوس ہوا۔ جب حضرت موسیٰؑ کو کسی نے بتایا کہ قبطی کے قتل کے الزام میں فرعون ان کو ناحق سزا دینا چاہتا ہے تو وہ خاموشی اور احتیاط کے ساتھ مصر سے مدین کی طرف ہجرت کر گئے تاکہ فرعون کے ظلم سے اپنے آپ کو بچاسکیں۔کیونکہ فرعون ایک جابر وظالم شخص تھا جس سے کسی انصاف کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔لہٰذا حضرت موسیٰؑ بشری تقاضے کے تحت اپنی جان کی حفاظت کے لئے مدین کی طرف روانہ

ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جان بچانا اور بے انصافی کے ماحول میں خوف محسوس کرنا شان نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے ظلم وستم اور بے انصافی کو دیکھتے ہوئے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور تین دن اور تین راتوں تک آپ نے غار ثور میں چھپ کر پناہ لی۔

(۲) اپنے گھر والوں کی حفاظت اور ان کے لئے اتنے سامان زیست کی فکر کرنا ہر شخص کی ذمہ داری ہے تا کہ وہ زندگی کی کڑی دھوپ میں اپنے آپ کو محفوظ تصور کر سکے۔

(۳) اللہ ہر جگہ موجود ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جس آگ کو دیکھ رہے تھے وہ درحقیقت دنیاوی آگ نہ تھی بلکہ اللہ کا نور جمال وجلال، تجلی الٰہی یا حجاب نوری تھا جس کو حضرت موسیٰؑ آگ سمجھ بیٹھے تھے۔

(۴) جس طرح اللہ نے زمین کے بعض حصوں اور عمارتوں کو ایک خاص اعزاز واکرام اور شرف وامتیاز بخشا ہے جیسے بیت اللہ شریف، مسجد نبوی شریف اور مسجد اقصیٰ کو اسی طرح کوہ طور کے دامن میں ایک مقدس ''وادی طویٰ'' ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کو شرف نبوت سے نوازا گیا۔ وہ بھی ایک مقدس ومحترم مقام ہے۔

(۵) ایک طرف تو قرآن کریم کی اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وادی طویٰ ایک مقدس وادی ہے جس کا احترام یہ سکھایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے جوتے اتار دیں لہٰذا ہر مقدس ومحترم مقام پر جوتے اتار دینا چاہئے۔ اس لئے یہودی اپنی عبادت کے وقت اپنے عبادت خانے میں جوتے اتار کر عبادت کرتے ہیں۔ دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ یہود کی مخالفت کرنے کے لئے جوتے پہن کر بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے (اس کی مزید تفصیل معارف القرآن ج 5 ص 70 پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے) اس سلسلہ میں اتنی بات عرض ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا اگر یہود کی مخالفت کے لئے ہو تو جائز ہے لیکن اس کو ایک اصول کے طور پر نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اس سے بہت سے اسلامی اصولوں کی نفی ہو جائے گی۔ مثلاً جوتے وہ ہوتے ہیں جو گندگی سے گزرتے ہیں جب کہ پاکی اور ستھرائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے اور عبادت گاہوں میں اس اصول کی پابندی زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا اگر میں وادی طویٰ میں جاؤں گا تو ضرور جوتے اتار دوں گا تا کہ اللہ کے حکم کی تعمیل ہو جائے لیکن بیت اللہ اور مسجد نبوی میں جاتے وقت میں کبھی جوتے نہیں پہنوں گا کیونکہ اس سے بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کا احترام ممکن نہیں ہے۔ جس طرح چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے لیکن یہ کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ ہر شخص جب تک چار شادیاں نہیں کرے گا تو نعوذ باللہ وہ مسلمان ہی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک ضرورت ہے اگر کوئی شخص عدل وانصاف کرسکتا ہے تو اس کے لئے مزید شادیاں (شریعت کے مطابق) کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض موقعے ایسے ہوتے ہیں جہاں جوتوں کے اندر ہی نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے جیسے فوجی جب میدان جنگ میں ہوتا ہے وہاں جوتے اتارنے میں دشمن کے اچانک حملہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا یہاں جوتے پہن کر ہی نماز پڑھی جاسکے گی۔ لیکن ہر جگہ اس حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اس کو ایک اصول کے طور پر

کبھی نہیں لیا۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ آج قرآن کریم میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وادی مقدس میں جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا ہے تو ہم سب سے پہلے قرآن کریم کے اس اصول پر عمل کریں گے اور جہاں ضرورت ہوگی وہاں حدیث کے مطابق عمل کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(٦) اللہ کی عبادت و بندگی اور اس کی یاد کا اعلیٰ اور افضل ترین طریقہ نماز پڑھنا ہے۔ کیونکہ نماز دین کا ستون، دل کا سکون اور ایمان کا نور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اور آپ کی امت کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی طرح نمازوں کی ادائیگی اور اہتمام کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو دن بھر میں صبح و شام دو وقت کی نمازوں کا حکم تھا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر دن بھر میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں۔

(٧) قیامت کب آئے گی، اس کی کیفیات کیا ہوں گی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس کے سوا کسی کو بھی اس کا علم نہیں دیا گیا اس کے پوشیدہ رکھنے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی گئی تا کہ لوگ قیامت کے ہولناک دن کے خوف سے حسن عمل میں لگے رہیں اگر غور کیا جائے تو قیامت صغریٰ ہر انسان سے بہت قریب ہے کیونکہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو شروع ہوگئی کیونکہ اب وہ ایک لمبی سی نیند لے کر حشر کے دن اٹھے گا۔ لہٰذا قیامت انسان سے دور نہیں ہے لیکن وہ قیامت کبریٰ جس سے اس پورے نظام کائنات کو الٹ پلٹ دیا جائے گا وہ ایک ایسے مقرر وقت پر آئے گی جس کا علم کسی کو بھی نہیں دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیم وسلم نے قیامت کی کچھ نشانیاں بتائی ہیں جن کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیامت کبریٰ بھی اب انسان سے دور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اور وہ اپنی نفسانی خواہشات میں لگا رہتا ہے۔ فرمایا کہ ''اے نبیؐ! آپ اس شخص کو اہمیت نہ دیں کیونکہ وہ تو آپ کو روکنے اور ہلاکت میں ڈالنے کی کوششیں کرتا رہے گا۔''

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿١٧﴾

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى ﴿١٩﴾ فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ آيَةً أُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ﴿٢٤﴾

ع ١ ٢٤ ١٠

ترجمہ: آیت نمبر ١٧ تا ٢٤

(اللہ نے فرمایا) اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا وہ میری لاٹھی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں۔ اس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اس سے اور بھی بہت سارے کام لیتا ہوں۔ فرمایا کہ اس کو (نیچے) پھینک دو۔ انہوں نے اس کو پھینکا تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا فرمایا کہ اس کو پکڑ لو، مت ڈرو ہم اس کو پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔ اور اے موسیٰ اپنا ہاتھ بغل میں ڈالو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید چمکتا ہو نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی اس لئے ہے تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیاں دکھا سکیں اللہ نے فرمایا کہ اب تم (ہماری نشانیاں لے کر) فرعون کی طرف جاؤ اس لئے کہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ١٧ تا ٢٤

یَمِیْنٌ	داہنا ہاتھ۔
عَصَا	لاٹھی۔
اَتَوَکَّأُ	میں سہارا لیتا ہوں۔
اَھُشُّ	میں پتے جھاڑتا ہوں۔
مَاٰرِبُ (مَاْرِبَۃٌ)	نفع۔ فائدہ۔
حَیَّۃٌ	سانپ۔
نُعِیْدُ	ہم لوٹا دیں گے۔
سِیْرَۃُ الْاُوْلٰی	پہلی حالت۔
اُضْمُمْ	ملالے۔

جُنَاحٌ	بازو۔
بَيْضَاءُ	روشن۔سفید۔
غَيْرُ سُوْءٍ	بغیر کسی عیب اور تکلیف کے۔
طَغٰى	اس نے سرکشی کی۔

تشریح: آیت نمبر ١٧ تا ٢٤

گذشتہ آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ''وادی طویٰ'' کی مقدس وادی میں پہنچے اور انہوں نے ایک دھکتے ہوئے درخت کو دیکھا جو عجیب کیفیات کیساتھ روشن ہورہا تھا تو آواز آئی اے موسیٰ! یہ میں ہوں تمہارا رب، یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وجد کی جیسی کیفیت طاری ہوگئی کیونکہ انسان کا اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوگا کہ کائنات کا مالک خود انسان سے بات کررہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کردیتے کہ یہ لاٹھی ہے مگر انہوں نے جواب میں طوالت اختیار کرتے ہوئے عرض کیا یہ ایک لاٹھی ہے جس پر میں ٹیک لگالیتا ہوں، کبھی اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور میں اس سے اور بہت سے کام لیتا ہوں۔ فرمایا کہ اے موسیٰ اپنے عصا کو ذرا زمین پر تو پھینکئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی اپنا عصا پھینکا تو وہ ایک خوفناک اژدھا بن گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اتنے بڑے خوفناک اژدھے کو دیکھا وہ بشری تقاضے کے تحت سخت خوفزدہ ہوکر بھاگنے لگے۔ ندا آئی اے موسیٰ! آپ اس سے نہ ڈریئے۔ آپ جیسے ہی اس کو پکڑیں گے تو یہ پھر عصا بن جائے گا۔ اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی اس بڑے سانپ کو پکڑا تو وہ پھر سے عصا بن گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی تو بغیر کسی عیب اور بیماری کے ان کا ہاتھ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ''عصا اور ید بیضا'' یہ دونوں معجزات ہیں۔ ان کو لے کر آپ فرعون کی طرف جایئے۔ اس نے سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اس کو بتایئے کہ وہ اپنی نافرمانی کے ہر انداز سے باز آجائے۔ اس واقعہ کی بقیہ تفصیلات اگلی آیت میں آرہی ہیں۔

ان آیات میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس میں چند باتوں کی وضاحت یہ ہے۔

(١) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اہمیت کی چیز کو داہنے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ''ان اللہ یحب التیامن فی کل شیء حتی التنعل و الترجل'' بے شک اللہ کو ہر چیز میں داہنی جانبیں پسند ہیں یہاں تک کہ جوتا پہننا اور بالوں میں کنگھی کرنا۔ بتایا جارہا ہے کہ دنیا کی دوسری قومیں اپنے ہر کام میں بایاں ہاتھ استعمال کرتی ہیں۔ اہل ایمان اپنے ہر کام کی ابتداء داہنی جانبوں سے کیا کریں تا کہ یہ اہل ایمان کا ایک امتیازی وصف بن جائے کھانے، پینے، کپڑا پہننے، کسی کو کچھ دینے لینے میں ہمیشہ داہنی جانبوں کو اختیار کریں۔

(٢) دوسری بات یہ ہے کہ ہاتھ میں عصا رکھنا انبیاء کرام علیہ السلام کی سنت ہے۔

(٣) اس کائنات میں فاعل حقیقی اللہ ہے۔ اس کی قدرت ہے کہ وہ لکڑی کو اژدھا اور اژدھے کو لکڑی بنادے۔ ایک مؤمن کو ہر آن اللہ کی اس قدرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ سے ہی مانگنا چاہئے کیونکہ اگر اللہ چاہے تو کائنات کی ہر چیز بدل سکتا ہے۔ بُرے حالات کو بہتر بنا دینا بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ

وقف لازم

اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِىْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۵ تا ۴۶

موسیٰ نے کہا اے میرے رب میرا سینہ کھول دیجئے اور میرے کام کو میرے لئے سہل اور آسان بنا دیجئے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تا کہ وہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔ اور میرے لئے میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنا دیجئے۔ اس کے ذریعے میرے ہاتھ مضبوط کر دیجئے۔ اور اس کو میرے کام میں شریک کر دیجئے تا کہ ہم آپ کی کثرت سے تسبیح کریں۔ اور آپ کو کثرت سے یاد کریں۔ بیشک آپ تو ہمیں خوب دیکھتے (نگرانی کرتے) ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ آپ نے جو کچھ مانگا وہ ہم نے عطا کر دیا۔ ہم نے تمہارے اوپر ایک اور احسان کیا ہے۔ وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہاری والدہ کو الہام کیا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر اس کو دریا میں چھوڑ دو پھر دریا اس کو ساحل پر لا ڈالے گا۔ اور اس کو میرا اور تمہارا دشمن اٹھا لے گا۔ اور میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ وہ وقت یاد کرو جب تمہاری بہن چلتی ہوئی آئی اور انہوں نے (فرعون کے گھر والوں سے) کہا کیا میں تمہیں ایسے گھر والے نہ بتا دوں جو اس کی اچھی طرح پرورش کر سکتے ہیں۔ پھر ہم نے

تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ اداس نہ ہو (یاد کرو جب تم نے) ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ پھر ہم نے تمہیں اس غم سے نجات عطا کی اور تمہیں مختلف آزمائشوں میں سے گذارا۔ پھر تم کئی سال مدین والوں کے ساتھ ٹھہرے رہے پھر اے موسیٰ خاص وقت مقررہ پر آئے ہو۔ ہم نے تمہیں اپنے لئے خاص کر لیا ہے۔ تم اور تمہارا بھائی دونوں ہماری نشانیوں کیساتھ بغیر کسی کوتاہی کے فرعون کی طرف جاؤ۔ کیونکہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ تم اس سے نرم بات کہنا۔ شاید وہ نصیحت مان جائے یا ڈر جائے۔ دونوں نے کہا۔ اے ہمارے رب ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کرے۔ اور حد سے نہ بڑھ جائے۔ اللہ نے فرمایا تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں میں سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ٢٥ تا ٤٦

يَسِّرْ	آسان کر دے۔
اَمْرِیْ	میرے کام۔
اُحْلُلْ	کھول دے۔
عُقْدَةً	گرہ۔
يَفْقَهُوْ	وہ سمجھ لیں۔
اُشْدُدْ	مضبوط کر دے۔
اَزْرِیْ	میری قوت۔
كَیْ	تا کہ۔
اُوْتِيْتَ	تجھے دیدیا گیا۔
سُؤْلٌ	مانگا۔ سوال کیا گیا۔

مَنَنَّا	ہم نے احسان کیا۔
اِقْذِ	ڈالدے۔
اَلْيَمُّ	دریا سمندر۔
عَدُّ	دشمن۔
اَلْقَيْتُ	میں نے ڈال دیا۔
لِتُصْنَعَ	تاکہ پرورش پائے۔
يَكْفُلُ	نگرانی کرتا ہے۔ پرورش کرتا ہے۔
رَجَعْنَا	ہم نے لوٹا دیا۔
كَيْ تَقَرَّ	تاکہ ٹھنڈی رہیں۔
قَدَرٌ	مقدار۔ مقرر۔ مدت۔
اِصْطَنَعْتُ	میں نے بنایا۔
لَيِّنًا	آسان۔ سہل بات۔
يَفْرُطُ	وہ زیادتی کرے گا۔
اَسْمَعُ	میں سنتا ہوں۔
اَرٰى	میں دیکھتا ہوں۔

تشریح: آیت نمبر ۲۵ تا ۴۶

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مقدس وادی ''وادی طویٰ'' میں جو نبوت کا منصب اور مقام عطا کیا تھا۔ انہوں نے اس موقع پر اللہ کی بارگاہ میں چند گذارشات پیش کیں۔ عرض کیا (1) الٰہی مجھے وحی کی شان وعظمت اور آپ کے

پیغام حق وصداقت کو پہنچانے کے لئے شرح صدر، عطا کردیجئے یعنی میرا سینہ اس طرح کھول دیجئے کہ اتنی بڑی ذمہ داری کو پہنچانے اور بیان کرنے میں سہولت ہوجائے۔ (2) درخواست یہ ہے کہ مجھے کوئی ایسا مددگار بھی دیدیجئے جو میرے خاندان سے ہو، موزوں ترین ہوتا کہ میرے اس مقصد اور کام میں سہولت حاصل ہوجائے۔ خود ہی عرض کردیا کہ اگر میرے (بڑے) بھائی ہارونؑ کو میرا مددگار اور معاون بنادیں تو ہم ایک جگہ آپ کی حمد وثنا اچھی طرح بیان کرسکیں گے۔ فرمایا کہ اے اللہ یہ تو میری عاجزانہ گذارشات ہیں۔ میں ان کی مصلحتوں تک سے واقف نہیں ہوں۔ آپ ہی ہر چیز کی مصلحت کو بہتر جانتے ہیں اور آپ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ان تمام درخواستوں میں ایک بات مشترک ہے اور وہ ہے انتہا درجہ کی عاجزی اور انکساری، اللہ تعالیٰ کو بندے کی یہی ادا سب سے زیادہ پسند ہے کہ وہ عظیم سے عظیم تر مقام پر پہنچنے کے باوجود اللہ کے سامنے تکبر اور غرور کے بجائے عاجزی اور انکساری سے کام لے۔ اس کے برخلاف بنی اسرائیل کے مزاج میں سختی، تکبر اور غرور اس طرح رچ بس گیا تھا کہ وہ عاجزی اور انکساری کے ہر انداز کو اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ پر یہ کرم اور مہربانی ان کی عاجزی وانکساری کی بناء پر کی گئی تھی اور اللہ نے ان کی ہر درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا تھا۔ فرمایا کہ اے موسیٰ ہم نے آپ کی صرف یہی درخواست قبول نہیں کی بلکہ شروع ہی سے آپ کے معاملہ میں کرم واحسان کا انداز اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یاد دلایا کہ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب آپ چھوٹے سے تھے اور فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کررہا تھا۔ مگر ہم نے آپ کی حفاظت کا یہ انتظام کیا تھا کہ آپ کی والدہ کے دل میں اس بات کو الہام کردیا تھا کہ وہ آپ کو ایک صندوق میں ڈال کر دریا کی موجوں کے حوالے کردیں۔ چنانچہ آپ کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور اس طرح ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کو اللہ کے اور آپ کے دشمن فرعون کی گود میں پرورش کرادیا۔ جب حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے ان کو ایک صندوق میں رکھ کر پانی میں بہادیا تو حضرت موسیٰؑ کی بہن یہ دیکھتی رہیں کہ صندوق پانی کی موجوں کے ساتھ کہاں جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو ایک خوبصورت بچہ سمجھ کر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے ان کو پانی سے نکال لیا اور کہا کہ اتنا خوبصورت اور پیارا بچہ ہے اس کو ہم اپنے محل میں پرورش کریں گے۔ یا بیٹا بنالیں گے بھوک کا وقت ہوا تو حضرت موسیٰؑ نے رونا شروع کردیا۔ ہر طرح ہر ایک نے دودھ پلانے کی کوشش کی مگر حضرت موسیٰؑ نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن جو اس تمام صورت حال کو دیکھ رہی تھیں انہوں نے کہا کہ ایک خاتون میری نظر میں بھی ہیں اگر آپ لوگ کہیں تو میں اس کو بلالاؤں۔ وہ بچے کے رونے سے پریشان تھے کہنے لگے کہ تم کسی بھی خاتون کو لے آؤ۔ چنانچہ وہ گئیں اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو بلا کر لے آئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کا دودھ پیا اور سب لوگ خوش ہوگئے۔ اس طرح اللہ نے نہ صرف حضرت موسیٰؑ کو ایک محفوظ جگہ پہنچادیا بلکہ ایک ماں کو بیٹے سے جدا نہ ہونے دیا اور اللہ نے اپنی قدرت

کاملہ کا اظہار فرماتے ہوئے بتایا کہ اللہ کی قدرت اور حکمت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ کام اسی طرح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ اللہ آپ کو اپنا رسول اور مقرب بنا کر آپ سے ہدایت کا کام لینا چاہتا تھا۔ حکم ہوا کہ تم دونوں بھائی عصا اور ید بیضا کا معجزہ لے کر فرعون کے دربار میں جاؤ اور اس کو سرکشی و نافرمانی سے باز رکھنے کی کوشش کرو اور اس مقصد میں ذرا بھی سستی سے کام نہ لینا۔ یہ بھی فرمادیا کہ فرعون سے ایسے نرم لب و لہجے میں گفتگو کرنا کہ وہ اللہ کی طرف پلٹ آئے اور اللہ کی عظمت کے سامنے اپنا سر جھکا دے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے عرض کیا! الٰہی: ہمیں اس بات کا ڈر اور خوف ہے کہ فرعون ہمارے ساتھ زیادتی نہ کرے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم دونوں فرعون کے دربار میں بلا خوف و خطر پہنچو۔ میں خود تمہاری حفاظت کا انتظام کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی باقی تفصیل اس کے بعد کی آیات میں ملاحظہ کیجئے۔

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰي ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰي ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰي ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰي ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰي ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ۡ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰي ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰي ﴿۵۴﴾ؑ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰي ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰي ﴿۵۶﴾

ع ۲ / ۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۴۷ تا ۵۶

اس کے (فرعون کے) پاس جاؤ۔ اور تم دونوں کہنا کہ ہم تیرے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ اور ان کو تکلیفیں نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ اس پر سلامتی ہو جو راہ ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ بلاشبہ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ ہر اس شخص کے لئے عذاب ہے جس نے (سچائیوں کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیرا۔ (فرعون نے) کہا اے موسیٰ تمہارا رب کون ہے۔ (موسیٰ نے) کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت شکل عطا کی اور اس کی رہنمائی کی۔ (فرعون نے) کہا کہ جو لوگ گذر چکے ہیں (ان کے بارے میں) کیا خیال ہے۔ (موسیٰ نے) کہا اس کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں محفوظ ہے۔ (میرا رب وہ ہے) جو نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ وہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے چلنے کے لئے راستے بنائے۔ جس نے بلندی سے پانی برسایا (اللہ نے فرمایا) پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کی مختلف شکلیں نکالی تاکہ تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ۔ بے شک ان میں عقل والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔ (ارشاد فرمایا کہ) ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا۔ اس میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے۔ اور اسی سے ہم تمہیں دوسری مرتبہ نکالیں گے۔ حالانکہ ہم نے اس کو (فرعون کو) ہر طرح کی نشانیاں دکھائیں مگر اس نے جھٹلایا اور ان کا انکار کیا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۷ تا ۵۶

اِئْتِيَا تم آؤ۔ تم اس کے پاس جاؤ۔

اَرْسِلْ بھیج دے۔

لَا تُعَذِّبْ تکلیفیں نہ دے۔

اِتَّبَعَ جس نے پیروی کی۔

اَعْطٰی عطا کیا۔ دیا۔

خَلَقَ	اس نے پیدا کیا۔
مَابَالُ	کیا حال ہے۔کیا معاملہ ہے۔
اَلْقُرُوْنُ (قَرْنٌ)	قومیں۔جماعتیں۔
لَایَضِلُّ	نہ وہ بھٹکتا ہے۔نہ وہ غلطی کرتا ہے۔
لَایَنْسٰی	وہ بھولتا نہیں۔
مَهْدٌ	راحت کی جگہ۔بچھونا۔
سَلَکَ	اس نے چلایا۔
سُبُلٌ (سَبِیْلٌ)	راستے۔
اَزْوَاجٌ (زَوْجٌ)	جوڑے جوڑے۔
نَبَاتٌ	سبزہ۔سبزی۔
شَتّٰی	مختلف۔متفرق۔
اِرْعَوْ	جانوروں کو چراؤ۔
اَنْعَامٌ	مویشی۔
اُولِی النُّھٰی (نُھْیَةٌ)	عقل وسمجھ والے۔
نُعِیْدُ	ہم لوٹائیں گے۔
نُخْرِجُ	ہم نکالیں گے۔
تَارَةً اُخْرٰی	دوسری مرتبہ۔
اَرَیْنَا	ہم نے دکھایا۔
اَبٰی	اس نے انکار کیا۔

تشریح: آیت نمبر ۴۷ تا ۵۶

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ سے فرمایا کہ تم دونوں فرعون کے ظلم وستم کی پرواہ کئے بغیر، بے خوف وخطر جا کر اس کے بھرے دربار میں اللہ کا پیغام پہنچا دو، فرعون کے ظلم اور زیادتی سے بچانا ہمارا کام ہے۔ فرمایا جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ چنانچہ ان دونوں نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر کہا کہ ہم دونوں کو اللہ نے وحی کے ذریعہ پیغام دیا ہے کہ بنی اسرائیل پر ظلم اور زیادتی سے رک جاؤ اور بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔ اللہ نے ہمیں عصا اور ید بیضا کا معجزہ بھی دیا ہے ہم ان نشانیوں کو لے کر آئے ہیں۔ سلامتی کا حق دار وہی ہے جو ہدایت کے راستے پر چلتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ جس نے حق وصداقت کی باتوں کو جھٹلایا اور ان سے منہ پھیرا اس کے لئے سخت عذاب ہے۔ فرعون نے یہ سب کچھ سننے کے بعد کہا کہ میرے سوا تمہارا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کو ایک خاص صورت شکل عطا فرمائی اور پھر اس کی رہنمائی کے اسباب بھی پیدا کئے۔ یعنی وہ ایسا پروردگار نہیں ہے کہ اس نے ہر چیز کو پیدا تو کر دیا ہو مگر وہ اس کو پروان چڑھانے اور پرورش کرنے سے غافل ہو بلکہ وہ ایسا پروردگار ہے کہ جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی پوری پوری رہنمائی بھی فرمائی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے اس جواب سے فرعون لا جواب ہو گیا گفتگو کا پہلو بدلتے ہوئے کہنے لگا کہ اے موسیٰؑ! یہ تو بتاؤ کہ جو لوگ گزر چکے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا؟ فرعون کے کہنے کا مقصد لوگوں میں اشتعال اور غلط فہمی پیدا کرنا تھا مگر حضرت موسیٰؑ نے نہایت سادہ اور پروقار انداز میں جواب دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اس کے پاس ہر بات اور ہر چیز لکھی ہوئی اور محفوظ ہے۔ فرمایا کہ میرا رب تو وہ ہے جو نہ تو کسی قسم کی غلطی کرتا ہے نہ وہ کسی چیز کو بھولتا ہے۔ میرا رب وہ ہے جس نے تمہارے چلنے کے لئے راستے بنائے۔ بلندی سے پانی اتار کر اس سے مختلف قسم کے نباتات سبزہ، سبزی اور پھل پیدا کئے تا کہ تم ان کو استعمال کرو اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ۔ یہ سب کی سب اللہ کی وہ نشانیاں ہیں جن میں اگر ذرا بھی غور وفکر سے کام لیا جائے تو پروردگار کو پہچاننا مشکل نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ میرے رب نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس میں ان کو لوٹا دیا جائے گا اور پھر وہ ان کو اس جگہ سے دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں لا کھڑا کرے گا۔ حضرت موسیٰؑ کی ان تمام باتوں کو سن کر فرعون اپنے انکار اور کفر پر جما رہا اور اس نے ان کھلے ہوئے حقائق کو ماننے سے انکار کر دیا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا
بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ
مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ

يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۷ تا ۶۴

(فرعون نے) کہا اے موسیٰ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے ذریعے ہمیں ہماری سرزمین سے نکالدو۔ ہم تمہارے مقابلے کے لئے اسی جیسا جادو لے کر آئیں گے۔ تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک وقت مقرر کرلو جس کے خلاف نہ ہم کریں گے نہ تم کرو گے۔ وہ ایک ہموار میدان ہوگا (موسیٰ نے) کہا تمہارے وعدے کا دن میلے کا دن ہے۔ اس دن سب لوگ جمع ہو جائیں۔ فرعون لوٹ گیا۔ پھر اس نے اپنا داؤ (جادو کا سامان) جمع کیا اور پھر آیا۔ ان سے موسیٰ نے کہا بدنصیبو! اللہ پر جھوٹ نہ گھڑو۔ ورنہ وہ تمہیں کسی آفت میں بتلا کردے گا۔ کیونکہ جس نے جھوٹ باندھا وہ نامراد ہوکر رہا۔ پھر وہ اپنے (آپس کے) معاملہ میں جھگڑنے لگے اور انہوں نے چھپ کر مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون جادوگر ہیں) جو چاہتے ہیں کہ تمہیں اپنے جادو کے زور پر ملک سے باہر نکال دیں۔ اور تمہاری مثالی زندگی کا خاتمہ کردیں۔ لہٰذا تم اپنے داؤں اکٹھے کرلو اور صف بنا کر میدان میں آجاؤ۔ یقیناً وہی کامیاب اور بامراد ہوگا جو آج کے دن غالب رہے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۷ تا ۶۴

اَجِئْتَنَا کیا تو ہمارے پاس آیا۔

اِجْعَلْ بنادے۔

لَا نُخْلِفُهٗ ہم اس کے خلاف نہ کریں گے۔

مَكَانًا سُوًى ہموار میدان۔

يَوْمُ الزِّيْنَةِ جشن کا دن۔ بناؤ سنگار کا دن۔

يُحْشَرُ وہ جمع ہو جائیں گے۔ جمع کئے جائیں۔

ضُحًى دن چڑھے۔

وَيْلَكُمْ تمہارا ستیاناس ہو جائے۔

لَا تَفْتَرُوْا تم نہ گھڑو۔ نہ بناؤ۔

يُسْحِتُ وہ ہلاک کر دے گا۔

خَابَ نامراد ہوا۔

تَنَازَعُوْا آپس میں جھگڑ پڑے۔

اَسَرُّوْا انہوں نے چھپایا۔

اَلنَّجْوٰى مشورہ۔

اَلْمُثْلٰى نمونہ جو سب سے بہتر ہو۔

اِسْتَعْلٰى وہ غالب ہوا۔

تشریح: آیت نمبر ۵۷ تا ۶۴

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام اللہ کی نشانیوں کے ساتھ بلا خوف وخطر فرعون کے دربار میں پہنچ گئے اور اللہ کی شان ربوبیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کائنات کا خالق و مالک اور رب صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ اس نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا اور اس کی مکمل رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے مضبوط دلائل کے ساتھ ''عصا'' اور ''ید بیضا'' کے واضح معجزات بھی دکھائے مگر فرعون نے نہ صرف ان معجزات کا انکار کر دیا بلکہ ان کے معجزات کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے ان کو کھلا جادو قرار دیدیا اور لوگوں کو اس بات کا یقین دلانے لگا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ حکومت وسلطنت اور تاج وتخت پر قبضہ کر کے تمہاری بے مثال تہذیب اور مثالی زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ فرعون کو اس بات کا پوری طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا یہ کہنا کہ میں ''رب اعلیٰ'' ہوں نہایت کمزور، بے بنیاد اور مکڑی کے جالے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ فرعون کے لئے اس پوزیشن کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور دلیلیں اس قدر مضبوط اور کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی تھیں جس سے ہر شخص اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ واقعی حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کچھ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں وہ ایک سچائی ہے۔ مگر فرعون کے خوف سے سب خاموش تھے۔ اس موقع پر فرعون نے ہر طرح کی تدبیریں کر ڈالیں، اس نے لوگوں میں حضرت موسیٰؑ کے خلاف اشتعال اور غصہ دلانے کے لئے پوچھا کہ جو لوگ گذر چکے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا؟ فرعون کا مقصد یہ تھا کہ اگر حضرت موسیٰؑ یہ کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے تو یقیناً لوگ مشتعل ہو جائیں گے کیونکہ اپنے مرنے والے بزرگوں کے خلاف کوئی شخص بھی کسی طرح کی برائی سننے کو تیار نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰؑ نے ایسا سنجیدہ اور باوقار جواب دیا کہ فرعون کی یہ سازش جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ فرمایا کہ اس کا علم تو اللہ کو ہے۔ اس کے پاس مکمل ریکارڈ موجود اور محفوظ ہے۔ وہ اللہ جانتا ہے کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ فرعون نے دوسرا حملہ کرتے ہوئے کہا کہ اے موسیٰ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم (قبطیوں کا) اقتدار اور سلطنت ختم کر کے اس پر خود قبضہ کرنا چاہتے ہو؟ فرعون زبان سے تو یہ کہہ رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے کھلے معجزات کو دیکھ کر اپنے دل میں خود بھی ایک خوف سا محسوس کر رہا تھا۔ کہنے لگا کہ میں اس طرح کے جادوئی ہتھکنڈوں سے مرعوب ہونے والا یا موسیٰ کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔ اس نے لوگوں کو یقین دلایا کہ ہماری سلطنت میں ایسے باکمال جادوگروں کی کمی نہیں ہے جو موسیٰؑ کے جادو کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں۔ فرعون نے کہا کہ اس کے لئے کوئی دن مقرر کر لیا جائے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ جس دن تمہارا میلہ ہوتا ہے اس دن کو مقرر کر لو۔ چنانچہ مقابلہ کا دن مقرر کر لیا گیا اور ملک بھر کے تمام شعبدہ بازوں اور جادوگروں کو جمع کر لیا گیا جن کو طرح طرح کے لالچ دے کر کہا گیا تھا کہ اگر تم نے آج موسیٰؑ کو شکست دے دی تو تمہیں انعامات سے نوازا جائے گا۔ حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ کرنے کے لئے تمام جادوگروں نے چھپ چھپ کر چپکے چپکے مشورے کرنا شروع کر دیئے تا کہ ایک پروگرام کے تحت اپنے اپنے جادو کے کمالات کو پیش کیا جا سکے۔ دوسری طرف حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ لوگو! تم کتنے بدنصیب ہو کہ اللہ کی

طرف سے دیئے گئے ان معجزات کو بے حقیقت سمجھ رہے ہو۔ فرمایا کہ میں نے اللہ کے پیغام کو پوری دیانت و امانت سے پہنچا دیا ہے۔ وہی سچا پیغام ہے کیونکہ اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ناکام و نامراد ہو کر رہتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی ان باتوں سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور کہنے لگے کہ لوگو! موسیٰؑ جادوگر ہیں (نعوذ باللہ) جن کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور پر تمہارے ملک پر قبضہ کر لیں۔ تمہیں باہر نکال دیں اور تمہاری بے مثال زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ لہٰذا تم بھی اپنے تمام داؤں اور صلاحیتوں کو جمع کر کے ان پر حملہ کر دو، صفیں بنا کر میدان میں اتر آؤ آج وہ خوش نصیب اور کامیاب ہوگا جو اپنے کمالات اور جوہر دکھائے گا۔ اس طرح کی باتوں سے فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں نے ہر ایک کو جوش دلا کر ابھارنے کی بھرپور کوشش کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کا مقابلہ معجزات کے ذریعہ کرنے سے پہلے جادوگروں کو اور فرعون کے درباریوں کو نہایت ہمدردی اور نرمی سے نصیحت کی اور ان کو اللہ کے خوف سے ڈرایا تاکہ وہ اپنے کفر سے توبہ کر لیں۔ فرمایا کہ تمہاری تباہی سامنے ہے، اللہ پر جھوٹ نہ گھڑو، کیونکہ سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اللہ کے سوا بھی کوئی معبود ہے۔ اگر تم نے یہ شرک کا انداز اختیار کیا تو عذاب الٰہی تمہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا کیونکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کفر و شرک اور جھوٹ باندھنے والوں کو تہس نہس کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو نصیحت فرمائی تو وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ حق و صداقت کی آواز دلوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد تمام جادوگر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ اگر فرعون کی بات مانی جاتی ہے تو دنیا و آخرت کا نقصان ہے اور نہیں مانی جاتی تو فرعون کے ظلم و زیادتی سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ آخر کار ان جادوگروں پر دنیا کا لالچ غالب آ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ڈٹ کر حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

اس واقعہ کی بقیہ تفصیل اس کے بعد کی آیات میں بیان کی گئی ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

اَنْ اٰذَنَ لَكُمْؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫
وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا
جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍؕ
اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَاؕ ﴿٧٢﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا
خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾
اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ
لَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾

الثلثة
٣ ع ٢٢ ١٢

ترجمہ: آیت نمبر ۶۵ تا ۷۶

کہنے لگے اے موسیٰ! تم پہلے (جادو) ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں۔ (موسیٰ نے) کہا پہلے تم ڈالو۔ یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے (سانپ کی طرح) دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں تو موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا (اللہ نے فرمایا) تم خوف نہ کرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور تمہارے داہنے ہاتھ میں جو عصا ہے اس کو پھینکو وہ ان تمام (بناوٹی) چیزوں کو نگل جائے گا۔ جو انہوں نے بنائی ہوئی ہیں۔ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے وہ جادو (گروں) کا دھوکہ ہے۔ جادوگر کہیں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ (معجزہ دیکھنے کے بعد) جادوگر سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے کہا میری اجازت سے

پہلے ہی تم ایمان لے آئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے وہ تمہارا بڑا (جادوگر) ہے۔ جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالوں گا اور میں تمہیں کھجور کے تنوں پر پھانسی دیدوں گا پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب سخت اور دیر تک رہنے والا ہے۔ (مومن بن جانے والوں نے) کہا اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہے جب صاف اور واضح نشانیاں ہمارے سامنے آچکی ہیں تو ان کی موجودگی میں ہم تجھے ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ جو تجھے کرنا ہے وہ کرلے۔ تو جو کچھ کرسکتا ہے وہ اسی دنیا کی زندگی میں کرسکتا ہے۔ ہم تو اپنے (حقیقی) رب پر ایمان لے آئے ہیں تا کہ وہ ہمارے گناہ اور جو تو نے ہم سے زبردستی جادو کرایا ہے اس کو معاف کردے۔ اللہ وہ ہے جو بہتر اور سدا باقی رہنے والا ہے۔ بلاشبہ جو اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا نہ جئے گا۔ اور جو اس کے پاس مومن بن کر آئے گا اور اس نے عمل صالح کئے ہوں گے ان لوگوں کے درجات بہت بلند ہوں گے۔ راحت بھری جنتیں ہوں گی جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ جنہوں نے پاکیزگی اختیار کی تھی یہ ان کا بدلہ ہوں گی۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٥ تا ٧٦

حِبَالٌ (حَبْلٌ) رسیاں۔

عِصِیٌّ (عَصَا) لاٹھیاں۔

یُخَیَّلُ خیالی شکلیں بناتا ہے۔

تَسْعٰی وہ دوڑتی ہیں۔

اَوْجَسَ محسوس کیا۔

تَلْقَفُ نگل جاتی ہے۔ کھا جاتی ہے۔

حَیْثُ اَتٰی وہ جس طرح آئے۔

اٰذَنَ اجازت دی۔

لَاُقَطِّعَنَّ میں ضرور کاٹ ڈالوں گا۔

لَاُصَلِّبَنَّ	میں ضرور پھانسی دوں گا۔
جُذُوْعَ	تنے۔
اَلنَّخْلُ	کھجور۔
اَيُّنَا	ہم میں سے کون۔
اَبْقٰی	زیادہ باقی رہنے والا۔
لَنْ نُّؤْثِرَ	ہم ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔
اِقْضِ	تو کرگزر۔
اَكْرَهْتَنَا	تونے زبردستی کیا۔ مجبور کیا۔
تَزَكّٰی	جس نے پاکیزگی حاصل کی۔

تشریح: آیت نمبر ٦٥ تا ٧٦

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے ملک بھر کے جادوگر میدان میں پہنچ گئے تو وہ اپنے جادو کی کامیابی پر ناز کرتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہنے لگے کہ اے موسیٰ! جادو کے کمالات دکھانے کی ابتدا تم کرتے ہو یا ہم کریں؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ ابتدا تم ہی کرو۔ چنانچہ ان جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکنا شروع کردیں۔ تھوڑی دیر میں ایسا لگا جیسے ساری زمین چھوٹے بڑے سانپوں سے بھرگئی ہے اور وہ سانپ ادھر ادھر دوڑتے نظر آنے لگے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ کے دل میں بشری تقاضے کی وجہ سے ایک خوف سا طاری ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہیں گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم ہی غالب رہو گے اور یہ نظر بندی کا کھیل بہت جلد ختم ہوجائے گا کیونکہ جادو ایک نظر بندی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اس بے حقیقت چیز سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جادو سے کسی چیز کی اصلیت نہیں بدلتی بلکہ جادوگر اپنے خیال کو دوسروں پر اس طرح غالب کردیتا ہے کہ ہر شخص کو صرف وہی نظر آتا ہے جس کو جادوگر چاہتا ہے۔ اللہ نے فرمایا اے موسیٰ! تم اپنے داہنے ہاتھ میں جس عصا (لاٹھی) کو دیکھ رہے ہو اس کو زمین پر ڈال دو، تم دیکھو گے کہ عصا کے پھینکنے سے ان کا فریب اور ان کی نظر بندی ختم ہوکر رہ جائے گی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ایک زبردست اژدھا (بڑا سانپ) بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس اژدھا نے تمام سانپوں کو اس طرح نگلنا شروع کردیا کہ کچھ دیر بعد پورا میدان جادوگروں کے سانپوں سے پاک ہوگیا۔ فرعون کے

درباری اور حاضرین جو جادوگروں کے کمالات سے بے حد متاثر ہو چکے تھے جب انہوں نے پھنکارتے ہوئے اژدھا اور اس منظر کو دیکھا تو خوف اور دہشت سے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ نجانے کتنے لوگ اس بھاگ دوڑ میں کچلے گئے ہوں گے۔ اژدھا نے جب فرعون کی طرف رخ کیا تو فرعون گھبرا گیا اور اس نے حضرت موسیٰ سے فریاد کرنا شروع کر دی کہ موسیٰ! مجھے اس اژدھا سے بچاؤ۔ حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے اس اژدھا کے منہ میں ہاتھ ڈالا تو وہ پھر سے عصا بن گیا اور وہ جادوگر جو ایک عصائے موسیٰ کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور سمجھ گئے کہ عصائے موسیٰ ایک معجزہ ہے اور وہ کوئی نظر بندی یا جادو نہیں ہے جب ان پر یہ سچائی کھل گئی تو وہ تمام جادوگر اللہ کی اس طاقت کے اظہار کو پہچان کر سجدے میں گر پڑے اور واضح الفاظ میں کہہ اٹھے کہ ہم موسیٰ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لے آئے۔ صرف وہی رب العالمین ہے اس کے سوا کوئی رب اور معبود نہیں ہے۔ اس طرح وہ جادوگر فرعون کے خوف اور دہشت کی پرواہ کئے بغیر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ فرعون نے جب اس بنے بنائے کھیل کو بگڑتے دیکھا تو کڑک کر کہا کہ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ایمان قبول کر لیا ہے۔ اس نے جس طرح حضرت موسیٰ پر الزام لگایا تھا کہ ان تمام کوششوں کا مقصد اقتدار اور حکومت پر قبضہ کرنا ہے۔ اسی طرح ایمان لانے کے بعد جادوگروں سے کہنے لگا ایسا لگتا ہے یہ سب تمہاری ملی بھگت اور سازش ہے۔ یہ موسیٰ تم سب کا استاد لگتا ہے جس سے تم نے جادو سیکھا ہے۔ فرعون نے کہا تم نے میرے غصہ اور غضب کو دعوت دی ہے۔ فرعون نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ میں تمہیں ایسی عبرت ناک سزا دوں گا جس سے دیکھنے والوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اس نے کہا میں تمہیں اس طرح تڑپا تڑپا کر ماروں گا کہ سب سے پہلے میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کٹواؤں گا یعنی ایک طرف سے ہاتھ اور دوسری طرف سے پاؤں کٹوا کر گلے میں پھندا ڈال کر کھجور کے درختوں پر لٹکوا دوں گا۔ پھر تمہیں اندازہ ہو گا کہ موسیٰ پر یمان لانے کا انجام کتنا بھیانک ہے۔ اور تم اس بات کو اچھی طرح جان جاؤ گے کہ میری طرف سے دی گئی سزا زیادہ سخت ہے یا موسیٰ کے رب کی طرف دی گئی سزا۔ فرعون نے اپنے تکبر اور غرور کا اظہار تو کر دیا مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ موسیٰ تو ان جادوگروں سے واقف بھی نہیں ہیں نہ ان کی شکل وصورت دیکھی تھی مگر وہ اپنے دلی خوف اور دہشت کو الفاظ کے پردے میں لپیٹ کر دلیر اور بہادر بننے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ دوسرے لوگ اس کی ہیبت اور حکم سے باہر نہ نکل جائیں۔ لیکن فرعون یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اس کی دھمکیوں کا جادوگروں پر کوئی اثر تک نہیں ہوا بلکہ ان کی ایمانی طاقت کا یہ عالم تھا کہ ان لوگوں نے بڑی جرات، ہمت، جذبے اور مکمل اعتماد کے ساتھ فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ اے فرعون! آج ہمیں پوری طرح اندازہ ہو گیا ہے کہ اب تک ہماری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ حقیقت حال سے ہم واقف نہ تھے اور تجھے اپنا رب اعلیٰ سمجھتے رہے۔ موسیٰ جو نشانیاں لے کر آئے ہیں انہیں دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے وہی ہمارا پیدا کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب تک ہم جس گناہ کے راستے پر چل رہے تھے ہم نے اس سے توبہ کر لی ہے اور ہم اس فیصلے پر اس طرح قائم ہیں کہ ایک قدم پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اے فرعون! اب تو ہماری زندگی کے متعلق جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر لے ہمیں تیرا ہر فیصلہ منظور ہے۔ انہوں نے فرعون کو چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ اے فرعون تیرا ہر فیصلہ ہمیں زندگی کی راحتوں سے محروم تو کر سکتا ہے لیکن جب ہم نے آخرت کی ابدی زندگی کا فیصلہ کرلیا ہے تو اب ہمیں اپنی جانوں اور تیری دھمکیوں کی پرواہ نہیں ہے۔ بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ اب تک ہم گناہوں کی زندگی گزارتے رہے ہیں اب ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ جب ہمارا واسطہ اور رابطہ اللہ سے ہو گیا ہے تو وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ انہوں نے کہا کہ باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے فرعون! یہ تیری سلطنت وحکومت، رعب اور دہشت بہر حال ختم ہو جانے والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تیرا کہا ماننا درحقیقت اپنے سچے رب کے سامنے مجرم بننے کے برابر ہے۔ تیرے انعام واکرام کا لالچ اور تیری سزائیں اس دنیا تک محدود ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے مجرم بن کر پیش نہ ہوں کیونکہ اس میں ہمیشہ کی کی زندگی کی تباہی و بربادی ہے۔ آخرت کی زندگی ایسی ہے کہ اس میں ایسے لوگوں کو نہ تو موت آئے گی کہ ان کی جان چھوٹ جائے اور نہ ایسی زندگی ہوگی کہ جس سے جینے کا آرام، سکون اور لطف اٹھایا جا سکے۔ لیکن جو لوگ ایمان لا کر عمل صالح اختیار کریں گے ان کا مرتبہ اور مقام آخرت میں بہت بلند ہوگا۔ ان کو ہمیشہ رہنے والی جنتیں ملیں گی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ جب ان کو دیدی جائیں گی تو ان سے کبھی چھینی نہ جائیں گی۔ یہ ان لوگوں کی نیکیوں کا بدلہ ہوگا۔ کامیابی اور کامرانی ہوگی۔ کیونکہ جو شخص ایمان لانے کے بعد نیک اور بھلے کام کرے گا اس کو اللہ بہترین جزا عطا فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان طاقت وقوت، جرات و ہمت اور بہادری کا نام ہے۔ جب یہ ایمان دل میں آجاتا ہے تو پھر آدمی اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ اس کے دل میں اگر خوف ہوتا ہے تو صرف حقیقی معبود اور رب العالمین کا اس کے سوا وہ ہر خوف اور دھمکی سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ
يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ
تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ
عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَ
عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا
قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ
مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ
رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ
يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾
قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ
الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا
جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا
يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾

ع ٣ / ١٣

ترجمہ: آیت نمبر ٧٧ تا ٨٩

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کوراتوں رات لے کر نکل جاؤ اور پھر سمندر میں ان کے لئے (عصا مار کر) خشک راستہ بنا لینا۔ نہ تو پکڑے جانے کا خوف کرنا اور نہ ڈوبنے کا۔ پھر فرعون نے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ پھر ان کو پانی نے ڈھانپ

لیا جیسا کہ ڈھانپ لیا (غرق کر دیا)۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ نہ دکھائی۔

اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات عطا کی اور کوہ طور کے دائیں جانب تم سے توریت دینے کا وعدہ کیا اور ہم نے تمہارے اوپر من وسلویٰ اتارا تھا کہ تمہیں جیسا کچھ پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اس میں سے کھاؤ نافرمانی نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اوپر میرا عذاب نازل ہو جائے۔ اور جن لوگوں پر میرا عذاب نازل ہوا وہ تباہ و برباد ہو گئے اور بے شک میں ہر اس شخص کو خوب معاف کرتا ہوں جس نے توبہ کی وہ ایمان لایا اور عمل صالح اختیار کر کے اس نے ہدایت حاصل کی۔ اے موسیٰ تمہیں کیا چیز قوم سے پہلے لے آئی۔ عرض کیا جو میرے پیچھے آرہے ہیں جلدی سے لے کر ان کو آپ کے پاس حاضر ہو گیا تا کہ آپ مجھ سے خوش ہو جائیں۔ (اللہ نے) فرمایا ہم نے تمہارے آنے کے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے ان لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ موسیٰ سخت غصے اور افسوس کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پلٹے اور کہا اے میری قوم کیا تم سے تمہارے پروردگار نے اچھے وعدے نہیں کئے تھے؟ کیا تم پر میری جدائی طویل ہو گئی تھی یا تم اپنے رب کا غضب ہی اپنے اوپر لادنا چاہتے تھے۔ کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟ انہوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے تمہارے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی بلکہ ہمارے اوپر (قوم فرعون کے) زیور کا بوجھ لدا ہوا تھا جس کو ہم نے پھینک دیا تھا۔ پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا اور ان کے لئے ایک بچھڑا بنا ڈالا جس میں سے گائے کی جیسی آواز نکلتی تھی۔ پھر اس نے کہا یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے جس کو موسیٰ بھول گیا تھا۔ (اللہ نے فرمایا) کیا انہیں اتنا بھی دکھائی نہیں دیا کہ وہ بچھڑا نہ تو بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے نفع اور نقصان کا مالک ہے؟۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۷ تا ۸۹

اَسْرِ راتوں رات نکل جا۔

طَرِیْقٌ راستہ۔

یَبَسٌ خشک۔

دَرَکٌ پکڑنا۔

لَاتَخْشٰی	خوف نہ کر۔
اَضَلَّ	گمراہ کردیا۔
اَلْاَیْمَنُ	داہنے جانب۔
لَاتَطْغَوْا	حد سے نہ بڑھو۔
رَجَعَ	لوٹ گیا۔
اَخْلَفْتُمْ	تم نے خلاف کیا۔
اَوْزَارٌ(وِزْرٌ)	بوجھ۔
قَذَفْنَا	ہم نے پھینکدیا۔
خُوَارٌ	بچھڑے کی آواز۔گائے کی آواز۔
نَسِیَ	وہ بھول گیا۔
اَفَلَایَرَوْنَ	کیا پھر وہ نہیں دیکھتے۔
ضَرٌّ	نقصان۔

تشریح: آیت نمبر ٧٧ تا ٨٩

فرعونی ظلم وستم اور بنی اسرائیل کے خلاف سازشوں کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تک مصر میں رہے وہ ان کو نصیحتیں اور تبلیغ دین فرماتے رہے جن سے قوم بنی اسرائیل میں ایک نئی زندگی اور امنگ پیدا ہوگئی۔ حضرت موسیٰ اس طرح فرعون کو معجزات دکھا کر اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح فرعون قوم بنی اسرائیل کو چھوڑ دے اور وہ فلسطین میں جا کر آباد ہو جائیں تاکہ وہاں آزادی سے اللہ کے دین پر عمل کر سکیں مگر فرعون بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے رہائی دینے پر آمادہ نہ تھا۔ جب فرعون کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ وہ خود اور بنی اسرائیل کو راتوں رات نہایت خاموشی اور احتیاط سے لے کر ہجرت کر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یقین دلایا کہ وہ کسی طرح کا فکر اور غم نہ کریں۔ بے شک فرعون

پیچھا کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی حفاظت کا انتظام فرما دیں گے۔ بنی اسرائیل جس علاقے میں رہتے تھے وہ قبطیوں یعنی فرعونیوں کی بستی سے کافی فاصلے پر تھا۔ اس لئے جب لاکھوں بنی اسرائیل راتوں رات نہایت خاموشی اور احتیاط سے مصر کے علاقوں سے نکل کر فلسطین کی طرف چلے تو فرعون اور اس کے لوگوں کو ان کی روانگی کا علم نہ ہوسکا۔ راستے میں سمندر پڑتا تھا جب وہ سمندر کے کنارے تک پہنچنے کے قریب تھے کہ کسی طرح فرعون کو اس بات کی اطلاع ہوگئی۔ وہ اپنے تمام لشکر کو لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ ابھی بنی اسرائیل پانی کے کنارے پر پہنچے ہی تھے کہ دیکھا فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے ان کے تعاقب میں سمندر کے کنارے کی طرف تیزی سے آرہا ہے۔ اس ناگہانی آفت کو دیکھ کر بنی اسرائیل بوکھلا اٹھے اور اپنی موت کو سامنے دیکھ کر چلانے لگے کہ اب ان کا کیا ہوگا ایک طرف فرعون کا لشکر ہے اور دوسری طرف ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی فرمائی کہ موسیٰؑ گھبرانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنا عصا پانی پر مارو پھر ہماری قدرت کا تماشا دیکھو۔ حضرت موسیٰؑ نے جیسے ہی اپنا عصا پانی پر مارا اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لئے بارہ راستے اس طرح بنا دیئے گئے کہ جس سے گذرنا بہت آسان تھا جب بنی اسرائیل ان راستوں سے گذر کر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تو اس وقت فرعون سمندر کے کنارے پر پہنچ گیا۔ پہلے تو فرعون اس عجیب صورتِ حال سے گھبرایا مگر تکبر اور غرور کے انداز سے کہنے لگا کہ یہ سب میری وجہ سے راستے بنائے گئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا گھوڑا ان راستوں پر ڈال دیا۔ اس کی ساری فوج نے اس کی اتباع کی جب وہ سب کے سب سمندر کے درمیان میں پہنچے تو اللہ نے پانی کو آپس میں مل جانے کا حکم دیا۔ جیسے ہی پانی آپس میں ملا تو فرعون اور اس کا لشکر ڈوبنے لگا۔ جب فرعون نے دیکھا کہ اب موت سامنے ہے اور اس سے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے تو اس نے کہا ”میں اس بات پر ایمان لے آیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ اللہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں میں بھی اس اللہ پر ایمان لاتا ہوں۔ (سورۂ یونس) اللہ تعالیٰ نے فرعون کے اس ایمان لانے کو قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا:- ”اب تو ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا تھا اور تو فسادی آدمی ہے۔ پس آج کے دن ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ اپنے بعد آنے والوں کے لئے تو اللہ کی طرف سے عبرت کا نشان بن جائے۔ (سورۂ یونس آیت 90 تا 92) اس طرح فرعون، اس کا لشکر اور غرور و تکبر کا ہر انداز سمندر کے پانی میں غرق کر دیا گیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ فرعون کو غرق کر کے اس کے بدن کو بچا لیا جائے گا اس لئے اللہ نے اس کی موت کے بعد اس کی لاش کو سمندر کے کنارے پر لا ڈالا جب قوم نے فرعون کی لاش کو دیکھا تب ان کو یقین آ گیا کہ فرعون اور اس کا لشکر تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ اس تمام صورت حال کو بنی اسرائیل دوسرے کنارے پر دیکھ رہے تھے کہ اس کائنات میں ساری قوت و طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جب چاہتا ہے طاقت و قوت کا دعویٰ کرنے والوں کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے تہس نہس کر ڈالتا ہے۔ فرعون کے غرق کر دینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پوری قوم بنی اسرائیل کو لے کر صحرائے سینا سے گزرنے لگے اس وقت ان کی خوراک کے ذخیرے ختم ہونے لگے اور جو کچھ اپنے ساتھ لائے تھے ان کو کم ہوتا دیکھا تو ایک دفعہ پھر بوکھلا اٹھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ساری صورت حال کو رکھا۔ اللہ نے حضرت موسیٰ کی دعا کی برکت سے صحرا میں

بنی اسرائیل کی خوراک کا انتظام کر دیا اور ''من وسلویٰ'' نازل کیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو یاد کریں جو اللہ نے ان پر نچھاور کی ہیں۔ سب سے پہلی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے ظلم سے نجات عطا فرمائی، ان کے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور غرق کر دیا گیا۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ اللہ نے ایک لق ودق صحرا میں ''من وسلویٰ'' جیسی تازہ، لذیذ اور بہترین غذا عطا فرمائی۔ نزول توریت کے متعلق فرمایا کہ جب اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا تا کہ ان کو کتاب ہدایت دی جائے تو حضرت موسیٰ اس خوشی میں کہ اللہ نے ان کی قوم کی ہدایت کے لئے راہنما اصول عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے بہت جلد کوہ طور پر پہنچ گئے۔ فرمایا کہ اللہ نے جو کچھ کرم فرمائے ہیں ان کا یہ تقاضا ہے کہ وہ لوگ ہدایت کے سیدھے راستے پر چلیں۔ جو بھی ان کو رزق حلال دیا گیا ہے اس کو کھائیں استعمال کریں لیکن حد سے نہ گزریں، ورنہ اللہ کے عذاب کو روکنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ جس پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے وہ بڑا بدنصیب اور اللہ کی رحمتوں سے محروم ہوتا ہے۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو ایمان لا کر عمل صالح اختیار کرتے ہیں اور توبہ کرنے کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل جب تک اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے رہے اور انہوں نے جھوٹ، فریب اور کفر کی روش اختیار نہ کی تھی اس وقت تک اللہ نے ان پر بے انتہا کرم فرمائے لیکن جب وہ صراط مستقیم کو بھول کر کفر اور زیادتیوں میں لگ گئے تو اللہ نے اسی قوم کو ذلیل وخوار کر کے رکھ دیا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے کہ جب بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی اختیار کی تو وہ اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے ان پر ظالم وجابر بادشاہوں کو مسلط کر کے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ انہوں نے ان کے گھروں اور بستیوں کو اجاڑ دیا اور ان کے گھروں میں گھس گئے۔ ان کو اور ان کی اولادوں کو نہ صرف قتل کیا گیا بلکہ ان کو اس طرح بے عزت کیا گیا کہ ان کو اپنا وجود سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ اس طرح وہ عرصہ تک کفار ومشرکین کے ظالمانہ نظام کے تحت اپنی زندگیاں گذارنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ لیکن جب انہوں نے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کو دوبارہ عزت وعظمت سے ہم کنار کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں پر آگاہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم نے ہمیشہ جلد بازی سے کام لیا ہے اور صبر سے کام نہیں لیا۔ اس لئے تم بے صبری کی وجہ سے سامری جیسے مکار آدمی کے جال میں پھنس گئے تھے اور حضرت موسیٰؑ جو چند روز کے لئے کتاب ہدایت لینے کوہ طور پر گئے تھے تم ان کی واپسی کا بھی انتظار نہ کر سکے تھے اور سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو تم نے اپنا معبود بنا لیا تھا۔ واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کے لئے کوہ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود کوہ طور پر تشریف لے گئے تیس دن کے بجائے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے دس دن کے لئے مزید روک لیا تو سامری نے بنی اسرائیل کے زیورات سے ایک ایسا بچھڑا بنایا جس سے ایک خاص آواز نکلتی تھی اور اس نے بنی اسرائیل کو یقین دلا دیا کہ موسیٰؑ ہم سب کو چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں اور جاتے ہوئے یہ بتانا بھول گئے تھے کہ یہی بچھڑا تمہارا معبود ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے پوری قوم کو سمجھایا کہ یہ سامری کا فریب ہے مگر قوم بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی پرستش اور عبادت شروع کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو بتایا

کہ تمہارے آنے کے بعد تمہاری قوم ایک فتنے میں مبتلا ہوگئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ توریت کی تختیاں لے کر جن پر اللہ کی آیات تحریر تھیں جب واپس پہنچے اور قوم کو بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھا تو غصہ سے بے قابو ہوگئے۔ توریت کی تختیاں بھی ہاتھ سے چھوٹ گئیں اور یہ سمجھ کر کہ ان کے بھائی حضرت ہارونؑ نے غفلت کا مظاہرہ کیا ہے شدید غصے میں ان کے سر کے بال اور ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا کہ تم نے قوم بنی اسرائیل کو کس حال تک پہنچا دیا۔ حضرت ہارونؑ نے فرمایا کہ بھائی پہلے میری بات تو سنو، میں نے اپنی قوم کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ سب کے سب سامری کے فریب میں پھنس گئے تھے میں کیا کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے بعد سامری کو بلا کر پوچھا۔ اس نے کہا کہ میں نے حضرت جبرئیل کے پاؤں تلے سے مٹی اٹھا کر اس میں ڈال دی تھی اور اس میں سے ایک آواز نکلنے لگی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیری سزا تو یہ ہے کہ اب تو ہر شخص سے کہے گا کہ ”مجھے ہاتھ نہ لگاؤ“ یعنی مجھ سے دور رہو اور پھر بنی اسرائیل کے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی اس کی سزا مقرر فرمائی۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں اور احسانات یاد دلا کر فرمایا ہے کہ اللہ نے تمہیں ہر نعمت سے نوازا تھا مگر تم نے نافرمانیوں کی انتہا کر دی جس کی تمہیں سزا دی جارہی ہے اور اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد پھر ایک موقع دیا جارہا ہے۔ اگر اس قوم نے اپنی اصلاح کر لی تو ان کو دین و دنیا کی تمام بھلائیاں عطا کی جائیں گی اور اگر ان کا کہنا نہ مانا تو پھر قیامت تک ان کی اصلاح ممکن نہ ہوگی۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ

لِیْ نَفْسِیْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۸

بلاشبہ ہارون نے پہلے ہی ان سے کہا تھا کہ اے میری قوم (اس بچھڑے کی وجہ سے) تم ایک آزمائش میں پھنس گئے ہو۔ تمہارا رب تو رحمٰن ہی ہے۔ میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔ انہوں نے کہا ہم تو یہیں جمے بیٹھے رہیں گے جب تک موسیٰ ہماری طرف پلٹ کر نہیں آجاتے۔ (موسیٰ نے) کہا کہ اے ہارون جب تم نے دیکھا تھا کہ وہ گمراہ ہو رہے ہیں تو تم نے انہیں منع کیوں نہ کیا؟ تمہیں کس چیز نے میری پیروی یا میرے پاس آنے سے روک رکھا تھا؟ کیا تم نے میری نافرمانی کی؟ (ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے! میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑیئے۔ مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ آپ یہ نہ کہنے لگیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا خیال نہ رکھا۔ (موسیٰ نے) کہا اے سامری اس بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں نے جو کچھ دیکھا اس کو انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ پس میں نے فرشتے کے نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک لے) لی تھی وہ میں نے (اس بچھڑے کے پتلے میں) ڈال دی۔ اور اس طرح مجھے میرے نفس نے اس بات پر آمادہ کر لیا تھا۔ (موسیٰ نے) کہا تیرے لئے زندگی میں (یہ سزا ہے کہ) تو یہی کہتا پھرے گا کہ "مجھے ہاتھ نہ لگانا" اس کے علاوہ بے شک تیرے لئے (آخرت کے عذاب کا) وقت مقرر ہے جس کے خلاف نہ ہوگا۔ اور تو اپنے اس معبود (بچھڑے) کی طرف دیکھ جس پر تو جما بیٹا رہتا تھا کہ اس کو ہم جلا ڈالیں گے اور اس (کی راکھ) اڑا کر دریا میں بہا دیں گے۔ (اپنی قوم سے فرمایا) کہ تمہارا پروردگار صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا عبادت اور بندگی کے لائق کوئی نہیں ہے۔ جس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٩٠ تا ٩٨

فُتِنْتُمْ	تم آزمائش میں ڈالے گئے۔
لَنْ نَّبْرَحَ	ہم ہرگز نہ کریں گے۔
عٰكِفِيْنَ	جم کر بیٹھنے والے۔
عَصَيْتَ	تو نے نافرمانی کی۔
يَابْنَؤُمَّ	اے میری ماں کے بیٹے۔
لِحْيَةٌ	داڑھی۔
خَشِيْتُ	میں ڈر گیا۔
فَرَّقْتَ	تو نے تفرقہ ڈالدیا۔ لڑادیا۔
خَطْبُكَ	تیرا کہنا۔ تیرا حال۔
بَصُرْتُ	میں نے دیکھا۔
قَبَضْتُ	میں نے اٹھالیا۔
اَثَرُالرَّسُوْلِ	فرشتے کا قدم۔ فرشتے کا نشان قدم۔
سَوَّلَتْ	گھڑ لیا۔ پھسلا دیا۔
لَامِسَاسَ	نہ چھونا۔ ہاتھ نہ لگانا۔
ظَلْتَ	تو (بیٹھا) رہا۔
نُحَرِّقَنَّ	ہم ضرور جلا ڈالیں گے۔
نَنْسِفَنَّ	ہم ضرور بکھیر دیں گے۔

تشریح: آیت نمبر ٩٠ تا ٩٨

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچ گئے اس وقت بنی اسرائیل کے اکثر لوگوں نے سامری کے فریب میں آ کر اپنا وہ سونا، چاندی اور زیور جو انہوں نے مصر سے لوٹا تھا اس کو پھینک دیا۔ جس کو گلا کر سامری نے ایک بچھڑا بنالیا تھا اور لوگوں سے کہا تھا کہ تمہارا یہی معبود ہے اس کی پرستش اور عبادت و بندگی کرو اس وقت حضرت ہارون علیہ السلام نے جو حضرت موسیٰؑ کے قائم مقام تھے لوگوں کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ دیکھو اگر تم نے اس بے جان بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر اس کی عبادت کی تو یہ تمہاری بہت بڑی غلطی اور آزمائش ہوگی۔ یہ ایک فتنہ ہے اس سے بچو، میری اتباع کرو، میرا کہا مانو، ان تمام تر نصیحتوں کا جواب قوم بنی اسرائیل نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ دیا کہ ہم تو اسی کی عبادت کریں گے ہم اس سے ہٹنے والے یا ٹلنے والے نہیں ہیں۔ جب موسیٰؑ واپس آ جائیں گے اس وقت ہم دیکھ لیں گے کہ کیا کرنا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت جیسی کتاب عطا کر دی جو چند تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ فرمایا کہ اے موسیٰؑ! تم نے جب سے اپنی قوم کو چھوڑا ہے تو وہ ایک سخت فتنے میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت غصے میں بھرے ہوئے اپنی قوم میں آئے۔ دیکھا کہ قوم کے اکثر لوگ اللہ کی عبادت و بندگی چھوڑ کر ایک بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو اپنے بھائی حضرت ہارون پر سخت غصہ تھا کہ ان کی موجودگی میں اتنی بڑی تبدیلی کیسے آ گئی۔ انہوں نے تصور کیا کہ حضرت ہارونؑ نے یقیناً غفلت سے کام لیا ہے اس حالت میں حضرت ہارونؑ کے پاس پہنچے توریت کی تختیوں کو ایک طرف رکھ کر حضرت ہارونؑ کے سر کے بال اور ڈاڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہنے لگے کہ اے ہارون یہ تم نے کیا کیا جب میں تمہیں اپنے پیچھے اس قوم کی اصلاح و تربیت کے لئے چھوڑ گیا تھا تو تم نے ان کی اصلاح کیوں نہ کی۔ ایمان والوں کو ساتھ لے کر ان بت پرستوں کا مقابلہ کیوں نہ کیا۔ کم از کم کوہ طور پر آ کر مجھے بتا سکتے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا بھائی میری بات تو سنئے۔ میں نے اس معاملے میں نہ تو کسی طرح کی سستی کی ہے نہ غفلت سے کام لیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے بنی اسرائیل کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے میری ایک بات بھی نہ مانی اور کہنے لگے کہ جب تک موسیٰؑ واپس نہیں آ جاتے ہم تمہاری کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان ظالموں نے تو مجھے قتل تک کرنے کی کوشش کی جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے اس بات کا اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اہل ایمان اور بچھڑے کے پوجنے والوں کے درمیان جنگ و جدل اور فساد برپا نہ ہو جائے اور قوم تقسیم نہ ہو جائے اور ان میں تفرقہ نہ پڑ جائے۔ اس لئے میری سمجھ میں یہی آیا کہ میں آپ کا انتظار کر لوں تا کہ میرے اوپر یہ الزام نہ آ جائے کہ میں نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈلوا کر ان کے ٹکڑے اڑا دیئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کی ان تمام باتوں کو سنا اور انہیں یقین آ گیا کہ یہ سب کچھ حضرت ہارونؑ کی غفلت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ ایک اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے

اپنے لئے اور حضرت ہارونؑ کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد آپ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے اس کا پورا الزام سامری پر رکھ دیا اور کہا کہ ہم نے اپنا وہ تمام زیور، سونا، چاندی جو ہمارے اوپر بوجھ بنا ہوا تھا۔ جب اس کو پھینک دیا تو سامری نے اس کو گلا کر ایک بچھڑا بنالیا جس میں سے بچھڑے کی جیسی آواز نکلتی تھی۔ اس نے ہمیں یقین دلایا کہ ہمارا معبود یہی بچھڑا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے بات کرنے کے بعد سامری سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ آخر وہ کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے تو نے بچھڑا بنا کر ایک اللہ کی عبادت سے ہٹا کر بچھڑے کی پوجا پر پوری قوم کو لگا دیا۔ اس نے کہا اصل بات یہ ہے کہ جب فرعون ڈوب رہا تھا اس وقت میں نے جبرئیلؑ کو دیکھا کہ وہ فرعون اور بنی اسرائیل کے درمیان حائل ہیں۔ جہاں ان کے گھوڑے کا پاؤں پڑتا تھا وہیں سبزہ اگ آتا تھا۔ میں نے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے کچھ مٹی حاصل کر لی تھی جب میں نے بچھڑا بنا کر اس میں اس مٹی کو ڈالا تو اس میں سے سچ مچ بچھڑے کی آواز نکلنا شروع ہوگئی۔ میں نے کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کی بات سن کر اس کو معاف نہیں کیا بلکہ اس کو بددعا دی اور فرمایا کہ دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو ہر شخص سے کہے گا کہ "مجھے ہاتھ مت لگانا" آخرت کی سزا تو یقیناً تیرے لئے مقرر ہے۔ جس سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے اس بچھڑے کو جلا ڈالا گیا اور اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! عبادت کے لائق صرف ایک اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے، وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا اور اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَىِٕذٍ

يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝١٠٨ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝١٠٩ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝١١٠ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝١١١ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝١١٢

ترجمہ: آیت نمبر ۹۹ تا ۱۱۲

اسی طرح ہم آپ کو گذرے ہوئے حالات سے باخبر کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنی طرف سے نصیحت والی کتاب عطا کی ہے اس سے جو شخص منہ پھیرے گا بے شک وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ اٹھائے گا اور وہ اسی (کیفیت) میں ہمیشہ رہے گا اور ان کے لئے قیامت کے دن کا بوجھ بہت بھاری ہوگا۔ جب صور پھونکا جائے گا اس دن ہم ان مجرموں کو اس طرح گھیر کر لائیں گے کہ دہشت سے ان کی آنکھیں نیلی (پتھرائی ہوئی) ہوں گی وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہتے ہوں گے کہ تم دنیا میں دس دن ہی رہے ہوں گے۔ (اللہ نے فرمایا) وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے ہم خوب جانتے ہیں۔ جب ان میں کا ایک اچھا سوچنے والا کہے گا کہ تم صرف ایک دن رہے ہوں گے۔ وہ پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا۔ اور زمین کو اس طرح چٹیل میدان بنا دیا جائے گا کہ آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھا پن (ناہمواری) دیکھیں گے۔ اور نہ کوئی بلندی وغیرہ۔ اس دن ایک پکارنے والے کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے کسی میں بھی ٹیڑھا پن تکبر اور اکڑ نہ ہوگی۔ اس دن رحمٰن کے سامنے سب کی آوازیں

پست ہو جائیں گی۔ ہلکی ہلکی آہٹ کے سوا کچھ سنائی نہ دے گا۔ اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی۔ سوائے اس کے جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کی بات بھی (اللہ) کو پسند ہو۔ اللہ کو ہر اس چیز کا علم ہے جو ان کے سامنے اور ان کے پیچھے ہے۔ لیکن ان لوگوں کا علم اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سب کے سب اس حی و قیوم ذات کے آگے جھکے ہوں گے۔ وہ شخص نامراد ہوگا جو اس دن ظلم کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا۔ (اس کے برخلاف) جس نے عمل صالح کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو ظلم اور نقصان کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔

لغات القرآن آیت نمبر ٩٩ تا ١١٢

نَقُصُّ — ہم بیان کرتے ہیں۔

اَنْبَآءُ — خبریں۔

سَبَقَ — جو گزر گیا۔

لَدُنَّا — ہمارے پاس۔

اَعْرَضَ — جس نے منہ پھیرا۔

حِمْلٌ — بوجھ۔

زُرْقٌ (اَزْرَقٌ) — نیلی آنکھیں۔

يَتَخَافَتُوْنَ — چپکے چپکے کہیں گے۔

لَبِثْتُمْ — تم ٹھہرے رہے۔ رکے رہے۔

اَمْثَلَ — زیادہ سے زیادہ۔

يَنْسِفُ — وہ اکھاڑ دے گا۔

قَاعَ — ہموار میدان۔

صَفْصَفٌ — چٹیل میدان۔

اَمْتٌ	ٹیلہ۔ ابھری ہوئی زمین۔
خَشَعَتْ	نیچے۔ پست ہوگی۔
هَمْسٌ	دھیمی اور ہلکی آواز۔
عَنَتْ	چھپ جائے گی۔
اَلْوُجُوْهُ (وَجْهٌ)	چہرے۔
ظُلْمٌ	زیادتی۔
هَضْمٌ	نقصان پہنچنا۔ حق تلفی کرنا۔ ٹکڑے ہونا

تشریح: آیت نمبر ٩٩ تا ١١٢

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ اے نبیؐ! قرآن کریم کے ذریعہ ہم آپ کے سامنے قوموں کے جن واقعات اور انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کو بیان کررہے ہیں ان کا اصل مقصد ہدایت، عبرت اور نصیحت کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا واقعہ اور بنی اسرائیل کے مزاج کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ قرآن حکیم اللہ کی وہ آخری کتاب ہدایت ہے جس کی تعلیمات قیامت تک ہر شخص کے لئے رہبر و رہنما ہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن حکیم جیسی عظیم کتاب سے منہ پھیرتا ہے یعنی اس کتاب کو پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے سے گریز کرتا ہے تو اس کو نہ تو اس دنیا میں امن و سکون نصیب ہوگا نہ قیامت کے ہولناک دن اس کی نجات کا سامان میسر آسکے گا بلکہ ان لوگوں کے برے اعمال ان کے سینے پر ایک بوجھ ہوں گے۔

فرمایا کہ وہ دن کس قدر دہشت ناک ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے (حضرت اسرافیلؑ) صور پھونکیں گے اور ایک شخص (یعنی اسرافیلؑ) بلند آواز سے لوگوں کو محشر کی طرف بلائیں گے تو اولین و آخرین کے تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک اور ہولناک انداز سے ہوگا کہ کفر و شرک میں مبتلا لوگ حیران و ششدر اور ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور نیلی پڑ جائیں گی۔ ان پر ایسی وحشت طاری ہوگی کہ وہ چپکے چپکے باتیں کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے دنیا میں صرف دس دن گزارے ہیں جو ان میں ذرا سوجھ بوجھ کے دعوے دار ہوں گے وہ کہیں گے کہ ''دس دن کہاں، ایسا لگتا ہے کہ اس دنیا میں ہم صرف ایک دن رہ کر آگئے ہیں'' اور اب میدان حشر میں جمع کردیئے گئے ہیں۔ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں

جو دنیا میں بڑے عقل مند بننے کی کوشش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ چلو ہم تو ایک کمزور سی مخلوق ہیں لیکن یہ بلند و بالا پہاڑ جو زمین پر میخوں کی طرح گڑے ہوئے ہیں کیا یہ بھی ختم ہو جائیں گے، فرمایا کہ تمہیں اللہ کی طاقت، قوت اور قدرت کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ اس کے سامنے یہ پہاڑ کیا چیز ہیں۔ان کی کیا طاقت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیں گے اور زمین اس طرح ہموار ہو جائے گی جس میں نشیب و فراز اور اونچ نیچ نہ رہے گی۔ جب صور پھونکا جائے گا اور ان کو جمع ہونے کے لئے کہا جائے گا تو کفار و مشرکین ہر طرف سے مایوس ہو کر اس آواز کی طرف دوڑے آئیں گے ان کی آوازیں اس طرح دب جائیں گی کہ چپکے چپکے باتیں کریں گے اور آوازیں اس قدر پست ہوں گی کہ سوائے ایک سرسراہٹ کے کچھ سنائی نہ دے گا۔ کفار پر اس قدر مایوسی طاری ہو جائے گی کہ ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ جائیں گی۔ ہر طرف سے مایوس ہوں گے نہ کسی کی سفارش کا آسرا ہوگا اور نہ کوئی اس وحشت میں ڈھارس بندھانے والا ہوگا۔

اس کے برخلاف جو لوگ صاحب ایمان اور عمل صالح کے پیکر ہوں گے ان کو ہر طرح کی راحتوں سے ہم کنار کیا جائے گا۔ سفارش کے امیدوار اور مستحق ہوں گے۔ ان کو ان کے بہترین اعمال پر جنت کی ابدی راحتیں عطا کی جائیں گی نہ ان کے حق میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی کی جائے گی ان آیات کا خلاصہ یہ ہے۔

(1) قرآن کریم اللہ کی وہ آخری کتاب ہدایت ہے جو تمام انسانوں کے لئے رہبر و رہنما اور معاملات زندگی میں مشعل راہ ہے۔ اس کی تعلیمات بالکل واضح اور آسان ہیں۔ اگر کوئی شخص ان پر عمل کرے گا۔ تو اس کے ایمان میں پختگی کے ساتھ ساتھ تمام مصائب، مشکلات اور تکالیف میں عزم و ہمت کے ساتھ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے گی اور دنیا و آخرت کی تمام کامیابیاں اس کا مقدر ہوں گی لیکن جو لوگ قرآن کریم اور اس کی تعلیمات سے منہ پھیریں گے یعنی اس کو پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے سے گریز کریں گے تو یہ نہ صرف ان کی بدقسمتی ہوگی بلکہ ایسے لوگوں کا انجام بڑا بھیانک ہوگا اور دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی سے محروم رہیں گے۔

(2) اعلان نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کرامؓ جن مصائب اور مشکلات سے گزر رہے تھے تسلی دیتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں (1) اللہ کے دین کو پھیلانے اور اس کی سربلندی کی کوشش کرنے والے پیغمبروں اور ان کے ساتھیوں پر ہر طرح کی مشکلات آئیں لیکن انہوں نے اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے صبر و تحمل سے ہر مصیبت کو برداشت کیا۔ (2) دوسری بات یہ ہے کہ وقتی تکلیفوں کے بعد آخر کار حق و صداقت کی فتح ہوئی اور دنیا و آخرت کی تمام کامیابیاں ان کو عطا کر دی گئیں۔ لیکن وہ لوگ جو کفر و شرک میں مبتلا رہے ان لوگوں کی دنیا بھی برباد ہوئی اور آخرت کے ہولناک دن تو خوف و دہشت سے ان کی آنکھیں بھی نیلی پڑ جائیں گی۔

(3) فرمایا کہ جب قیامت کے دن صور اسرافیل پھونکا جائے گا تو اگلے پچھلے تمام لوگ زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ اس دن کفار و مشرکین اور گناہ گاروں پر ایسی وحشت طاری ہوگی کہ ان کے منہ سے الفاظ نکالنا بھی دشوار ہوگا۔ وہ

چکنے چپکے باتیں کرکے اپنی شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے کہ دنیا میں ہمیں جتنا بھی موقع ملا تھا ہم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔شاید وہ مدت دس دن تھی جو دبے قدموں گزر گئی تھی۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو عقل مندی کے دعوے دار ہوں گے وہ کہیں گے کہ دس دن کیسے ہمیں تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ایک دن گزار کر میدان حشر میں پہنچا دیئے گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت تک رہ کر آئے ہیں۔

(4) جو لوگ کفر وشرک اور گناہوں میں مبتلا ہوں گے وہ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنے کاندھوں پر اس طرح لادے ہوئے آئیں گے کہ ان کو کسی طرح کی خیر کی امید نہ ہوگی بلکہ وہ سخت مایوس ہوں گے۔

(5) فرمایا کہ اللہ کی طاقت وقوت اور قدرت ایسی ہے کہ وہ اس کائنات کی ہر چیز کو اور بلند و بالا پہاڑوں کو جب چاہے ذرے بنا کر فضا میں بکھیر سکتا ہے۔اس کی طاقت کے سامنے کسی کی طاقت نہیں ہے۔لہٰذا یہ سوال کہ کیا پہاڑ جیسی طاقتور مخلوق کو اللہ تباہ کر سکتا ہے ایک احمقانہ سوال ہے۔

(6) فرمایا کہ جب تک اللہ کی طرف سے اجازت نہ دی جائے گی اس وقت تک اس کی بارگاہ میں کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ جب اجازت دی جائے گی تو انبیاء کرامؑ اور اللہ کے صاحب ایمان نیک بندے گناہ گاروں کی سفارش کریں گے۔ لیکن کفار ومشرکین اس دن ہر طرح کی سفارش اور کرم سے محروم رہیں گے۔

(7) جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا پیکر ہوں گے ان پر قیامت کے دن انتہائی کرم ہوگا۔ان کو ابدی راحتوں سے ہمکنار کیا جائے گا۔ان کے درجات میں اضافہ کیا جائے گا اور ان پر کسی طرح کا ظلم اور زیادتی نہ ہوگی یہ ان کا بہترین انجام ہوگا۔

فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعَٰلَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۖ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ١١٣ تا ١١٤

اور اسی طرح ہم نے ان پر اس قرآن کو عربی میں نازل کیا۔اور اس میں ہم نے ہر طرح کے خوف دلائے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا ان کے لئے نصیحت کا کوئی سامان پیدا ہو جائے۔وہ اللہ بلند

اور برتر اور سچا بادشاہ ہے۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے جب تک آپ کی طرف وحی مکمل نہ ہو جائے اور کہئے کہ اے میرے رب! مجھے اور زیادہ علم عطا فرما۔

لغات القرآن آیت نمبر ١١٣ تا ١١٤

صَرَّفْنَا	ہم نے طرح طرح بیان کیا۔
اَلْوَعِيْدُ	ڈرادے۔
يُحْدِثُ	وہ پیدا کرتا ہے۔
تَعٰلٰى	بلند و برتر۔
اَلْمَلِكُ	بادشاہ۔ فرماں روا۔
لَا تَعْجَلْ	تو جلدی نہ کر۔
اَنْ يُّقْضٰى	یہ کہ پوری ہو جائے۔
زِدْنِيْ	مجھے زیادہ دے۔
عِلْمًا	علم۔

تشریح: آیت نمبر ١١٣ تا ١١٤

قرآن کریم میں گزشتہ قوموں کے ذکر کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی اصلاح و تربیت اور ہدایت کے اسباب پیدا ہو جائیں۔ برے اعمال کے برے نتائج کا ذکر بھی اسی لئے کیا گیا ہے کہ ان میں دنیا کی سمجھ پیدا ہو جائے۔ وہ نصیحت و عبرت حاصل کر کے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کا راستہ اختیار کریں اور ہر اس راستے سے بچ کر چلیں جو ان کو گناہوں اور برے اعمال کی دلدل میں پھنسا سکتا ہے۔ اس طرح ان میں اخلاص اور تقویٰ کی اعلیٰ اور بہترین صفات پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔ فرمایا کہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو صاف ستھری عربی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ کر تقویٰ کی زندگی اختیار کر سکیں اور کم از کم اپنی اصلاح کی فکر تو کر سکیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ سب سے بلند و برتر اور حقیقی بادشاہ ہے۔ اس نے اپنی رحمت سے ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پڑھنے سے انسانوں کی ہدایت کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ وہ خود اس کا نگراں اور محافظ ہے۔ لہٰذا یہ قرآن اصل حالت میں قیامت تک باقی رہے گا۔ فرمایا کہ

اے نبیؐ! آپ اس بات کی فکر نہ کیجئے اور اپنے آپ کو اس مشقت میں نہ ڈالئے کہ جو قرآن نازل کیا جارہا ہے اس کو آپ بھول جائیں گے۔ جب قرآن کریم کا نزول ہورہا ہو تو آپ اس قرآن کو (یاد کرنے کے لئے) اس وقت تک غور سے سنئے جب تک وحی مکمل نہ ہو جائے اور ہمیشہ یہ کہئے کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ اور ترقی عطا فرمائیے۔

ان آیات کی چند باتوں کی وضاحت

(1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس قرآن حکیم کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اس کی پہلی حکمت تو یہ ہے کہ قرآن کے سب سے پہلے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کی زبان عربی ہے۔ لہٰذا ان کو سمجھنے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ دوسری حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عربی زبان دنیا کی وسیع ترین، باعظمت اور زندہ زبان ہے۔ کہتے ہیں کہ آج دنیا میں چھوٹی بڑی ساڑھے آٹھ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لیکن عربی زبان کا آج بھی ایک اعلیٰ مقام ہے۔ یہ دنیا کی وہ عظیم زبان ہے جس کا مقابلہ ساری دنیا کی زبانیں بھی نہیں کرسکتیں۔ اس لئے اللہ نے اپنے کلام کے لئے اس عظیم و فصیح زبان کا انتخاب فرمایا ہے۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ اگر کوئی اور زبان ہوتی تو شاید وہ قرآن کریم کے معانی اور فصاحت و بلاغت کا بوجھ برداشت نہ کرسکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کردیتے تو وہ پہاڑ دب جاتا۔ اس کے ٹکڑے اڑ جاتے مگر وہ قرآن کے بوجھ کو برداشت نہ کرسکتا۔ اس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ عربی جیسی عظیم اور شاندار زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت، مفہوم اور معانی کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اس لئے قرآن کریم کے لئے عربی زبان کا انتخاب کیا گیا جس سے یہ زبان بھی ایک زندہ زبان بن گئی ہے۔ قرآن کریم قیامت تک کے لئے ہے اور عربی زبان میں قرآن کریم اترنے کی وجہ سے اس زبان کو بھی قیامت تک تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔

(2) دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم میں بار بار لوگوں کو ان کے برے اعمال کے برے نتائج سے خبردار کیا ہے کہ اگر وہ اپنے سامنے اللہ کی وعید کو رکھیں گے تو ان میں دو اعلیٰ ترین صفات پیدا ہو جائیں گی۔ (1) پہلی تو یہ ہے کہ ان میں تقویٰ اور پرہیز گاری جیسی اعلیٰ صفت پیدا ہو جائے گی۔ (2) دوسری یہ کہ ان میں تقویٰ کے ساتھ ساتھ کم از کم سوچنے اور فکر کرنے سے نصیحت و عبرت کے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔

(3) تیسری بات یہ فرمائی کہ اس کائنات میں اگر کوئی بلند و برتر ہستی ہے تو وہ اللہ ہے جو حقیقی اور سچا بادشاہ اور حکمران ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر اعتبار سے اس قدر بلند اور برتر ہے کہ انسان اس کی عظمت کا تصور تک نہیں کرسکتا۔ وہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہی سچا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے۔

(4) چوتھی اہم بات یہ ارشاد فرمائی کہ یہ قرآن کریم اللہ نے نازل کیا ہے وہی اس کا نگران اور محافظ ہے۔ وہ اس کی حفاظت میں کسی کا محتاج نہیں ہے وہ جس سے چاہے اس کی حفاظت کا کام لے سکتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس نے کفار کو ایمان کی توفیق عطا فرما کر ان سے حفاظت قرآن کا وعدہ پورا کیا ہے چنانچہ وہ تاتاری قوم جو دنیا سے مسلمانوں اور قرآن کو مٹانے کے لئے اٹھی تھی جس نے بظاہر دین اسلام اور مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ اللہ نے اس قوم کو راہ ہدایت دی اور انہوں

نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی عظیم خدمات سرانجام دیں یعنی دین اسلام کو مٹانے والے خود ہی دین کے محافظ بن گئے۔
غرضیکہ یہ اللہ کا کلام ہے وہ اس کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ اے نبیؐ! جب تک آپ کی طرف پوری طرح وحی نازل نہ ہوجائے اس وقت تک آپ جلدی نہ کیجئے۔ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل اللہ کا کلام لے کر آتے اور آپ کو قرآن کریم سناتے تھے تو آپ شدید احساس ذمہ داری کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ میں ان آیات کو اچھی طرح یاد کرلوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں اور ادائیگی رسالت میں کمی رہ جائے۔ آپ یاد کرنے کے لئے جلدی جلدی اپنی زبان مبارک کو حرکت دیا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا کہ اے نبیؐ! ہم آپ کو (یہ قرآن) اس طرح پڑھائیں گے کہ آپ اس کو بھول نہ سکیں گے۔

سورۃ القیامہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ اے نبیؐ! آپ اپنی زبان مبارک (ہونٹوں کو) جلدی جلدی حرکت نہ دیا کریں کیونکہ اس (قرآن کو دل پر جمع کردینا) اور اس کو (آپ کی زبان مبارک سے) تلاوت کرادینا ہماری ذمہ داری ہے جب یہ قرآن پڑھا جائے تو آپ اس کی اتباع کیجئے (خاموشی سے سنئے) پھر یہ ہماری ذمہ داری ہے (کہ قلب پر جمع کرائیں اور تلاوت کرادینے کے علاوہ) اس کا مفہوم بھی (آپ کی زبان مبارک سے) بیان کرادیں گے۔ (سورۂ قیامہ)

اس میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں اپنے ذمے رکھی ہیں (1) آپ کے قلب مبارک پر قرآن کو جمع کردینا۔ (2) اس کی تلاوت کرادینا (3) اور اس کا بیان یعنی وضاحت کرادینا۔ یعنی صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کو آپ کے قلب مبارک پر جمع کردیا ہے اس کی تلاوت کرادیں گے بلکہ آیات الٰہی کے معانی، مفہوم اور مراد کی وضاحت بھی اللہ کی طرف سے ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے جس لفظ کا ترجمہ اور اس کی وضاحت جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہی اللہ کی مراد ہے اور اس کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر القا فرمائی ہے یعنی آپ کے دل میں اس کا مفہوم ڈالا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ اور آیات کا مطلب اور مفہوم متعین کرنے کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ الحمد اللہ ہمارے اکابر اور بزرگوں نے پوری دیانت و امانت کے ساتھ قرآن کریم کی وہی تشریح فرمائی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہے۔ انسانی تاریخ میں ان اکابر کی کاوشوں کو سنہری حروف سے لکھا جائے گا اور امت ہمیشہ ان کے کارناموں پر فخر کرے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر وہ تشریح جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگی وہی اللہ کی مراد سمجھی جائے گی لیکن جو لوگ اپنی اغراض کے لئے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ پھیر کر من مانی تشریح کرتے ہیں وہ ناقابل اعتبار تشریح ہے۔

(5) پانچویں بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اے ہمارے حبیبؐ! آپ ہمیشہ یہی کہئے کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ اور ترقی عطا فرمایئے۔ کیونکہ جو علوم اللہ کی طرف سے عطا کئے جائیں گے وہی نور ہدایت ہوں گے اور منزل مراد تک پہنچانے کا ذریعہ ہوں گے۔ ان علوم کے علاوہ جتنے بھی علوم ہیں ضروری نہیں ہے کہ ان علوم کے ذریعہ انسان کو راہ ہدایت نصیب ہوجائے بلکہ اگر اللہ کا نور ہدایت اس میں شامل نہیں ہوگا تو انسانوں کے بھٹکنے کے زیادہ امکانات ہیں۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ
اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا
عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ اِنَّ
لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾
فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ
الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا
وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ
فَغَوٰى ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا
مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ
فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ
اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾
قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾
وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ
الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ
الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾

ع ٦ / ١١ / ١٥

ع ٧ / ٣ / ١٦

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۵ تا ۱۲۸

اور اس سے پہلے ہم نے آدم علیہ السلام کو ایک حکم دیا تھا۔ ان سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں ارادہ کی پختگی نہ پائی۔ اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ پھر ہم نے کہا کہ اے آدم یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ بے شک تمہارے لئے اس جنت میں یہ (نعمت) ہے کہ نہ تم بھوکے رہوگے اور نہ ہی ننگے، نہ تم پیاسے رہوگے اور نہ تمہیں دھوپ کی تپش ستائے گی۔ پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ اے آدم کیا میں تمہیں ایک ایسے درخت کے متعلق نہ بتاؤں جس سے ہمیشہ کی زندگی اور نہ ختم ہونے والی سلطنت نصیب ہو جائے؟ آخر کار ان دونوں نے اس سے کھا لیا جس سے ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے آگے کھل گئے۔ اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے۔ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور غلطی میں پڑ گئے۔ پھر اس کے رب نے اسے منتخب کر لیا۔ پھر اللہ نے توجہ فرمائی (توبہ قبول کر لی) اور اسے راہ دکھائی۔ (اللہ نے) فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ۔ تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ پھر جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو بھی اس کی پیروی کرے گا وہ گمراہ نہ ہوگا اور نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔ اور جس نے میری یاد (نصیحت) سے منہ پھیرا تو بے شک اس کی معیشت (روزی) تنگ ہو جائے گی۔ اور اسے ہم قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب تو نے مجھے اندھا اٹھایا جب کہ میں دنیا میں آنکھوں والا تھا۔ اللہ فرمائیں گے کہ جس طرح تو نے ہماری آیات کو بھلا دیا تھا جب کہ وہ تیرے پاس آئی تھیں۔ اسی طرح آج ہم نے تجھے بھلا دیا۔ اور ایسے ہی حد سے گذرنے والوں کو اور جو لوگ اپنے رب پر ایمان نہیں لاتے ان کو ہم اسی طرح کی سزا دیں گے۔ اور آخرت کا عذاب تو شدید ترین اور دیر تک قائم رہنے والا ہوگا۔ اور کیا (اس بات نے بھی) ان کو ہدایت نہ دی کہ ان سے پہلے ہم کتنے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ جن کی بستیوں میں (یہ آج بھی) چلتے پھرتے ہیں۔ یقیناً ان میں عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۵ تا ۱۲۸

تَشْقٰی	تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔
لَا تَجُوْعُ	تو بھوکا نہ رہے گا۔
لَا تَعْرٰی	تو ننگا نہ رہے گا۔
لَا تَضْمَؤُ	نہ پیاسے رہو گے۔

لَاتَضْحٰی	نہ دھوپ میں رہو گے۔
اَدُلُّ	میں رہنمائی کرتا ہوں۔
اَلْخُلْدُ	ہمیشہ۔
لَایَبْلٰی	زوال نہ آئے۔
طَغٰی	وہ بہک گیا۔
لَایَشْقٰی	بدنصیب نہ ہوگا۔
مَعِیْشَۃٌ	گزر بسر کا سامان ۔
ضَنْکٌ	تنگ۔
اَلنُّھٰی	عقل وسمجھ۔

تشریح: آیت نمبر ۱۱۵ تا ۱۲۸

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں بڑی عظمتوں سے نوازا ہے وہیں اس میں بعض کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں۔اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ خواہش ہے کہ اس کو زندگی کی نعمتیں، لذتیں، راحتیں، عیش و آرام، حکومت و سلطنت اور اقتدار اس طرح مل جائے جس سے وہ سب کچھ اسے ہمیشہ حاصل رہیں اور ان کو کبھی زوال نہ آئے۔ حالانکہ اس دنیا کی مختصر زندگی میں یہ ممکن بھی نہیں ہے لیکن انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ اس کے پاس رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور ان کی رفیقہ حیات بی بی حوا کو ایسی جنت عطا فرمادی تھی جس میں بھوک، پیاس، دھوپ کی تپش اور لباس کی کمی نہ تھی اور ان سے کہا گیا تھا کہ وہ اس جنت میں رہیں سوائے ایک درخت کے ہر چیز کو وہ کھائیں اور استعمال کریں۔اس درخت کے قریب نہ جانا جو ان کی محض ایک آزمائش تھا۔شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے اس نے ہمدردانہ انداز اختیار کر کے اور خیر خواہی پر قسمیں کھا کر حضرت آدمؑ وحوا سے یہ کہا کہ اصل میں تم دونوں کو اس درخت کا پھل کھانے سے صرف اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اگر تم نے اس کو کھالیا تو تم ہمیشہ اسی جنت میں رہ جاؤ گے اور تمہیں ہر طرح کا اقتدار و اختیار دائمی طور پر مل جائے گا۔اس وقت حضرت آدمؑ وحواؑ اس

بات کو بھول گئے کہ شیطان ان کا ازلی دشمن ہے اور وہ دونوں اس کے دھوکے اور فریب میں آ گئے۔ درخت کے کھاتے ہی ان دونوں کے بدن سے جنت کا لباس اتر گیا۔ ایک دوسرے کا ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا حالانکہ اس جگہ وہ دونوں تنہا تھے مگر شرم وحیا سے دونوں اپنے ستر کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو اس غلطی کا احساس ہوا کہ ان سے بھول ہوگئی حالانکہ عزم و ہمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ دونوں اتنی بڑی بات کو کبھی نہ بھولتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا کو جنت کی راحتوں سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا اور فرمایا کہ اب جنت میں آنے کا ایک ہی راستہ ہے تم اور تمہاری اولادیں دنیا میں ایک مدت تک رہ کر ایمان اور حسن عمل کا مظاہرہ کریں گے تو جنت کے مستحق بن سکیں گے۔ اس بات کی یاد دھانی کے لئے ہم اپنے پاک نفس انبیاء کرام کو راہ ہدایت کی تعلیمات دے کر بھیجتے رہیں گے اگر ان کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کیا گیا تو وہ جنت کی ابدی راحتوں سے محروم نہ رہیں گے لیکن اگر نافرمانی کی روش اختیار کی گئی تو نہ صرف یہ کہ ان کی زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا جائے گا بلکہ دنیا اور آخرت میں سوائے نقصان کے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ آخرت کی سزا تو یہ ہوگی کہ جن لوگوں نے اللہ کے پیغمبروں کی لائی ہوئی تعلیمات سے منہ پھیرا ہوگا اور جان بوجھ کر اندھے بنے رہے ہوں گے جب وہ قیامت کے دن اٹھیں گے تو بصارت سے محروم ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم دنیا میں تو آنکھوں والے تھے ہمیں یہاں اندھا کر کے کیوں اٹھایا گیا ہے؟ جواب دیا جائے گا کہ جب تمہارے پاس ہماری آیتیں بھیجی گئی تھیں تو نہ صرف ہماری آیتوں کا انکار کر کے تم حد سے بڑھ گئے تھے بلکہ جان بوجھ کر اندھے بنے رہے تھے۔ لہٰذا یہ تمہاری سزا ہے یہ تو ان کی آخرت میں سزا ہوگی۔ دنیاوی سزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ بہت سی قوموں کو اس لئے برباد کر دیا گیا تھا کہ انہوں نے ہماری نافرمانیوں کے ایسے انداز اختیار کئے جس سے انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنی دنیا اور آخرت کو برباد کر ڈالا۔ آج ان کے کھنڈرات ان کی نافرمانیوں کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے حکم کی فرماں برداری میں غفلت ہوگئی۔ ان کو دنیا میں بھیجا گیا تاکہ تمام لوگ ایمان اور حسن عمل اختیار کر کے دوبارہ اپنے آپ کو جنت کا مستحق ثابت کریں۔ دنیا میں آنے کے بعد حضرت آدمؑ وحوا اس نافرمانی پر شرمندگی محسوس کر رہے تھے اور دن رات روتے رہتے اور توبہ واستغفار میں لگے رہتے تھے آخر کار اللہ کو ان کے ندامت کے آنسوؤں پر رحم آ گیا اور اللہ نے ان کی اس خطا کو معاف کر دیا اور ان کی توبہ کو قبول فرما لیا۔ اب نصاریٰ کا یہ عقیدہ کہ حضرت آدمؑ کا یہ گناہ نعوذ باللہ ان کی نسلوں میں چلتا رہا اور اللہ نے (نعوذ باللہ) اپنے بیٹے حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھا کر حضرت آدم اور سارے انسانوں کے گناہوں کو معاف کر دیا۔ یہ عقیدہ کس قدر کمزور اور احمقانہ ہے لیکن بدقسمتی سے نصاریٰ اس عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں اور گمراہی کو اپنے گلے میں ڈالے ہوئے ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ١٢٩ تا ١٣٢

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ کردی گئی ہوتی اور مدت مقرر نہ کردی گئی ہوتی تو ان پر ضرور عذاب نازل ہوجاتا۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد وثنا کیجئے۔ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے تسبیح کیجئے اور کچھ رات کی گھڑیوں میں اس کی تسبیح کیجئے اور دن کے کناروں پر بھی شاید کہ آپ خوش ہوجائیں۔ اور دنیاوی زندگی کی اس شان وشوکت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے ان مختلف قسم کے لوگوں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہیں۔ وہ اس لئے ہیں کہ ہم آزمائیں اور آپ کے پروردگار کا دیا ہوا رزق ہی بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور اس پر قائم رہیئے ہم آپ سے کوئی رزق نہیں چاہتے بلکہ ہم رزق دینے والے ہیں اور بہترین انجام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ١٢٩ تا ١٣٢

سَبَقَتْ گزر گئی۔ طے کر دی گئی۔

لِزَامٌ عذاب۔

اَجَلٌ مُّسَمًّی مدت مقرر۔ متعین۔

اِنَاءٌ برتن۔ لمحہ۔ وقت۔

اَطْرَافٌ کنارے۔

تَرْضٰی تو خوش ہوگا۔

لَاتَمُدَّنَّ تو ہرگز نہ پھیلے گا۔

مَتَّعْنَا ہم نے برتنے کا سامان دیا۔

زَهْرَةٌ آرائش وزیبائش۔

نُفْتِنُ ہم آزماتے۔

اِصْطَبِرْ تو قائم رہ۔

تشریح: آیت ١٢٩ تا ١٣٢

ان آیات میں کفار و مشرکین کے اس طرز عمل کو بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا۔ ان لوگوں کی نافرمانیوں، ضدوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ کا عذاب ان پر ٹوٹ پڑتا اور ان کو گزشتہ قوموں کی طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیا جاتا چونکہ اللہ کی ہر صفت پر اس کی صفت رحم و کرم اور صفت حلم و تحمل چھائی ہوئی ہے اس لئے گناہگاروں کو فوراً ہی سزا نہیں دی جاتی بلکہ ان کو ایک خاص اور مقرر مدت تک مہلت اور ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ وہ اس فرصت سے

فائدہ اٹھا کر اپنے اعمال وافعال کی اصلاح کرلیں۔اس کے باوجود اگر وہ اپنی روش زندگی اور طرز فکر کو تبدیل نہیں کرتے تب اللہ کا وہ فیصلہ آ جاتا ہے جس کے سامنے کسی کا ٹھہرنا اور نجات پانا ناممکن بن جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کرامؓ سے فرمایا جارہا ہے کہ وہ کفار کی نافرمانیوں اور ضد کی پرواہ نہ کریں اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے کسی طرح کے انتقام کے جذبے کو پروان نہ چڑھائیں۔

اپنے فریضہ تبلیغ اور اشاعت دین کی جدوجہد کو تیز تر کردیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کفار کے پیچھے نہ پڑیں اپنے اعمال کی فکر کرتے ہوئے اللہ کی عبادت و بندگی اور حمد وثناء میں دل و جان سے لگ جائیں اس سے نہ صرف سکون قلب کی دولت مل جائے گی بلکہ استحکام وترقی بھی عطا کی جائے گی۔سکون قلب کا سب سے بہتر ذریعہ اور عبادت کا بہترین انداز اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے نماز پڑھنا ہے۔

فرمایا کہ

(1) سورج نکلنے سے پہلے

(2) سورج غروب ہونے سے پہلے

(3) رات کے لمحات میں

(4) دن کے دونوں حصوں کے ملنے کے وقت اللہ کی حمد وثناء کیجئے اور اس ذات کی خوبیاں بیان کیجئے جس کا سب سے بڑا فائدہ ہر طرف سے خوشی ہی خوشی ہے۔

یہ وہ آیت ہے جس میں پانچ وقت فجر،ظہر،عصر،مغرب اور عشاء کی نمازوں کے اوقات بیان کئے گئے ہیں اور پانچ وقت کی نمازوں کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

ان آیات میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اس دنیا میں اصل چیز ایمان لانے کے بعد انسان کے بہترین اعمال اور ان کے بہترین نتائج ہیں۔ کیونکہ انسان کے نیک اور بہتر اعمال اس کو آخرت کی عظمت و بلندی کی طرف لے جانے والے ہیں جب کہ دنیا کی چمک دمک، مال ودولت، زیب وزینت اور دنیاوی خوبصورتیاں اکثر انسان کو اچھے اعمال اور مقصد حیات سے بہت دور لے جاتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اے نبیؐ! یہ دنیا کی ظاہری چمک دمک، رشک، رغبت اور

شوق سے دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں کیونکہ یہ تو انسان کی ایک آزمائش ہیں۔ اکثر لوگ دنیا کے حرص و لالچ میں پڑ کر آخرت تک کو بھول جاتے ہیں۔ دنیا محض استعمال کرنے کے لئے بنائی گئی ہے دل لگانے کے لئے نہیں کیونکہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہی زیادہ بہترین اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ یہ دنیا اور اس کی رونقیں عارضی ہیں جو ایک وقت مقرر پر ختم ہو جائیں گی۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ خود بھی صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے نماز قائم کیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس پر جمانے کی کوشش کیجئے۔

رزق کی پروانہ کیجئے ہم یہ نہیں چاہتے ہیں کہ آپ دنیا کا ساز و سامان جمع کریں کیونکہ زندگی گذارنے کا پورا انتظام ہم نے کر رکھا ہے، ہم وہ آقا نہیں جو اپنے غلاموں سے محنت کراتے اور گھر بیٹھ کر آرام سے کھاتے ہیں بلکہ ہم آپ کے رزق کے ذمہ دار ہیں۔ ہم ہی آپ کو رزق دیں گے۔ بہترین انجام تو صرف تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾

٨ ع ٧ ١٧

ترجمہ: آیت نمبر ١٣٣ تا ١٣٥

وہ کہتے ہیں کہ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی (معجزہ) لے کر کیوں نہیں آتے۔ (اللہ نے فرمایا) کیا ان کے پاس پہلی کتابوں میں سے وہ نشانی

نہیں آئی؟ اوراگر ہم رسولوں کے آنے سے پہلے ان کو ہلاک کر دیتے تو کہتے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم ذلیل ورسوا ہونے سے پہلے ان کی اتباع کرتے آپ کہہ دیجئے۔ تم انتظار کرو۔

تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھے راستے پر چلنے والا ہے اور کس نے ہدایت حاصل کی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳۳ تا ۱۳۵

لَوْلَا يَأْتِيْنَا	وہ کیوں نہیں لاتے ہمارے پاس۔
صُحُفٌ (صَحِيْفَةٌ)	کتابیں۔
اَرْسَلْتَ	تو نے بھیجا۔
نَذِلُّ	ہم ذلیل ہوتے ہیں۔
نَخْزٰى	ہم رسوا ہوتے ہیں۔
مُتَرَبِّصٌ	انتظار کرتے ہیں۔
اَلسَّوِيُّ	برابر۔
اِهْتَدٰى	جس نے ہدایت پائی۔

تشریح: آیت نمبر ۱۳۳ تا ۱۳۵

سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کو دیئے گئے معجزات (عصا اور ید بیضا) کا بڑی تفصیل سے ذکر

فرمایا ہے۔ان معجزات کو دیکھ کر کئی لوگ تو ایمان لے آئے لیکن آل فرعون اور بنی اسرائیل کی بہت بڑی اکثریت نے سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود اس کو ایک جادو سے زیادہ نہ سمجھا۔اس سے معلوم ہوا کہ جس کو ایمان لانا ہے وہ کسی معجزہ یا بہانے کا محتاج نہیں ہوتا۔ بلکہ جب حق وصداقت کی روشنی نظر آتی ہے تو ان کے دل ایمان کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔

کفار مکہ جو ایمان نہ لانے کے بہانے تلاش کرتے رہتے تھے اگر وہ ذرا بھی غور کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور قرآن کریم جیسی عظیم کتاب کے بعد ان کو کسی معجزہ کے مطالبہ کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ایک نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے ایسا کلام سنا جانا جس کی مثال اور نظیر لانا ممکن ہی نہیں ہے جو عرب کے تمام اہل زبان کے لئے ایک چیلنج تھا اور قرآن کریم میں صاف صاف فرمادیا گیا تھا کہ اگر دنیا کے جنات اور انسان بھی مل جائیں تب بھی اس قرآن جیسا لانے کی کوشش میں ناکام ونامراد ہو جائیں گے بلکہ قرآن کریم کی ایک سورت بھی بنا کر نہیں لا سکتے۔

لہٰذا اس معجزہ کی موجودگی میں کسی بھی نئے معجزہ کا مطالبہ بڑی حماقت کی بات ہے کفار مکہ بڑی جسارت سے کہتے تھے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ سچے ہیں تو ثبوت کے طور پر کوئی نشانی یا معجزہ لے کر کیوں نہیں آئے جس کو دیکھ کر ہم ایمان لے آتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس سے پہلے جو کتابیں آچکی ہیں جن میں انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر ہے کیا وہ ایمان لانے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ کیا انہیں یہ بات معلوم نہیں کہ انبیاء کرام نے بڑے بڑے معجزات دکھائے لیکن ان پر ایمان والے صرف چند سعادت مند لوگ ہی تھے؟ یہاں اس بات کی ایک دفعہ اور وضاحت ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ پر کفار کی فرمائش پر کسی معجزہ کو نازل نہیں کیا گیا کیونکہ اگر وہ اس معجزہ کو دیکھنے کے باوجود اس پر ایمان نہ لاتے تو اللہ کا عذاب نازل ہوتا اور پوری قوم تباہ وبرباد ہو کر رہ جاتی جو اللہ کی مصلحت کے خلاف ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ یہ امت آخری نبی کی آخری امت ہے اگر یہ مٹ جاتی تو پھر قیامت تک کوئی شخص اور قوم اللہ کا نام لینے والا اور آخری پیغام کو پہنچانے والا نہ ہوتا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سی قوموں کو ان پر ان ہی کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کیا ہے جن کے صرف اب کھنڈرات بھی باقی نہیں اور نشان عبرت ونصیحت بن چکے ہیں۔البتہ آپ سے بے شمار معجزات صادر ہوئے ہیں جن کو ہزاروں صحابہ کرامؓ نے دیکھا اور اس کو تفصیل سے بیان کیا چنانچہ معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ اگر ہمارے پاس رسول آتے تو ہم اس طرح

ذلیل ورسوانہ ہوتے اورہم ایمان لے آتے۔فرمایا کہ اب اللہ نے اپنا آخری رسول اور آخری نبی بھیج دیا ہے جن سے انسان ہدایت پاسکتا ہے اب قرآن کریم کی موجودگی میں نہ کسی نبی کی ضرورت ہے اور نہ کسی نئی کتاب کی۔فرمایا کہ اہل ایمان کو کفار کی چالوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بہت جلد یہ نافرمان اور سرکش لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ حق وصداقت کو نہ ماننے کا انجام کتنا بھیانک ہے اور جولوگ سچائی پرایمان لانے والے ہیں وہ بھی جان لیں گے کہ سیدھے راستے پر چل کر منزل مقصود پر کون پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ختم نبوت کے صدقے ایمان اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے آمین۔اور آخرت کی ابدی راحتیں عطا کرے آمین ثم آمین

الحمد اللہ سورۂ طٰہٰ کا ترجمہ وتشریح تکمیل تک پہنچی۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۷

اقترب للناس

سورة نمبر ۲۱

الأَنبِيَاء

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۃ الانبیاء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ نمبر	21
کل رکوع	7
آیات	112
الفاظ وکلمات	1187
حروف	5154
مقام نزول	مکہ مکرمہ

سورۃ الانبیاء میں سترہ انبیاء کرامؑ کا ذکر مبارک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے اس کا نام سورۃ الانبیاء رکھا۔

مکہ مکرمہ کے دور متوسط میں سورۃ الانبیا نازل کی گئی۔ چونکہ اس سورۃ میں سترہ انبیاء کرام کا ذکر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے اس سورت کا نام ''الانبیاء'' رکھا ہے۔

بدعملی اور کفر وشرک میں مبتلا لوگوں کو ایک دفعہ پھر جھنجوڑا گیا ہے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ حساب کتاب کی گھڑی سر پر کھڑی ہے لیکن یہ لوگ اپنی غفلت اور جہالت کی روش کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہیں حالانکہ وہ وقت بہت دور نہیں ہے جب ان کے سامنے ان کی زندگی بھر کے اعمال پیش کیے جائیں گے۔ جس کا وہ انکار نہ کر سکیں گے۔ غفلت کا انداز اختیار کر کے جس طرح وہ لاپرواہی برت رہے ہیں اور ٹلانے کی کوشش کر رہے ہیں ان کو بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے جواب دینے سے بچ نہ سکیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر فرمایا کہ اس طرح میرا آنا اور قیامت کا آنا ملا ہوا ہے یعنی نبی کریم ﷺ کی بعثت اس بات کی علامت ہے کہ انسانی تاریخ اب اپنے آخری دور میں داخل ہو چکی ہے۔

اس سورۃ میں کفار ومشرکین کی اس غلط فہمی کو بڑی شدت سے دور کیا گیا ہے کہ ایک بشر نبی کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جتنے بھی انبیاء کرامؑ تشریف لائے ہیں وہ سب کے سب بشر ہی تھے کوئی اور مخلوق نہ تھے۔ انبیاء کرامؑ کی بشریت سے انکار کو جہالت اور نادانی قرار دیا گیا ہے۔

بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا اور سب سے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا آخری نبی اور آخری رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ وہ ہزاروں انبیاء جو دنیا میں تشریف لائے ہیں ان سب کا دین ایک ہی تھا۔ اسی دین کی تکمیل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کی گئی ہے۔ اب آپ کے بعد نہ کسی نئے نبی اور رسول کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کتاب ہدایت کی۔ جو لوگ اس سچائی کو تسلیم کریں گے دنیا اور آخرت کی کامیابی ان ہی لوگوں کا نصیب ہوگی۔ جو منہ

پھیریں گے ان کو دنیا اور آخرت میں سوائے حسرتوں کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔
فرمایا کہ انسان کی زندگی کا جو بھی لمحہ گذر رہا ہے وہ اس کو موت سے اتنا ہی قریب کر رہا ہے۔ ہر انسان کو اور ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہی ہے۔ یہ وہ دروازہ ہے جس سے ہر انسان کو یہاں تک کہ تمام انبیاء کرامؑ کو بھی گزرنا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ سب کو موت آئے گی اور اسے موت نہ آئے گی۔ فرمایا کہ ہر انسان کو اپنی آخرت کی فکر کرنا چاہیے۔ اگر اس سلسلہ میں غفلت اور لاپرواہی کا طریقہ اختیار کیا گیا تو یہ زندگی کے لمحے اس کے لیے حسرتوں اور ناکامیوں کا سبب بن جائیں گے۔

فرمایا کہ جتنے بھی انبیاء کرامؑ تشریف لائے سب سے پہلے ان کی تعلیمات کو جھٹلایا گیا، ان کو ہر طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ ان کا مذاق اڑایا گیا اگر اللہ چاہتا تو ان پر اپنا عذاب بھیج سکتا تھا مگر اس کے ہر فیصلے پر اس کی صفت رحم اور صفت حلم و برداشت غالب ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں جلدی نہیں کرتا لیکن جب وہ کسی قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو پھر کسی کا اقتدار، فوج، دولت، بلند عمارتیں اور شان و شوکت اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔

مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی توحید و رسالت، شان نبوت، اللہ کا ذکر اور فکر آخرت کی تعلیم دی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے نبی کریم ﷺ اس دین کو لے کر تشریف لائے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے انبیاء کرامؑ لے کر تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ بھی اسی تعلیم کو پھیلا رہے ہیں جو انبیاء کرامؑ کا مقصد اور مشن تھا۔ فرمایا گیا کہ اگر کفار مکہ ایمان نہ لائے تو ان کا حشر بھی ان لوگوں سے مختلف نہ ہوگا جو نافرمانیاں کر کے اپنی آخرت کو برباد کر بیٹھے تھے۔ سنبھلنے اور سمجھنے کا یہ بہترین موقع ہے۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے ان تمام اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے جو وہ نبی کریم ﷺ پر کیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ آپ ﷺ ساری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں جو لوگ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے وہی کامیاب و بامراد ہوں گے لیکن جنہوں نے ان کے راستے کو چھوڑ دیا وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ اللہ نے اپنا آخری نبی بھیج دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی سختی سے تردید فرمائی ہے کہ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ ان رشتے اور تعلقات سے بلند و برتر ہے۔ اس کی طاقت و قدرت ایسی ہے کہ جب کسی چیز کو وجود عطا کرنا چاہتا ہے تو وہ اسباب اور ذرائع کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ کن (ہو جا) کہتا ہے اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے اسے اپنا بیٹا بیٹی یا بیوی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ محتاجی انسانوں کو ہوتی ہے اللہ اس طرح کی ہر احتیاج محتاجی اور ضرورت سے بلند و برتر اور بے عیب ذات ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں لیکن کائنات میں ہر چیز اس کی محتاج ہے۔

سُورَةُ الأَنبِيَاءِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖۗ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ قٰلَ رَبِّیْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؗ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۱۰

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں اس سے منہ پھیر رہے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت بھی آتی ہے تو وہ لا پرواہی سے سنتے اور اپنے کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کے دل غفلت و لا پرواہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ظالم چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تو تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہے۔ کیا پھر بھی تم دیکھتے بھالتے اس کے جادو میں پھنس جاؤ گے۔

رسول نے فرمایا کہ میرا رب ہر اس بات کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ (کفار) کہتے ہیں کہ یہ تو پریشان خواب ہیں۔ بلکہ اس نے یہ باتیں خود گھڑ لی ہیں وہ ایک شاعر ہے اور نہ یہ کوئی نشانی (معجزہ) لے کر آئے جیسا کہ پہلے نبی (معجزات دے کر) بھیجے گئے تھے۔ حالانکہ ان سے پہلے کوئی بستی جس کو ہم نے ہلاک کیا (نشانیاں دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لائی۔ کیا یہ ایمان لائیں گے؟

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر بھیجے ہیں وہ انسان ہی تھے جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی تھی۔ اگر تمہیں اس کا علم نہیں ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور ہمیشہ جینے والے ہوں۔ پھر ہم نے ان سے کئے ہوئے وعدوں کو سچا کر دکھایا۔ ہم نے جس کو چاہا بچا لیا اور حد سے بڑھ جانے والوں کو ہلاک کر دیا (اے نبی کہہ دیجئے) بے شک ہم نے تمہاری طرف کتاب کو نازل کیا ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۱۰

اِقْتَرَبَ	قریب آ گیا۔
مُحْدَثٌ	نیا۔
اِسْتَمَعُوْہُ	وہ اس کو سنتے۔
یَلْعَبُوْنَ	وہ کھیل کود میں لگے ہیں۔

لَاهِيَةً	غفلت۔ بھولے ہوئے۔
اَسَرُّوْا	چپکے چپکے کرتے ہیں۔
اَلنَّجْوٰى	سرگوشی مشورے۔
اَضْغَاثٌ	پراگندہ۔ پریشان خیال۔
اَحْلَامٌ	خواب۔
اِسْئَلُوْا	پوچھ لو۔ سوال کرو۔
جَسَدٌ	جسم۔
صَدَقْنَا	ہم نے سچ کر دکھایا۔
اَلْمُسْرِفِيْنَ	حد سے گذرنے والے۔

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۱۰

اعلان نبوت کے بعد ابتداء میں سردارن مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی تعلیمات کو زیادہ اہمیت نہیں دی جو شخص بھی آپ کی باتوں کو سنتا اس کا مذاق اڑاتا، پھبتیاں کستا اور ہر طرح کی اذیتیں پہنچانے میں کسر نہ چھوڑتا تھا ان کا گمان یہ تھا کہ یہ سب کچھ وقتی تحریک اور عارضی باتیں ہیں بہت جلد یہ تحریک دم توڑ دے گی۔ لیکن جب سرداران مکہ نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقناطیسی اور انقلابی شخصیت اور دلوں کو گرما دینے والی تعلیمات کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہو رہی ہے اور ہر گھر اور ہر فرد بڑی تیزی سے متاثر ہوتا جا رہا ہے۔ تو انہیں اس تمام صورت حال پر سنجیدگی سے فیصلہ کرنے کی فکر لاحق ہو گئی بنو قریش کی ایک اہم ترین شخصیت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے سرداران مکہ اور بھی بوکھلا اٹھے اور اس نئی تحریک سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ سب کے سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور نہایت خاموشی اور رازداری سے یہ طے کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جانثار صحابہؓ اور قرآنی تعلیمات کا مسلسل مذاق اڑایا جائے اور لوگوں میں خوف و ہراس پھیلا دیا جائے جس سے ہر شخص ان کے قریب جانے سے گھبرانے لگے یا نفرت کرنے لگے۔ چنانچہ ابن ہشام نے جلد اول میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ قریشی سردار عتبہ ابو الولید قریشی سرداروں کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا جس میں اسی بات پر بحث ہو رہی

تھی کہ اس صورت حال کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ ابوالولید نے کہا میری تجویز یہ ہے کہ اس قصے کو ختم کرنے کے لئے میں خود جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ معلوم کرلوں کہ آخر وہ ان تمام باتوں سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ کچھ چاہتے ہیں تو اس معاملے کو آپس میں بیٹھ کر طے کر لیتے ہیں اور ان کو کچھ رعایتیں دیدیتے ہیں قریشی سرداروں کو ابوالولید کی فہم وفراست پر پورا اعتماد تھا کہنے لگے کہ تم اٹھو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کرو چنانچہ عتبہ ابوالولید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا کہنے لگا کہ ”بھتیجے تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم تمہیں کتنی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں تمہارا نسب بھی اعلیٰ ترین ہے مگر تم مکہ والوں سے ایسی باتیں کر رہے ہو جس سے ان میں شدید انتشار اور زبردست اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ تم ان کے معبودوں کو برا کہتے ہو“ تم ان کے گذرے ہوئے لوگوں کی برائیاں بیان کرتے ہو میری بات غور سے سنو، میں چند باتیں بتاتا ہوں اگر سمجھ میں آجائیں تو ان پر عمل کر لینا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تحمل اور بردباری سے فرمایا کہ اے عتبہ ابوالولید تم کہو میں تمہاری باتیں سن رہا ہوں۔ ابوالولید نے کہا اگر تم یہ سب کچھ مال ودولت کے لئے کر رہے ہو تو ہم سب ملکر تمہیں اتنا مال جمع کر کے دیدیں گے جس سے تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اگر تم ان باتوں کے ذریعے حکومت کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ اگر تمہارے اوپر کسی جن وغیرہ کا سایا ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے تمہارا علاج کرا سکتے ہیں اور اس سے تمہیں نجات دلانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ جب عتبہ ابوالولید یہ باتیں کر چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابولولید تم نے کہا میں نے سن لیا اب تم میری چند باتیں بھی سن لو، اس نے کہا سنایئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ حم السجدہ کی آیتیں تلاوت کرنا شروع کیں اور کافی دیر تک تلاوت فرماتے رہے جب آیت سجدہ آئی تو نبی کریم ﷺ نے سجدہ فرمایا۔ عتبہ ابوالولید ان تمام آیات کو غور سے سنتا رہا۔ پھر وہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آگیا۔ سب نے عتبہ کے بدلے ہوئے انداز اور چال سے سمجھ لیا تھا کہ عتبہ میں تبدیلی آچکی ہے اور اس کا رنگ ڈھنگ بدلا ہوا ہے منتظر لوگوں نے پوچھا ابوالولید کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا اللہ کی قسم جو کچھ انہوں نے مجھے سنایا ہے آج تک میں نے ایسا کلام نہیں سنا، وہ شعر، جادو یا کہانت نہیں ہے۔ عتبہ نے کہا اے قریشیو! تم وہ کرو جو میں کہتا ہوں۔ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو اور ان سے الگ رہو، کیونکہ جو بات میں نے سنی ہے اس کی بڑی اہمیت ہے اگر عرب کے لوگ اس پر غالب آگئے تو تمہارے بھائی کا خون تمہاری گردن پر نہ ہوگا۔ دوسروں پر ہوگا اور اگر یہ عربوں پر غالب آگئے تو ان کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی۔ ان کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔ اس وقت موجود تمام لوگوں نے کہا کہا ابوالولید تمہارے اوپر بھی اس کا جادو چل گیا ہے۔ عتبہ ابوالولید نے صرف اتنا کہا کہ یہ میری رائے ہے باقی تمہیں جو کچھ کرنا ہے وہ کرو۔ یہ تھے وہ واقعات جنہوں نے پورے قریش کو اس نقطہ پر جمع کر دیا تھا کہ اگر اب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے متعلق پروپیگنڈے کی مہم کو تیز نہ کیا گیا تو سارا عرب مسلمان ہو جائے گا اور ان سرداروں کی اجارہ داریاں ختم ہو کر رہ جائیں گے۔

چنانچہ انہوں نے اپنی مہم کا آغاز یہ کہہ کر کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمارے ہی جیسے بشر ہیں کھاتے ہیں، پیتے ہیں، بازاروں میں چلتے پھرتے اور بیوی بچے رکھتے ہیں، ان میں اور ہمارے درمیان وہ کونسی خاص بات ہے جس کی بنیاد پر ہم ان کو

نبی مان لیں۔ اگر اللہ کو نبی بنا کر بھیجنا ہی تھا تو ان کے ساتھ کچھ نشانیاں اور معجزات بھیجتے جنہیں دیکھ کر ہم ایمان لاتے کبھی کہتے کہ یہ تو جادوگر ہے جو بھی ان کے قریب جاتا ہے وہ اس پر جادو کر دیتے ہیں اور کوئی ان کے جادو سے بچ نہیں سکتا۔ وہ لوگوں سے خود ہی سوال کرتے کہ کیا تم جانتے بوجھتے ان کے جادو کے چکر میں پھنسنا گوارا کرو گے؟ کبھی وہ کہتے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی کاہن یا شاعر ہیں انکے بکھرے ہوئے پراگندہ خیالات ہیں جن کو وہ خود گھڑ کر اور بنا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے ان تمام سوالات اور پروپیگنڈے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ اعتراض کرنے والے اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ اگر نبی بشر نہیں ہوتا تو اللہ کی مخلوقات میں آخر وہ کونسی مخلوق ہے جو بشر سے زیادہ محترم ہے۔ فرمایا کہ اللہ کے نبی اور رسول بشر ہی ہوتے ہیں جن کی طرف اللہ وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے گویا یہ فرمایا ہے کہ اے لوگو! تمہارے دل اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمام انبیاء کرامؑ بشر ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں مزید یقین حاصل کرنا ہے تو وہ ان اہل کتاب سے پوچھ کر دیکھ لیں جن سے وہ ہر بات پر مشورہ کرنے پر اعتماد محسوس کرتے ہیں اور ان کی باتوں پر یقین بھی کر لیتے ہیں ان سے پوچھئے جتنے نبی اور رسول آئے ہیں کیا وہ بشر نہیں تھے؟ کیا وہ فرشتے تھے؟ کیا ان کو بھوک پیاس نہیں ستاتی تھی وہ موت کے دروازے سے نہیں گذرتے تھے؟ کیا کوئی ایسا جسم بھی ہے جس پر موت طاری نہ ہوگی؟ وغیرہ وغیرہ یقیناً انبیاء کرام بشر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص کو اس بات کی فکر ہونی چاہئے کہ ان باتوں سے کہیں اس طرح کا عذاب نازل نہ ہو جائے جس طرح پہلے نافرمانوں پر نازل ہوئے تھے جنہوں نے قوموں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ اللہ کا یہ نظام ہے کہ وہ اپنے فرماں برداروں کو بچا لیتا ہے اور نافرمانوں کو ان کے برے انجام تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ فرمایا کہ اے نبی آپ ان لوگوں کے غلط بے بنیاد پروپیگنڈوں اور باتوں کا خیال نہ کیجئے بلکہ اللہ نے آپ کو جس کتاب سے نوازا ہے اور جو پیغام عطا فرمایا ہے اس کو ہر شخص تک پہنچا دیجئے۔ کیونکہ یہ کتاب انہیں لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اس نے جو وعدے کئے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے۔ ان کو کوئی طاقت و قوت اور کسی کا پروپیگنڈا روک نہیں سکتا۔

یہ تھا وہ پس منظر جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ یہ ملاحظہ کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ ارشاد ہے لوگوں کے حساب کتاب کا وقت بہت قریب آگیا ہے مگر وہ اپنی غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے منہ پھیر کر چل رہے ہیں ان کے پاس جب بھی کوئی نئی آیت آتی ہے تو وہ اس کو لاپرواہی سے سن کر پھر اپنے کھیل کود اور تماشوں میں لگ جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کے دل غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ چپکے چپکے سرگوشیوں کے انداز میں باتیں کر کے کہتے ہیں یہ تو تمہارے جیسا ہی بشر ہے کیا پھر تم جانتے بوجھتے ان کے جادو کے جال میں پھنسنا چاہتے ہو (نعوذ باللہ) فرمایا پروردگار تو ہر اس بات کو جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کفار یہ کہتے ہیں کہ یہ تو پریشان اور بکھرے ہوئے خیالات ہے۔ جن کو اس شخص نے خود ہی گھڑ لیا ہے کبھی کہتے ہیں کہ یہ تو شاعر ہے ورنہ یہ اور نبیوں کی طرح کوئی نشانی (معجزہ) لے کر کیوں نہیں آئے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان سے پہلے کوئی بستی ایسی نہیں ہے جس کے تمام لوگوں نے اللہ کے معجزات

(نشانیاں) دیکھ کر ایمان قبول کیا ہو بلکہ انکار ہی کیا ہے جس کے نتیجے میں ان کو ہلاک اور برباد کردیا گیا۔ اگر آج ان کو کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو کیا وہ اس پر ایمان لائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے ہیں وہ انسان ہی تھے جن کی طرف ہم نے وحی نازل کی تھی آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اس کا علم نہیں ہے تو جاننے والے اہل کتاب سے پوچھ کر دیکھ لو۔ ہم نے ان انبیاء کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ ہمیشہ جینے والے ہوں۔ اور پھر ہم نے ان سے کئے ہوئے وعدوں کو سچا کر دکھایا۔ ہم نے جس کو چاہا بچایا اور حد سے گذرنے والوں کو ہلاک کردیا۔ فرمایا کہ اللہ نے جس کتاب کو نازل کیا ہے اس میں تمہارا ہی ذکر ہے یعنی یہ کتاب تمہاری ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟۔

وَكَمْ قَصَمْنَا

مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿١١﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾ وَ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱ تا ۲۰

اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں جن کے رہنے والے ظلم وستم کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کے بعد دوسری قوم کو اٹھایا۔ جب ان کو ہمارے عذاب کی آہٹ محسوس ہوئی تو وہ اس سے بھاگنے لگے۔ (فرمایا) مت بھاگو۔ اور جہاں تمہیں آرام وآسائش دی گئی تھی اسی طرف لوٹ جاؤ۔ شاید کہ تم سے پوچھا جائے۔ وہ کہنے لگے ہائے ہماری بدنصیبی بے شک ہم ظالم تھے۔ وہ اسی طرح پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح (ڈھیر) کردیا۔

ہم نے اس زمین اور آسمان کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ اور اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے اور بس یہی کچھ ہمیں کرنا ہوتا تو اپنے پاس سے ہی بنالیتے۔ بلکہ ہم تو حق اور سچائی کی ضرب کو باطل پر لگاتے ہیں جو باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے اور وہ باطل مٹ کر رہتا ہے۔ اور تمہارے لئے اس بات سے تباہی ہے جو تم بتاتے ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی ملکیت ہے اور جو اس کے پاس ہیں (فرشتے) وہ اس کی عبادت و بندگی سے سرکشی اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔ وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱ تا ۲۰

قَصَمْنَا (قَصَمَ)	ہم نے توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔
ظَالِمَةٌ	ظلم وزیادتی۔ بدکاری کرنے والی۔
اَنْشَأْنَا	ہم نے اٹھا کھڑا کیا۔
بَأْسٌ	عذاب
يَرْكُضُوْنَ	وہ بھاگتے ہیں۔
اُتْرِفْتُمْ	تمہیں راحتیں رآسائشیں دی گئیں۔

يٰوَيْلَنَا	اے ہماری بدنصیبی۔ بدبختی۔
مَازَالَتْ	ہمیشہ۔
حَصِيْدٌ	کٹی ہوئی کھیتی۔
خَامِدِيْنَ	بجھنے والے۔ راکھ ہو جانے والے۔
لَهْوٌ	کھیل۔ کھلونا۔
نَقْذِفُ	ہم پھینک مارتے ہیں۔ ضرب لگاتے ہیں۔
يَدْمَغُ (دَمْغٌ)	دماغ نکال دینا۔ سر پھوڑ دینا۔
زَاهِقٌ (زُهُوْقٌ)	مٹ جانے والا۔
لَايَسْتَحْسِرُوْنَ	وہ نہیں تھکتے۔

تشریح: آیت نمبر ۱۱ تا ۲۰

ابتدائے کائنات سے آج تک اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے کہ حق و باطل، سچ اور جھوٹ کے درمیان جنگ میں فتح و نصرت اہل حق کو ہی حاصل ہوئی ہے۔ باطل پرستوں نے ہمیشہ اس دنیا اور اس کے عیش و آرام کو سب کچھ سمجھ کر حق و صداقت اور سچائیوں سے منہ پھیرنے اور آخرت سے غفلت کو اپنی کامیابی قرار دیا ہے ان کا خیال یہ تھا کہ یہ کائنات خود بخود پیدا ہو گئی ہے جو اپنی فطرت اور مزاج کے لحاظ سے جس طرح چلتی آرہی ہے اسی طرح ختم ہو جائیگی۔ نہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور نہ اس کا بنایا ہوا بالاتر کوئی قانون ہے جس کی پابندی کرنا لازمی اور ضروری ہو۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو اس بات کو تو مانتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔ وہی اس کو چلاتا ہے لیکن کائنات کے چلانے میں وہ انسانوں کی طرح محتاج ہے۔ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اس کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ) کچھ وہ لوگ ہیں جو اس کائنات کا خالق ایک بالاتر ہستی کو مانتے ہیں مگر انہوں نے اپنے معبودوں کے فرضی بت بنا رکھے ہیں جن کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ جب تک وہ ان کی سفارش نہ کریں گے اس وقت تک اللہ ان کی کسی بات کو نہ تو سنے گا اور نہ پورا کرے گا۔ غرضیکہ دنیا میں اس طرح

کے ذہن وفکر رکھنے والے لوگوں نے اللہ کی ہستی کے عجیب عجیب تصورات قائم کر رکھے ہیں۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کو بتایا گیا ہے کہ اس پوری کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ ہے جو اس کا خالق بھی ہے اور مالک بھی ہے وہی اس نظامِ کائنات کو چلا رہا ہے اور وہ اس کے چلانے میں کسی طرح کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس بات کو اللہ کے نبی اور رسول آ کر دنیا والوں کو بتاتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عظیم کتاب دے کر بھیجا جس میں کفار ومشرکین کے غلط عقائد اور افکار کی اصلاح فرمائی گئی ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے قوانین کی پابندی کی اللہ نے انہیں دنیا اور آخرت کی کامیابیاں عطا فرمائیں لیکن جنہوں نے کفر وشرک اور نافرمانی کا طریقہ اختیار کیا ان کو طویل مدت تک سنبھلنے اور سمجھنے کا موقع دے کر مسلسل نافرمانیوں کے بعد ان کو تہس نہس کر دیا گیا۔ اللہ کے اس عذاب کے آنے کے بعد ان کی ساری ترقیات اور تمدن اور تہذیب کو کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ جب اللہ نے باطل پر حق کی ضرب لگائی تو اس قوم کا اور باطل کا بھیجا بھی باہر آ گیا اور وہ قوم اپنے وجود تک کو نہ بچا سکی۔ انہیں باتوں کو اللہ نے ان آیات میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ نے کفر وشرک اور ظلم اور ستم کرنے والی کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ دوسروں کو اٹھا کر ان کو عظمت سے ہمکنار کر دیا۔ جب ان لوگوں کو اللہ کے عذاب کی بھنک پڑی تو انہوں نے ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا کیونکہ ان کو اپنا عیش وآرام چھوٹتا ہوا نظر آ رہا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ اب تم اس عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ اب اگر تم اپنے عیش وآرام کی طرف لوٹ جاؤ تب بھی شاید ہی کوئی تمہارا پرسانِ حال ہو۔ فرمایا کہ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ ہم کتنے بدنصیب لوگ ہیں۔ کاش ہم اس سے پہلے اس بات کو سمجھ جاتے مگر ان کی پکار کو سننے والا کوئی بھی نہ ہوگا اور اسی حالت میں ان کو کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح راکھ کا ڈھیر کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین وآسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے وہ فضول یا کھیل تماشا نہیں ہے۔ اگر ہمیں کھلونا بنانا ہوتا تو پھر تمہیں کیوں پیدا کیا جاتا ہم ہی اس سے کھیل لیتے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہی ہے وہ جب چاہتا ہے حق کی ایک ہی ضرب سے باطل کا بھیجا نکال کر رکھ دیتا ہے۔ فرمایا کہ ایک طرف انسان ہے جس پر اللہ نے بے پناہ انعامات فرمائے ہیں یہاں تک کہ فرشتوں کو بھی انسان کے قدموں میں جھکا دیا گیا دوسری طرف فرشتے ہیں جو ہر آن اس کے ہر حکم کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں اور ذرا بھی سرکشی اختیار نہیں کرتے۔ دن رات ان کا ایک ہی مشغلہ ہے کہ وہ اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے رہتے ہیں اور وہ اللہ کی عبادت اور بندگی اور اس کے حکم کو پورا کرنے میں ذرا سستی نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے کہ اگر اسے دنیا کی ذرا سی راحت وآرام اور عیش وسہولت مل جاتی ہے تو اللہ کی ذات کو بھول کر اس کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ لیکن اللہ کے فرشتے وہ ہیں جن کو اللہ نے ہر طرح کی طاقتیں عطا کی ہیں اس کے باوجود وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اس کے سامنے ادب واحترام سے جھکے رہتے ہیں اور اسی کی حمد وثنا میں مشغول رہتے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾
لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ
الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ
يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا
سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ
بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا
يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾
وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ
كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

٢ ع ١٩ ٢

ترجمہ: آیت نمبر ۲۱ تا ۲۹

کیا انہوں نے اور دوسرے معبود زمین کی چیزوں میں سے گھڑ لئے ہیں جو انہیں (مرنے کے بعد) دوبارہ کھڑا کریں گے۔ اگر ان دونوں (زمین و آسمان میں) اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو کائنات کا نظام تباہ و برباد ہو جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ عرش عظیم کا پروردگار ان باتوں سے

پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ (پروردگار اتنا عظیم ہے کہ) اپنے کاموں کے لئے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے اور وہ سب (اس کے سامنے) جوابدہ ہیں۔ کیا انہوں نے ایک اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنالئے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ اپنی دلیل لے کر آؤ۔ میرے پاس یہ کتاب موجود ہے اور جو مجھ سے پہلے (گذرے ہیں) ان کا ذکر موجود ہے لیکن اکثر وہ لوگ ہیں جو حق اور سچائی کو نہ جاننے کی وجہ سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اے نبی ﷺ ہم نے آپ سے پہلے جس رسول کو بھی بھیجا ہے اس کو یہی بتایا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تم میری ہی عبادت و بندگی کرو۔

وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے ایک بیٹا بنالیا ہے۔ (اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا ہے حالانکہ) وہ اس (تہمت) سے پاک ہے۔ بلکہ وہ (فرشتے) تو اللہ کے بندے ہیں جن کو عزت دی گئی ہے۔ وہ آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے مگر جس سے اللہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں بھی معبود ہوں تو اس کی سزا جہنم ہے۔ اور ہم بے انصافوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۱ تا ۲۹

يُنْشِرُوْنَ	وہ زندہ کردیتے ہیں۔
يَصِفُوْنَ	وہ بناتے ہیں گھڑتے ہیں۔
يُسْئَلُوْنَ	وہ پوچھے جائیں گے۔
عِبَادٌ (عَبْدٌ)	بندے۔
مُكْرَمُوْنَ	عزت والے۔
لَايَسْبِقُوْنَ	وہ آگے نہیں بڑھتے۔
لَايَشْفَعُوْنَ	وہ سفارش نہیں کرتے۔
خَشْيَةٌ	خوف۔
مُشْفِقُوْنَ	ڈرنے والے۔

اَلظّٰلِمِیْنَ بے انصافی کرنے والے۔

تشریح: آیت نمبر ٢١ تا ٢٩

اس نظام کائنات کو اللہ نے اپنے قدرت کاملہ سے پیدا کیا اور وہ ایک ایسے ہمہ گیر قانون کے تحت اس کو چلا رہا ہے جس میں مکمل توازن اور ہم آہنگی ہے۔ اگر اس نظام میں ذرا بھی توازن نہ رہے تو اس کائنات کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ اس کائنات میں ساری قوتیں اور طاقتیں صرف ایک اللہ کو حاصل ہیں۔ وہ جو عرش عظیم کا مالک ہے اس نے ہر چیز اور ہر مخلوق کو زندگی دی ہے۔ وہی مالک اور مختار ہے وہ اس کائنات کے چلانے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اس کے سامنے ہر شخص کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے جس کا وہ شخص پابند ہے لیکن اللہ اپنے احکامات اور فیصلوں میں کسی کو جواب دینے کا پابند نہیں ہے۔ وہ ہر اس عیب سے پاک، بلند اور برتر ہے جو کفار اور مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بیٹے بیٹی اور بیوی کا محتاج نہیں ہے یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی اور رسول ہیں وہ اللہ کے بیٹے ہیں یا کفار اور مشرکین کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں انتہائی غلط، بے سند اور بے دلیل بات ہے۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ فرشتے تو در حقیقت اللہ کی پیدا کی ہوئی محترم مخلوق ہیں وہ اللہ کے ہر حکم کے تابع ہیں ان کو جو بھی حکم دیا جاتا ہے وہ نہایت مستعدی سے اس پر عمل کرتے ہیں اور ذرا سستی نہیں کرتے اور وہ کسی کی سفارش بھی اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے۔ ان آیات میں کفار اور مشرکین کی اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے کہ یہ فرشتے قیامت میں ان کی سفارش کریں گے فرمایا کہ اس سے بڑا سفید جھوٹ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ غرضیکہ اس کائنات میں صرف اللہ کا حکم چلتا ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ اگر ان اختیارات کے ساتھ دوسرا کوئی معبود ہوتا تو کائنات تباہ اور برباد ہو جاتی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں معبودوں کے اختیارات برابر ہوتے تو ایک معبود کچھ کرتا دوسرے معبود کی کچھ اور خواہش ہوتی اس طرح دنیا کا نظام چلنے کے بجائے اختیارات کی جنگ شروع ہو جاتی۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں ایک جیسے اختیار رکھنے والے دو سربراہ ایک ملک میں نہیں رہ سکتے ہیں تو اتنی بڑی کائنات کیسے چل سکتی تھی۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اللہ تمام تر اختیارات کے ساتھ اس نظام کائنات کو چلا رہا ہے اس کے اختیار اور ارادے میں کوئی دوسرا کسی طرح شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے آج تک جتنی کتابیں نازل کی ہیں ان میں ایک ہی بات کہی گئی ہے کہ اس ایک اللہ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔ جس کی عبادت اور بندگی کی جا سکے اس طرح جتنے رسول اور نبی آئے ہیں انہوں نے بھی اللہ

کا یہی پیغام دیا ہے کہ اللہ ایک ہے اس کی عظمت اور عبادت اور بندگی میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ کائنات میں ہر چیز اس کی محتاج ہے اور اس کو جواب دینے کی پابند ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۳

کیا وہ کافر اس بات پر غور نہیں کرتے کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے ہم نے ان دونوں کو کھول دیا۔ (الگ الگ کر دیا) اور پانی سے ہم نے ہر چیز کو زندہ کیا۔ کیا پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ وہ انہیں لے کر ایک طرف کو ڈھلک نہ جائے۔ اور ہم نے اس (زمین) میں کھلے اور کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ راہ پائیں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت (کی طرح) بنا دیا۔ اور وہ ہماری آیتوں سے منہ پھیر کر چلتے ہیں۔ اسی نے رات اور دن، سورج اور چاند بنائے جو اپنے اپنے دائرے (مدار) میں گھوم رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۰ تا ۳۳

رَتْقٌ ۔۔۔ ایک دوسرے میں گھسے ہوئے۔ ملے ہوئے۔

فَتَقْنَا	ہم نے الگ الگ کر دیا۔ جدا کر دیا۔
حَیٌّ	زندہ۔
رَوَاسِیَ (رَاسِیَةٌ)	بوجھ۔ جمی ہوئی چیزیں۔ بوجھل۔
اَنْ تَمِیْدَ	یہ کہ جھک پڑے۔ ایک طرف کو ڈھلک جائے۔
فِجَاجٌ (فَجٌّ)	کھلے ہوئے پہاڑی درے۔
سَقْفٌ	چھت۔ سائبان۔
فَلَکٌ	گول چیز۔ گھومنا۔ مدار۔
یَسْبَحُوْنَ	وہ تیرتے ہیں۔ بلا روک ٹوک راستے پر چلتے ہیں۔

تشریح: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۳

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی قدرت کاملہ اور آخرت کا انکار کرتے ہیں ان سے فرمایا جا رہا ہے اس اللہ نے انسان کے اس دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہی زمین و آسمان کو پیدا کر کے سارے اسباب مہیا کر دیئے تھے پانی کو پیدا کیا تا کہ اس کے ذریعے ہر چیز کو زندگی مل جائے۔ بلند و بالا پہاڑوں کو زمین میں میخوں کی طرح گاڑ کر بھاری بوجھ رکھ دیئے تا کہ یہ زمین ادھر ادھر ڈھلک نہ جائے اور توازن برقرار رہے۔ آنے اور جانے کے راستے بنا دیئے تا کہ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور سامان لانے لے جانے میں سہولت حاصل رہے۔ آسمان کو ایک محفوظ چھت کی طرح بنا دیا تا کہ کائنات کے جراثیم اور نقصان دینے والی چیزیں دنیا والوں تک نہ پہنچ سکیں رات اور دن کا ایک ایسا نظام بنا دیا کہ کبھی رات ہے، کبھی دن ہے، کبھی کی راتیں بڑی اور کبھی کے دن بڑے۔ اس نظام سے ہر طرح کے موسم بنا دیئے تا کہ یکسانیت سے دل اچاٹ نہ ہو جائے۔ اسی طرح سورج، چاند اور ستاروں کو ایک مربوط اور لگے بندھے نظام میں جکڑ دیا۔ تا کہ وہ ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں اور ہر ایک اپنے دائرے میں گھومتا رہے۔ فرمایا گیا کہ اب یہ انسان کی عقل و فہم اور بصیرت پر ہے کہ وہ اس بات پر اچھی طرح غور اور فکر کر کے دیکھ لے کہ اتنے بڑے نظام کائنات کو پیدا کر کے اس کو چلانے والی کوئی ہستی ہے یا نہیں؟ یقیناً ہر شخص کے دل سے یہی صدا بلند ہوگی کہ ایک معمولی سی چیز بھی خود بخود پیدا ہو کر کام نہیں کر سکتی۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے۔ یقیناً اس کائنات کو بھی کسی نے بنا کر اس کا انتظام سنبھال رکھا ہے اور وہ

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ جو تنہا اس نظام کائنات کو چلا رہی ہے اور وہ اس کے چلانے اور سنبھالنے میں کسی کی محتاج نہیں ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ''رتق۔ اور۔ فتق'' دو لفظوں میں کائنات کی ابتدا کی پوری تاریخ کو سمو دیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے جب اس آیت کی تفصیل معلوم کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے آسمان بند تھا پانی نہ برساتا تھا اور اسی طرح زمین بھی بند تھی جو (بغیر پانی کے) نباتات نہ اگاتی تھی جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو آباد کیا تو آسمان کی بارش کھول دی اور اس طرح زمین کی نشوونما کو بھی کھول دیا گیا (تفسیر ابن کثیر) حضرت ابن عباسؓ کی اس تشریح اور تفسیر سے ابتدائے کائنات کی تفصیل معلوم ہوئی جس پر جمہور علما اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ ہمارا موجودہ دور سائنسی معلومات اور تحقیقات کا دور ہے جس میں لوگوں کے پاس ایسے وسائل موجود ہیں۔ جن کے ذریعے اس کائنات کے پوشیدہ راز معلوم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ موجودہ سائنس دانوں کا یہ خیال اور تحقیق ہے کہ یہ کائنات کھولتے ہوئے بے حد گرم پگھلے ہوئے دھاتوں کا ایک ایسا مجموعہ تھی جس کے اجزا ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ اچانک اس مادے میں ایک زبردست دھما کہ ہوا جس کو بگ بینگ (Big Bang) کہا جاتا ہے اس سے ابتدائی حصے کو الگ ہونے میں ایک سیکنڈ کا ہزارواں حصہ لگا۔ یعنی اس قدر جلد ہوا کہ اس کے مادے کو الگ ہونے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگا اور اس کے نتیجے میں اس کائنات نے وجود اختیار کیا اور اس میں ہماری دنیا اور اس میں انسانی ضرورتوں کی ہر چیز پیدا ہوئی۔ اسی مقام پر قرآن کریم ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو وسائل ذرائع اور اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کو ''کن'' (ہوجا) کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے یعنی جتنی دیر میں ان دو حرفوں ''کن'' کی ادائیگی کی جاتی ہے شاید اس میں بھی دیر لگتی ہے اس سے بھی پہلے وہ کام ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ نے سائنسدانوں کی تحقیق سے اندازہ کرلیا ہوگا کہ ایک شدید اور عظیم مادے کو پھٹنے اور دنیائیں بننے میں گھنٹے یا منٹ نہیں بلکہ ایک سیکنڈ کا ہزارواں حصہ لگا ہے جو اللہ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے۔ بہر حال یہ تو علمی تحقیقات ہے جس کا سلسلہ قیامت تک چلتا ہی رہے گا اصل چیز یہ ہے کہ یہ دنیا خود بخود نہیں بن گئی ہے بلکہ اللہ رب العالمین نے ان تمام چیزوں کو پیدا فرمایا ہے آج دنیا اللہ کی قدرت کو ماننے پر مجبور ہے اور انسان جتنی بھی ترقی کرتا جائے گا۔ اس کو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اس کائنات کو اللہ نے پیدا کیا ہے وہی اس کا نگران ہے۔ اسی کا قانون چلتا ہے۔ ان آیات میں دوسری چیز جو انسانوں کے لئے عظیم نعمت ہے وہ پانی ہے۔ اگر پانی نہ ہوتا تو انسانی زندگی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی ہر چیز میں زندگی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں بھی فرمایا کہ ''اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے''۔ موجودہ تحقیق کے مطابق ہماری اس زمین کے سوا کہیں کسی ستارے اور سیارے میں پانی موجود نہیں ہے انسان نے جب چاند پر قدم رکھا تو اس کو آکسیجن اور پانی اسی دنیا سے لے کر جانا پڑا کیونکہ چاند پر آکسیجن اور پانی کا وجود نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے پانی کو ایک بہت بڑی اور انمول نعمت بنایا ہے جو تمام جان داروں کے لئے ہے، یہ ان کی ضرورت ہے، جہاں انسان یا جان دار آباد نہیں ہے وہاں حیات کا یہ چشمہ بھی موجود نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کی سطح کو پائے دار بنانے اور بقا کے لئے پہاڑوں کی شکل میں بڑے بڑے وزن رکھ دیئے ہیں تا

کہ اس دُنیا کا توازن برقرار رہے اور یہ دنیا انسانوں کے وزن سے ادھر اُدھر ڈھلک نہ جائے یہ پہاڑ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔اگر پہاڑ نہ ہوتے تو یہ زمین اپنا توازن کھو بیٹھتی اور ایک خیمہ تک اس پر نہ ٹکتا۔موجودہ تحقیق یہ ہے کہ یہ پہاڑ زمین کے مرکز میں بھڑکتی ہوئی آگ کو بھی قابو میں رکھے ہوئے ہیں۔اگر پہاڑ نہ ہوتے تو مسلسل اور متواتر نہ رکنے والے زلزلوں کا سامنا کرنا پڑتا اور زمین پر معمولی سی عمارت بنانا بھی مشکل ہو جاتا حالانکہ اسی زمین پر بڑے بڑے شہر آباد ہیں اور عظیم الشان بلڈنگیں بنی ہوئی ہیں۔آپ نے دیکھا ہوگا اگر چند منٹ تک زلزلہ آتا رہے تو عظیم الشان بلڈنگیں مٹی کا ڈھیر بن جاتی ہیں۔ان زلزلوں کو روکنے میں اللہ کی طرف سے پہاڑوں کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔دوسرے یہ کہ پہاڑ آنے والی نسلوں کے لئے ان کی زندگی کا سامان امانت کے طور پر اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔آتش فشاں پہاڑ جب اپنے اندر موجود دھاتوں کو اگلتے ہیں تو یہ بھی انسانوں کے فائدے کی چیزیں بن جاتی ہیں۔پہاڑوں سے (۱) پہلا فائدہ تو ہے کہ یہ زمین میں بوجھ بنا کر رکھ دیئے گئے ہیں (۲) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ پہاڑ زبردست زلزلوں کو کنٹرول میں رکھے ہوئے ہیں (۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ پہاڑوں کے اندر اللہ نے جو دھاتیں رکھ دی ہیں اگر وہ آتش فشاں پہاڑوں کے ذریعہ باہر نہ نکلتیں تو پہاڑوں کا آتش فشاں مادہ زمین کو پھاڑ کر رکھ دیتا اور انسانی زندگی تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی۔خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے پہاڑوں کو ہر اعتبار سے ایک توازن قائم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔پانی اور پہاڑوں کی طرح ایک تیسری نعمت کا بھی اظہار فرمایا ہے اور وہ ہیں آنے جانے اور میل ملاپ کے راستے،اگر یہ راستے نہ ہوتے تو انسانوں کو ترقیات میں آگے بڑھنے کے موقعے نہ ملتے۔ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا کس قدر دشوار ہو جاتا۔موجودہ دور میں اللہ نے انسانوں کو بر و بحر اور فضاؤں پر کیسی عظمت عطا فرمائی ہے کہ اس نے ہواؤں میں فضاؤں میں سمندروں اور پہاڑوں میں ایسے ایسے راستے بنا دیئے ہیں جن سے وہ نہایت سہولت کیساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو آج کی ترقیات کا بہت کچھ دار و مدار ان ہی راستوں اور آمد و رفت پر ہے۔اللہ نے فضاؤں کو سمندروں، پہاڑوں اور خشکی کے راستوں کو انسان کے لئے نعمت بنا دیا ہے۔

پانی، پہاڑ اور آنے جانے کے راستوں کے علاوہ آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے۔اصل میں ''السماء'' کے معنی بلندی کے آتے ہیں یعنی جو ہمارے اوپر ہے اس میں بھی موجودہ تحقیق یہ ہے کہ اللہ نے ہماری دنیا پر ایک غلاف سا چڑھا دیا ہے۔جس کو ''اوزون'' کہتے ہیں اس کا کام یہ ہے کہ کائنات سے آنے والے جراثیم اور ہزاروں قسم کے نقصان دینے والی چیزوں کو اس دنیا میں پہنچنے سے روکنے کا کام اس سے لیا گیا ہے۔اس لئے اس کو صرف چھت نہیں فرمایا بلکہ ''محفوظ چھت'' کا نام دیا ہے۔سورج کی شدید ترین تیز و تند گرمی کو روکنے کا بھی یہ ایک ذریعہ ہے۔آج کے انسانوں نے اپنے کیمیکل وغیرہ سے اس محفوظ چھت (اوزون) کو شدید نقصان پہنچا دیا ہے۔اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو اس سے انسانوں کی صحت اور مفادات کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔''محفوظ چھت'' اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔اسی طرح رات اور دن کا آنا جانا۔رات اور دن کے اوقات کا بدلتے رہنا بھی نعمت سے کم نہیں ہے کیونکہ اگر دن ہی دن ہوتا یا رات ہی رات ہوتی تو نہ لوگوں کو آرام ملتا اور نہ کام کاج ہوتا۔اللہ نے اس کا ایک ایسا نظام بنایا ہے کہ کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں کبھی کے دن،اس سے موسموں میں تغیر بھی آتا ہے اور اس سے سردی گرمی، بہار اور خزاں کے موسم بھی بنتے ہیں اور انسان کے لئے اکتا دینے والی یکسانیت پیدا نہیں ہوتی اور آخری جس نعمت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔وہ ہے

چاند، سورج، ستاروں اور سیاروں کا ایک دائرے میں چلنا۔ اگر یہ اپنی چال بھول جائیں تو یہ ساری کائنات آپس میں ٹکرا جائے۔ چونکہ اللہ نے اس کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اپنی رفتار یا چال سے ایک قدم بھی آگے بڑھا سکے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان بنائے۔ پانی کے چشمے بہا دیئے، زمین پر پہاڑوں کے بوجھ رکھ دیئے۔ آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا، رات اور دن کا نظام قائم فرمایا اور چاند سورج، ستاروں اور سیاروں کو اس طرح اپنے قابو میں رکھا ہوا ہے کہ ہر ایک اپنے محور اور مرکز کے گرد گھوم رہا ہے۔ یہ سب کچھ محض اللہ کی قدرت اور طاقت سے ہی ممکن ہے اگر اللہ تعالیٰ اس نظام کائنات کو نہ چلا رہے ہوتے تو اس کائنات کا نظام ایک دن میں تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا۔ ہمیں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں یہ اور اس قسم کی ہزاروں نعمتوں سے نوازا ہے۔ اللہ ہم سب کو شکر ادا کرنے اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ کیونکہ جس طرح اللہ نے دنیا کی اس مختصر سی زندگی کے لئے ہر طرح کے اسباب کا نظام بنایا ہے اس نے قیامت کے دن اپنے نیک اور مومن بندوں کے لئے کیا کچھ تیار کر کے نہ رکھا ہوگا۔ یہ زندگی تو چند برسوں کے اندر محدود ہے جو ایک وقت پر آ کر ختم ہو جائے گی لیکن آخرت کی زندگی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آخرت کی پوری طرح تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٣٤ تا ٤١

(اے نبی ﷺ) اور ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو بھی ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ اگر آپ کو موت آگئی تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم اچھے برے حالات سے آپ کو آزمائیں گے۔ اور ہماری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے۔ (اے نبی ﷺ) جب یہ کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے؟ اور یہ لوگ رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں۔ آدمی بہت جلد باز بنایا گیا ہے۔ میں بہت جلد تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا۔ جلدی نہ کرو۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو آخر وہ (عذاب کا) وعدہ کب آئے گا؟ اگر یہ کافر اس گھڑی کو جان لیں جب نہ اپنے منہ کے سامنے سے اور پیچھے سے عذاب کو روک سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ اچانک آئے گی جو ان کو بدحواس کر دے گی جس کو وہ نہ تو لوٹا سکیں گے اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ آپ سے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا۔ مگر ان کا مذاق اڑانے والوں کو اس (عذاب نے) گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٣٤ تا ٤١

اَلْخُلْدُ	ہمیشہ زندہ رہنا۔
مِتَّ	تو مر گیا۔ تیرا انتقال ہو گیا۔
ذَائِقَةٌ	چکھنے والا۔
فِتْنَةٌ	آزمائش۔

هُزُوٌ مذاق۔

عَجَلٌ جلد باز۔

لَاتَسْتَعْجِلُوْنَ تم جلدی نہ مچاؤ۔

لَايَكُفُّوْنَ وہ نہ روک سکیں گے۔

بَغْتَةً اچانک۔

تَبْهَتُ حیران۔

حَاقَ گھیر لیا۔آپڑا۔

تشریح: آیت نمبر ۳۴ تا ۴۱

سورۃ الانبیاء کی یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب کفارہ مکہ کی مخالفت اور دشمنی انتہاؤں تک پہنچ چکی تھی وہ ہر حال میں اس ابھرتی ہوئی تحریک کو اپنی سازشوں سے کچل ڈالنا چاہتے تھے۔ان سے جو کچھ ممکن تھا انہوں نے اس میں کسر اٹھا نہ رکھی تھی ان لوگوں نے یہاں تک فیصلہ کرلیا کہ نبی کریم ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کر دیا جائے تا کہ یہ مقصد اور مشن ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان کیا ہے کہ اے نبیؐ! اگر یہ لوگ آپ کی دشمنی میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ آپ انتقال کر جائیں یا قتل کرا دیئے جائیں۔تو کیا یہ لوگ ہمیشہ اس دنیا میں اسی طرح رہیں گے اور ان کو موت نہ آئے گی حالانکہ روئے زمین پر جو بھی ہے اس کو موت کا مزہ ضرور چکھنا ہے خیر وشر، بھلائی، برائی، زندگی اور موت کی آزمائشوں سے گزر کر آخر کار ہر شخص کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔جہاں زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا اور ہر ایک کے اعمال کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اے نبیؐ! جب یہ کفار آپ کو دیکھتے ہیں تو اپنی اصلاح کرنے کے بجائے یہ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں اور طنز کے طور پر کہتے ہیں اچھا تو یہ ہیں وہ جو ہمارے معبودوں کا مذاق اڑاتے ہیں؟ اور روز روز ہمیں عذاب کی دھمکیاں دیتے ہیں؟ وہ کہتے تھے کہ اول تو عذاب آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر عذاب آبھی جائے تو ہمارے ان معبودوں کی موجودگی میں ہمیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔وہ جسارت کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ تم جس عذاب کی باتیں کرتے ہو آخر اس کے آنے میں دیر کیا ہو رہی ہے؟ اگر عذاب کو آنا ہی ہے تو جلدی سے آجائے۔ہم بھی تو دیکھیں کہ یہ کس عذاب کی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان بہت ہی جلد باز ہے وہ اپنی جلد بازی اور عجلت پسندی میں اس بات پر غور نہیں کرتا کہ جب اللہ کا عذاب

آئے گا تو وہ ایک آگ ہوگی جو ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گی۔ اس کی لپٹیں چہروں کو جھلسا کر رکھ دیں گی اور وہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے اور وہ عذاب اتنا اچانک اور فوری طور پر آئے گا کہ کسی کو سنبھلنے کا یا اس کو روک لینے کا موقع بھی نہ مل سکے گا اور وہ ایسے بدحواس ہو جائیں گے کہ ان کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے گی وہ آگ جو آگے سے اور پیچھے سے آئے گی اسے نہ روک سکیں گے اور نہ کسی طرف سے ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔

نبی کریم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آج آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں آپ پر طرح طرح کے طنز کے تیر چلا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اللہ کے نبی اور رسول جب بھی آئے ان کا اسی طرح مذاق اڑایا گیا۔ حق اور صداقت کی آواز کو ہمیشہ اسی طرح دبانے اور مٹانے کی کوشش کی گئی لیکن آخر کار اللہ نے دشمنان اسلام کو ذلیل اور رسوا کیا اور اپنے نبیوں اور رسولوں کو کامیاب بامراد فرمایا۔ یقیناً آپ بھی ہر طرح کامیاب اور بامراد ہوں گے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ
وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾
اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ
اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَ
اٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي
الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ قُلْ اِنَّمَآ
اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ڮ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿٤٥﴾
وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ
اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ
فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۷

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب سے) تمہیں کون بچاتا ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی یاد سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے سوا ان کے کچھ اور بھی معبود ہیں جو ان کو (مصیبتوں سے) بچا سکتے ہیں۔ (ان کا حال تو یہ ہے کہ) نہ تو وہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہم سے بچانے کے لئے ان کی کوئی مدد کر سکتا ہے۔ ہم ہی ان کو اور ان کے باپ دادا کو سامان زندگی دیتے چلے گئے جس سے وہ طویل عمر تک زندہ رہے۔ کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم چاروں طرف سے زمین کو گھٹاتے چلے جا رہے ہیں کیا پھر یہ لوگ غالب آجائیں گے؟

آپ کہہ دیجئے! میں تو تمہیں وحی کے ذریعہ اللہ (کے عذاب) سے ڈراتا ہوں مگر بہرے پکار کو نہیں سنا کرتے جب کہ انہیں خبردار کیا جا رہا ہے۔ اور اگر آپ کے پروردگار کے عذاب کی ایک لپٹ ان کو چھو جائے تو وہ چلا اٹھیں گے کہ ہائے ہماری بدبختی کہ ہم تو بڑے ظالم تھے۔ اور ہم ہی قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے اور کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے سامنے لے آئیں گے۔ اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۲ تا ۴۷

يَكْلَؤُ — حفاظت کرتا ہے۔ بچاتا ہے۔

مُعْرِضُوْنَ — منہ پھیرنے والے۔

تَمْنَعُ — بچاتا ہے۔ روکتا ہے۔

طَالَ — طویل ہو گیا۔ لمبا ہو گیا۔

نَنْقُصُ — ہم گھٹاتے ہیں۔

اَلصُّمُّ — بہرے۔

نَفْحَةٌ — لپٹ۔ شعلہ۔

اَلْمَوَازِيْنُ (مِيْزَانٌ) ترازوئیں۔

اَلْقِسْطُ انصاف۔عدل

مِثْقَالٌ وزن۔

حَبَّةٌ زرہ۔ایک دانہ۔

خَرْدَلٌ رائی۔

حَاسِبِيْنَ حساب لینے والے۔

تشریح: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۷

اللہ نے اپنے فضل وکرم سے قریش کو عرب میں ایک خاص مقام اور شدید بدامنی اور قتل وغارت گری کے دور میں بھی امن وسکون عطا کر رکھا تھا۔ وہ اللہ ان کو ہر طرح کی مشکلات، مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچاتا رہتا تھا۔ ان کے باپ دادا کو ہر طرح کا راحت وآرام اور بہترین اسباب دے رکھتے تھے جس کی وجہ سے وہ لمبی عمروں کے باوجود سکھ چین سے زندگی گزار رہے تھے۔ ان تمام مہربانیوں کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ اللہ جو رحمٰن ورحیم ہے اس کی عبادت وبندگی اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں لگ جاتے اور اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں اپنی زندگی گزارتے مگر انہوں نے تکبر غرور اور ناشکری کے طریقے اختیار کر کے جھوٹے معبودوں کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا اور ان کو اپنا سہارا سمجھ رکھا تھا۔ حالانکہ ان لوگوں نے جھوٹے معبودوں کا سہارا پکڑ رکھا تھا وہ تو خود اپنے وجود پر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا وہ یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو کتنی تیزی کے ساتھ کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں یعنی ان کی زندگی کے دائرے تنگ ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کا اقتدار روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ وقت دور نہیں ہے جب ان پر عرب کی سرزمین تنگ ہو کر رہ جائے گی۔ فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خیر خواہی اور بھلائی میں وحی الٰہی کی دلیل سے بات کہہ رہا ہوں تا کہ وہ لوگ اللہ کے اس عذاب سے بچ سکیں جس کی ایک لپٹ اور شعلہ بھی ان کو چھو جائے گا تو وہ نہ صرف اپنی بدنصیبی کا رونا روئیں گے بلکہ اس عذاب سے ان کے ہوش اڑ جائیں گے اور اس کو برداشت نہ کر پائیں گے اور یہ کہہ اٹھیں گے کہ واقعی ہم نے ظلم اور زیادتی کی تھی۔ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ میزان عدل قائم فرمائیں گے تو کسی پر ذرا برابر ظلم اور زیادتی نہ ہوگی اور رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل چھپا نہ رہ سکے گا اور ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہوگا۔ اس ہولناک دن ان عزت داروں کو منہ چھپانے کی جگہ بھی نہ مل سکے گی رسوائی اور ذلت ان کا نصیب بن جائے گی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جو میزان عدل رکھی جائے گی وہ اس قدر وسیع ہوگی کہ اس میں زمین اور آسمان

بھی سما جائیں گے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دنیا کی ترازو میں تو ظاہری چیزیں تولی جاتی ہیں لیکن وہ ترازو کیسی عجیب ہوگی جس میں انسانوں کے اخلاق، معاملات اور اعمال تک تولے جائیں گے۔ واقعتاً اس دن کے عذاب اور ذلت سے جو بچ گیا وہ کامیاب اور بامراد ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن کی رسوائی سے بچائے اور حساب کو آسان فرمائے۔ (آمین)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾

ركوع ٤ ٩ ٤

ترجمہ: آیت نمبر ۴۸ تا ۵۰

یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون کو ایک حق اور باطل کے درمیان فیصلے کرنے والی چیز، روشنی اور نصیحت تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے عطا کی تھی۔ ان لوگوں کے لئے جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کا خوف رکھتے ہیں اور یہ نصیحت نامہ ہم نے آپ پر اتارا ہے جو بہت برکت والا ہے۔ تو کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو؟

لغات القرآن آیت نمبر ۴۸ تا ۵۰

اٰتَيْنَا — ہم نے دیا۔

اَلْفُرْقَانَ — حق و باطل میں فرق کرنے والا۔

ضِيَآءٌ — روشنی۔

ذِكْرٌ — نصیحت نامہ۔

يَخْشَوْنَ — وہ ڈرتے ہیں۔

اَلْغَیْبُ	بن دیکھی حقیقتیں۔
مُبَارَکٌ	برکت والا۔
مُنْکِرُوْنَ	انکار کرنے والے۔

تشریح: آیت نمبر ۴۸ تا ۵۰

یوں تو قرآن کریم کی ہر سورت میں بہت سے انبیاء کرام کا ذکر مبارک ہے۔ چونکہ اس سورت میں سترہ پیغمبروں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اس سورت کا نام ''الانبیاء'' رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں سترہ انبیاء کرام کا ذکر خیر کر کے چند باتوں کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

(۱) جتنے پیغمبروں کو بھیجا گیا ہے ان کی تعلیمات، مقصد اور مشن ایک ہی تھا جس کی تکمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائی گئی ہے۔ جس بات کو تمام انبیاء کرام کہتے آئے ہیں اسی بات کو آپ بھی ارشاد فرما رہے ہیں۔

(۲) اللہ نے سارے پیغمبروں کو اپنا کلام عطا فرمایا براہ راست یا بالواسطہ یعنی رسولوں پر کتابوں کو نازل کیا گیا اور نبیوں نے رسولوں کی لائی ہوئی کتابوں اور پیغام کو اپنی اپنی امتوں تک پہنچایا۔

(۳) سارے پیغمبروں نے ایک ہی بات فرمائی اور وہ یہ کہ صرف ایک اللہ کی عبادت اور بندگی کی جائے اور اللہ کے سوا کسی کو ''اِلٰہ'' اور معبود تسلیم نہ کیا جائے۔

(۴) اللہ کا یہ پیغام لانے والے نہایت پاکیزہ اور معصوم بشر ہوتے ہیں۔ ان کا بشر ہونا ہی ان کی سب سے اعلیٰ اور بہتر شان ہے اور بشر کامل ہوتے ہیں کوئی نرالی اور انوکھی مخلوق نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہوتی ہے۔

(۵) وہ پیغمبر اللہ کے دین کو ہر شخص تک پہنچانے کی جدوجہد فرماتے ہیں اور ہر باطل سے ٹکرا جاتے ہیں حق اور صداقت کی اس آواز کو پہنچانے میں ان کو شدید مصائب اور پریشانیوں سے واسطہ پڑتا ہے مگر وہ نہایت تحمل اور برداشت سے اپنی امت کی خیر خواہی میں لگے رہتے ہیں۔

(۶) اللہ کا دین پہنچانے میں ان کو شدید مصائب سے واسطہ پڑتا ہے لیکن آخر کار ان کو بھرپور کامیابی عطا کی جاتی ہے۔ یہ کامیابی ان کو اور ان کے ماننے والوں کو دنیا اور آخرت میں سرخرو کرتی ہے۔

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے ان کو ایک ایسی کتاب عطا فرمائی تھی جو فرقان ضیاء اور خوف الٰہی رکھنے والوں کے لئے ذکر اور یاددہانی تھی۔ جو لوگ بھی اللہ

سے ڈرنے والے، غیب پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھنے والے اور قیامت کے ہولناک دن کا خوف رکھنے والے ہیں ان کے لئے رہبر ورہنما کتاب تھی اسی طرح اللہ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم "ذکر مبارک" کے طور پر نازل فرمایا ہے جس کا انکار بدقسمت لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعہ ساری دنیا کو اور خاص طور پر کفار مکہ کو آگاہ کیا ہے کہ جس طرح اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرمایا اور فرعون اور فرعونیوں کو ناکام اور نامراد بنایا اس طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثاروں کو بھی کامیابی حاصل ہوگی اور ان پر ایمان نہ لانے والوں کو شدید شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توریت کی تین صفات بیان فرمائی ہے۔

(۱) فرقان (۲) ضیاء (۳) اور ذکر۔

فرقان کے معنی ہے وہ چیز جس سے حق اور باطل میں امتیاز کیا جاسکتا ہے یعنی ایک ایسی کسوٹی جس پر پرکھ کر یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ اس میں کتنا کھرا اور کتنا کھوٹا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ فرقان سے مراد اللہ کی مدد ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیدائش سے آخر تک اللہ کا خصوصی معاملہ اور مدد رہی ہے۔

ضیاء روشنی اور نور کو کہتے ہیں یعنی یہ کتاب دین کے راستہ چلنے والے کے لئے ایک ایسی روشنی ہے جو اس کو منزل مراد تک پہنچانے والی ہے۔

ذکر یاد دہانی یعنی خواہشات اور دنیا کے مال ودولت کے لالچ میں پڑ کر آخرت کو بھول جانے والوں کے لئے یاد دہانی اور ذکر ہے۔ تاکہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی طرف پلٹ آئیں۔ فرقان، ضیاء اور ذکر یہ تین صفتیں اللہ کے ہر اس کلام کی ہے جو اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجی ہے۔

چونکہ توریت، زبور اور انجیل میں اس قدر تبدیلیاں لائی جاچکی ہیں اور لوگوں نے اپنے اغراض کے لئے تحریف کر ڈالی ہے اس لئے اب ان کتابوں کے لئے کسوٹی نور اور ذکر مبارک قرآن کریم ہے۔ جو تعلیمات اور احکامات بائبل میں قرآن کریم کے مطابق ہیں وہی صحیح ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں وہ سب چیزیں اور باتیں باطل ہیں اور اللہ کا کلام نہیں ہیں۔

اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے قرآن کریم جیسی کتاب کو نازل کیا۔ اگر قرآن کریم نہ ہوتا تو ساری دنیا کے انسان ہمیشہ بھٹکتے رہتے۔ ان کو راستہ اور روشنی، نصیب نہ ہوتی اب ساری دنیا مل کر بھی اس سچائی کا انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی کہ قیامت تک صرف قرآن کریم ہی فرقان، روشنی اور ذکر مبارک ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ
كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ
الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا
عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾
قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ
فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَ
تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾
فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾
قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا
سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا
فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا
ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ
كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا
اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى
رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۱ تا ۷۰

اور یقیناً اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو عقل سلیم (ٹھیک سمجھ) عطا کی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے جب انہوں نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیں (بت) ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت و بندگی کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں مبتلا رہے۔ کہنے لگے کہ کیا تو سچ مچ کہہ رہا ہے یا ہنسی کھیل کر رہا ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا بلکہ تمہارا رب ہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انہیں بنایا۔ اور میں اس بات پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔ اور اللہ کی قسم میں تمہارے پیٹھ پھیرنے کے بعد تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ پھر اس نے ان (بتوں کو) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مگر ان میں کا بڑا بت (چھوڑ دیا) تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کا یہ حشر کس نے کیا۔ بے شک وہ تو ظالموں میں سے ہے۔ کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سنا ہے کہ وہ بتوں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے۔ اسے ابراہیم کہتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ دیکھیں۔ انہوں نے کہا اے ابراہیم ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سب کچھ تم نے کیا ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا ان (بتوں کے) بڑے (بت) نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اگر یہ بات کر سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔ وہ سب اپنے دلوں میں سوچ میں پڑ گئے اور کہنے لگے بے شک تم ہی ظالم ہو۔ پھر سر کو جھکا کر کہنے لگے کہ تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کیا پھر تم

اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے ؟

کہنے لگے اس کو آگ میں جلا ڈالو۔ اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔

(اللہ نے فرمایا) ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا انہوں نے اس کا (ابراہیمؑ کا) برا چاہا تھا پھر ہم نے ان (بت پرستوں ہی) کو نقصان میں ڈال دیا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۱ تا ۷۰

رُشْدٌ	ٹھیک سمجھ۔ عقل سلیم۔
تَمَاثِيْلُ (تِمْثَالٌ)	جانداروں کی شکل۔ مورتیاں۔
عَاكِفُوْنَ	جم کر بیٹھنے والے۔
وَجَدْنَا	ہم نے پایا۔
لَاعِبِيْنَ	ہنسی دل لگی کرنے والے۔
تَاللّٰهِ	اللہ کی قسم۔
لَاَكِيْدَنَّ	میں ضرور تدبیر کروں گا۔
اَصْنَامٌ (صَنَمٌ)	بت۔
مُدْبِرِيْنَ	پلٹنے والے۔ پیٹھ پھیرنے والے۔
جِذَاذٌ (جَذِيْذٌ)	ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔
سَمِعْنَا	ہم نے سنا۔
اَعْيُنُ النَّاسِ	لوگوں کی آنکھوں کے سامنے۔
يَنْطِقُوْنَ	وہ بات چیت کرتے ہیں۔

نُكِسُوْا	اوندھے کردیئے گئے۔
حَرِّقُوْا	جلاڈالو۔
كُوْنِيْ	ہوجا۔
بَرْدًاوَّسَلَامًا	سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا ہوجانا۔
كَيْدٌ	فریب۔دھوکہ۔تدبیر۔
اَخْسَرِيْنَ	زیادہ نقصان اٹھانے والے۔

تشریح: آیت نمبر ۵۱ تا ۷۰

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سات بڑی سورتوں، بقرہ، انعام، توبہ، ہود، ابراہیم، الحجر اور النحل کے بعد سورۃ الانبیا میں حضرت ابراھیم خلیل اللہؑ کا ذکر خیر فرمایا ہے۔

عرب کے تقریباً تمام قبائل حضرت ابراہیم کی طرف نسبت کرنے پر ایک خاص فخر محسوس کرتے تھے لیکن یہ نسبت عمل کرنے کے لئے نہیں بلکہ حسب نسب پر فخر کرنے کی غرض سے ہوتی تھی کیونکہ جب ہم ان کی عملی زندگی کو دیکھتے ہیں تو ان میں حضرت ابراھیم اوران کی اولاد میں آنے والے نبیوں اور رسولوں کی بہت سی اچھی باتیں نہ تھیں بلکہ کفر و شرک اور اپنے بچوں کو قتل کرنے اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تو بت شکن تھے مگر ان پر فخر کرنے والوں نے بیت اللہ شریف میں سیکڑوں بت رکھے ہوئے تھے۔ اللہ کو چھوڑ کر وہ ان سے اپنی مرادیں مانگنے پر فخر کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ بت ہمارے سفارشی ہیں۔ اگر ہم نے ان کی عبادت و بندگی نہ کی تو اللہ ہماری کسی دعا کو قبول نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہم کا واقعہ سنا کران بت پرستوں کو یاد دلایا ہے کہ وہ اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ذرا بھی مناسبت ہے۔ کیونکہ ان کے اعمال ان کی اس خوش فہمی کی تردید کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ وہ لکڑی، پتھر اور مٹی کے بت جن کے سامنے تم جھکتے ہو اور ان کی عبادت و بندگی کرتے ہو وہ اس قدر بے حقیقت ہیں کہ خود اپنے نفع نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اگر ایک مکھی ان کی ناک پر بیٹھ جائے یا (حضرت ابراہیم کی طرح) ان بتوں کو کوئی شخص توڑ دے تو وہ ایک مکھی کو اپنے اوپر سے نہیں اڑا سکتے ہیں۔ اور نہ بچاؤ کر سکتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بت جتنے بے بس اور بے اختیار ہیں وہ دنیا بھر کے لوگوں کے نفع نقصان اور سکھ چین کے مالک کیسے ہوسکتے ہیں؟ حضرت ابراہیم کے واقعہ میں اسی بات کو یاد دلایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے

ایک ایسے کافر گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جہاں دن رات ان کے والد آذر پتھروں، لکڑیوں اور مٹی کے بت بناتے اور ان من گھڑت صورتوں، شکلوں کو اپنا معبود اور مشکل کشا مانتے تھے۔ گھر سے باہر کا ماحول اس سے زیادہ گھناؤنا اور مشرکانہ تھا جہاں ہر شخص چاند، سورج، ستاروں، درختوں اور پانی کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھا اور ان کے سامنے "ہاتھ جوڑے" بیٹھا رہتا اور مرادیں مانگتا رہتا تھا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی یہی بتایا گیا تھا کہ یہ سب چیزیں تمہارے معبود ہیں مگر حضرت ابراہیمؑ یہ سوچتے تھے کہ چاند، سورج، ستارے، نکلتے ہیں، ڈوب جاتے ہیں، غائب ہو جاتے ہیں ہر وہ ایک کو دیکھتے تو یہ گمان ہوتا تھا کہ شاید یہی معبود ہو مگر جب انہوں نے ان کو نکلنے اور ڈوبنے میں بے اختیار دیکھا تو ایک دن ان کی فطرت سے آواز بلند ہوئی کہ یہ سب چیزیں جن کو میرا معبود بتایا جاتا ہے یہ میرے معبود نہیں ہیں بلکہ جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے وہی میرا رب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں صرف ایک اللہ کو اپنا معبود مانتا ہوں اور بس، میں کسی کے شرک کرنے میں شریک نہیں ہوں۔

جب انہوں نے اس حقیقت کو پا لیا تو انہوں نے سب سے پہلے اپنے والد آذر سے کہا کہ ابا جان آپ اور آپ کی قوم کے لوگ جن تصویروں پر جمے بیٹھے ہیں اور ان سے اپنی مرادیں مانگ رہے ہیں یہ سب کیا ہے؟ جواب یہ تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت و بندگی کرتے دیکھا ہے لہٰذا ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ ان کے پاس ان کو معبود بنانے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ سب لوگ رسموں اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو کھلی گمراہی ہے جس میں لوگ مبتلا ہیں۔ حیرت سے کہنے لگے ابراہیم یہ بات تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو یا ہنسی دل لگی کے طور پر کہہ رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت وقار اور سنجیدگی سے جواب دیا کہ یہ مٹی، پتھر اور لکڑی کے بت تمہارے معبود نہیں ہیں۔ بلکہ جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے تمہیں اور انہیں بنایا ہے وہی سب کا پروردگار ہے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے دل میں قسم کھا کر کہا کہ تمہارے جانے کے بعد پھر میں تمہارے ان بتوں کی دھجیاں بکھیروں گا اور پوری طرح خبر لوں گا۔ جب اس قوم کے میلے کا دن آیا جس میں وہ بڑی خوشیاں مناتے شہر سے باہر جاتے تھے سب کے سب جانے لگے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہا گیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ اس میلے ٹھیلے میں چلیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھا اور پھر کہا کہ میں "سقیم" ہوں سقیم کے معنی بیمار ہونے کے بھی ہے اور غمگین اور رنجیدہ ہونے کے بھی ہے۔ ان سب لوگوں کے میلے میں جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک کلہاڑہ لیا اور اس سے ان تمام چھوٹے بڑے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور جو ان میں سب سے بڑا بت تھا وہ کلہاڑہ اس کے گلے میں لٹکا دیا۔ جب پوری قوم میلے سے لوٹی اور اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو پورے شہر میں کہرام مچ گیا۔ ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ ہمارے بتوں کے ساتھ ایسا معاملہ کس نے کیا ہے؟ کسی نے کہا کہ ہماری قوم میں تو صرف آذر کا بیٹا ابراہیم ہی ہے جو ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے اور وہ

میلے میں بھی نہیں گیا تھا۔ پوری قوم جمع تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طلب کر کے پوچھا گیا کہ اے ابراہیم کیا تم نے یہ کیا ہے؟ تم نے ہمارے بتوں کی یہ درگت بنائی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصل حقیقت پر بات کرنے سے پہلے ان کی ناسمجھی اور بے عقلی پر بھرپور طنز کیا، وہ بڑا بت جس کے گلے میں وہ کلہاڑہ لٹکا ہوا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ان کے بڑے نے کیا ہوگا۔ اگر یہ بت تم سے بات کرسکتا ہے تو اس سے پوچھ لو۔ ان بے عقلوں پر یہ اتنا بڑا حملہ تھا کہ ان کی زبانیں بند ہو کر رہ گئیں۔ دل میں سوچنے لگے کہ یہ پتھر کے بے جان بت کیسے بتا سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے جھکے ہوئے سروں کو دیکھا تو فرمایا تم ایسے بتوں کو اپنا معبود بنائے بیٹھے ہو جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچانے کی طاقت وقوت رکھتے ہیں۔ کیا تم لوگ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گویا ان سے یہ فرمایا کہ جب تمہارے یہ معبود اپنی حفاظت بھی نہیں کرسکتے اپنے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں وہ تمہارے نفع نقصان کے مالک کیسے ہوسکتے ہیں۔ سچی بات ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے۔ وہ تمام لوگ اپنے بتوں کی درگت اور اپنی توہین کو برداشت نہ کرسکے۔ کہنے لگے کہ لوگو! اس کو مار ڈالو، جلا ڈالو، اپنے معبودوں کی مدد کرو، تم جو کچھ کرسکتے ہو وہ کرو، آپس میں مشورہ کر کے طے کیا گیا کہ اتنے بڑے جرم کی سزا تو یہی ہوسکتی ہے کہ ابراہیم کو جلا کر خاک کر دیا جائے جب قوم نے فیصلہ کرلیا تو ہر شخص اس کو کار ثواب سمجھ کر لکڑیاں جمع کرنے کے لئے بھاگ دوڑ میں لگ گیا ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کافی دنوں تک لکڑیاں جمع کی گئیں۔ پھر ان کو دھونکایا گیا۔ جب آگ کے شعلے آسماں کو چھونے لگے تب رسیوں سے ہاتھ پیر باندھ کر کسی ذریعہ سے حضرت ابراہیم کو اچھال کر آگ میں پھینکا گیا۔ ادھر تمام مشرکین نے اپنی تدبیریں کر کے حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکا۔ ادھر اللہ نے آگ سے فرمایا اے آگ تو ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔ چنانچہ وہ آگ بہترین باغ بن گئی۔ کفار اور مشرکین یہ سمجھ رہے تھے کہ اس آگ سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اس آگ کی لپٹیں اتنی تیز اور اونچی تھیں کہ اگر اس کے اوپر سے کوئی پرندہ بھی گذر جاتا تو وہ جل بھن کر کباب ہو جاتا، وہ اپنی جگہ مطمئن تھے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم کو آگ میں بھسم کر دیا لیکن جب آگ کو سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا ہونے کا حکم الٰہی پہنچا تو حضرت ابراہیم اس آگ میں سات دن تک رہے اور فرماتے ہیں کہ ان سات دنوں میں مجھے جتنا سکون اور اطمینان نصیب ہوا پوری زندگی ایسا سکون نہیں ملا۔ بے شک جس کی حفاظت اللہ کرتا ہے اس کو ساری دنیا مل کر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ شرط یہ ہے کہ اللہ کے لئے قربانی پیش کرنے کے لئے حضرت ابراہیم کا جیسا جگر اور ایمان ہونا چاہئے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اس طرح اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں سے بچالیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف اپنا پیغمبر بنایا بلکہ ان کی قربانیوں کے صلے میں ساری دنیا کی امامت و پیشوائی بھی عطا فرمائی صرف اولاد ہی نہیں بلکہ وہ صالح اولاد عطا فرمائی جن سے سینکڑوں نبی اور رسول دنیا میں تشریف لائے اور رشد اور ہدایت کا یہ سلسلہ جاری ہوا۔ فلسطین میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد اور حجاز میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ قائم ہوا۔ اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم کو اسی لئے ابوالانبیاء کہا جاتا ہے کہ ان کی نسل میں ہزاروں پیغمبر آئے تھے۔

ان آیات کے سلسلہ میں چند باتوں کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

۱۔ بخاری اور مسلم میں یہ روایت موجود ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِنَّ اِبْرَاهِيمَ (علیه السلام) لَمْ يُكْذِبْ غَيْرَ ثَلَاثَةٍ'' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین موقعوں کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس حدیث کے مطابق وہ تین موقعے یہ تھے (۱) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لوگوں نے میلے میں چلنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا تھا ''انی سقیم'' یعنی میں بیمار ہوں۔ (۲) دوسرا موقع وہ تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا تھا اور بت پرستوں نے پوچھا تھا کہ اے ابراہیم کیا یہ کام تم نے کیا ہے؟ اس پر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ان کے بڑے نے کیا ہوگا (۳) تیسرا موقع وہ ہے جس کو اسرائیلی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے اپنی بیوی حضرت سارہ کو اپنی بہن بتایا تھا۔ اس حدیث میں ان تین مواقع کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس حدیث پر بڑا شور مچایا ہے اور وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہونے کے باوجود درایت کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ ایسے موقع پر منکرین حدیث کا شور مچانا تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ منکرین حدیث کا تو بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ کسی طرح حدیث رسول کو اس قدر غیر معتبر کر دیا جائے کہ پھر قرآن کریم کی من مانی تاویلات کر کے ''ماڈرن اسلام'' بنانے میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہو جائے۔ لیکن وہ لوگ جو اپنے ہیں ان کو اس طرح حدیث کا بے باکانہ انداز سے انکار کرنا یا تنقید کرنا بہت بڑی جسارت ہے جس سے انہیں یا ان کے ماننے والوں کو توبہ کرنی چاہئے کیونکہ ان تینوں موقعوں پر تاویل کی جاسکتی ہے بعض باتیں ایسی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں جھوٹ محسوس ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ جھوٹ نہیں ہوتیں۔ اس کو عربی میں ''توریہ'' کہتے ہیں توریہ کے معنی ہے ایسا ذومعنی کلام جس سے کہنے والا جو کہہ رہا ہے کچھ ہے اور جو سننے والا ہے وہ اپنے انداز پر بات کو کچھ اور سمجھ رہا ہے۔ یہ بظاہر جھوٹ لگتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے جھوٹ نہیں ہے کیونکہ ان الفاظ کے پیچھے جھوٹ کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا بلکہ جس سے کہا جا رہا ہے اس کے شر سے محفوظ رہنے یا پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے

لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ بتاؤ اگر میں کہتا ہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو عنقریب تمہارے اوپر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے۔ سب نے کہا ہاں ہم آپ کی ہر بات پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس پہاڑ کے پیچھے کوئی لشکر نہیں ہے بلکہ شیطان کا لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہے اس جگہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی غلط بیانی کی تھی بلکہ آپ ذہنوں کو اپنی بات کے لئے تیار کر رہے تھے تا کہ آپ کی بات پر پورا دھیان دیا جا سکے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس بڑے بت سے پوچھو۔ اس جگہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی کہہ دیتے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا تو اس سے وہ پوری طرح متوجہ نہ ہوتے۔ جب وہ متوجہ ہو گئے تب آپ نے ان کو نصیحت فرمائی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ بظاہر جھوٹ لگتا ہے لیکن حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

یہ ایک استثنا کی شکل ہے جس کی ضرورت پڑ سکتی ہے لیکن اس پر کوئی اصول نہیں بنایا جاسکتا جس طرح کچھ لوگوں نے ''تقیہ'' کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے کہ اگر کسی سے تقیہ کر لیا جائے یعنی جھوٹ بول دیا جائے تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ میں ایسے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو توریہ فرمایا ہے اس کی تاویل کرنا آسان ہے لیکن تم نے جو تقیہ کا ایک اصول بنا کر جھوٹ کو اسلامی بنا دیا ہے اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ شریعت میں تقیہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہ کچھ لوگوں نے اپنی اغراض اور جھوٹ کا سہارا لینے کے لئے گھڑ لیا ہے۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا

اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۵

اور ہم نے اسے (ابراہیمؑ کو) اور لوط کو اس سرزمین کی طرف (بھیج کر) بچالیا جس میں ہم نے جہانوں کے لئے برکت رکھی ہے۔ اس کو ہم نے اسحاقؑ (جیسا بیٹا) بخشا اور انعام میں یعقوب عطا کیا۔ اور ہم نے ان سب کو صالح بنایا۔ اور ہم نے ان کو پیشوا (رہنما) بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے۔ اور ہم نے ان کی طرف نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کے لئے وحی بھیجی اور وہ ہماری ہی عبادت و بندگی کرتے تھے۔ اور لوط کو ہم نے علم و حکمت سے نوازا اور اس بستی سے بچالیا جو بدکاریاں کیا کرتی تھی بلاشبہ وہ لوگ برے اور نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ نیکوں میں سے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۱ تا ۷۵

نَجَّيْنَا — ہم نے نجات دی۔

وَهَبْنَا — ہم نے عطا کیا۔

نَافِلَةٌ — عطیہ۔ ضرورت سے زائد۔

اَئِمَّةٌ (اِمَامٌ) — رہنما۔ پیشوا۔

فِعْلُ الْخَيْرَاتِ — بھلائیوں کے کام۔ نیک کام۔

حُكْمٌ — حکمت۔ نبوت۔

اَلْخَبَائِثُ — گندگیاں۔ بدکاریاں۔

تشریح: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۵

گذشتہ آیات میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرکین نے آگ کے الاؤ میں جھونک دیا تھا اور اتنی زبردست آگ میں پھینکنے کے بعد وہ اس سے مطمئن تھے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے گل وگلزار بنا دیا تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام سات دن تک اس آگ میں رہے۔ پھر نہایت خاموشی سے انہوں نے فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس وقت تک ایمان لانے والے دو ہی افراد تھے آپ کی اہلیہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابراہیم کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام، ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہی دونوں افراد تھے جن کو لے کر انہوں نے فلسطین میں جا کر قیام فرمایا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو نمرود اور اس کی قوم سے نجات عطا فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو فلسطین میں قیام فرمایا اور حضرت لوط علیہ السلام کو جب اللہ نے نبوت عطا فرمائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو سدوم کے علاقے میں بھیج دیا۔ موجودہ زمانہ میں سدوم اردن اور اس اسرائیل کے درمیان کا وہ علاقہ ہے جس کو بحرمیت کہا جاتا ہے۔ یہاں سدوم اور عمورہ کی سات بستیاں تھیں جن کو شدید گناہوں کی سزا میں اس طرح تباہ و برباد کر دیا گیا اور بستیوں کو الٹ دیا گیا کہ" آج ان بستیوں کی جگہ ایک ایسا سمندر ہے جس کو بحرمیت یا بحر مردار کہا جاتا ہے یہاں کی زمین سطح سمندر سے کئی سو فٹ نیچے چلی گئی ہے اس سمندر میں کوئی کشتی تک نہیں چل سکتی یہاں تک کہ اس کے پانی میں چھوٹے سے چھوٹا جانور جیسے بکٹیریا وغیرہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس سرزمین پر پوری قوم ایسی بداخلاقی اور برائیوں میں مبتلا تھی جو ان سے پہلے ساری دنیا میں کوئی قوم بھی اس برائی میں مبتلا نہیں ہوئی تھی اس قوم کے مزاج میں بدچلنی، بداخلاقی، سرکشی، تکبر اور غرور کے ساتھ غیر فطری عمل کی محبت رچ بس گئی تھی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے بعد ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کو ایسی سرزمین کی طرف بھیج کر بچالیا جس سرزمین میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت ہی برکت رکھی ہے۔ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے اسحاق علیہ السلام جیسا بیٹا عطا کیا اور انعام کے طور پر یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عنایت کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا اس لئے ان کے بارہ بیٹوں کو اللہ نے اس کثرت سے اولاد عطا کی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کہلانے لگے اور بارہ بیٹے بارہ قبیلے اور خاندان بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت سارہ کے بطن سے اٹھارہ سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کو پیدا کیا جو بہت نیک اور صالح تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو نبوت اور رسالت کے ساتھ ساری دنیا کی پیشوائیت اور امامت بھی عطا فرمائی تھی جو اللہ کے حکم سے لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ اس بات کی تعلیم دے دی تھی کہ وہ ہمیشہ نیکیاں اور بھلائیاں کرتے رہیں۔ نماز قائم کرتے اور زکوۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے رہیں چنانچہ وہ اللہ ہی کی عبادت اور بندگی کرتے تھے۔ فرمایا کہ اس طرح ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو علم وحکمت اور دانائی سے نوازا تھا اور ان کو اس بستی سے بچالیا تھا جو ہر طرح کی بدکاریوں میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت کو برباد کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوم لوطؑ صرف اسی فعل میں مبتلا نہیں تھی بلکہ ان میں اور بھی بہت سے عیب تھے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر فطری عمل یعنی مردوں کا مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنا تمام برائیوں کی جڑ ہے اس کے بعد بہت سی برائیاں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام پر خصوصی رحم وکرم نازل فرمایا اور وہ خود بھی انتہائی نیک انسان تھے۔ جس بستی میں وہ تھے صرف اس کو بچالیا گیا باقی سب بستیوں کو برباد کر دیا گیا تھا۔

جیسا کہ تشریح میں عرض کیا گیا ہے کہ خلاف فطرت (لواطت) بدکاری اس قدر شدید فعل ہے کہ اس سے قومیں تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی ہیں اور ایسی قوموں کا اللہ کے عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ موجودہ دور میں نام نہاد ترقی یافتہ قومیں جس طرح اس فعل بد کو قانونی تحفظ دیتی چلی جارہی ہیں اس کے اثرات تو ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں اور طرح طرح کی بیماریوں نے ڈیرے ڈال دیئے ہیں اور ہر روز کوئی نہ کوئی بیماری کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر قوموں نے اس فعل سے توبہ نہ کی تو دنیا میں کوئی ایسی خطرناک اور ناقابل تصور بیماری پھیلے گی جس سے کروڑوں لوگ مر جائیں گے یا ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جائیں گے کیونکہ اس عمل بد کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ جس سے کسی حال میں بچنا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری انسانیت کو آنے والے عذاب سے محفوظ فرمائیں اور ایسے قوانین سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائیں جس سے ساری انسانیت کے تباہ ہو جانے کا امکان ہے کیونکہ جب کسی قوم پر اللہ کا عذاب بھڑک اٹھتا ہے تو اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ ساری انسانیت کو ظالموں کے ظلم سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

وَنُوحًا إِذْ

نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ

الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ
وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ
يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ
لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ
شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ
اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾
وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا
دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى
رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ
مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾
وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ
ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ
فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ
اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۸ وَ زَكَرِيَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۸۹ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰ وَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۱ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝۹۲ وَ تَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝۹۳

ع ۶ ۶

ترجمہ: آیت نمبر ۷۶ تا ۹۳

اور یاد کرو نوحؑ کو جب کہ ان سے پہلے اس نے ہمیں پکارا۔ ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو ایک بڑی بے چینی سے نجات عطا کی۔ اور اسے اس قوم سے نجات دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت برے لوگ تھے۔ ہم نے ان سب کو غرق کر دیا (ڈبو دیا) اور یاد کرو داؤدؑ اور سلیمانؑ کو جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جسے رات کو کچھ لوگوں کی بکریاں چر گئی تھیں اور ان کا فیصلہ ہمارے سامنے تھا پھر ہم نے اس کا فیصلہ سلیمانؑ کو سمجھا دیا۔ اور ہم نے ان دونوں کو گہری سمجھ اور علم عطا کیا تھا۔ اور ہم نے پہاڑوں کو داؤدؑ کے تابع کر دیا جو تسبیح کرتے تھے اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی (اس کے تابع کر دیا تھا) اور یہ سب کچھ کرنے والے ہم ہی تھے۔

اور ہم نے اسے زرہ بنانا سکھائی تاکہ وہ جنگ میں تمہاری حفاظت کرے۔ کیا پھر تم شکر کرنے والے ہو؟ اور سلیمانؑ کے لئے ہم نے تیز چلنے والی ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جسے ہم نے برکت دی تھی۔ اور ہم ہی ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔ اور شیاطین میں سے ہم نے ایسے بہت سے (جنات کو) ان کے تابع کر دیا تھا جو اس کے لئے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا اور بہت سے کام کرتے تھے۔ اور ہم ان کو سنبھالنے والے تھے۔ اور یاد کرو ایوبؑ کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت تکلیف ہے اور آپ سب رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں تو ہم نے اس کی فریاد کو سن لیا اور اس کو جو تکلیف تھی وہ دور کر دی۔ اور اس کو اس کے گھر والے عطا کر دیئے۔ اور اتنے ہی اپنی رحمت سے اور عطا کر دیئے تاکہ یہ عبادت و بندگی کرنے والوں کے لئے ایک نعمت ہو۔ اور یاد کرو اسماعیلؑ، ادریسؑ، اور ذوالکفلؑ کو یہ سب صبر کرنے والے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ اور یاد کرو مچھلی والے کو جب وہ غصہ میں بھر کر چلا گیا تھا وہ سمجھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔ پھر اس نے اندھیروں میں پکارا کہ (اے اللہ) آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ کی ذات پاک ہے۔ بے شک میں ہی قصوروار تھا۔ پھر ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا اور اس کو ہم نے غم سے نجات دیدی۔ اور ہم اہل ایمان کو اسی طرح سے نجات دیا کرتے ہیں۔ اور یاد کرو جب زکریاؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑیئے اور بہترین وارث تو آپ ہی ہیں۔ پھر ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا اور اس کو یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو درست کر دیا (ماں بننے کے قابل بنادیا)۔ یہ وہ لوگ تھے جو نیکیوں میں دوڑتے تھے اور ہمیں رغبت و محبت اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے آگے عاجزی کرتے تھے۔ اور اس خاتون کا ذکر کیجئے جب ہم نے اس (حضرت مریم کے رحم میں) روح کو پھونک دیا تھا پھر جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی۔ ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو جہان والوں کے لئے نشانی بنا دیا تھا۔ یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ تم میری ہی عبادت و بندگی کرو۔ انہوں نے اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ لیکن سب کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۶ تا ۹۴

اَلْكَرْبُ الْعَظِيْمُ	بہت بڑی بے چینی۔
قَوْمُ سَوْءٍ	برے لوگ۔
يَحْكُمَانِ	فیصلہ کرنے لگے۔
اَلْحَرْثُ	کھیتی۔کھیت۔
نَفَشَتْ	چر گئیں۔
غَنَمٌ	بکریاں۔
فَهَّمْنَا	ہم نے سمجھ عطا کی۔
اَلطَّيْرُ	پرندے۔
صَنْعَةٌ	بنانا۔
لَبُوْسٌ	لباس۔
تُحْصِنُ	تمہیں بچاتی ہے۔
بَأْسٌ	سختی۔جنگ۔
عَاصِفَةٌ	تیز ہوا۔آندھی۔
يَغُوْصُوْنَ	غوطہ لگاتے ہیں۔
مَسَّنِىَ	مجھے پہنچا۔
كَشَفْنَا	ہم نے کھول دیا۔
مُغَاضِبًا	غصہ میں بھرا ہوا۔
لَا تَذَرْنِىْ	تو مجھے نہ چھوڑنا۔

فَرْدٌ	تنہا۔
اَصْلَحْنَا	ہم نے درست کر دیا۔
يُسْرِعُوْنَ	دوڑتے ہیں۔
رَغَبٌ	امید۔
رَهَبٌ	ڈر۔خوف۔
خَاشِعِيْنَ	ڈرنے والے۔
اَحْصَنَتْ	اس نے حفاظت کی۔
نَفَخْنَا	ہم نے پھونک ماری۔

تشریح: آیت نمبر ۷۶ تا ۹۳

سورۃ الانبیاء کی ان آیت میں گیارہ نبیوں اور رسولوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ذوالکفل، حضرت ذوالنونؑ، (حضرت یونس) حضرت زکریا، حضرت یحیٰؑ اور ابن مریم حضرت عیسیٰ علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے دنیا بھر کے سرکشوں نافرمانوں اور فسادیوں اور ظالموں کو راہ راست پر لانے کے لئے اپنے پاکیزہ نفوس انبیاء کرام کو اس اصولی اور بنیادی نصیحت کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر انہوں نے گناہوں کو نہ چھوڑا تو ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ اللہ کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ اس نے اپنے خاص بندوں کو تو بچا لیا لیکن ظالموں کو ان کی تہذیب کو ان کی ترقیات کو اس طرح ملیامیٹ کر دیا کہ آج ان کی عمارتوں کے کھنڈرات عبرت و نصیحت کا نشان بنے ہوئے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تک امت کی رہنمائی فرمائی لیکن جب پوری قوم نے (کئی اور نسلوں نے) ان کی نصیحت کو نہیں سنا اور ہمیشہ ان کی مخالفت کرتی رہی تب حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی کہ الٰہی یہ لوگ میری بات اور نصیحت کو سننے کے لئے تیار نہیں ہیں اب یہ ایسے گلے سڑے بازو یا جسم کی طرح ہو چکے ہیں جس کو کاٹ کر پھینک دینا ہی بہتر ہے ان کی اصلاح ممکن نہیں ہے اے اللہ ان کو اور ان کے گھروں کو ویران کر دے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول کر کے ان کے ماننے والوں اور اہل خانہ (سوائے ان کے بیٹے کے) کو اس کشتی کے ذریعہ

بچالیا جوانہوں نے اللہ کے حکم سے تیار کی تھی بقیہ ساری قوم پر پانی کا اتنا زبردست طوفان مسلط کیا گیا کہ اس میں ہر شخص ڈوب کر ختم ہو گیا صرف اہل سفینہ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی والے بچ گئے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبر جو اپنی امت اور ساری انسانیت کے سب سے بڑے مخلص ہوتے ہیں اگر وہ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے کوئی درخواست کرتے ہیں تو ان کی پکار کو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے۔ ان آیات میں کفار مکہ سے بھی کہا جارہا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثاروں کو اتنا نہ ستائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے کوئی آہ نکل جائے اور وہ کفار تباہ اور برباد ہو کر رہ جائیں۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ جب حضرت داؤد نے ایک فیصلہ سنایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسرا فیصلہ کیا اس معقول فیصلے کو سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا فیصلہ بدل لیا اور اپنے فیصلے پر ضد اور بڑائی کا انداز اختیار نہیں کیا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص کی بکریاں کسی دوسرے کے کھیت میں گھس آئیں اور انہوں نے بھرے کھیت کو اجاڑ کر رکھ دیا۔ کھیت والے نے حضرت داؤد علیہ السلام کے دربار میں عدل و انصاف کی فریاد پیش کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ظاہری صورت حال کو دیکھ کر یہ فیصلہ فرمادیا کہ جس کا کھیت برباد ہوا ہے وہ ان ساری بکریوں کو لے کر ان سے فائدہ اٹھائے۔ یہی فریاد جب حضرت سلیمان علیہ السلام سے کی گئی تو انہوں نے اللہ کے حکم سے نہایت ذہانت کا یہ فیصلہ فرمادیا کہ کھیت والا ساری بکریاں اپنے پاس رکھے۔ ان سے فائدہ اٹھائے۔ پھر بکریوں والے سے کہا کہ وہ اس کا اجڑا ہوا کھیت دوبارہ آباد کرے۔ جب کھیت تیار ہو جائے تو وہ اپنی بکریاں واپس لے جائے اور کھیت اس کے مالک کے حوالے کردے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ کے والد محترم ہیں۔ وقت کے بادشاہ، ذہین ترین نبی اور رسول ہیں جب وہ زبور کی آیات تلاوت فرماتے تھے پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ جھومنے لگتے تھے اور اللہ کی تسبیح کرتے تھے۔ اتنی خوبصورت پرتاثیر آواز کے مالک تھے کہ ان کے پڑھنے کو لحن داؤدی کہتے ہیں اللہ نے ان کے لئے لوہے کو موم کی طرح نرم کردیا تھا جس سے وہ جنگ کی حالت میں استعمال کئے جانے والے لوہے کا لباس تیار کرتے تھے جس کو زرہ کہتے ہیں۔ اللہ نے ان کو فہم و فراست اور علم و حکمت سے بھی نوازا تھا اتنے عظیم انسان اور پیغمبر کے سامنے جب ان کے بیٹے کا بہتر فیصلہ آیا تو انہوں نے فوراً ہی اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور کسی طرح اس کو اپنی انا یا ضد کا مسئلہ نہیں بنایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور رسول نہیں ہیں اور اللہ نے ان کو بھی بہت سی وہ عظمتیں عطا فرمائی تھیں جو لائق ذکر ہیں۔ اللہ نے ان کو علم و حکمت، ذہانت اور بات کی تہہ تک پہنچنے کی بڑی زبردست صلاحتیں عطا کی تھیں ہوا کو اس طرح ان کے تابع کردیا تھا کہ اس کو جہاں اور جیسے حکم دیتے ہوا وہی کرتی تھی، چرند، پرند، درند، جنات اور طاقتور انسان ہر وقت ان کے دربار میں حاضر رہتے تھے ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقصد عدل و انصاف کے نظام کو قائم کرنا تھا اس لئے اس میں اپنی ذاتی انا اور ضد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ درحقیقت کفار مکہ کو شرم دلائی جارہی ہے کہ یہ دونوں باپ بیٹے وقت کے عظیم پیغمبر اور بہت زیادہ

قوت اور طاقت کے مالک تھے مگر وہ ہر سچائی کو ہر وقت قبول کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اور کفار مکہ کا یہ حال ہے کہ معمولی معمولی سرداریوں کو لئے بیٹھے ہیں اور غرور و تکبر کے پیکر بنے ہوئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس سچائی اور عدل و انصاف کی تعلیمات کو لے کر آئے ہیں ان سے منہ پھیر رہے ہیں۔

صبر و شکر کے پیکر حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اللہ نے ان کو ہر طرح کی نعمتوں سے نواز رکھا تھا تو وہ ہر وقت اللہ کے سامنے شکر گذاری کے جذبے کے ساتھ جھکے رہتے تھے اور جب ان کو ایسی شدید بیماری اور تکلیف سے واسطہ پڑا کہ ان کی بیوی کے علاوہ ہر شخص ان کے قریب جاتا ہوا گھبراتا تھا۔ فرمایا کہ اس حال میں وہ انتہائی صبر سے کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان کی بیماری اس درجے کو پہنچ گئی جہاں ان سے وہ برداشت نہ ہو سکی تو انہوں نے اپنے اللہ کو آواز دی۔ الٰہی میری تکلیف اور بیماری حد درجہ بڑھ گئی ہے اور تمام رحم کرنے والوں میں آپ ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد کو سنا اور ان کو نہ صرف شدید بیماری اور تکلیف سے نجات عطا فرمادی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی صحت، مال و اہل اور اولاد کی نعمتوں سے ان کو نواز دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر و شکر ایک بہترین مثال ہے دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کو جب بھی دل سے پکارا جاتا ہے وہ ایسا مہربان اور کریم ہے کہ وہ ہر شخص کی فریاد کو سنتا ہے اور اس کو ہر طرح کی تکلیفوں سے نجات عطا کر دیتا ہے۔

حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت ایوب علیہم السلام کے ذکر کے بعد حضرت اسماعیلؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت ذوالنونؑ (مچھلی والے) کے متعلق فرمایا کہ یہ سب کے سب انتہائی نیک صالح اور پرہیزگار تھے جنہیں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کا نام لئے بغیر ان کو ''ذوالنون'' فرمایا یعنی وہ جو مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ رہے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا اور بابل کے نافرمانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ وہ اپنی قوم کو ہر طرح سمجھاتے تھے مگر وہ راہ ہدایت پر نہ آتے تھے۔ آخر ایک دن ان نافرمانوں سے مایوس ہو کر یہ دعا فرمائی الٰہی یہ قوم سدھرنے والی نہیں ہے اب آپ ان کا فیصلہ فرما دیجئے۔ حضرت یونس علیہ السلام یہ سوچ کر کہ اللہ اپنے نبی کی دعا کو ضرور سنتا ہے اللہ کی طرف سے فیصلے کا انتظار کئے بغیر وہاں سے کسی دوسرے ملک کے لئے بیوی بچوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چونکہ اللہ کے نبی بڑی شان والے ہوتے ہیں اور وہ ہر شخص کے لئے ایک مثال ہوتے ہیں اس لئے ان کی ذرا سی بات پر بھی گرفت ہو جاتی ہے۔ اللہ نے ان کی بیوی اور بچوں کو ان سے کسی طرح جدا کر دیا۔ وہ تنہا ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ وہ کشتی ایک بھنور اور طوفان میں پھنس گئی سب لوگوں کے ڈوبنے کا اندیشہ تھا۔ کسی نے کہا کہ ہم میں ضرور کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی رضا اور مرضی کے بغیر بھاگا ہوا ہے۔ قرعہ اندازی کی گئی ہر مرتبہ حضرت یونسؑ کا نام نکلا حضرت یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں۔ حضرت یونسؑ کو پانی میں پھینکا گیا ایک بہت بڑی مچھلی جو منہ کھولے تیار تھی یہ اس مچھلی کے پیٹ میں پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے (مچھلی کے پیٹ میں) اس اندھیری کوٹھری میں بھی ان کو زندہ رکھا۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کو اندازہ ہوا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، اس لئے یہ سزا دی گئی۔ انہوں نے اسی وقت اللہ کی بارگاہ میں ندامت و شرمندگی کے ساتھ کہا الٰہی

آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، بے شک مجھ سے زیادتی ہوگئی ہے۔ اللہ نے ان کو معاف فرمادیا عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور صحیح سالم اس مچھلی نے ان کو دریا کے کنارے اگل دیا۔ اللہ نے وہاں بھی ان کی صحت وعافیت اور رزق کا انتظام فرمادیا۔ ادھر جب پوری قوم یونس علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت یونسؑ اس شہر سے چلے گئے ہیں اورانہوں نے عذاب الٰہی کے آثار بھی دیکھے تو پوری قوم نے اللہ سے اپنے کفر وشرک سے پناہ مانگی جن کو معاف کردیا گیا۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ عذاب کے آثار آنے کے بعد اگر کسی قوم کو معاف کیا گیا ہے تو وہ صرف قوم یونسؑ تھی۔ اللہ کے حکم سے حضرت یونس علیہ السلام بھی اپنی قوم میں واپس آگئے اور ان کے بیوی بچے اور سب کچھ بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کو عطا کردیا گیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے بڑھاپے کی انتہائی عمر اور بیوی کے بانجھ ہونے باوجود جب اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی تمنا کی اور اللہ کو پکارا تو اللہ نے ان کی اہلیہ کو بھی اولاد کے لئے صلاحیت عطا کرکے ان کو ماں بنادیا اور اس طرح حضرت یحیٰ علیہ السلام جیسا نیک، پاکباز اور نبی صالح عطا فرمایا۔ ان کو اس نعمت کے عطا کرنے کی وجہ یہ فرمائی گئی کہ وہ ہر ایک کا بھلا چاہتے تھے اور نیکی و پرہیز گاری میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ بتانا یہ ہے کہ اللہ اپنی قدرت کاملہ سے جس طرح اور جب بھی کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو اسباب کی ضرورت نہیں پڑتی اور اللہ اپنے بندوں کی ہر پکار کو سن کر ان کو وہ سب کچھ عطا فرماتا ہے جو ایک بندے کی خواہش ہوتی ہے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ایک نئے انداز سے فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ وہ (مریم) جو پاکیزگی، عفت وعصمت کی پیکر تھیں جو اپنی آبرو کی حفاظت کرنے والی تھیں اللہ نے اپنی قدرت سے ان کے رحم میں روح کو پھونکا اور ساری دنیا کو اپنی قدرت کا یہ کمال دکھادیا کہ وہ اللہ ایسی قدرت والا ہے کہ جس طرح بغیر ماں باپ کے حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کو پیدا فرمادیا۔ ایک سو دس سال کی عمر میں حضرت زکریا علیہ السلام کو ایک بیٹا عطا فرمادیا اور اسی طرح بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو پیدا فرمادیا۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

ان آیات میں گیارہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نظر میں سارے انسان برابر ہیں وہ ہر ایک کی فریاد سنتا اور اس کی تمنا کو پورا کرتا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے ساری دنیا کے لوگوں کو ایک ہی امت اور جماعت بنایا تھا اور وہ ان کی رہبری اور رہنمائی کے لئے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجتا رہا جو ان کو بھٹکنے سے بچانے کی جدوجہد کرتے تھے۔ فرمایا کہ اب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لا چکے ہیں۔ ساری دنیا کے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے اب آپ کے آنے کے بعد قیامت تو آئے گی لیکن کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ لہٰذا ساری دنیا کے انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے تو ان کو اس دنیا کی اور آخرت کی ساری کامیابیاں اور عظمتیں عطا کی جائیں گی۔
دوسری بات یہ ارشاد فرمادی گئی کہ اس اللہ کو جب بھی اور جس جگہ بھی پکارا جاتا ہے تو وہ اللہ فریاد کرنے والے کی فریاد کو سنتا ہے۔ سارے نبیوں نے ہر مشکل کے وقت صرف اللہ ہی کو پکارا۔ اس نے ان کی فریاد کو سنا اور ان کی ہر خواہش کو پورا کیا۔ کیونکہ اللہ کا ہر نبی اور رسول اس بات کو جانتا ہے کہ مشکل کشا صرف اللہ کی ذات ہے۔ وہی ہر ایک کی فریاد سن کر اس کی مشکلات کو دور کرتا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَ
حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا
فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ
اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا
زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ
لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ۙ لَا يَسْمَعُوْنَ
حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِىْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ ۚ
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ
الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۴ تا ۱۰۳

جو نیک عمل کرے گا اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو اس کی جدو جہد ضائع نہ جائے گی اور

بے شک ہم اس کو لکھ رہے ہیں۔ اور جس بستی کو ہم نے غارت کر دیا ہو ممکن نہیں ہے کہ وہ لوٹ کر (دنیا میں دوبارہ) آئیں گے۔ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے چلے آ رہے ہوں گے۔ اور جب سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آ جائے گا تو اس وقت کافروں کی آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی (اور کہیں گے) ہائے ہماری بدنصیبی ہم تو اسی غفلت میں تھے بلکہ ہم ظلم کرتے رہے تھے۔ (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ) تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت و بندگی کرتے تھے وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں اور تم وہاں تک پہنچ کر رہو گے۔ اگر یہ بت معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ پہنچتے۔ ان سب کو ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ وہ ان میں چلائیں گے۔ اور وہ اس (شور شرابے میں) کچھ نہ سن سکیں گے۔ وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ لوگ ان سے اتنے دور رہیں گے کہ وہ اس کی آہٹ بھی نہ سن سکیں گے۔ اور وہ اپنی من پسند چیزوں کے درمیان رہیں گے۔ وہ گھبراہٹ کے اس بڑے دن میں غم گین نہ ہوں گے۔ فرشتے ان کو لینے آئیں گے اور (کہیں گے کہ) آج تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۴ تا ۱۰۳

لَا كُفْرَانَ	ناقدری نہ ہوگی۔
سَعْیٌ	کوشش۔ جدوجہد۔
كَاتِبُوْنَ	لکھنے والے۔
فُتِحَتْ	کھول دی گئی۔
حَدَبٌ	ٹیلہ۔ بلند مقام۔
يَنْسِلُوْنَ	وہ گھستے چلے آئیں گے۔
شَاخِصَةٌ	پھٹ جانے والی۔

حَصَبُ	ایندھن۔ جلنے کی چیز۔
وَارِدُوْنَ	پہونچنے والے۔ اترنے والے۔
زَفِیْرٌ	چیخ وپکار۔
سَبَقَتْ	فیصلہ ہوچکا۔ گذر چکا۔
مُبْعَدُوْنَ	دور رہنے والے۔
حَسِیْسٌ	آہٹ۔ سرسراہٹ۔
اِشْتَهَتْ	من پسند۔
اَلْفَزَعُ	گھبراہٹ۔
تُوْعَدُوْنَ	وعدہ کیا جاتا ہے۔

تشریح: آیت نمبر ۹۴ تا ۱۰۳

فرمایا کہ وہ صاحب ایمان شخص جو کوئی بھی نیک یا بھلا کام کرے گا تو اس کی سعی، کوشش اور جدوجہد کو ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال کو لکھ رہے ہیں۔ اب جن بستیوں کے رہنے والوں کو ان کے برے اعمال اور کردار کی وجہ سے (عذاب یا موت سے) تباہ کیا جاچکا ہے ان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی عمل کے لئے اس دنیا میں لوٹ کر واپس آئیں اور بہتر عمل کی کوشش کرسکیں۔ قیامت کی علامتیں بتاتے ہوئے فرمایا کہ جب یاجوج ماجوج کی قوم جو سد ذوالقرنین کی وجہ سے رکی ہوئی ہے وہ دنیا پر ٹوٹ پڑے گی اور وہ لوگ ایک سیلاب کی طرح ہر بلندی سے پہاڑوں سے آرہے ہوں گے جیسے وہ اونچائی سے پھسل رہے ہیں وہ لوگوں کا بے دریغ قتل عام کریں گے اور ہر طرف بربادی مچا کر رکھ دیں گے۔ وہ اتنی بڑی طاقت ہوں گے کہ ان کو روکنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے اور ان کی بددعا سے قوم یاجوج وماجوج تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ فرمایا کہ جب تم یہ دیکھو کہ یاجوج ماجوج کا فتنہ عام ہوگیا ہے تو سمجھ لینا کہ اب قیامت بہت زیادہ دور نہیں ہے۔ قیامت کیا ہے؟ قیامت ایک ایسا ہیبت ناک دن ہوگا جب کافر اس کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں

پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ہر طرف کفار اور مشرکین کے لئے تباہی اور بربادی کا سامان ہوگا۔ اب وہ پچھتائیں گے، چلائیں گے اور کہیں گے کہ ہماری شامت آگئی ہے۔ وہ اس بات پر افسوس کریں گے کہ انہوں نے پوری زندگی اس غفلت میں گذار دی اور اپنے اس انجام کی طرف کبھی دھیان دینے کا موقع ہی نہ ملا اور اس پر شرمندہ ہوں گے کہ انہوں نے اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی ان تعلیمات کا کیوں انکار کیا جو ان کی ہدایت کے لئے وہ پیش کرتے تھے۔ فرمایا جائے گا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں اور کافر ہستیوں کی عبادت و بندگی کرتے تھے وہ سب کے سب آج جہنم کا ایندھن بن جائیں گے۔ وہ تمہیں جہنم سے کیسے بچا سکتے ہیں جب کہ وہ خود ہی دوزخ میں جلا دیئے جائیں گے۔ اگر وہ معبود ہوتے تو ان کی یہ درگت نہ بنتی۔ فرمایا جائے گا کہ اب ان سب کو اس جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے وہ روئیں گے، چلائیں گے اور اس شور شرابے میں کچھ بھی سن نہ سکیں گے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں کے لئے اللہ نے بھلائی کا فیصلہ کر دیا ہے وہ ان سے بہت دور ہوں گے۔ وہ آہٹ بھی نہ سنیں گے کہ جہنمیوں پر کیا گذر رہی ہے۔ وہ جنت کی ان نعمتوں اور راحتوں میں گذار رہے ہوں گے جہاں ہر چیز ان کی خواہش اور تمنا کے مطابق ہوگی۔ ہر طرف گھبراہٹ اور ہولنا کی کا ڈیرہ ہوگا لیکن یہ اہل جنت کسی طرح سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں گے۔ فرشتے مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہیں گے کہ آج تمہارا وہ مبارک دن ہے جس میں تمہیں وہ سب کچھ دے دیا گیا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

ان آیات کے سلسلے میں چند باتیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان شخص کی ہر جدوجہد اور کاوش کو پوری طرح قبول فرمائیں گے اور ان کی کوئی نیکی ضائع نہ کی جائے گی ان کے ایک ایک عمل کو فرشتے لکھ رہے ہیں اللہ اپنے نیک بندوں کی اس طرح قدر فرمائیں گے اور ان کو اتنا کچھ عطا فرمائیں گے جس کی وہ تمنا یا آرزو کر سکتے تھے۔

۲۔ قیامت کا دن ایک ہولناک اور ہیبت ناک دن ہوگا جہاں کوئی کسی کو نہ پوچھے گا اور ہر ایک کو اپنی نجات اور اعمال کی فکر دامن گیر ہوگی۔

۳۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ نے جن بستیوں، اس کے رہنے والوں اور بدعمل لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے وہ دوبارہ اس دنیا میں واپس آسکیں گے۔ کیونکہ جب کفار کو اپنا بُرا انجام سامنے نظر آئے گا وہ کہیں گے الٰہی! ہم سے بہت بڑی غفلت ہوگئی ہے اگر ہمیں دنیا میں جانے کا ایک اور موقع دے دیا جائے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اب ہم ہر وہ کام کریں گے جو آپ کا حکم ہوگا۔ لیکن اللہ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ عمل کرنے کی مہلت ختم ہو چکی ہے اب صرف فیصلے کا دن ہے کسی کو دوبارہ اس کا موقع نہیں دیا جائے گا موت کے فرشتے نظر آنے سے پہلے پہلے جس نے توبہ کر لی اس کی نجات ہونے کا امکان ہے لیکن جس نے پوری زندگی غفلت میں گذار دی ہو اس کا بُرا انجام اس کے سامنے ہوگا۔

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۶

وہ دن جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے جیسے ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا ہم اسے پھر لوٹا دیں گے۔ یہ وعدہ ہمارے ذمے ہے جسے ہم پورا کریں گے۔ اور بلاشبہ ہم نصیحت کے بعد زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے اس میں عبادت گذار بندوں کے لئے ایک بڑی خبر پہنچا دینا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۶

نَطْوِیْ — ہم لپیٹ دیں گے۔
طَیّ — لپیٹ دینا۔
اَلسِّجِلُّ — لکھے ہوئے کاغذ کا بنڈل۔
بَدَاْنَا — ہم نے ابتدا کی تھی۔
نُعِیْدُ — ہم لوٹا دیں گے۔
یَرِثُ — وارث ہوگا۔ مالک ہوگا۔
بَلٰغٌ — پہنچا دینا۔

تشریح: آیت نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۶

گذشتہ آیات میں قیامت کے ہولناک دن کا ذکر فرمایا گیا۔ان آیات میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ہم اس آسمان کو جو دنیا والوں کو بہت بڑا نظر آتا ہے اس طرح لپیٹ کر رکھ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے کاغذوں کو لپیٹ دیا جاتا ہے اور جس طرح اللہ نے پہلی مرتبہ انسان کو پیدا کیا تھا اسی طرح اس کو دوبارہ تخلیق فرمادیں گے یہ اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے بلکہ اس کی قدرت کے سامنے اس کام کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔فرمایا کہ اللہ کا ایک وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔

ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں اور اس کے بعد آنے والی کتابوں میں بھی لکھ دیا ہے کہ روئے زمین کے وارث اللہ کے نیک اور صالح بندے ہوں گے اور اللہ کی عبادت اور بندگی کرنے والوں کے لئے یہ ایک بہت بڑی خوشخبری ہے۔
علما مفسرین نے اس بات پر غور وفکر کیا ہے کہ اس میں خاص طور پر زبور کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔کیا اس سے مراد صرف زبور ہی ہے اس کے لئے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ زبور سے مراد تمام آسمانی کتابیں ہیں اور ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے اپنے نیک بندوں سے ہر زمانہ میں اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ جب بھی وہ نیکی اور پرہیز گاری کا کردار پیش کریں گے تو ان کو زمین کا وارث بنا دیا جائے گا۔بعض حضرات نے فرمایا کہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے۔بعض کا خیال یہ ہے کہ کفار کی سرزمین ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ پیشین گوئی فرمادی تھی کہ بہت جلد اہل ایمان کو کفار کی سرزمین پر غلبہ عطا کیا جائے گا۔بہر حال اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ جب بھی اہل ایمان اپنا بھر پور کردار ادا کریں گے ان کو ہر جگہ سر بلندی نصیب ہوگی اور یہی چیز ان کو جنت کی راحتوں تک پہنچانے کا ذریعہ بھی ہوگی۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾
قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

النصف ع ۷ ۱۹ ۷

ترجمہ آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۲

(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو تمام اہل جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔پھر کیا تم فرماں بردار ہو؟ پھر اگر وہ منہ پھیرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں اچھی طرح تو خبردار کر دیا ہے۔اور میں نہیں جانتا کہ جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے۔اللہ ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو پکار کر کہی جائیں اور اس کو بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو۔اور میں نہیں جانتا کہ (عذاب میں تاخیر) تمہارے لئے آزمائش ہے یا ایک خاص مدت تک فائدہ پہنچانے والا ہے۔

انہوں نے (نبی ﷺ نے) کہا کہ میرے پروردگار آپ حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے۔اور ہمارا رب بہت مہربان ہے اور اس سے مدد طلب کی جاتی ہے (ان باتوں پر) جو تم بتاتے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۲

اَرْسَلْنَا	ہم نے بھیجا۔
هَلْ	کیا۔
مُسْلِمُوْنَ	فرمانبرداری کرنے والے۔
اٰذَنْتُ	میں نے خبر دے دی۔
سَوَآءٌ	برابر۔پوری پوری۔
اِنْ اَدْرِیْ	میں نہیں جانتا۔
اَلْجَهْرُ	پکارنا۔زور سے کہنا
مَتَاعٌ	سامان راحت۔فائدہ۔
حِیْنٌ	زمانہ۔وقت۔
اَلْمُسْتَعَانُ	مدد طلب کی جاتی ہے۔

تشریح: آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبیؐ! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے آپ اہل ایمان کے لئے تو اس لئے رحمت ہیں کہ آپ کے ذریعہ ان کو اللہ کا وہ پیغام ہدایت نصیب ہوا جو قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے رحمت ہی رحمت ہے اور کفار اور مشرکین کے لئے بھی رحمت ہے کیونکہ آپ کی وجہ سے وہ قومیں اللہ کے اس عذاب سے محفوظ ہو گئی ہیں جو گذشتہ قوموں پر آئے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار و مشرکین کے لئے رحمت ہیں کہ جس طرح قوموں کے چہرے مسخ کر دیئے گئے، زمین میں دھنسا دیئے گئے اور ان کو ان کے کفر کے سبب جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان پر ان جیسے عذاب نہیں آئیں گے البتہ زلزلے، طوفان اور آپس کے لڑائی جھگڑوں وغیرہ کے عذاب ضرور آئیں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ عذاب بنا کر نہیں بھیجا۔ ایک مرتبہ کسی صحابیؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے، آپ نے فرمایا کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں لعنتیں بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ آپ کے ذریعہ اللہ نے انسانیت کو وہ رہبر و رہنما کتاب عطا کی ہے جس کے ذریعے یہ پوری کائنات ہر ایک کے لئے رحمت ہی رحمت بن جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ کہہ دیجئے کہ میرے اوپر اس اللہ کی طرف سے وحی نازل کی جاتی ہے جو تم سب کا رب اور الٰہ ہے۔ جس کو ماننے میں دیر نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ اس وحی الٰہی سے اپنا منہ پھیرتے ہیں ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں نے تمام حالات سے تمہیں پوری طرح آگاہ کر دیا۔ اگر تم نے اس کو مان لیا تو اس میں تمہارے لئے ہی بھلائی اور خیر ہے۔ فرمایا کہ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں نے اللہ کی طرف سے ہر بات کو واضح طریقے پر بیان کر دیا ہے۔ اب مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا وہ فیصلہ جلد آئے گا یا اس میں دیر ہوگی۔ اس بات کا علم صرف اس اللہ کو ہے جو ہر اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے جو انسان آہستہ سے کہتا ہے یا پکار کر کہتا ہے۔ فرمایا کہ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ تمہیں ایک دفعہ پھر مہلت دی جا رہی ہے تا کہ تم سمجھ کر سنبھل جاؤ۔ لیکن اگر وہ اپنی روش زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو پھر آپ کہہ دیجئے کہ ان کا جو بھی ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوگا اس کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں مدد مانگنے والے ہیں۔ وہی ہماری مدد فرمائے گا۔

اس مضمون پر الحمدللہ سورۃ الانبیاء کا ترجمہ اور تشریح تکمیل تک پہنچی۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆